

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224424

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۸۹۱۵۲۳۰۵ Accession No. U ۱۳۱۴
حارون

Author

Title حارون - جد سر ۵
۶۹۲۲ جنوری تا جون

This book should be returned on or before the date last marked below.

رجسٹر نمبر ۱۸۱ جنوری ۱۹۲۲ء

معارف

مجلس المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مُسْتَبَلَّہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفعہ اول المصنفین اعظم علیہ السلام

السيرة النبوية

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و غزوات، اخلاق و عادات اور تعلیم و ارشاد کا یہ عظیم شان کئی ذخیرہ جس کا نام سیرۃ النبی عام طور سے مشہور ہے، مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھ کر صحت و اہتمام کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے،

اب تک اس کتاب کے چھ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے بیکر فتح مکہ تک کے حالات اور غزوات ہیں، اور اب دہرے میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں فن سیرت کی تنقید و تاریخ خرد و سرے حصہ میں نکلیں دین، تائیس حکومت الہی، وفات، اخلاق و عادات، اعمال و عبادات، اور اہلیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے، تیسرے حصہ میں آپ کے معجزات و خصائص نبوت پر بحث ہے، اس میں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کی گئی ہیں، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بروایات صحیحہ ثابت ہیں، اس کے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کی گئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے جو آپ کے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں، اکوش کی گئی ہے کہ اس میں قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے عقائد لکھے جائیں، پانچویں حصہ میں عبادت کی حقیقت، عبادت کی تفصیل و تشریح اور ان کے مصالح و حکم کا بیان ہے اور دوسرے مذاہب کے عبادات سے ان کا مقابلہ و موازنہ ہے، چھٹے حصہ میں حقوق و فضائل، اور آداب کے عنوانوں اور اس کی ذیلی سرخیوں کے تحت اخلاقی تعلیمات کی تفصیل ہے،

| سیرۃ النبی حصہ اول | جم | قیمت اعلیٰ قیمت رعایتی قیمت چھوٹی قیمت | جم | قیمت اول | قیمت دوم |
|--------------------|-----|--|-------|----------|----------|
| ۳۵۱ | لکھ | ۲۳۸ | دوم | ۲۳۸ | ۲۳۸ |
| ۵۹۶ | لکھ | ۵۹۶ | سوم | ۵۹۶ | ۵۹۶ |
| ۶۰۶ | لکھ | ۶۰۶ | چہارم | ۶۰۶ | ۶۰۶ |
| ۳۶۸ | لکھ | ۳۶۸ | پنجم | ۳۶۸ | ۳۶۸ |
| ۶۱۲ | لکھ | ۶۱۲ | ششم | ۶۱۲ | ۶۱۲ |

رُتَبَةُ الْمَعْلَمِ

یعنی

معارف اعظم گدہ

کی

۵۳ ویں جلد

از جنوری ۱۹۴۴ء تا جون ۱۹۴۴ء

حُرَّتِ بَہ

سید سلیمان ندوی

عہدہ فاضل دس ای. اے. گدہ
مطبوعہ معارف پریس اعظم

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جنوری ۱۹۴۴ء تا جون ۱۹۴۴ء

(مہ ترتیب حروف تہجی)

| شمار | اسماء گرامی | صفحہ | شمار | اسماء گرامی | صفحہ |
|------|---------------------------------|-------|------|---|-------|
| ۱ | جناب مرزا احسان احمد صاحب | ۶۸ | ۷ | جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب | ۷۱ |
| | بی اسے ال ال بی علیگ اعظم گڑھ | | | ایم اے رفیق وارث المعنفین | |
| ۲ | نواب صدیر جنگ بہادر مولانا | ۷۳ | ۸ | جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی | ۷۴-۷۳ |
| | جیب الرحمن خان شہرانی | | | استاذ وینیات ڈھاکہ یونیورسٹی | |
| ۳ | جناب ڈاکٹر رشید الدین احمد صاحب | ۷۴ | ۹ | مولانا عبد السلام ندوی | ۷۴-۷۳ |
| | بی ایس سی علیگ خاٹا شیمبہ بک | | ۱۰ | جناب سید عبدالقادر صاحب ایم اے | ۷۴ |
| ۴ | مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی | ۷۵-۷۴ | | پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور | |
| | رفیق وارث المعنفین | ۷۶-۷۵ | ۱۱ | جناب عبد القیوم صاحب ایم اے کچہر ازمیدار کالج گڑھ | ۷۶ |
| ۵ | مولوی ریاض حسن صاحب خیال | ۷۶ | ۱۲ | جناب ڈاکٹر سید عبد اللہ صاحب ایم اے ڈی | ۷۶-۷۵ |
| ۶ | سید سیفان ندوی | ۷۷-۷۶ | | پچہر یونیورسٹی اور ٹیل کالج لاہور | |

فہرست مضامین

جلد ۵۳

جنوری ۱۹۴۴ء تا جون ۱۹۴۴ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

| شمار | مضمون | صفحہ | شمار | مضمون | صفحہ |
|-----------|--|------|----------------------------------|--------------------------------|------|
| ۲۹۰ | تصحیح فکر | ۸ | ۱۹۳، ۱۸۲، ۲۰۲ ۳۲۲، ۲۳۱ ۲۰۲ | شذرات | |
| ۸۵ | حکیم الامت کے آثار علیہ، | ۹ | | مقالات | |
| ۱۳۶ | حیدر آباد کی ایک تعلیمی جوہی، | ۱۰ | ۳۷۳ | ۱ آل انڈیا اسلامک کانفرنس کے | |
| ۳۲۵ | خطبہ صدارت مجوزہ اردو کا نفرین | ۱۱ | | اجلاس پیشا در کی روداد | |
| | بنگال، | | ۲۳ | ۲ ابن منظور افریقی اور اس کی | |
| ۳۴ | زندگی میں غم کیوں ہے، | ۱۲ | | لسان العرب پر ایک نظر، | |
| ۳۴۰ | سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمتِ شہ | ۱۳ | ۲۲۰ | ۳ اردو کی دو قدیم کتابیں | |
| ۲۱۷، ۲۹ | طب فرشتہ | ۱۴ | ۲۸۰-۱۸۶ | ۴ اسلامی اور غزنوی علم، | |
| ۲۹۶ | عہدِ مغلیہ کے دو پروانے | ۱۵ | ۳۵۵، ۲۴۵ ۴۲۱ | ۵ اسلامی معاشیات کے چند فقہی | |
| ۱۶۵ | قنوج | ۱۶ | | قانونی ابواب، | |
| ۴۵۴ | کچھ تفسیر رازی کے متعلق | ۱۷ | ۲۱۱ | ۶ انجمن ہائے قرضہ بے سودی | |
| ۲۶۸، ۱۱۹۹ | کلام قبل کی دقتیں و زبانی تشریح کی ضرورت | ۱۸ | ۱۱۲-۵ | ۷ تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی | |

| شمار | مضمون | صفحہ | شمار | مضمون | صفحہ |
|------|--------------------------------------|------|------|--|------|
| ۱۹ | موفق الدین عبداللطیف بغدادی | ۴۴۳ | | وفیات | |
| ۲۰ | نواح دہلی کی اردو کی دو قدیم نسخے | ۴۴ | ۱ | شمس العلماء مولانا حفیظ اللہ صاحب | ۴۳ |
| | کتب بین، | | | مرحوم سابق صدر مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء | |
| | استفسار جواب | | ۲ | وفات عیسیٰ | ۳۱۲ |
| ۱ | بوہرے | ۳۸۹ | | ادبیات | |
| ۲ | در التاج لغزۃ الدباج اور علا | ۴۶۳ | ۱ | آہ حکیم الامتہ | ۱۵۳ |
| | قطب الدین شیرازی | | ۲ | الصلوۃ والسلام علی سید الانام | ۲۷۵ |
| ۳ | رجب علی سرور اور اس کی ایک | ۳۰۹ | ۳ | پرستی | ۶۶ |
| | عرضداشت، | | ۴ | بھول گئے، | ۴۷۶ |
| ۴ | روایات معراج | ۶۰ | ۵ | پیام اقبال | ۳۹۳ |
| ۵ | عبد اسلامی بن تعلیم نسوان کی درسگاہ | ۳۷۷ | ۶ | تاریخچہ وفات حکیم الامتہ حضرت | ۱۵۴ |
| ۶ | فن تصوف اور محدثین و صوفیہ | ۲۹۹ | | مولانا اشرف علی تھانوی | |
| | میں تطبیق کی راہ | | ۷ | خیر جذبات | ۳۱۴ |
| ۷ | لفظ اللہ کے معنی اور اسم غلم کا تخیل | ۳۸۲ | ۸ | ذوق و شوق، | ۴۷۵ |
| ۸ | مسلمان سلاطین کے لوازم شہادت | ۵۰ | ۹ | ساحل طوفان | ۳۱۴ |
| | (تحت تاج، چتر و علم) | | ۱۰ | سرشار و خراب | ۳۹۴ |
| | باب المراسلۃ والناظرۃ | | ۱۱ | سیفر غیب، | ۱۴۸ |
| ۱۰ | ابن منصور کو چھانسی نہیں سونگئی تھی، | ۱۴۱ | ۱۲ | سوز و درد، | ۶۷ |

| شمار | مضمون | صفحه | شمار | مضمون | صفحه |
|------|-----------------|------|------|---|------------------------------------|
| ۱۳ | غزل دفر گنگوری | ۴۷۵ | ۲ | انگیزی ترجمہ قرآن مجید مولانا عبدالحق | ۶۸ |
| ۱۴ | غزل شفیق | ۳۹۴ | | صاحب دریا آبادی | |
| ۱۵ | غزل شیدا | ۳۱۵ | | آثار علمیہ و ادبیہ | |
| ۱۶ | غزل نجم احسن | ۶۵ | ۱ | مولوی ریاض حسن خان صاحب خیال | ۲۲۸ |
| ۱۷ | موج کوثر | ۲۲۲ | | کا مکتوب بنام محمد اسحاق خان صاحب مرحوم | |
| | تقریظ و الانقاد | | | سکرٹری محزون کا حج علی گڑھ | |
| ۱ | المہاج | ۷۱ | | مطبوعات جدیدہ | ۱۵۶، ۱۷۳، ۳۱۶، ۲۳۶، ۲۷۷، ۳۹۵ |

جلد ۵۳ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۴۲ء عدد ۱

مضامین

- شذرات، شاہ معین الدین احمد دہلوی، ۲ - ۴
- تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی، ۵ - ۲۲
- ابن منظور افریقی اور اسکی سان العرب پر ایک نظر، جناب عبدالقیوم صاحب لکچر زیند کا بج گزرتا، ۲۳ - ۳۳
- زندگی میں غم کیوں ہے؟ ڈاکٹر نوری الدین صاحب ایم اے بی ایچ ڈی، ۳۳ - ۴۴
- (لندن) پیرسٹریٹ لا، اتنا فلسفہ جاعثمانیہ، جناب ڈاکٹر رشید الدین صاحب ایم اے بی ایچ ڈی علی گنج شریف، ۴۴ - ۴۸
- نواح دہلی کی اردو کی دو قدیم زین کتابیں، نواب یار جنگ خان ناھیلیہ حسن خاں شروانی، ۴۹
- طب فرشتہ، مسلمان سلاطین کے نو (مہم شاہی تخت تاج) تجر و علم، ۵۰ - ۶۰
- روایات معراج، "س"، ۶۰ - ۶۲
- شمس العلماء مولانا حفیظ احمد مرحوم صاحب در ارام بندہ کلفنو، "س"، ۶۳ - ۶۴
- غزل، جناب نجم حسن صاحب ایڈیٹ پریٹا گڑھ اودھ، ۶۵ - ۶۶
- پرستی، جناب ثاقب، ۶۶ - ۶۷
- سوز و دروں، جناب اسد ملتانی، ۶۷ - ۶۸
- "انگریزی ترجمہ قرآن مجید" مولانا عبداللہ صاحب در ابادی، مرزا احسان احمد صاحب لائل بی علی گنج لکھنؤ، ۶۸ - ۷۱
- "المنہاج"، "ص ع"، ۷۱ - ۷۳
- مطبوعات جدیدہ، "م"، ۷۴ - ۸۰

جن اصحاب علم کے پاس ان دو ادین یا آزاد کیثنوی منظر المعجب کا کوئی نسخہ موجود نہ رہا کی کر کے مولانا موصوف کو اس سے مطلع فرمائیں، یہ ایک علمی خدمت ہوگی، دسویں دیوان کے آخر میں آزاد کے قلم سے دسوں دیوانوں کی تصنیف کے مختصر حالات ہیں، ثنوی منظر البرکات کا ایک عمدہ نسخہ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں موجود ہے،



انجمن عربیہ مہتممہ الہ آباد کا بجوں اور یونیورسٹیوں کے مسلمان طلبہ میں عربی زبان کی تعلیم کی ترغیب و تشویق اور ان کی حوصلہ افزائی کا کام عرصہ سے انجام دے رہی ہے، اس سلسلہ میں اس نے گزشتہ سال ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب لکچرار عربی کو نمٹ کالج لاہور کے انگریزی رسالے ”ہم عربی زبان کیوں سیکھیں“ (why we learn the Arabic language) کی بہت سی کاپیاں لکھنؤ الہ آباد اور علی گڑھ کی یونیورسٹیوں کے ایم اے کے طلبہ میں مفت تقسیم کیں، اب وہ ہائی اسکولوں اور انٹر میڈیٹ کے عربی طلبہ میں تقسیم کرنے کے لئے اس کا اردو ترجمہ شائع کرنا چاہتی ہے، کاغذ کی گرانی کی وجہ سے اس میں کافی مصارف ہوں گے، جس کا تحمل تنہا انجمن مذکور کے لئے دشوار ہے، اس لئے جو اصحاب خیر اس میں مالی مدد دینا چاہیں وہ پروفیسر نعیم الرحمن صاحب نمبر ۱ سیلی روڈ الہ آباد سے خط و کتابت فرمائیں،

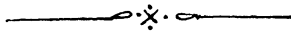


حیدرآباد کے ایک خانگی کتب خانہ میں حافظ ابن قیم جوزی کی جانب منسوب ایک کتاب ”احکام اہل الذمہ“ دستیاب ہوئی، ترجمہ مصنف کے کل پچاس ساٹھ سال بعد کی لکھی ہوئی ہے، اس کی ضخامت چھ سو صفحات ہے، کتاب کے آخر میں لکھا ہے کہ ”دوسرے حصہ میں دلیل غاس سے بیان شروع ہوگا“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اور بھی حصے ہیں، ابن جوزی کی معلوم کتابوں میں اس کتاب کا نام نہیں ہے اور نہ دنیا کے بڑے بڑے کتب خانوں کی فہرستوں میں اس کا کوئی ذکر ہے، اگر کسی صاحب علم

کی واقفیت میں اس کتاب کا کوئی اور نسخہ خصوصاً دوسرا حصہ ہو تو اس سے مطلع فرمائیں،



دارالمصنفین میں تاریخ اسلام کا جو وسیع سلسلہ شروع کیا گیا تھا وہ بجز اللہ ختم کے قریب ہوا اس میں تیرہ صدیوں کے اندر دنیا سے اسلام میں جتنی بڑی بڑی حکومتیں قائم ہوئیں ان سب کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ ہوگی، اس سلسلہ کی تیسری جلد بنی عباس کی تاریخ کا پہلا حصہ زیر طباعت ہے، عباسی حکومت کسی نہ کسی شکل میں تقریباً پچھتر تک قائم رہی اور اس کے گونا گوں علمی و تمدنی کارنامے ہیں، اس لئے اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دینا پڑا، پہلے حصہ میں عہد عروج کی تاریخ ہے، دوسرے میں دور زوال کی تیسرا حصہ علمی اور تمدنی کارناموں پر مشتمل ہوگا، تاریخ ہند کے سلسلہ کے بعض حصے بھی تیار ہیں، امید ہے کہ اس سال اس کا پہلا حصہ جو سندھ میں اسلامی حکومت کی تاریخ کے متعلق ہے پریس میں چلا جائے۔



گذشتہ معارف میں حیات شبلی کی تیاری کی اطلاع دی جا چکی ہے، صرف تصویروں کے ہلاک کی تیاری میں کچھ دیر ہو گئی تھی، اب تصویریں بھی چھپ گئی ہیں، اور کتاب بالکل تیار ہے، اس کی مفتاح مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہیں، دارالمصنفین، ندوہ، مدرستہ الاصلاح سرسے میرادر شبلی انٹر کالج کی عمارتوں کے ۱۳ ہاٹ ٹون ہلاک ہوئے ہیں، کاغذ اور دوسرے سامان طباعت کی موجودہ گزرائی کے اعتبار سے کتاب کی تیاری پر بڑی لاگت آئی ہے، لیکن شائقین کی سہولت اور عام اشاعت کے خیال سے علاوہ محصول ڈاک کل آٹھ روپیے قیمت رکھی گئی ہے،

علم و ادب کے ایک شائق کے پاس نظامی گنجوی کی مثنوی شیریں خسرو کا ایک تہ قلمی نسخہ بھی حالت میں ہی مفتاح کی تعداد دو سو تتر اور جلد مطلقاً ہجود اُسے الگ کرنا چاہتے ہیں، جو صاحب ذوق اس کو خریدنا چاہیں وہ جتنا حاجن صاحب ایم اے قیصرین رامپور روڈ دہرہ دون سے خط و کتابت کریں،

مقالہ

تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۵)

ملوکیت کے بعد کلام مجید کے نزول اس کی ترتیب و تدوین کی تاریخ اور تفسیر قرآن کی بحث ہے اول الذکر خالص تاریخی ہے اس نے مصنف کو اس میں اپنے ذاتی خیالات کی آمیزش اور تدلیس کا بہت کم موقع ملا ہے اور ایک دو معمولی فروگزاشتوں کے علاوہ باقی ان کے بیانات صحیح ہیں لیکن تفسیر کی بحث میں انہوں نے حسب معمول صحیح اور غلط واقعات کو اس طرح خلط ملط کر دیا ہے اور ان سے ایسے غلط نتائج نکالے ہیں کہ اس سے تفسیروں کا اعتبار اڑھٹھا جاتا ہے اس بحث میں انہوں نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ صحابہ کرام نے خیر قرآن کی جانب زیادہ اعتناء نہیں کیا سب سے اول تابعین نے تفسیر لکھنے کی طرف توجہ کی لیکن اس دور میں پورے قرآن کی تفسیر نہیں لکھی گئی اس کا آغاز چوتھی صدی سے ہوا اس دور میں بیرونی اثرات کی وجہ سے بہت سے غیر قوموں کے خیالات اور ان کی دوازا کا روایات تفسیر میں شامل ہو گئیں چنانچہ لکھتے ہیں :-

”قرآن کریم کا زیادہ حصہ آیات حکمت پر مشتمل تھا جن میں داور و نواہی و فرائض کے احکام وغیرہ ہوتے تھے“

جن پر مسلمان اسی وقت عمل شروع کر دیتے تھے..... جو آیات تشابہات نازل ہوتی تھیں..... ان پر غور

کو بحث و مباحثہ کی ممانعت کر دی گئی تھی، لیکن ساتھ ہی قرآن کریم کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جس پر مدبر و فکر کی دعوت بار بار دی گئی ہے، اور جس کے سمجھنے کی انسان کو ضرورت ہے،.... معمولی انسان اور مفرط نفس سے متعلق آیات کو فوراً سمجھ لیتے تھے، لیکن بہت سے مضامین ایسے ہوتے تھے، جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھے، اس لیے جب صحابہ کرام کو کسی آیت کے صحیح مطلب سمجھنے میں وقت ہوتا، تو وہ خود رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر سمجھ لیتے تھے،.... اور خود آنحضرت ﷺ بھی آیات الہی کی ضروری تشریح صحابہ کرام کے سامنے کر دیا کرتے تھے۔"

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں یہ کسی نے تفسیر لکھنے کی کوشش کی، نہ تفسیر کے متعلق زیادہ روایات ہیں،.... وہ تمام تفسیری روایتیں جو صحابہ کرام کے ذریعہ رسول سے آئیں، کل ہیں صفحات پندرہ بن ۱۲۳)

"خلفائے راشدین، حضرت عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب اور زید بن ثابت نے بہت سی آیات قرآنی کی تفسیریں روایت کیں، لیکن پہلی صدی کے اخیر تک کوئی تفسیر کتابی شکل میں نہیں لکھی گئی (۱۲۴)۔"

"عبد صحابہ کے بعد تابعین کا دور آیا، اس وقت سب سے پہلے تفسیر لکھنے کا خیال پیدا ہوا، اور مسلمانوں کو اس طرف توجہ ہوئی اور انھوں نے احادیث رسول اور تفسیر دن کو لکھنے کا ارادہ کیا، (۱۲۵ ص ۱۲۴)

"سب سے پہلی تفسیر مجاہد بن جبر المتوفی ۱۵۱ھ نے لکھی، تاریخ القرآن میں سعید بن جبیر کو پہلا مفسر قرآن بتایا گیا ہے، لیکن ابن خلکان کے بیان کے مطابق سب سے پہلی تفسیر اسلام میں ابن جریج نے لکھی، یہ ۱۵۱ھ میں ایمان لائے، اور ۱۵۵ھ میں وفات پائی، اس زمانہ میں ان کے علاوہ عطاء ابن دینار المتوفی ۱۶۱ھ، قتال بن سلیمان المتوفی ۱۵۵ھ، سفیان ثوری المتوفی ۱۶۱ھ اور دیگر چند علمائے تفسیر میں کتب کی تصنیف کا آغاز کیا، لیکن تیسری صدی کے آخر تک پورے قرآن کی

تفسیر کا ثبوت نہیں ملتا، ہارون الرشید کے زمانہ میں جب جعفر برکی نے کانڈ کو رائج کیا، تو کثرت کا شوق بڑھا، اس زمانہ میں پورے قرآن کی تفسیریں بھی لکھی گئیں، (ص ۱۴۴)

”اسلام کے دوران یعنی خلافت راشدہ کے ختم ہونے تک رومی اور عجمی عقائد کی زہریلی ہوائیں اس مضبوط حصار میں داخل نہ ہونے پائی تھیں،..... لیکن جب خلافت کو سلطنت کا جامہ پہنا دیا گیا، درخفا کے بجائے لوک و سلاطین مسلط ہوئے جنھوں نے حکومت کو اپنے خاندان میں محفوظ رکھنے کے لئے خود قرآن کریم کے مستقر اول یعنی مکہ اور مدینہ و وون بلا و امنا کو میدان کارزار و فتنہ و فساد بنا ڈالا، اور اسلام اپنے وطن سے بے گانہ سا ہو گیا، تو رومی اور عجمی عقائد کی طوفان خیز ہواؤں کو کون روک سکتا تھا، جب چین کا باغبان غافل ہو تو گلچین کے دست برو سے اس کو کون محفوظ رکھ سکتا ہے جب عرب کے یہود و نصاریٰ اور ایران کے مجوسیوں نے اسلام میں داخل ہونا شروع کیا تو یہ سب اپنے آبا و اجداد کے مذہبی تحلیات قدیم و پارشہ روایات اپنے ساتھ لے کر آئے، اور کوئی طاقت ان کو روکنے یا اصلاح کرنے والی نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ان قصص و روایات اور اسرائیلیات و خرافات کا ایک بے پناہ سیلاب اسلام میں داخل ہو گیا، اور اس کے سیدھے سادے اور فطری اصول و عقائد کے صاف نشانات چشموں کو اپنے ساتھ لائی ہوئی گندگیوں میں آلودہ کر دیا، (ص ۱۴۶)

”لکھن عالم تخلیق آدم اور گذشتہ انبیاء کے واقعات و قصص جب مسلمانوں کے سامنے قرآن مجید میں آئے تو انھوں نے ان کو یہودی علماء سے دریافت کرنا شروع کر دیا، کیونکہ ان تمام چیزوں کا ذکر ان کی کتابوں میں آچکا تھا، (ص ۱۴۷)

مصنف کا یہ بیان اگرچہ انفرادی واقعات کی حیثیت سے ایک حد تک صحیح ہے لیکن اغلاط سے پاک نہیں، اور ان واقعات کا صرف ایک ہی رخ دکھایا گیا ہے، خصوصاً جس نہج اور ترتیب سے اس کو پیش کیا گیا ہے، اور اس سے جو نتائج نکلتے ہیں، وہ سراسر غلط ہیں، اس بیان کے پڑھنے سے یہ اثر پڑتا ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہؓ

تفسیر قرآن کا زیادہ اہتمام نہ تھا، کلام اللہ کا بڑا حصہ صحابہ خود سمجھ لیتے تھے جو نہ سمجھ سکتے تھے، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا کرتے تھے، یا آپ خود اس کی تشریح فرمادیا کرتے تھے، اسی لئے صحابہ سے تفسیر کی زیادہ روایتیں ہیں اور نہ انھوں نے تفسیر لکھنے کی طرف توجہ کی، سب سے اول تابعین کو اور پھر توجہ ہوئی، لیکن انھوں نے پورے قرآن کی تفسیر نہیں لکھی، اس کا آغاز چوتھی صدی میں ہوا، اس وقت یہود و نصاریٰ اور عیسویوں کے خیالات و روایات مسلمانوں میں پھیل چکے تھے، جو تفسیر میں داخل ہو گئے تھے، اس لئے یہ تفسیریں لائق اعتماد نہیں،

ان میں سے ایک نتیجہ بھی صحیح نہیں، مصنف کو اتنا تو تسلیم ہی ہو گا، کہ قرآن مجید ہی اسلام کی بنیاد اور مسلمانوں کی دینی اور دنیوی صلاح و فلاح کا واحد صحیفہ ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے لئے مبعوث ہوئے تھے، اس لئے آپ کا سب سے مقدم فرض اس کی وضاحت و تشریح اور مسلمانوں میں اس کی تعلیم کی اشاعت تھا، اس لئے اس کی تعلیم کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے، اتنی مصنف کے بیان سے ظاہر ہوتی ہے، کہ صحابہ خود قرآن کو سمجھ لیتے تھے، اور جہاں کوئی مشکل پیش آتی تھی، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے تھے، یا آپ خود اس کی تشریح فرمادیتے تھے، اور اسی پر قرآن کی تعلیم و تشریح ختم ہو جاتی تھی، اس کے برخلاف عبداللہ بن عبدصاحبہ عبدہ تابعین ہر دور میں کلام مجید کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا، جن صحابہ میں تعلیم و تعلم کی صلاحیت تھی، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خصوصیت کے ساتھ قرآن کی تعلیم دیتے تھے، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور بعض دوسرے صحابہ کو اپنے خاص طور سے خود قرآن کی تعلیم دی تھی، حضرت ابی بن کعبؓ نے پورے قرآن کی تعلیم خود زبان مبارک سے پائی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے آپؐ سے ستر سو تین سیکھیں، حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ عنہم نے بھی قرآن کی تعلیم براہ راست زبان وحی والہام سے حاصل کی تھی، گو عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ نوجوان تھے، لیکن ان دونوں میں قرآن کی فطری صلاحیت تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ

کے لئے دعا فرمائی تھی کہ خدایا ان کو دین میں سچا تہذیبی آلہ کا علم عطا فرما، اس دعا سے مستجاب کے اثر اور اپنے شوق و محنت سے وہ جماعت صحابہ بن قرآن کے اتنے بڑے عالم بن گئے تھے، کہ ترجمان القرآن لقب ملا تھا، عبداللہ بن عمرؓ میں نعم قرآن کا ایسا ملکہ تھا کہ گو وہ نوجوان تھے لیکن اکابر صحابہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی طرح مجلسوں میں شریک ہوتے تھے، اور اس مجمع میں ان کے نعم قرآن کے جوہر نمایان نظر آتے تھے،

اس انفرادی طریقہ تعلیم کے علاوہ تعلیم قرآن کے اجتماعی حصے بھی تھے جن میں صحابہ کرام باہم مذاکرہ کرتے تھے، ان میں کبھی کبھی آنحضرت ﷺ بھی شریک ہوتے تھے، صفہ کی درسگاہ میں دو حلقے تھے، ایک اصحاب ذکر و فکر کا، دوسرا قرا کا، آنحضرت ﷺ جب تشریف لاتے، تو قرا کے حلقہ میں بیٹھتے، اور فرماتے کہ میں علم بنا کر بیچا گیا ہوں، اس درس گاہ میں حافظ قرآن صحابہ تعلیم دیتے تھے جن میں ایک حضرت عبادہ بن صامتؓ تھے جن لوگوں کو کاروبار کی مشغولیت کی وجہ سے دن کو تعلیم کا موقع نہ ملتا تھا، ان کے لئے رات کی تعلیم کا انتظام تھا، چنانچہ بعض اصحاب صفہ رات کو قرآن کی تعلیم حاصل کرتے تھے،

جو جدید الاسلام اشخاص اور قبائل مدینہ سے دور رہتے تھے، اور ان کو مدینہ آنے کا کم موقع ملتا تھا، ان کی تعلیم انصار کے سپرد تھی، وفد عبدالقیس کا بیان ہے، کہ انصار ہم کو ہمارے رب کی کتاب اور ہمارے نبی کی سنت کی تعلیم دیتے تھے، اس قسم کے جدید الاسلام قبائل کی تعلیم کے اور بہت سے واقعات حدیث و سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں،

جو اشخاص یا قبائل کسی مذہوری کی بنا پر مدینہ نہیں آسکتے تھے یا بقدر ضرورت یہاں قیام نہیں کر سکتے تھے، ان کی تعلیم کبھی وہاں کے مسلمان عمال کے سپرد کر دی جاتی تھی، اور کبھی مستقل معلم بھیجے جاتے تھے، چنانچہ بنی مسلمانوں کی قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم حضرت معاذ بن جبلؓ کے متعلق تھی، جو وہاں کے قاضی تھے، ہجرت

۱۵ مترک حاکم جلد ۳ ص ۵۳۴ بخاری کتاب التفسیر سورۃ ابراہیم و کتاب علم باب الغم ۱۵ ابوداؤد فضل العلماء و احث علی العلم ۱۵ منہاجین ص ۵۳۴ ج ۵ ص ۲۲۲ ۱۵ ایضاً ۱۵ اسد الغابہ ج ۴ ص ۷۵ استیعاب ذکر معاذ بن جبل

پہلے جب مدینہ کے چند انصاری گھرانوں نے اسلام قبول کیا، تو ان کی تعلیم قرآن کے لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ ابن ام مکتومؓ بھیجے گئے، تعلیم قرآن سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے، کہ وہ محض ناظر اور حفظ قرآن تک محدود تھے، بلکہ حسب ضرورت قرآن اور قرآن کی تفسیر و تشریح ہر طرح کی تعلیم ہوتی تھی، بعض لوگ محض قرآن یا احکام کی آیات سیکھتے تھے، بعض پوری تکمیل کرتے تھے، حضرت ابی بن کعبؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہم کو دس آیتیں پڑھاتے تھے، تو اس وقت تک ہم آگے نہ بڑھتے تھے جب تک ان پر عمل نہ سیکھ لیتے تھے؟ ابن عباسؓ کی ایک اور روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی شخص دس آیتیں سیکھ لیتا تھا، تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتا تھا جب تک ان کے معنی اور ان پر عمل نہ سیکھ لیتا تھا؟

تابعین کے زمانہ میں بھی تعلیم کا یہی انداز تھا، ابو عبد الرحمن سہلی تابعی کا بیان ہے کہ جب ہم قرآن کی دس آیتیں سیکھ لیتے تھے، تو اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے جب تک ان کے حلال و حرام اور امر و نہی سے پوری طرح واقف نہ ہو جاتے؟

مشہور مفسر تابعی مجاہد بن جبر نے ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کامل تیس مرتبہ قرآن کا دورہ کیا تھا، اور اس محنت کے ساتھ کہ ہر سورہ کے جملہ متعلقات کی پوری تحقیق کرتے جاتے تھے؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنے محبوب غلام اور نامور تابعی عالم مکرّمہ کو اس توجہ اور انہماک سے تعلیم دی تھی کہ اپنا سارا علم ان کے سینہ میں منتقل کر دیا تھا، ان کے فیض سے مکرّمہ جماعت تابعین میں بڑے نامور عالم ہوئے، خصوصاً تفسیر میں ابن عباسؓ کے تمام تلامذہ میں وہ ممتاز تھے؟

حفاظ قرآن صحابہ خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے فیض سے تابعین میں بڑے بڑے مفسر پیدا ہوئے ان میں سعید بن جبیر، ضحاک بن مزاحم، عطاء بن رباح، حسن بصری اور محمد بن کعب قرظی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

۱۵ بخاری کتاب التفسیر ۱۵ تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۳۲ ۱۶ ابن جریر ج ۱ ص ۲۹ ۱۷ تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۲۶۵

ان میں سے ہر ایک امام تفسیر تھا، سید بن جبیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگرد و شید تھے، قرأت اور تفسیر دونوں کی تعلیم انہی سے حاصل کی تھی، اور جماعت مفسرین میں امام وقت شمار ہوتے تھے، عطاء بن رباح نے ابن عباسؓ کے علاوہ اور بزرگوں سے بھی استفادہ کیا تھا، یہی جلیل القدر عالم اور مفسر قرآن تھے، تفسیر کا درس بھی دیتے تھے۔ حضرت حسن بصری علم باطن کے ساتھ علم ظاہر کے بھی جلیل القدر عالم تھے، تفسیر میں خاص ملکہ تھا، اور اس کا درس بھی دیتے تھے، محمد بن کعب قرظی بھی نامور عالم قرآن تھے، یہ تو صحابہ کرام اور تابعین کے انفرادی حلقہ سے درس کا حال تھا، حکومت کی جانب سے علحدہ قرآن کی تعلیم کا نہایت مکمل انتظام تھا، حضرت عزنے تمام مفہوم ممالک میں قرآن کے مداس قائم کئے، اور قرآ صحابہ کو ان میں تعلیم کے لئے بھیجا، حضرت عبادہ بن صامتؓ معاذ بن جبل اور ابوہریرہؓ انصاریؓ کو شام بھیجا، حضرت عبادہؓ نے حصص میں قیام کیا، ابوہریرہؓ نے دمشق کو مستقر بنایا معاذ بن جبل نے فلسطین میں اقامت اختیار کی، پھر عبادہؓ بھی اسی ارض مقدس میں چلے آئے، عمران بن حصین قرآن اور فقہ کی تعلیم کے لئے بصرہ بھیجے گئے، ایک قاری ابوسفیان کو بدوؤں کی تعلیم کے لئے مقرر کیا، وہ قبائل کا دورہ کر کے ہر شخص کا امتحان لیتے تھے، جس کو قرآن یاد نہ ہوتا تھا اس کو سزا دیتے تھے، سورہ بقرہ، مادہ، حج اور نور کا جن میں احکام و فرائض ہیں، ہر شخص کے لئے سیکھنا ضروری قرار دیا، اس سے ظاہر ہے کہ اس میں تفسیر بھی شامل تھی قرآن کے معنی اور مفہوم کو صحیح سمجھنے کے لئے لغت اور کلام عرب کی تعلیم کی ہدایت کی، غیر عالم لغت کو قرآن کی تعلیم دینے کی ممانعت کر دی۔

انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر تابعین کے زمانہ تک کے تعلیم قرآن کے نظام کا یہ سرسری خاکہ ہے، اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان زمانوں میں قرآن کی تعلیم کی کتنی اہمیت تھی اور اس کا کتنا اہتمام تھا،

۱۔ ابن عساکر ج ۱، ص ۲۰۰ و ۲۰۵ ابن سعد ج ۵ ص ۴۴ ۳۔ شذرات الذہب ج ۱، ص ۱۳، و تہذیب

تذکرہ جابر بن زید ۴۔ تہذیب جلد ۹ ص ۶۱ ۵۔ اسلامیات تذکرہ عبادہ بن صامت ۶۔ فتوح البلدان بلاذری ۲۵

۷۔ احبابہ تذکرہ اوصل بن خالد ۸۔ کنز العمال ج ۱، ص ۲۲۴ ۹۔ کنز العمال،

مصنف کے بیان کے مطابق محض اسی پر بس نہیں تھا، اگر احکام و فرائض و کلمات خود صحابہ سمجھ لیتے تھے، اور جب کسی صحابی کو کسی آیت کا صحیح مطلب سمجھنے میں دقت ہوتی تو وہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیتے یا آپ خود ضروری تشریح فرمادیتے، اگر مصنف کا بیان صرف اسی حد تک ہوتا تو بھی ہم کو اس کے ماننے میں تاثر نہ ہوتا لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اس دور میں تعلیم و تفسیر قرآن کا اہتمام نہ تھا، اسی لئے حیات نبوی میں نہ کسی نے تفسیر لکھنے کی کوشش کی، اور نہ تفسیر کے متعلق صحابہ کی زیادہ روایات ہیں، بلکہ ان کی پوری تعداد بیس سے زیادہ نہیں بڑھتی، کس قدر غلط ہے،

بشک رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کوئی تفسیر نہیں لکھی گئی، لیکن اس بنا پر نہیں کہ اس کی کوئی آیت نہ تھی، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں تفسیر لکھنے کی ضرورت ہی کیا تھی، صاحب وحی و الامام ان کے دنیا خود موجود تھے، پھر عبد صحابہ بن اکابر صحابہ خود عالم قرآن تھے، اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی، کہ اس زمانہ میں کسی علم و فن کو قلمبند کرنے کا رواج ہی نہ تھا، اور اس کا خزانہ علماء کا سینہ ہوتا تھا، عرب جاہلی کا سارا کلام محض سینوں میں محفوظ تھا، تعلیم و اشاعت کا طریقہ زبانی درس و روایت تھا، بنی امیہ کے زمانہ تک یہی طریقہ رائج رہا،

اگرچہ تاریخوں میں اس عہد کی بعض تالیفات کا ذکر ہے، لیکن وہ نہ ہونے کے برابر ہیں، تصنیف و تالیف کا باقاعدہ آغاز عباسی دور سے ہوا، لیکن تحریری یادداشتوں کا طریقہ عہد نبوی میں بھی تھا، چنانچہ متعدد صحابہ حدیث کے متعلق یادداشتیں قلمبند کرتے تھے، حضرت ابی ابن کعبؓ کی تو ایک تفسیری کتاب کا بھی ثبوت ملتا ہے، شیخ محمد خضریٰ ثمالی لکھتے ہیں، کہ ابی بن کعبؓ کا ایک بڑا تفسیری نسخہ موجود تھا، جس سے ابن جریر، ابن ابی حاتم، احمد بن حنبل اور حاکم نے اپنی کتابوں میں فائدہ اٹھایا ہے، تابعین میں مجاہد بن جبر اور سعید بن جبیر تبع تابعین میں ابن جریر کے متعلق خود مصنف کو اعتراف ہے، کہ انھوں نے تفسیریں لکھیں، گو وہ ان کے نزدیک پورے قرآن کی تفسیر نہ تھیں، تاہم اس سے کم از کم اتنا ثابت ہے، کہ گو اس زمانہ میں تفسیر پر موجود اصطلاح کے مفاسد متسلل کتابین نہ لکھی گئیں

لیکن ان کے متعلق تحریری سرمایہ فراہم ہو گیا تھا، مصنف کا یہ بیان کس درجہ مضحکہ خیز ہے کہ صحابہ سے تفسیری روایتیں بہت کم مروی ہیں، اور ان کی تعداد میں صفحوں سے زیادہ نہیں لطف یہ ہے کہ اس کے ساتھ یہ اعتراف بھی ہے کہ خلفائے راشدین حضرت عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب اور زید بن ثابت نے بہت سی آیات قرآنی کی تفسیریں روایت کیں، کیا سات صحابہ کرام کی بہت سی تفسیری روایات مل کر بھی بیس صفحوں سے زیادہ نہ ہوں گی، اگر گننا ابن عباسؓ کی روایات لے لی جائیں تو بھی ایک پوری کتاب تیار ہو جائے، مصنف نے ایک موقع پر ابن جریر کی بڑی تعریف کی ہے لکھتے ہیں۔۔۔

”ابن جریر کی تفسیر کو خاص اہمیت حاصل ہے، اس کو امام التفسیر کہا جاتا ہے، اور بعض علماء کا قول اس تفسیر کے متعلق یہ ہے کہ اگر کسی نے چین تک کا سفر تفسیر طبری (ابن جریر) کو چل کرنے کے لئے کیا تو بھی کوئی زحمت نہیں اٹھائی، اس تفسیر میں سب سے پہلے ذہنی کاوش اور دماغی کوشش سے کام لیا گیا ہے اور اس وقت تک جتنے علوم قرآن کی تفسیر کے متعلق جمع ہو چکے تھے، اس میں ان سب کو جمع کر دیا گیا ہے، اور ساتھ ہی ہر روایت کی سند بھی دے دی گئی ہے۔“

یہ کتاب تینس جلدوں میں ہے، اور اس میں تمام تر روایات ہی روایات ہیں، لیکن ان روایات میں صحابہ کرام کی مستند روایات کا بھی مقدمہ حصہ ہے، اس کے بعد یہ کہنا کہ صحابہ کرام کی روایات میں صفحوں سے زیادہ نہیں کس درجہ حیرت انگیز ہے،

مصنف کا یہ بیان تشریح طلب ہے کہ تابعین نے پورے قرآن کی تفسیر نہیں لکھی، اگر اس سے ان کی میزائے موجودہ کتابوں کے طرز پر پورے قرآن کی مرتب تفسیر نہیں لکھی، تو یہ صحیح ہے، اور اس کی وجہ وہی ہے جس کا ذکر کر کیا گیا کہ اس زمانہ میں کتابوں کے لکھنے کا طریقہ نہ تھا، اور اگر یہ مراد ہے کہ قرآنی مشکلات کا حل باقی رہ گیا جس کو بعد کے مصنفین نے اپنی ذہانت سے گرٹھا، تو یہ غلط ہے، تمام مشکلات قرآنی کا حل خود آنحضرت ﷺ سے منقول اور صحابہ کرام سے مروی ہے، جو حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں محفوظ ہے، یہ اور بات ہے کہ بعد کے علماء

وضیفین نے اپنے علم و نظر اور اپنے اپنے زمانہ کے مذاق کے مطابق اس میں اور اضافے کئے، صرف ابن جریر کی روایات اس کے ثبوت کے لئے کافی ہیں کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں کلام مجید کی کسی حل طلبیہ کی تشریح باقی نہ رہ گئی تھی، گو وہ بعد میں کتب صورت میں مدون ہوئی، اس لئے تفسیر و تفسیروں کے بعد میں مدون ہونے سے کلام مجید کی صحت تفسیر پر اثر نہیں پڑ سکتا،

یہ بھی واضح رہے کہ کلام مجید کی ہر آیت کی تفسیر تو کسی بڑی بڑی تفسیر میں بھی نہیں، بہت سی آیات اتنی ظاہر و واضح ہیں، کہ ان کی تفسیر کی ضرورت ہی نہ تھی، بعض اہم شکلات کی تحقیق تمام مفسرین نے تفسیر کی ہے، بعض ایسی ہیں جن کی تفسیر بعض مفسرین کے نزدیک ضروری تھی بعض کے نزدیک غیر ضروری اس کی مثال بلاشبہ دنیاوی کتابوں کی شرح سے دیجا سکتی ہے کہ ایک کتاب کی مختلف تشریحیں لکھی جاتی ہیں، جامعیت کے اعتبار سے ممکن ہے ایک شرح دوسری سے بہتر ہو، لیکن پوری کتاب کی تشریحیں سب کلامیں گی، اس لئے دیکھنا صرف یہ چاہئے کہ مجموعی حیثیت سے تمام حل طلب آیات کی تفسیر آنحضرت ﷺ سے صحابہ کی زبانی منقول ہے یا نہیں، اگر ہے تو پورے قرآن کی تفسیر کے لئے اتنا کافی ہے یا ضروری نہیں کہ مرتب طریقہ سے کسی ایک کتاب میں مدون یا کسی ایک صحابی یا ایک تابعی سے منقول ہو، یہ واضح رہے کہ صحابہ کی جن تفسیری روایات میں آنحضرت ﷺ سے سماع کی تصریح نہیں ہے، وہ بھی درحقیقت آپ ہی سے سُنی ہوئی ہیں، یا کم از کم صحابہ کرام کے فم قرآن کا نتیجہ ہیں جو آنحضرت ﷺ کی تعلیم کا فیض ہے،

یہ انکشاف بالکل نیا ہے، کہ ہارون رشید کے زمانہ میں جب بھرنے کاغذ کو رائج کیا، اس وقت کتابت کا شوق بڑھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کاغذ رائج نہ ہوا تھا، ممکن ہوا تھا، اسلام میں عربیوں کا استعمال نہ ہوتا ہوا، لیکن عہد نبوی کے آخرین تو رائج ہو چکا تھا، بخاری کی حدیث قرطاس تو بہت مشہور ہے، مصنف کو یہ تو سوچنا چاہئے تھا کہ خلفائے راشدین اور بنی امیہ کے زمانہ میں اتنی بڑی سلطنت کا دفتری کاروبار کیا صرف ادنٹ کی ہڈیوں اور کھجور کے پتوں سے چلتا تھا، حضرت عمرؓ کی کے زمانہ میں باقاعدہ رجسٹر تیار ہو گئے تھے، لیکن مصنف کو

عقل و درایت سے کیا سرکار کا دامن تو محض اعتراض چاہئے، خواہ وہ کتنا ہی بے سرو پا کیوں نہ ہو،
 تسلیم ہے کہ ملوک و سلاطین کے زمانہ میں اسلام کے حصار میں رومی و عجمی عقائد کی طوفان خیز آندھیاں مین
 اس سے بھی انکار نہیں کہ عرب کے یہود و نصاریٰ اور ایران کے مجوسی اپنے بابا و اجداد کے مذہبی تخیلات اور پارہینہ
 روایات اپنے ساتھ لائے، اور ان کے قصص و روایات و اسرائیلیات و خرافات کا بے پناہ سیلاب اسلام میں داخل ہو گیا
 لیکن یہ غلط ہے کہ اس کا سبب ملوکیت تھی، اور اس کا کوئی روکنے والا نہ تھا، اور ان بیرونی اثرات
 کی آمیزش کی وجہ سے حدیث و تفسیر کا سارا دفر بے کار ہو گیا، ملوکیت کو اس سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ جیسا کہ
 ہم نے کسی مقام پر کہا ہے، یہ غفلت تو مومن اور مذہبون کے باہمی احتلاط کا نظری نتیجہ تھا جس کے ابتدائی اثرات
 خلافت راشدہ ہی کے زمانہ سے شروع ہو گئے تھے، لیکن اس کا پورا طور اموی اور عباسی عہد میں ہوا، جس کو حکومت
 اور اسلام کے اصلی مخالفین یعنی صحابہ تابعین اور علما و محدثین نے روکنے کی پوری کوشش کی،
 مصنف کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام نے اپنی اور مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری تنہا حکومت پر کبھی
 نہیں رکھی ہے، بلکہ یہ فرض علی قدر مراتب تمام مسلمانوں پر عائد کیا ہے، اور اس کے سبب بڑے ذمہ دار خالین
 قرآن و حدیث ہیں، اور ائمہ کرام مسلمانوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والی جماعت
 ہر دور میں موجود رہی ہے، خود خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی جنھوں نے اسلام کی حفاظت کا پورا حق ادا
 کیا، یہ جماعت اپنے فریضہ سے غافل نہ رہی اور حکومت سے الگ صحابہ خود اپنے طور پر بھی اس فرض کو انجام دیتے
 رہے، خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت کے دور میں بھی جب اموی اور عباسی سلاطین نے بعض امور میں غفلت ادا
 سماحت سے کام لیا، تو اسلام لا وارث نہیں ہو گیا تھا بلکہ یہ جماعت برابر اپنا فرض انجام دیتی رہی، حقیقت
 اسلام کے اصلی محافظ ہی لوگ تھے، جو ہر زمانہ میں موجود اور اپنے فرض کو ہمیشہ انجام دیتے رہے، حتیٰ کہ حکومت
 کے مقابلہ میں بھی ان کی حق گو زبانیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے خاموش نہ رہیں، جس کی تفصیل
 کایہ مرقع نہیں ہے، اس لئے بعض امور میں گولوں و سلاطین غفلت ضرور کی، لیکن اس کی وجہ سے اسلام کی حفاظت

میں فرق نہیں آنے پایا،

اس سے انکار نہیں کہ تفسیر و نہایت بلکہ حدیثوں تک میں اسرائیلی روایات داخل ہو گئیں، لیکن اس نہر کا تریاق بھی میا ہوتا رہا، اور ہر دور کے محدثین اس آمیزش کو برا بھلا نہیں سمجھتے رہے، اسی کی پرکھ کے لئے رجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا، جس میں ہزاروں رواۃ حدیث کے صحیح حالات مندرج ہیں، فن روایت و درایت کے اصول بنائے موضوعات پرکتہ بین لکھیں، عرض کلام ہی کو دوسرے کلام کی آمیزش سے پاک رکھنے کے لئے طاقت بشری میں جتنی کوششیں اکتیا طین ممکن تھیں صرف کر دیں، اور ایک ایک باطل حدیث کو چھانت کر الگ کر دیا، احادیث و تفسیر پر جن لوگوں کی نظر ہے، وہ ایک نگاہ میں اسرائیلیات کو پہچان سکتے ہیں، بلکہ اسرائیلیات کا موضوع اور اس کا دائرہ تو اتنا معلوم اور متین ہے، کہ جس کو تھوڑا سا بھی اسلامی علوم میں درک ہے، وہ بیک نظر ان کو پہچان لے گا، پھر یہ کہ ان اسرائیلیات کا تعلق اسلام کے ارکان و عقائد سے مطلق نہیں ہے، بلکہ وہ صرف گذشتہ انبیاء و رسل اور ان کی امتوں یا دنیا کی قدیم تاریخ ترغیب و ترہیب یا دوسرے قصص و حکایات پر مشتمل ہیں، اور ان میں کسی چیز کو بھی اسلامی ارکان و عقائد سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، اس لئے اسرائیلیات کی آمیزش سے اسلام کی حقیقی تعلیمات پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن اگر بالفرض اسے مان بھی لیا جائے کہ اصلی تعلیمات میں بھی اسرائیلیات داخل ہو گئیں تو ان کو الگ کرنے کی تدبیریں اؤ صورتیں اختیار کی جائیں گی، یا ان کی وجہ سے مذہب کا پورا دفرے کا رک دیا جائے گا، اور اسرائیلیات کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اور روایتیں بھی مسترد کر دی جائیں گی، سچ میں جھوٹ کی آمیزش تو زندگی کے روزگار کے واقعات میں ناگزیر چیز ہے جس سے کسی حالت میں منفرکت نہیں، مقدمات میں جھوٹ کی آمیزش تو روزانہ کا شایہ ہے، لیکن کیا اس آمیزش کی وجہ سے سچائی کی تحقیق کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے، اور ایک حاکم محض جھوٹ کی آمیزش کی وجہ سے سچی شہادتوں اور سچے واقعات کو بھی مسترد کر دیتا ہے، اور سچائی کی تلاش و تحقیق سے بھی دست بردار ہو جاتا ہے، جھوٹی روایات میں سچائی اور اصلیت کی تلاش و تحقیق تو اس کا فرض ہے، اگر جھوٹ کی وجہ سے سچ کو بھی ناقابل اعتبار قرار دیدیا جائے، اور سچائی کی تلاش جھوٹ دیا جائے، تو زندگی کا سارا کاروبار ہی معطل ہو جائے، جب دنیاوی امور

میں جھوٹ کے خاطر سچ کو ترک نہیں کیا جاسکتا، تو کیا محض اسرائیلیات یا جھوٹی روایات کی وجہ سے قول رسول کو مسترد کر دیا جائے گا،

اس کے بعد اسلامی عقائد اور تفسیرون میں ایرانی دیونانی خیالات و عقائد کی آمیزش کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے:

”یہود و نصاریٰ کے خرافات سے بھی زیادہ جس چیز نے اسلامی عقائد کو متاثر کیا، وہ ایران یونان کا فلسفہ قدیم تھا، جب ان ممالک کے علماء و حکماء اسلام میں داخل ہونے لگے، تو ایران سے زردشت مزدک اور مانی کے خیانات اور یونان سے افلاطون ارسطو اور دوسرے حکماء کی تعلیمات نے مفتیہ اسلام کو اس قدر متاثر کیا، کہ انھوں نے ان حکماء کے غیر الہامی اور انسانی دماغ کے بنائے ہوئے مسائل کو سمجھ کر سمجھ کر اختیار کر لیا، اور تمام تفسیریں دوران کار بخشن اور غیر مفید الجھنیں شامل ہو گئیں، مثلاً برق، رعد سہا و غیرہ قرآن مجید میں خود اپنے مستقل معنی رکھتے تھے، مگر جب یونانی علم الاصنام کی اصطلاحات کا ترجمہ اس قسم کے الفاظ میں کیا گیا، تو وہی مطالب تفسیرون میں شامل کر لئے گئے جو طبیعات یونانی میں مستعمل تھے، تنگیں نے اسلامی عقائد و خیالات کو ارسطو کی کسوٹی پر رکھ کر ان سے مطابقت دینے کو بڑی خدمت سمجھا یہی وجہ ہے کہ چوتھی صدی سے آج تک بے شمار تفسیریں اس قسم کی فلسفیانہ خوشگالیوں سے بھری پڑی ہیں، انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے، کہ وہ اپنے وقت کے رجحانات کے سامنے سپردالذیئتا اور اپنے ماحول کا شکار ہو جاتا ہے..... وقت کے غلط تخیلات سے اثر پذیر ہونے ہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکثر تفسیریں مفسرین کے ذاتی رجحانات کا شکار ہو گئیں، تنگیں نے اپنی تفسیریں میں منطقی فلسفہ اور خطابت کا تمام زور صرف کر دیا، جو صرف و نحو اور بلاغت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے، اور انھوں نے فنی زاویہ نظر سے بحثوں کے دروازے کھول دیئے، جو علم تاریخ سے وکپی رکھتے تھے، اور انھوں نے قصص و امثال ہی کو اصل قرآن مجید کو پوری قوت ان کی تشریحات میں صرف کر دی، جو فروعاتِ نقد میں ماہر تھے، ان کی تفسیریں مسائلِ نقد پر مبنی تھیں، پھر جب فقرہ فلسفہ کی بنا پر مختلف مذہب قائم ہو گئے، تو ہر ایک مذہب نے اپنے اپنے عقائد

کے مطابق تفسیریں شروع کر دیں، معتزلہ اور اشعریہ نے ایک دوسرے کی ضد میں صفات و ذات الہی کی بحثوں میں بے شمار کتب تفسیروں لکھیں، تو صوفیہ نے عزت نشینی پر کیت قلب اور جہاد بال نفس کا رنگ

بھردیا (ص ۴۹، ۵۰، ۵۱)

لائی مصنف نے اس بیان میں مختلف النوع مسائل کو خلط ملط کر دیا ہے، اور تفسیر کی بحث میں کلام کے مسائل چھیڑ دیئے، ان مسائل پر آئندہ مستقل گفتگو ہوگی، اس لئے اس موقع پر ہم اس کی تفصیل میں نہیں پڑتے، مصنف کے اس بیان میں بھی چند رجحان غلطیاں ہیں، یہ تسلیم ہے کہ یونانی فلسفہ نے بعض اسلامی عقائد کو متاثر کیا، اور اس کی بنیاد مسلمانوں میں مختلف فرتے پیدا ہو گئے، لیکن ایران کا اثر محض تون و معاشرت تک محدود رہا، اسلامی عقائد پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا، کسی اسلامی عقیدہ میں زردشتی، مزدک اور مانوی کے خیالات کا اثر نہیں مل سکتا، فرقہ کی کتابوں میں بعض ایسے عجیب فرقوں کا حال ضرور ملتا ہے جنہوں نے زردشتی، مزدکی، مانوی اور اسلام، عقائد کا ایک ہجڑ مرکب تیار کیا، لیکن ان کو کسی زمانہ میں بھی مسلمان نہیں سمجھا گیا، اور نہ صرف محدثین بلکہ حکماء تک نے انہیں مسلمان نہیں مانا، اور تفسیروں میں تو زردشتی، مزدکی یا مانوی اثرات کا کوئی خفیہ پر تو بھی نہیں مل سکتا، یونانی فلسفہ کے اثرات بھی جن سے مسلمان زیادہ متاثر ہوئے محض ذات و صفات الہی کے چند مسائل تک محدود ہیں، تفسیروں سے ان کا بھی کوئی تعلق نہیں، بعض تفسیروں میں تردید ضروری خیالات نقل کئے گئے ہیں، جس کو قبول اثر سے تعبیر کرنا صحیح نہیں، تو یہ مصنف کا محض زور بیان ہے، کہ مفسرین نے یونانی حکماء کے غیر الہامی خیالات کو مسلمات سمجھ لیا، اور تمام تفسیروں میں دوران کا رد نہیں شامل کر دیں، اور چوتھی صدی سے آج تک بے شمار تفسیریں اس قسم کی فلسفیانہ مشکائیون سے بھری پڑی ہیں، جو سراسر غلط ہے، نہ مفسرین نے ان خیالات کو کبھی قبول کیا، اور نہ تفسیروں میں ان کو جگہ دی، بعض مشکھان تفسیروں میں تردید کے لئے البتہ یہ خیالات نقل کئے گئے ہیں، جن کو ان کے قبول سے تعبیر کرنا غلط ہے، لکاش مصنف نے ان بے شمار تفسیروں میں چند ہی کا نام لے لیا، تو،

فلسفہ یونان سے مسلمانوں اور اسلامی عقائد کے اثر پذیر ہونے کا جلد جیسے راقسم الحروف نے بھی

جا بجا استعمال کیا ہے، تشریح طلب ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کی ساری قوم اور ان کے تمام عقائد اس متاثر ہو گئے، بلکہ اہل علم کی ایک جماعت اور بعض عقائد پر اس کا اثر پڑا تھا، جو لوگ فلسفہ یونان سے زیادہ متاثر ہوئے وہ حکماء، کملائے، مگر ان کو کسی زمانہ میں بھی مذہب کا ترجمان، اسلام کا نمائندہ اور مسلمانوں کا رہنما نہیں سمجھا گیا، بلکہ وہ ہمیشہ اس مقدس دائرہ سے الگ رکھے گئے، اسلام کے اصلی ترجمان اور اس کے محافظ اور مسلمانوں کے ہادی و رہنما مثنیین کرام تھے جو ہمیشہ مسلمان حکماء کے خیالات کی تردید اور اس سے تبری کرتے رہے، اور اسلام کے صاف و شفاف چشمے کو اس کی کدورتوں سے پاک رکھنے کی پوری کوشش کی، اکابر حکماء میں کنذی فارابی، ابن سینا، ابن باجر، ابن طفیل، ابن ہشیم، ابن مسکویہ، کسی کو یہ منصب حاصل نہ ہوا، اور نہ ان میں سے کسی نے تفسیر لکھی، بلکہ قاضی ابن رشد تک کو جو حلیل القدر عالم دین بھی تھے محض فلسفہ کے داغ کی وجہ سے کبھی دین کی ترجمانی کا منصب نہ ملا،

لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کہ اہل علم کی ایک جماعت فلسفہ یونان سے متاثر تھی، اور اس کے اثر سے مسلمانوں کے ایک طبقہ میں یہ خیالات پھیل رہے تھے، ٹھیک اسی طرح جس طرح آج مغربی علوم و فنون کے اثرات پھیل رہے ہیں، ایسی صورت میں علمایا خاموش بیٹھے رہتے اور مسلمانوں کو ان ٹھکانہ خیالات کا شکار ہونے دیتے، یا ان کی تشفی بخش تردید کرتے، عقلی علوم کی تردید کے لئے تمنا نقل کافی نہ تھی، اس لئے علماء کی ایک جماعت کو محض اسلامی عقائد کو یونانی علوم کے حملہ سے بچانے کے لئے اس میں حصہ لینا پڑا، اور چونکہ محض نقلی علوم سے ان کی ترویج ممکن نہ تھی، اس لئے ان کو بھی فلسفہ اور عقلیات کے اسلحہ سنبھالنے پڑے جس سے علم کلام کی بنیاد پڑی، ان میں بہت سے صاحب بصیرت اور ارباب عزیمت ^{مستطعم} فلسفی علماء، فلسفہ یونان پر تنقید کر کے اس کے نقائص دکھائے، اور ان کا مؤثر

امام غزالی، امام رازمی، ابوالبرکات بغدادی، شیخ شہاب الدین مفتون اور ابن تیمیہ اور امام شہرستانی وغیرہ جن علمائے اتنی ہمت بصیرت نہ تھی، انھوں نے اسلامی عقائد اور فلسفہ یونان میں مطابقت دینے کی کوشش کی، گو گناہیہ طریقہ صحیح نہ تھا، لیکن ان کی نیت نیک تھی، اس کے باوجود چونکہ یہ طرز کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے خلاف تھا، اور اس مطابقت میں کہیں کہیں اسلامی تعلیمات میں تاویل سے کام لینا پڑتا، اور آیات قرآنی کے ظاہر ہی سے

بہننا پڑتا تھا، اس لئے محدثین اور مفسرین نے اس کو بھی خلاف مذہب قرار دیا، اور ان کی تردید کی بجائے ضرور بعض فلسفیانہ خیالات اسلامی عقائد میں آگئے، جن کو مصنف نے فلسفہ یونان کے قبول سے تعبیر کیا ہے، ان خیالات کے قبول کرنے کا تو سوال الگ رہا، محدثین نے تو ان کے حملہ سے اسلامی عقائد کو بچانے کے لئے ایسے طریقہ دفاع تک کو گوارا نہ کیا، جس سے صاف و سادہ اسلامی عقائد میں کوئی ایسی خفیت تاویل بھی کرنی پڑے جس کی سند کتاب اللہ و سنت رسول میں موجود نہیں ہے، رہا یہ امر کہ یہ طریقہ دفاع مفید ثابت ہوا یا مضر تو اس کے فائدہ میں کوئی شبہ نہیں، اس سے بعض اسلامی تعلیمات اور اسلامی عقائد کے بارہ میں اس زمانہ کے عقل پرستوں کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو گیا، لیکن اسی کے ساتھ مذہب میں بعض غیر ضروری مسائل پیدا ہو گئے، جن کو اسلام کے سادہ اور صاف عقائد سے کوئی علاقہ نہ تھا، لیکن تنکلیں کے حسن نیت میں کوئی شبہ نہیں، اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں کا ادھیں اجر دے گا، دین کے اصلی محافظوں کو تو بیشک ان پر اعتراض کا حق ہے، لیکن دور جدید کے مصنفین کو ہرگز اس کا حق نہیں پہنچتا، جو لوگ سرسید احمد خان مولوی چراغ علی اور ان کے ہم مشربوں کی قرآنی تاویلات اور اسلامی تعلیمات کی غلط تعبیروں کو جو تنکلیں اسلام کی غلطیوں سے کہیں زیادہ گمراہ کن ہیں، صحیح اور اس کو خدمت دین سمجھتے ہوں، انہیں تنکلیں اسلام پر اعتراض کا کیا حق ہے،

مصنف کا یہ اعتراض کہ ہر فن کے علمائے اپنے فن کی روشنی میں کتاب اللہ کی تفسیر کی، اور اکثر تفسیرین مفسرین کے ذاتی رجحانات کا شکار ہو گئیں، قرآن مجید سے ان کی ناواقفیت کا ثبوت ہے، یہ ان مفسروں اور ان کی تفسیروں کا عیب نہیں، بلکہ ان کا کامل و مہر اور ان کی بہت بڑی دینی خدمت ہے، یہاں تک تو تسلیم ہے، کہ کلام مجید کو یونانی فلسفہ سے کوئی علاقہ نہیں، اور جن لوگوں نے اس کی روشنی میں اس کی تفسیر کی ہے، انہوں نے دین کی خدمت انجام نہیں دی، لیکن مصنف نے اور جن علوم کا نام لیا ہے مثلاً صرف و نحو، معانی، بیان، تاریخ، فقہ اور تصوف تو قرآن تو ان سب کا جامع ہے، اور اس کو ان سے نہایت گہرا تعلق ہے، قرآن عربی زبان میں ہے، غیر عرب کے عربی زبان کے صحیح پڑھنے اور اس کے معنی سمجھنے کا دار مدار تمام معرفت و نحو کے علم پر ہے، اس سے ناواقف

شخص نہ صرف یہ کہ عربی کے صحیح معنی نہیں سمجھ سکتا، بلکہ عبارت تک صحیح نہیں پڑھ سکتا، پھر اس میں جا بجا صرفی و نحوئی اشکالات ہیں جن کے حل کے لئے صرف و نحو میں بصیرت کی ضرورت ہے، اس لئے کلام مجید کی صرفی و نحوئی تشریح اس کی خدمت ہوئی یا مخالفت خود فاضل مصنف نے عربی زبان سے ناواقفیت کی بنا پر کلام مجید کے سمجھنے میں جو غلطیاں کی ہیں، اس کی مثالیں آئندہ آئیں گی، کلام مجید میں گزشتہ انبیاء و رسل اور ان کی امتوں اور قدیم اقوام کے سبق آموز تاریخی واقعات ہیں، اس لئے اگر کسی مورخ نے تاریخی پہلو سے اس پر نگاہ ڈالی تو کیا گنہ کیا، اسی طرح کلام مجید فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، بلکہ اس نے فصحاء عرب کو اپنا جواب بنانے کی تحدی کی، جس سے وہ عاجز رہے، اگر کسی نے کلام مجید کے اس دعویٰ کے ثبوت میں فصاحت و بلاغت کے پہلو سے آیات قرآنی کی تشریح کی، تو اس نے اس کی خدمت کی یا اس کو بگاڑا، کلام مجید میں طہارت، عبادت، معاملات، نماز روزہ حج زکوٰۃ نکاح و طلاق وراثت تجارت، تین دین وغیرہ کے صحابہ مسائل اور قوانین ہیں بعض کلی مسائل سے جزئیات کا استنباط ہوتا ہے، اس لئے اگر کسی نے اس کے فقہی پہلو پر نگاہ ڈالی، اس سے مسائل استنباط کئے، تو اس نے دین کی خدمت کی یا اس کی مخالفت کی، اسی طریقہ سے کلام مجید کا اصل مقصد تزکیہ روح و قلب اور تعلق مع اللہ ہے، اور جہاد نفس اس کا وسیلہ ہے، اس کے بغیر روح کا تزکیہ ممکن ہی نہیں ہے، اس لئے اگر کسی صاحب نظر اہل دل مفسر نے اس روح کو نمایاں کیا، تو اس نے کلام کے اصل منشأ کو پورا کیا یا اسے اپنے ذاتی رجحانات کا شکار بنایا، درحقیقت کلام مجید، فصاحت و بلاغت کا نمونہ بھی ہے، دنیاوی قانون کا ضابطہ بھی ہے، زندگی کا دستور اعلیٰ بھی ہے، تزکیہ قلب و روح کا نسخہ بھی ہے، نجات اخروی کا صحیفہ بھی ہے، غرض وہ ایک مسلمان کے لئے دین بھی ہے، دنیا بھی، وہ تو ایسی جامع اہمیت کا کتاب ہے کہ اس کے محاسن کا احاطہ مشکل ہے،

دامانِ ننگِ تنگ گلِ حسنِ تو بسیار

گلچینِ جمالِ تو ز دامانِ گلہ دار د

اسلئے بنی علماء نے ان میں سے کسی جہت کی تشریح و تفسیر کی، انھوں نے اس کے جمال و رخ کو نمایاں کیا یا اس کو بگاڑا، یہ تو مسلمانوں کا نہایت پر فخر کا زمانہ ہے، کہ انھوں نے اپنی مذہبی کتاب کے سیکڑوں پہلوؤں پر کتب بن لکھیں، اور حتی الامکان اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا، اور علوم قرآنی پر ایسا عظیم الشان ذخیرہ فراہم ہو گیا، جس کی مثال دنیا کی کوئی قوم نہیں پیش کر سکتی، لائق مولا نے مسلمانوں کے اس سارے کارنامے پر بیک جنبش قلم خط نسخ پھیر دیا،

(باقی)

کلیات فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، شہنویات اور قطعات کا مجموعہ جواب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستہ گل، بوے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب کچھ کر دیئے گئے ہیں،

ضمائم ۲۷ صفحہ قیمت :- ۱۰/-

خط و کتابت کید

ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجائے صرف ڈیڑ معارف کے پتہ سے، اور معارف اور دارالمصنفین کے انتظامات اور فرایشات کے متعلق منیجر صاحب دارالمصنفین کے نام سے کیا جائے، ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل میں دقت ہوتی ہے، امید ہے کہ احباب مجھے رحمت سے بچانے کے لئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائیں گے،

سید سلیمان ندوی

ابن منظور افریقی کی لسان العرب پر ایک نظر

از جناب پروفیسر عبدالقیوم صاحب ایم اے، لکچرار زمیندار کالج گجرات

جن جن ملکوں میں اسلام کا پرچم لہرایا، اور جہان جہان عربوں نے دینِ حنیف کا پھریرا اڑایا، وہاں علم و عرفان کے پتے ابل پڑے، جو ملک بھی اسلام کے زیر اثر آیا، عربی علم و ادب کا مرکز بن گیا، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو عربی علوم و ادب کی تاریخ کے ایک طالب علم کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی،

افریقہ بھی مسلمانوں کے انہی مفتوحہ ممالک میں سے ہے جہاں عربوں نے اپنی تہذیب و ثقافت کے اتنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں، کہ زمانہ کی دستبرد اب تک انھیں مٹا نہیں سکی، اور باوجود یکہ افریقہ وحشت اور بربریت میں شمرہ آفاق ہے، لیکن عربی زبان کی گرفت میں کچھ اس طرح آیا، کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی وہاں سلاطین اثرات بڑے نمایاں اور ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں، چند برس ہوئے ایک امریکن مسیحی مبلغ نے لکھا تھا :

”اسلام نے افریقہ کے لئے ایک مخصوص تعلیمی اسکیم تیار کر رکھی ہے، یہی کال میں جو فرانس کے ماتحت ہے،

عربی زبان اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے، اور اس قسم کے اٹھارہ سو ابتدائی مدارس موجود ہیں، ان سب

مدارس میں بارہ ہزار طلبہ تعلیم پا رہے ہیں، فرانسیسی سوڈان میں بھی عربی کی تعلیم کا انتظام ہے، وہاں

دو ہزار ایک سو تیرہ مدارس ہیں، جن میں پچھتر ہزار طلبہ پڑھتے ہیں، فرانسیسی گائنا میں بھی عربی

تعلیم ترقی پر ہے، آیوری کوست میں اگرچہ مسلمانوں کی آبادی صرف گیارہ فیصد ہی ہے، لیکن

وہاں تین سو مسجدیں اور چار سو کچیں مدارس قرآن میں، برٹش نائیجیریا کے تمام مدرسوں میں بھی عربی پڑھائی جاتی ہے۔

یہ حالت اس زمانہ میں نظر آتی ہے جب افریقہ کی حکومت کی باگ دوسری اقوام کے ہاتھوں میں ہے اگر اپنی حکومت کے دور میں ہم وہاں جلیل القدر علماء ائمہ اور ادباء اور مختلف علوم و فنون کے ارباب کمال دیکھیں تو حیران و تعجب کی بات نہیں،

مؤلف لسان العرب کے مختصر حالات اس مضمون کے موضوع بحث لسان العرب کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ صاحب کتاب کے حالات چند سطور میں پیش کر دیئے جائیں، یہ بڑے افسوس

کی بات ہے، کہ تاریخ اسلام کے اس جلیل القدر لغوی اور ادیب کے حالات کی جانب تاریخ اور تذکرہ نگاروں نے بہت کم توجہ کی ہے اور کتابوں میں اس کے نہایت مختصر اور جمل حالات ملتے ہیں، اگر اتنا بڑا عالم ویرپ میں پیدا ہوا ہوتا، تو اس کی سیرت پر مستقل کتابیں لکھی جاتیں، اور اس کی زندگی کا کوئی گوشہ ہماری نظروں سے اوجھل نہ رہنے پاتا، اس ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی غیر مناسب نہ ہوگا، کہ صاحب لسان العرب کے حالات زیادہ تر اس کے دو معاصرین کی روایت پر منحصر ہیں، ایک صلاح الدین خلیل بن ایک الصفدی (۶۹۶ھ - ۷۶۴ھ) اس نے اپنی کتاب

نکت الھصیان مطبوعہ ۱۹۱۱ء (ص ۲۵، ۲۶) اور الوافی بالوفیات مطبوعہ ۱۹۳۱ء (ج اول ص ۵۰)

میں اس کے حالات لکھے ہیں، دوسرے محمد بن شاہرازی (۶۸۶ھ - ۷۶۴ھ) نے اپنی کتاب فوات الوفيات مطبوعہ ۱۲۹۹ھ (جلد ۲ ص ۲۶۵) میں حالات قلمبند کئے ہیں، بعد کے تمام سیرت نگاروں نے انہی دونوں سے

استفادہ کیا ہے، اور بیشتر انہی دونوں کے بیانات نقل کر دیئے ہیں، اس میں حافظ ابن حجر کی الذیلا لکامنتہ

(جلد ۴ ص ۲۶۲) سیوطی کی بغیۃ الوعاة مطبوعہ ۱۳۳۶ھ (ص ۱۶) ابن العما جیسی کی شدات الذہب (جلد ۶

ص ۲۶) کسریں کی معجم المطبوعات، زر کلی کی الاعلام (ج ۳ ص ۹۹ - ۹۹) کسی کا استنار بنین، الصھل العذ

فی نادیم طرابلس استغرب (ص ۱۵)، اور مفتاح السعادة (ج اول ص ۱) میں بھی کچھ حالات مندرج ہیں،

ولادت اور تبلیغ | محمد نام جمال الدین لقب، ابو الفضل کنیت اور الافریق اور المصری نسبت ہے، پورا

سلسلہ نسب یہ ہے: محمد بن مکرم بن علی بن احمد بن ابی القاسم بن جعفر بن منظور سیوطی نے سلسلہ نسب میں علی (دادا کے نام) کے ساتھ کسی دوسری روایت کے مطابق رضوان بھی لکھا ہے، اور صفحہ ۱۱ نے الرضوی الانصاری نسبت درج کی ہے، اس نسبت کے محاسن سے مولف حضرت دویف بن ثابت صحابی کے خاندان کی یادگار تھے، ابن منظور اور ابن مکرم کے نام سے عام طور پر مشہور ہیں،

۲۲ محرم الحرام ۶۳۳ھ کو دوشنبہ کے دن صحرے کے ایک بڑے علم دوست گھرنے میں پیدا ہوئے، بچپن ہی سے علم و ادب کی طرف میلان تھا، مختلف اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذتہ کیا، ان میں ابن المقرئ، قسطنطینی، ابن عبد الرحیم بن طفیل اور یوسف الخلی زیادہ مشہور ہیں، نحو، لغت، تاریخ اور کتب میں کمال حاصل کیا، مولف کا انداز تحریر نہایت سلیس و شگفتہ، متین اور عجیبہ ہے، ادبیات میں نہایت بلند درجہ ہے، نظم و نثر دونوں میں بڑی دستگاہ رکھتے تھے، شعر کے غونے صفحہ ۱۱ اور ابن شاکر نے نکت الہیام اور نوات الویات میں مروج کئے ہیں

مشائل | بعض تاریخی حقائق بڑے ہی تعجب انگیز ہوتے ہیں، ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی جب ہم یہ دیکھتے ہیں، کہ ہمارے اسلاف زندگی کی دوسری مشغولیتوں کے باوجود علمی مشاغل میں کتنا انہماک رکھتے تھے یا قوت حموی امام ابن جریر کے متعلق لکھتا ہے، کہ اگر ان کی تصنیفات اور تالیفات کے اوراق کو ان کی زندگی کے دنوں پر تقسیم کیا جائے، تو چالیس ورق یعنی اتنی صفحات روزانہ کا اوسط پڑتا ہے، حافظ ابن حجر کی تصانیف کتنے مختلف علوم پر ہیں، فتح الباری، المعاد، درر الكامن اور تہذیب جسی ضخیم کتابیں ابن حجر کے علم و فضل کی نشان دہی ہیں، سیوطی کی روایات کے استناد و عدم استناد کے متعلق جو بھی کہا جائے لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے

۱۰ بنیۃ الوعاء ص ۱۰۹ ۱۱ نکت الہیام ص ۲۰۶ ۱۲ ایضاً ص ۱۱۵ ۱۳ درر الکامنہ ج ۴ ص ۲۶۲ ۱۴ ۲۶۳

نکت الہیام میں عبد الرحیم کی بجائے عبد الرحمن بن الطفیل مرقوم ہے جو زیادہ قرین صحت ہے،

۱۵ بنیۃ الوعاء ص ۱۰۷

کہ چار پانچ سو کے درمیان کتا بن ان کے قلم سے نکلیں، یا قوت حموی ابن کثیر، ابن تیمیہ اور دوسرے بے شمار علماء بن بن کے قلم کی روانی اور برق رفتار سی دیکھ کر ایک انسان انگشت بزدان رہ جاتا ہے۔ اور اندازہ نہیں کر پاتا کہ یہ بزرگ لکھنے پڑھنے کے لئے آنا وقت کیسے نکال لیا کرتے تھے۔

ہمارے مؤلف کو کتب مینی اور تصنیف تالیف کا بہت شوق تھا، باوجودیکہ قاہرہ میں مدت العروہ الانشائے وابستہ رہے پھر طرابلس میں نظارت اور قضا کے فرائض انجام دیتے رہے لیکن لکھنے پڑھنے کا شوق اتنا بڑھا ہوا تھا، کہ ان مشغولیتوں کے باوجود تاریخ ادب کی بہت کم کتا بن ایسی ہونگی جو ابن منظور کی نگاہ سے بچ سکی ہوں گی، محض مطالعہ ہی کا شوق نہ تھا، بلکہ اس کے ساتھ تالیف و تصنیف کا بھی ذوق تھا، ابن شاکر نے فوائد الوفيات میں ان کو کثیر الخطا لکھا ہے، صلاح الدین صفدی نے خود ابن منظور کے صاحبزادے قاضی قطب الدین کا یہ بیان نقل کیا ہے، کہ ان کے والد ابن منظور نے پانسو کتا بن اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی چھوڑیں، صفدی کا بیان ہے کہ وہ ما اعراف فی کتب الادب شیئاً الا اختصاراً، سیوطی لکھتے ہیں کہ روایات و نقل کے اعتبار سے ابن منظور کو مختصرات کی تعداد پانچ سو مجلدات تک پہنچتی ہے، ابن منظور نے جو مختصرات و مخدات لکھے ہیں، ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) مختار الاغانی بہ ترتیب حروف تہجی (۲) مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر قریباً جو تھائی حصہ میں مختصراً لکھا ہے (۳) مختصر تاریخ بغداد للسمعانی (۴) مختصر مفردات ابن البیطار (۵) مذہب سرور النفس بدارک
فوائد الوفيات، ویوان الانشاء، میں خدمت کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی، اس کے لئے بڑے علم و فضل کی ضرورت تھی، فلسفہ نے صبح الاعشی میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ کتنے علوم و فنون میں کمال حاصل کئے بغیر ویوان الانشاء میں کام کرنا قطعاً ناممکن تھا لہذا نکلت البیان ص ۲۷۶،

بغیۃ الوعاة ص ۲۰۶، اس زمانہ میں قدیم علماء کی مطول کتا بن کو محفوظ کرنے کے لئے اون کی تحفیں کا زیادہ رواج تھا،

اھواس انھس للتیفاشی (۶) مختصر العقد لابن عبد ربہ (۷) مختصر ذخیرہ لابن بسام (۸) مختصر زہر الادب للحمیری (۹) مختصر تہمتہ الدبر للثعالبی (۱۰) مختصر نشوان الممانرۃ (۱۱) مختصر صفوۃ الصفوۃ (۱۲) مختصر تاریخ المخلیط (۱۳) مختصر حیوان المجاحذ (۱۴) انتشار الارباب فی اللیل والنهار،

انہی چند کتابوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ابن منظور کتب مینی اور تصنیف و تالیف میں کس درجہ استغراق اور انہماک رکھتے تھے کتنی ضخیم ضخیم کتابوں کو اول سے آخر تک بنظر غائر پڑھا، یاد رکھا، اور پھر ان کے عجائبات اور مختصرات لکھے، ایک الاغانی ہی کو لے لیجئے کہ بقول صاحب الوافی الوانیؒ ابو القرج اصغمانیؒ نے اس کتاب کو پچاس برس کی طویل مدت میں تالیف کیا، پھر غور فرمائیے کہ اس کتاب کے مطالعہ اور بلحاظ حروف تہجی اس کے اختیار اور ترتیب کے لئے کتنی ہمت اور محنت کی ضرورت تھی یہ بھی پیش نظر ہے کہ مولف کے لئے تنہا یہی ایک کام نہ تھا، بلکہ دفتری مشاغل بھی تھے، اور پھر تنہا یہی ایک کتاب مولف کے قلم کا ثمرہ نہیں ہے، بلکہ ایسی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے ایک ایک کے مطالعہ کے لئے عہد کا رہا ہے،

ابن العمامہ صلی کے قول کے مطابق ابن منظور مصر اور دمشق میں حدیث کا درس بھی دیتے رہے ہیں، اؤ سیوطی رقمطراز ہیں کہ امام سبکی اور حانظ ذہبی نے ابن منظور سے روایت بیان کی ہے لیکن ان کا شمار محدثین کے اس زمرہ میں کیا ہے جو لم یبلغوا درجۃ الحفظ والمنہج دین بجلول الاسناد مگر جہان مک نخلت کا تعلق ہے ابن منظور کا شمار ان علوم کے ائمہ میں ہے، حانظ ابن حجر نے ابن فضل اللہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ ابن منظور آخری عمر میں بنیائی سے محروم ہو گئے تھے، ظاہر ہے کہ یہ محرومی بصارت کتب مینی اور کتب نویسی میں حد درجہ انہماک کا نتیجہ تھی، آخر میں مصر میں قیام اختیار کیا، اور وہیں بیاسی برس کی عمر میں شعبان ۷۹۷ھ میں وفات پائیؒ

۱۷ جلد اول ص ۵ ۱۷ شذرات الذہب ج ۶، ص ۲۶ ۱۷ بنیۃ الوعاء ص ۱۰۶ ۱۷ جلد اول ص ۱۳۳

۱۷ ۲۲۹ ۱۷ الدرر الکامنه جلد ۴ ص ۲۶ ۱۷ حسن المجاہدہ ج ۱ ص ۱۱۶

ابن شاکر نے ابن منظور کے تشیع بلا رفض کا بھی ذکر کیا ہے لیکن معاصرانہ چشمک سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں، دوسرے سیرت نگاروں نے بھی اس کی تقلید میں اس کو نقل کر دیا، اور یہ نہ سوچا کہ یہ الزام کما حقیقت واصلیت پر مبنی ہے،

لسان العرب | ابن منظور کی سب سے قیمتی اور اہم تالیف لسان العرب ہے، اس کا پہلا ایڈیشن مصر سے بیس ضخیم جلدوں میں شائع ہوا، یہ عسری زبان کا بڑا مستند اور مفصل لغت ہے، کتاب کے نام کے ضمن میں یہ عرض کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ ابن منظور ہی پہلا مولف نہیں جس نے لسان العرب کے نام عربی کا اتنا ضخیم ترتیب دیا ہو، اس سے کئی صدی پہلے شیخ ابو علی سینا (۳۲۰-۴۰۵ھ) نے اسی نام سے ایک ضخیم لغت مرتب کیا تھا، ڈاکٹر جمیل صلیبانی نے اپنی کتاب ابن سینا کے صفحہ شش پر عربی لغت کی ایک کتاب موسوم بہ لسان العرب دس جلدوں میں ابن سینا کی جانب منسوب کی ہے، شہر زوری کی کتاب زہرۃ الادوارح میں ابو علی سینا کے ترجمہ کے تحت زیادات میں مرقوم ہے :

تحتصنفت الشیخ کتاباً فی اللغة وسمّاہ لسان العرب، لویصنفت مثله فی اللغة

ولم یقل الی البیاض فبقی علی مسودتہ لکویتہ احد الی ترتیبہ۔

شیخ کی لسان العرب کی عدم موجودگی میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ ابن منظور نے اپنی اس کتاب کا نام محض اتفاقی طور پر رکھا یا مستعار لیا، ورنہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لسان العرب پہلی لسان العرب کا کما نکتہ چربہ وجہ تالیف | ابن منظور کے لغت سے پہلے بھی عربی کے مستند لغات موجود تھے، فہرست بن احمد (المتوفی ۹۷۵ھ) کی کتاب اللین اگرچہ اب ناپید ہے، لیکن بعد کے مولفوں نے اس سے استفادہ کیا ہے، اور اندلس کے مشہور ابو بکر بیدی (المتوفی ۵۳۵ھ) نے اس کا اختصار بھی کیا، اس کے بعد ابن درید (المتوفی ۵۳۲ھ) نے کتاب اللین

کے انداز پر کتاب الجہرۃ فی اللغۃ لکھی، بعد کی مشہور کتب لغت میں سے ابوعلی القالی (المتوفی ۳۵۶ھ) کی الباع ابو منصور الاذہری (المتوفی ۴۷۴ھ) کی التذیب صاحب ابن عباد (المتوفی ۳۸۵ھ) کی المحیط، ابو الحسن بن فارس (المتوفی ۳۹۵ھ) کی المعجم، ابو ہریر (المتوفی ۳۹۸ھ) کی الصحاح، ابو غالب قرطبی (المتوفی ۴۲۸ھ) کی المعرب، ابن سیدہ (المتوفی ۴۵۸ھ) کی المحکم، زعفرانی (المتوفی ۵۳۵ھ) کی اساس البلدانہ اور صغانی (المتوفی ۵۴۶ھ) کی العیاب قابل ذکر ہیں، لیکن ان کتب کی موجودگی بھی ابن منظور کے لئے وجہ تسلی نہ ہوئی، اور ان کو ان میں سے ہر ایک کتاب میں کچھ نہ کچھ ایسی کمی اور کوئی نہ کوئی غامی نظر آئی کہ ایک لغت کی تالیف کی ضرورت محسوس کی انھیں اگر کسی کتاب میں علم و ادب کا کوئی بڑا ذخیرہ نظر بھی آیا تو اسکی ترتیب کی نگاہ میں ناپسندیدہ غمیری دار اگر کسی ترتیب تسلی بخش نظر آئی تو اسکو کئی ادبی خامیوں کو مرتبہ پایا اسلئے ایک ایسے جامع لغت کی ترتیب کی ضرورت محسوس کی جو انکے نقطہ نظر سے ترتیب اور علم و ادب کے ذخیرہ دونوں لحاظ سے تسلی بخش اور قابل اعتبار ہو، اس مقصد کے پیش نظر ابن منظور نے لسان العرب کی تیاری شروع کی، لیکن انھیں اپنے پیش رو مولفین لغت کی طرح الفاظ کی تشریح و تحقیق کے لئے بڑے طویل سفر اختیار نہیں کرنے پڑے، اور نہ بے آب و گیاہ صحراؤں کی خاک چھانی پڑی، مؤلف نے کتاب کے دیباچے میں یہ اعتراف کیا ہے، کہ انھوں نے پہلی کتب لغت پر انحصار کرتے ہوئے انہی کی مختصر سے استفادہ کیا ہے، سیوطی بغیر اواعہ میں لکھتے ہیں:

”تجمع فی لسان العرب بین التہذیب والمحکم والصحاح وحواشیہ المجمع والنہایۃ“

لیکن احمد پاشا تیمور، سیوطی کی تعلیل کرتے ہوئے اپنی کتاب تصحیح لسان العرب میں یوں رقمطراز ہیں:

وَالصَّوَابُ أَنَّ الْمَجْمُوعَ لَيْسَتْ مَجْمُوعَةُ ابْنِ مَنْظُورٍ، بَلْ مَبْنِیْ کِتَابِهِ عَلٰی خَمْسَةِ

نَقَطٍ وَهِيَ الصَّحاحُ بِاسْمَائِهَا فِي خُطْبَتِهِ؛

| لسان کی ترتیب | مولفین لغت نے اپنی کتب لغت کو تین طریقوں سے ترتیب دیا ہے،

(۱) خلیل نے کتاب العین کو مخارج الفاظ کے لحاظ سے مرتب کیا ہے، الحکم اور التذیب میں بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے،

(۲) ابن درید نے المعجمۃ میں حروف تہجی کی اصل ترتیب کے لحاظ سے الفاظ کو ترتیب دیا ہے، الجمل، الحیاط، اساس البلاغہ وغیرہ بھی اسی طریقہ سے مرتب کی گئی ہیں،

(۳) تیسرے گروہ کا امام جوہری ہے، اس نے الصحاح میں نیا انداز ترتیب اختیار کیا، اور الفاظ کے حرف آخر کے اعتبار سے کتاب مرتب کی، لسان العرب، قاموس اور تاج العروس میں بھی یہی ترتیب اختیار کی گئی ہے،

کتاب کی اہمیت | لسان العرب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے، کہ مؤلف نے ساٹھ ہزار الفاظ کے مصداق اور مادوں پر بحث کی ہے، اور ان کی تشریح و توضیح میں کلام عرب ان کے ضرب الامثال، محاورات، خطبات، آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے استشہاد کیا ہے، اس ضمن میں کم و بیش سترہ سو شعرا کے نام اور بے شمار اشعار لسان العرب میں محفوظ ہو گئے ہیں،

غور فرمائیے کہ اتنے ضخیم اور مفصل لغت کی تدوین کے لئے کتنے صبر و استقامت، عزم و ہمت، علم و فضل، محنت و مشقت اور ذہانت و ہوشمندی کی ضرورت تھی، آج اس ترقی کے زمانے میں اگر ایک اتنا بڑا لغت لکھنا جو تو ایک چھوٹی سی علمی مجالس قائم کرنی پڑیں، بلکہ کجائی ہیں، مولفین کے ہر ڈبائے جاتے ہیں، مختلف شعبوں کے ماہرین کی امداد حاصل کی جاتی ہے، تب کیسے جا کر یہ سب منڈھے چڑھتی ہے، لیکن اس زمانے میں جب کہ یہ علمی سہولتیں مفقود تھیں، نہ پریس اور مطابع تھے، نہ نقل و حمل کے وسائل و ذرائع آج کے جیسے تھے، اتنے بڑے کام کا بیڑا اٹھانا کتنا مشکل کام تھا، اور اس کو تکمیل تک پہنچانا تو اور بھی دشوار تھا، مگر آقرین ہے ان اولوالعزم بزرگوں کی جو افریدی اور ہمت پر جنھوں نے اتنے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے کہ انھیں دیکھ کر آج دنیا فرط حیرت و استعجاب سے انگشت بدندان رہ جاتی ہے،

ساتھ سال کی مسلسل دہیم محنت کے بعد ابن منظور نے لسان العرب کو ۶۸۹ھ میں پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اور لغت کے ساتھ ساتھ علم ادب کا آشنائندہ اور قابلِ فخر ذخیرہ جمع کر دیا، کہ یہ کتاب محض ایک لغت ہی نہیں بلکہ عربی علم کی انسائیکلو پیڈیا بن گئی، اگر ابن منظور کو کوئی کتاب نہ لکھتا اور صرف لسان العرب ہی چھوڑ جاتا تو تنہا یہی اتنی بڑی یادگار تھی، کہ رہتی دنیا تک اس کا نام فراموش نہ کیا جاسکتا،

یورپ کے بڑے بڑے مستشرقین نے دوسری زبانوں کے مقابلہ میں عربی زبان لغت کی دست کا اعتراف کیا اور ایڈورڈ ویلمین (۱۸۷۷ء-۱۹۵۷ء) جس نے عربی لغت کے مطالعہ اور تدوین میں ساری عمر صرف کر دی، اس اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا، کہ عربی زبان لغات علمی تحقیق، دستِ نظر اور محنت و تفصیل کے اعتبار سے تمام لغات سے سبقت و فوقیت لے گئی ہے، لیکن المانی مستشرق ملد کے اس حقیقت کے اعتراف کے باوجود، دہلی زبان سے اس میں دستِ نظر کی کمی کا بھی انکار کیا، جو انیسویں صدی کے لسان العرب میں دیکھی، ورنہ اس کو ابن منظور کی دستِ نظر کا اندازہ ہوتا وہ عجیب الفاظ کی اصیلت و ماضی کا پتہ بھی دیتا ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

”الفلسفۃ المحکمۃ العجمی (۱۸: ۱۱) سطر ۳) والتریاق بکسر التاء معرفۃ فارسی معرب

نیز (حبیق) الجوسق..... معرب واصلمہ کو شک بالفارسیۃ (۱۱: ۳۱۵) الفندع

وَالْفَنْدُوعُ وَالْفَنْدُوعُ کلمۃ الدیوث، سریانیۃ لیست عبریۃ محضۃ (۱۰: ۱۰۷)

فستق کانہ بلسان الروم کلکت بلہ العرب (۱۲: ۲۳۰)

اسی طرح جہان کین اس قسم کے الفاظ آگئے ہیں، ابن منظور نے ان کے ماضی اور ان کی اصل بتانے کا پورا

اہتمام کیا ہے، ان چار مثالوں سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے، کہ عربی لغت نویس، فارسی، سریانی، ترکی، رومی وغیرہ ماضیوں کا بھی پتہ دیتے ہیں،

تسمات کسی کتاب کے متعلق نقص سے یکسر برأت کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، اس لئے لسان العرب صبی

بڑی کتاب میں مساجات کا رجحان کوئی تعجب کی بات نہیں، کیسا انسان کا حافظہ اور علم کسان تک کام دے سکتا ہے؟
لیکن افسوس ان لوگوں پر ہے جنہوں نے لسان العرب کی نقل میں اس کے مساجات پر نظر نہ ڈالی، اور انہیں
جو کچھ ملا ہے کم و کاست نقل کر دیا، مثلاً لسان میں منقول بن خلیل کا یہ شعر مرقوم ہے:

وسود جعاد السقا ب مثلهم یرهب الراہب

مصحح نے اس کی تصحیح کی زحمت اٹھائے بغیر حاشیہ پر لکھ دیا: کن اقی الاصل جذات بعض الشطر الاول
تاج العروس کے مولف شہر سید مرتضیٰ زبیدی (المتوفی ۱۲۰۵ھ) نے بھی لسان العرب کے متن میں یہی ناقص شعر نقل
کر دیا، وہاں بھی حاشیہ نگار صاحب نے لکھ دیا کہ لسان میں اسی طرح مرقوم ہے، حالانکہ اشعار البذلین میں یہ
شعریون ملتا ہے:

وسود جعاد غلاظ الرقا ب مثلهم یرهب الراہب

لسان العرب (۱۲۳: ۱۵) میں عبید بن الابریص کا ایک شعریون مرقوم ہے:

اعاقرة کذات سرحیم اور غانعو کمن یخیب

لیکن عبید کے دیوان (ص ۲۰) میں یہ شعر اس طرح ہے:

اعاقرة مثل ذات رحو اور غانعو مثل من یخیب

ایک دو مثالیں اس کی بھی ہیں، کہ ایک جگہ ایک شعر ایک ترتیب سے درج ہے، لیکن دوسرے مقام پر اسی شعر
کا مصراع اول مصراع ثانی بن گیا ہے، مثلاً حمید الارقط کے شعر میں (۹: ۲۱) اور (۱۶: ۱۸) میں مصراع اول
گئے ہیں، یا (۲۹: ۲۰) پر مولف بطور استہناد کے کیت کا شعر درج کرنا چاہا ہے، اور قال الکیت لکھر شعر
کی جگہ خالی چھوڑ دی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھتے وقت مولف کو شعر بھول گیا، اور بعد میں درج کر دینے
کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی، لیکن بات ذہن سے اتر گئی، اور شعر درج نہ ہو سکا،

(۴: ۴، ۴) پر ایک شعر ہے،

سَرَكَمْنَ الْخَيْلَ فِيهَا بَيْنَ بُسْتِ إِلَى الْأَوْدَادِ تَنْحَطُّ بِالْهَضَابِ

اس سلسلہ میں مولف نے قال عباس بن لکھڑ شاعر کے باپ کا نام درج نہیں کیا، اور جگہ خالی چھوڑ دی، لیکن بعینہ یہی شعر دوسرے مقام پر درج کرتے ہوئے لکھا: قال عباس بن جرّاس السُّلَیسی (ج ۶، ص ۳۲)

اس کی مثال بھی ہے کہ مولف کو شعر نقل کرتے وقت شاعر کے متعلق شک ہو گیا ہے اور بجائے ایک شاعر کا نام

لکھنے کے دو کا لکھ دیا ہے مثلاً (۳۳۶: ۲) پر لکھتا ہے قال ابو ذؤیب اَصْحَرَانِي بَعْضُ دَفْعَةٍ يَسَا بَعِي كَأَيْكِ مَقَام (۲: ۲)

پر ایک شعر عبداللہ بن تغفہ انصبی کی جانب منسوب کیا ہے، پھر بعینہ وہی شعر دوسرے مقام (۱۲۳: ۱۹) پر اسی شاعر کی جانب

منسوب کرنے کے بعد انساب میں شک پیدا ہو گیا، پھر خود ہی اس کی تصحیح کر دی، وَذُو الصَّحِيجِ اِنَّهُ لَسَدَحْرُ بْنُ عَوِيَةَ لَبْنِي

یا ایک شعر ایک مقام پر (۶: ۹)، عَنَّان بن وعلہ کی جانب منسوب کیا ہے لیکن وہی شعر دوسرے مقام

(۱۹۴: ۱۹) النضر بن قلوب کی طرف منسوب کر دیا، اس قسم کی مثالیں اور بھی ملتی ہیں، انساب میں اختلاف کے علاوہ

شعروں میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، ایک مقام پر ایک شعر درج ہے دوسرے مقام پر وہی شعر تھوڑے سے اختلاف

سے مرقوم ہے، اس کی مثالیں بھی بہ کثرت ملتی ہیں،

بعض ایسے اشعار ہیں کہ مولف لسان العرب نے ان کو کسی شاعر کی جانب منسوب کیا ہے لیکن ہاشم

اس شاعر کے مطبوعہ دیوان میں نہیں ملے، مثلاً ذیل کا شعر طراح کی جانب منسوب کیا ہے، (۲۵۸: ۶)

كَلَّ مَشْكُوتٍ عَصَا فَيَدَا قَاتِيَّ اللُّونِ حَدِيثَ الزَّمَامِ

یہ شعر طراح کے دیوان میں موجود نہیں، اور نہ اس کے ملحقہ ضمیمہ میں ہے، جس میں مختلف کتب سے اس کے اشعار

جمع کر کے درج کئے گئے ہیں، بعض اشعار لسان العرب اور دیوان میں باختلاف الفاظ پائے جاتے ہیں،

اسی طرح اور بھی بہت سے مسامحات ہیں جنہیں میں نے لسان العرب کی فہرست مرتب کرتے وقت جمع کیا

تھا، اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو اس کے لئے کئی مقالوں کی ضرورت ہو گی،

زندگی میں غم کیوں ہو؟

از

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (لندن) پیرسٹر ایٹ لاء استاد فلسفہ جامعہ عثمانیہ

بے خلش ہا زیتین نازیستین! باید آتش و رتر پازیتین

زیتین این گو نہ تقدیر خودی است از ہمین تقدیر تعمیر خودی است (اقبال)

ابتلا یا آزمائش انسان کی تقدیر ہے، اور ابتلا ہوتی ہے زندگی کی محبوب و مرغوب چیزوں کے روک لئے جانے یا فائدہ دینے سے ان پر آفات کے نزول سے ان کے حصول میں مشکلات کے پیدا ہونے سے خشن سے درد و غم سے رنج و الم سے قلب کے مار ٹھٹھ سے! یا زیادہ جامع الفاظ میں یوں کہو: خوف سے بھوک سے جان و مال و ثمرات کے نقص و کمی سے، اور ابتلا کا مقصد سیرت کی تعمیر ہوتی ہے، خودی کی بچگی ہوتی ہے، حیات کی زیادتی ہوتی ہے، قوت کی توفیر ہوتی ہے، خاص و عام رحمتوں و راحتوں کا نزول ہوتا ہے، اور جو شخص ابتلا سے بھاگتا چاہتا ہے، وہ ایک کلی و جوہری قانون کی ہمہ گیر قوت سے بچ بچنے کی کوشش کرتا ہے، اور نادانستہ طور پر اپنا ہی نقصان چاہتا ہے، اپنی خودی کی تکمیل و تعمیر نہیں چاہتا، حیات و قوت کی توفیر نہیں چاہتا، اور بھول جاتا ہے کہ

دوام ماند سوزنا تمام است چو ما ہی جز پیش بر ما حرام است

محو ساحل کہ در آغوش ساحل تپید یک دم و مرگ و ام است! (اقبال)

۱۵۔ یہ مقالہ حیدرآباد ایجوکیشن کانفرنس کے اجلاس نظام آباد کنوینسٹیا گیا،

زندگی میں غم کیوں ہے!

اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ہم آپ کو کچھ دیر کے لئے فکر و نظر کی دعوت دیتے ہیں، اور کائناتِ فطرتِ انسانی کے چند کھلی و ضروری قوانین کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرتے ہیں، ایک تحقیقہ دماغ می باید کرو!

انسان احتیاج کا دوسرا نام ہے، انسان کی عضویت کی تحدید و تشدید ہی سے احتیاج پیدا ہوتا ہے، یعنی اس کی فطرت ہی میں احتیاج ہے، وہ حاجت مند ہے، فقیر ہے، اور در دنیجہ ہے اسی فقر و احتیاج کا فطری طور پر وہ اس درد کی دو اچا ہوتا ہے :

عالم ہمہ درد دست و دوائی خواہد از خوانِ کرم برگِ دوائی خواہد
کس بے حاجت نمی تواند دیدن درویشِ غذا نشہ اشتہامی خواہد

(سجالی استرآبادی)

اب اس عالم اسباب و علل میں جس کی تشبیہ انگارہ سے دی جاسکتی ہے، مجاہدہ اور عمل ہی سے احتیاج فقر و دروغم بڑی حد تک دور کئے جاسکتے ہیں، جو اپنی بنیاد و اساس کے طور پر علم صحیح کو فرض کرتا ہے، مجاہدہ بیز علم صحیح کے ممکن نہیں، اور علم صحیح عمل سے علیحدہ ہو کر نافع نہیں ہو سکتا، اس لئے ہم انھیں دو پہلوؤں کو یہاں اختصار کے ساتھ پیش کر کے اپنے دعویٰ کی تائید کریں گے،

یاد رکھو کہ انسان کی زندگی اس معنی میں ہمیشہ خطرناک زندگی ہے، کہ درد و غم، سوز و الم اس کی ہست میں داخل ہیں، کائنات کے اندرونی اسرار سے جو لوگ واقفیت رکھتے ہیں، ان کا یقان ہے، کہ کائنات کائناتِ حق تعالیٰ ہیں، جو حکمت و خیر کے اعتبار سے مطلق و لامحدود ہیں، وہی اس کائنات پر حکمران ہیں، حکم ان ہی کا چلتا ہے، اشیائے ان ہی کی نافذ ہو رہی ہے، لہذا یہ کائنات منظر ہے خیر و حکمت کا، ہر درد و غم جو انسان کی زندگی کا ساتھ نہیں چھوڑتے، اور ہر رنگ میں انسان جو جلتا رہتا ہے، اس میں کوئی حکمت ہے، اور خیر کا کونسا نمایان پہلو ہے؟ ان ہی واقفانِ راز کا بیان ہے، کہ اہل ذکر یا مشاہدہ پر اس کی حکمت مہرین ہے، اس کی

زندگی میں غم کیوں ہے !

توضیح میں تو این کی شکل میں پیش کیا سکتی ہے،

(۱) درد و غم، سوز و الم نتیجہ ہے جرم و مصیبت کا، گناہ و بدکرداری کا، ذمہ اُم اخلاق اور ان سے پیدا

ہوئے اے افعال و اعمال کا، اس راز کو قرآن حکیم نے اس آیت میں پیش کیا ہے :-

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ

تم کو جو کچھ مصیبت پہنچی ہے وہ تمہارے ہی

أَيْدِيَكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ

ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے ہے اور بت

(پ ۵۶۲۵) سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے،

اسی راز کو کسی اور جگہ زیادہ واضح الفاظ میں یوں ظاہر فرمایا گیا ہے :-

وَلَمَّا أَصَابَكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ أَصَبَوْا

اور جس وقت تم کو ایک تکلیف پہنچی، کہ تم اس

مِثْلِيهَا قَالُوا إِنَّا هَذَا قُلُوبُنَا

سے دو چند پہنچا چکے ہو، تو کہتے ہو، کہ یہ کہاں

عِنْدَ أَنْفُسِكُمْ

سے آئی، آپ فرما دیجئے کہ یہ تکلیف تم کو تھا

(پ ۸۶۴) ہی طرف سے پہنچی،

صاحب کتاب (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس اصول کی تفسیر میں فرمایا کہ انما یعنی اعمال کو تو رد علیکم یہ تھا کہ

ہی اعمال میں جو تم پر لوٹا ہے، قرآن و خبر سے اس راز کو معلوم کر کے حکماء و صوفیاء اسلام نے یہ اصول

قرار دے لیا ہے، کہ

إِنَّ جَمِيعَ الْوُجُوْدِ قَالِكُمْ بِحَسَبِ مَا بَرَزْتُمْ مِنْ أَعْمَالٍ فَانظُرُوا كَيْفَ تَكُونُونَ

فَاتِ الظَّلْ تَابِعِ لِلشَّائِخِ فِي الْعُجُوبِ وَلَا سِتْقَامَةً رَشِيخِ ابُو النِّجَافِ

یعنی جو اعمال تم سے سرزد ہوتے ہیں ویسے ہی بدلہ بھی دیا جاتا ہے اس لئے ذرا اپنے اعمال پر نظر رکھنا

کیونکہ ظل یا سایہ شخص کے تابع ہوتا ہے، اگر کوئی شے ٹیڑھی ہے، تو اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا، اور اگر سیدھی ہے

إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أَحْيَا عَلَيْكُمْ فَنَجِدْ خَيْرًا فَنُعْطِيهِمُ اللَّهُ وَتَرَى وَجْهَ غَيْرِهَا فَلَا يَأْتِي مِنَ الْإِنْفُسَةِ

محال کی تمنائی، مَنْ طلب استقامۃ المظلّم مع عوج الشّاخص فقد راہ المِحَال! اسلئے یاد رکھو اور خوب سمجھ لو، کہ یہ جو سوز و غم تمہارے قلب کو کھائے جا رہا ہے، یہ نتیجہ ہے تمہارے ہی اعمال بد کا، مثلاً جب تم کسی کو دیکھتے ہو کہ وہ تم کو ناحق آزار پہنچا رہا ہے، بے وجہ تکلیف دے رہا ہے، زبردستی سزا دے رہا ہے، تو ذرا سوچ کر دیکھو کہ کیا تم نے بھی اسی قسم کی حرکت کسی معصوم و مظلوم کے ساتھ نہیں کی تھی، جس نے تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی؟ ممکن ہے کہ فوراً یاد آئے لیکن تحت الشّور نفس کی گمراہیوں میں یہ واقعہ ضرور مندرج ہے، وہ ایک روز تمہارے غور و فکر کرنے پر ظاہر و باہر ہو جائے گا، ہر حادثہ اور مصیبت کے وقت اسی قسم کی سوچ بچار سے کام لیا جائے اور دیانت فکری کو ہاتھ سے نہ دیا جائے تو آدمی بالآخر اس ام کا قائل ہو جاتا ہے کہ اللہ علیّ لا یحلیہو، ملامت مجھ پر ہے، میرے دشمنوں پر نہیں، کیونکہ حقیقی معنی میں میرا دشمن کوئی نہیں، میں ہی اپنی ذات کا بڑا دشمن ہوں، دوسرے دشمن، میرے ہی طبیعت کے پیدا کردہ ہیں، ع

نداء طبع من انداناکم خصمان بن، اند (خاقانی)

اور حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ارشاد کی جان و دل سے تصدیق کرنے لگے گا، کہ اعدای عدو نفسک انتی بین جنبتک، تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں میں ہے! اور دوالم تیرے ہی ہاتھوں کی کمائی ہے، یدایک کسبتا و فوٹ نفع!

جو مصیبت و آفت اور دُغم گن ہوں کی عقوبت کے طور پر وارد ہوتے ہیں، ان کی پہچان بس یہی ہے، کہ انسان نزول بلا پر مضربین کرتا، اپنی جیسی بے بس و بے کس ہستیوں کی طرف اپیل کرتا ہے، جزع و فزع کرتا ہے، شکایتوں کا دفتر کھول دیتا ہے، مقام سکویٰ میں داخل ہو جاتا ہے، اور مقام صبر سے خارج ہو جاتا ہے، مصیبت کے دفع کرنے کا واحد علاج یہی ہے، کہ اپنے اعمال کی اصلاح کی جانب توجہ کرے، اپنے نفس کا تزکیہ کرے، قلب کی تصفیہ کرے، اپنے سر کا ادھام باطلہ سے تخلیہ کرے، خیر کی جانب لوٹے، نور کی طرف پٹے، ظلمتوں سے نکل جائے غم و اہم

لے قول شیخ اکبر، تیرے ہاتھوں نے کیا، اور تیرے منہ نے چھوٹا،

کی تاریکیاں خود بخود دور ہو جائیں گی، اور راحت و مسرت کا نور اس کی رگ و پے میں سرایت کرنے لگے گا، درود و غم وہ اشارات ہیں جو انسان کو اس کے اعمال کی جانب متوجہ کرتے ہیں، یہ خیر کی طرف ہدایت کرتے ہیں، ان کا وجود اس پر اسرار کائنات میں بے معنی نہیں، شرمخص نہیں، یہ خیر کے تحقق کا زبردست آلہ ہیں، خیر کی منزل تک پہنچانے کا نہایت قوی ذریعہ ہیں، ایہ جرائم و معاصی کی غفلتوں کو دفع کرنے میں نور کا کام دیتے ہیں، ایک لفظ میں یوں کہو کہ یہ خام کو پختہ بنانے کیلئے ضروری ہیں، اقبال نے اسی مفہوم کو یوں ادا کیا ہے :

جہاں ماکہ جز انگارہ نیست اسیر انقلاب صبح و شام است

ز سوہانِ قضا ہوا رگِ درد ہنوز این بیکیر گلِ ناتمام است

سوہان قضا، بیکیر خاکی کے نقص و تھید کو کچی و خامی کو، غم و الم کے انگارہ سے دور کرتا جاتا ہو اور اس کو گل کی طرف کھینچ لاتا ہے !

(۲) بعض دفعہ دروالم سوز و غم معاصی و جرائم کی عقوبت کے طور پر نہیں عائد کئے جاتے، مقصود محض سزا دینا نہیں ہوتا، بلکہ تطہیر ہوتی ہے، تکفیر و تھیس ہوتی ہے، شہوتوں و لذتوں کے اتباع سے نفس میں تاریکی پیدا ہوتی ہو، ادا و امالی کی مخالفتوں سے قلب مردہ ہو جاتا ہے، درود و غم سوز و الم نفس سے غفلتوں کو دفع کرتے ہیں، مردہ قلب کو جلاتے جگاتے ہیں، حق تعالیٰ کی طرف اُس کا رخ پھرتے ہیں، جو نور مطلق ہیں، وہ ان کی طرف رخ کر کے نورانی ہو جاتا ہے، اور گناہوں کی سادھی تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں، بلاؤں اور مصیبتوں سے نفس دب جاتا ہے، ذلیل و خوار ہو جاتا، حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، شہوتوں اور لذتوں سے ٹوٹ کر ان سے جڑ جاتا ہے، ربط قائم کر لیتا ہے غم سے زیادہ موثر تطہیر کے لئے کوئی اور شے نہیں، اور بلآتی ہے اسی تطہیر کی خاطر

(ردی)

این بلا سے دوست تطہیر شما است

اسی مقصود کے پیش نظر کھڑکھڑات روم درود و غم (قبض) سے رنجیدہ نہ ہونے کی تاکید فرماتے ہیں اور اس کو

سالک کے لئے مفید قرار دیتے ہیں،

چونکہ قبض آمد تو دور وے بطنین تمازہ باش و چین میفن بوجین
چونکہ قبضے آیت اسے راہ رو آن صلاح تست آیس دل مشو

اسی خیال سے صوفیہ کرام نے بلا و مصیبت کو حق تعالیٰ کے انعامات سے زیادہ بہتر قرار دیا ہے آرام محبوب
ہے ازاںعام محبوب، بلا ہی عطا ہے، اور عطا پر غم کیسے، بلا از دوست عطا است و از عطا نالیدن خطاست !
کے ز ازار تو نیز ار شود جان حسین زخم چوں از تو رسد باہمہ آذر خوشیم
(منصور علاج)

بلا و غم جب تکفیر و تخفیں کے لئے آتے ہیں، تو اس کی صاف علامت یہی ہے، کہ بتلی اجزاع و فزع نہیں
کرتا، صبر جمیل سے کام لیتا ہے، دوستوں اور ہمسایوں کے سامنے اپنی مصیبت کو پیش کر کے تسکوی و شکایت نہیں
کرتا، صبر کر کے بے حساب اجر کا امیدوار رہتا ہے !

(۳) اور بعض دفعہ بلا و مصیبت محض تطہیر و تکفیر کے لئے بھی نہیں آتی، بلکہ ارتفاع و درجات اور بلوغ منازل
عالیات اس کا مقصد ہوتا ہے، یہ قانون اہل اللہ کے متعلق ہے جنہوں نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا ہے، جن کے
قلوب پاک و مصفی ہیں، جنہیں ربط حق قائم ہے، اور دیکھا جاتا ہے کہ کثرت سے بلائیں ان ہی پر نازل ہوتی ہیں جبکہ
البتلا، لولا، بلا و دوستوں کے لئے ہوتی ہے، مشہور خاص و عام یہی ہے، اس قانون کو راز دان حقیقت صلی اللہ علیہ وسلم
نے یوں بیان فرمایا ہے :

اذا احب الله عبداً ابتلاہ فان صبرا اجتباہ وان رضی اصطفاہ،

یعنی جب حق تعالیٰ بندے سے محبت کرتے ہیں تو اس کو مصیبت میں مبتلا کرتے ہیں اگر وہ صبر کرے تو اپنا
پسندیدہ بنا لیتے ہیں، اور اگر راضی رہے تو برگزیدہ قرار دے لیتے ہیں، اسی لئے حضرت معروؓ فرمایا کرتے تھے

لیس بصادق فی دعوا لا من لعل یتلد
جو اپنے مولا کی مار سے لذت نہیں لیتا وہ سچا

بضرب مولا، غلام ہی نہیں !

اسی منہم کو کسی عاشق نے ان سرے غم میں ادا کیا ہے :

جان بلب آمد زور در دم از دود و طلب گفت اگر تو عاشقی صبر کن رضا طلب
یار دے کہ بر سر تیغ زند تو دم مر سر بیدارے یار کن بیچ نہ خون بہا طلب
مخوسہ مرا یار شو تا شود ادبہ کام تو قابل انتقام نیست عاشق بہا طلب

انسان کی فطرت کے اقتضائات و قابلیات کا جن کو حکیمانہ علم حاصل ہے، وہ اس راز کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، کہ منازلِ عالیہ تک رسائی کے لئے درد و غم لازمی ہے، تصدیق جو انسان کی فطرت ہے، اطلاق کے کسی درجہ کی تحمل نہیں ہو سکتی، درد و الم ہی سے رفتہ رفتہ اضافی اطلاعات پیدا ہوتی جاتی ہے، یہ اطلاعات کیا، نفس کی تحدیدات سے رہائی ہے، ذمائم اخلاقیہ تحدید ہی کا نتیجہ ہیں، صفاتِ حسنہ کا پیدا کرنا مشقون کا بروائت کرنا ہے، تحمل مشاق موجب الم ہوتا ہے، لیکن ایک دفعہ جب صفاتِ حسنہ پیدا ہو جاتے ہیں، تو انسان ترغ محسوس کرنے لگتا اور ہزاروں غموں سے نجات پاتا ہے، گو درد و غم کو وہ فطرۃً مکر وہ سمجھتا ہے، لیکن نتائج سے واقف ہونے کے بعد وہ حق تعالیٰ کے اس قول کی تصدیق کرنے لگتا ہے، کہ

عسی ان تکرہوا شیئاً و یجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً، یعنی شاید تم کسی چیز کو برا جانو اور اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر کثیر رکھی ہو،

اوپر پر جو بلا میں نازل ہوتی ہیں، وہ ان کے درجات کے ارتفاع کے لئے ہوتی ہیں، حق تعالیٰ انہیں اپنا قرب عطا کرتے ہیں، فقر و نیستی میں انہیں مبتلا کرتے ہیں، درد و حزن ان پر طاری کرتے ہیں، ان سے ارشاد ہوتا ہے کہ البلاء کثرت من کموز الجنة لا یعطی الا باولیاء عاشق بلا کی اہمیت و قیمت سے واقف ہوتے ہیں نتائج وار

وہ اس کے طالب ہوتے ہیں، کہ

در دقہ در د کہ آن می باید در ویکہ ز دست بیشتر می باید
تخت عجب یک بے خوش خواہد ہر چہ بندہ می خورم دگری باید

کبھی وہ اپنے ساتھیوں کو یہ لکڑتسکین دیتے ہیں، کہ

بفقر و نیستی یک دور و زہ خوش می باش
کہ یار خود ز کرم عذر خواہی گردا

ان کے نزدیک جان کے مقابلہ میں تن کی زیادہ قدر تین اور جان کی قدر پر تو جب مان کی وجہ سے ہے

تن اگر تکلیف میں ہو لیکن جان جانان کے مراد کے مطابق ہو، اور اس کے جمال سے کیف اندوز تو پھر تن کی تکلیف کی کیا شکایت! اسی لئے بلا میں یہ عوام کا لانا عام کے خلاف

(۱) کسی غیر کے آگے شاکی نہیں ہوتے، اور اپنی تنگ دلی کا کسی کے سامنے اظہار نہیں کرتے، کیونکہ وہ جانتے

ہیں کہ *فَالْتَهُمْ نَحْنُ بِضَوَاعِلَ مِنْ الْأَهْلِ شَيْئًا* ۱۰

ستم کشان محبت دم از فغان بستند

گرہ ز جبہ کشاوند و بزربان بستند

(۲) اپنے باطن میں اتمام اپنے رب پر نہیں رکھتے، اس کی حکمت بالغہ میں انہیں کوئی شک نہیں ہوتا۔

وہ حق تعالیٰ سے یہ خطاب سنتے ہیں،

بادر و بسا زچون دواے تو منم در کس منگر کہ آشنائے تو منم

گر بر سر کوے عشق بامشہ شوی شکو اندیدہ کہ خونہماے تو منم

(۳) انہیں یقین کامل ہوتا ہے، کہ حق تعالیٰ نے جو بات اون کے لئے اختیار کی ہے وہی ان کے

دین و دنیا میں اچھی ہے،

صلاح ماہمہ آنست کان تراست صلاح

حدیث اولیٰ میں اس آخری نکتہ کو پوری وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے

کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، کہ میرے بندوں میں کوئی ایسا بھی ہے کہ تو نگری یا غنا کے سوا کوئی چیز اس

کو صالح نہیں کر سکتی، اگر میں اس کو فقیر کر دوں تو وہ فقر اس کے ایمان کو بگاڑ دے، اور کوئی ایسا بھی ہے

کہ اس کو فقیری و درویشی کے سوا کوئی چیز نیک نہیں بنا سکتی، اگر میں اس کو غنی کر دوں تو غنا اس کے ایمان کو فاسد کر دے، اور کوئی ایسا بھی ہے کہ اس کو صحت و تندرستی کے سوا کوئی چیز اس کو درست نہیں رکھ سکتی اگر میں اس کو بیمار کر دوں تو وہ بیماری اس کے ایمان کو بگاڑ دے، اور کوئی ایسا بھی ہے، کہ بیماری کے سوا کوئی چیز اس کے ایمان کو درست نہیں رکھ سکتی، اگر میں اس کو تندرست رکھوں تو یہ تندرستی اس کے ایمان کو فاسد کر دے، اب مجھے اپنے بندوں کے احوال سے پوری آگاہی ہے، اور میں ان کے مطابق اپنا کام کرتا ہوں حق تعالیٰ کی ان ہی حکمتوں سے واقف ہو کر عشاق ان کی حُسن تدبیر، قضا و اختیار سے راضی اور مطمئن رہتے ہیں۔ اور ہر حال میں دُصَابًا لِعَطَا، اور حِفْظًا حَالًا کو ضروری سمجھتے ہیں، اور قلب کی گہرائیوں سے ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

کے قائل ہوتے ہیں! اسی لئے گو وہ طبعی غم و اندوہ میں مبتلا ہوتے ہیں، لیکن عقلی سرور سے اون کے قلب خالی نہیں ہوتے،! یہ ہے ”جمع بین الاضداد“ اور ضد و ن کی جمع کا یہ ہنر، ان ہی کو آتا ہے! رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ!

غرض طبعی حزن و غم کے لحاظ سے کلیہ یہ ہے کہ ع

عالم ہمہ در دوست و دوامی خواہد!

یہ درو یا تو گناہوں اور بدکرداریوں کا نتیجہ ہے، یا تطہیر و تکفیر کے لئے وارد ہوتا ہے یا رنج و درجات کے واسطے عامد کیا جاتا ہے، اب ہر حال

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا

کے کلی قانون کا کوئی استثناء نہیں دکھائی دیتا، انسان کی ساری عمر محنت اور دکھ غم و اندوہ میں گزرتی ہے، سو اہل دین بسر ہوتی ہے، وہ ایک موج بہرے کے مانند ہے جس کی ماہیت ہی میں ہیچ و تاب ہے، چنانچہ اقبال نے اس حقیقت کو خوب بیان کیا ہے

زندگی میں غم کیوں ہو،

چہ پرسی از کجایم چہ ستم من؟ بخود چسپیدہ ام تا زی ستم من

درین دریا چو موج بہ قسار دم اگر بر خود نہ چسپیدہ ستم من!

لیکن جیسا کہ او پر واضح ہوا درد و غم سوز و الم بے معنی نہیں، بغیر مقصد و غایت کے نہیں۔ اس کا مقصد خود کی تعمیر ہے، قوتِ حیات کی توفیر ہے، اسی مقصود کو پیشِ نظر رکھنے سے انسان کو طبعی درد کی حالت میں بھی عقلی سرور حاصل ہو سکتا ہے، یعنی اوس کو اپنی جہت سے غم ہی غم ہے لیکن حق تعالیٰ کی جہت سے سرور ہی سرور، اسی نکتہ کو سمجھ کر عارفِ رومی نے فرمایا تھا ۵

چون بدانتی کہ غل کیستی فارغی گر فردی و گر ذیستی

قطرہ نوری سراپا نور باش بگذرا ز غم دایما مسرور باش

فانھم وَتَدَبَّر!

الفارق

حضرت فاروقِ اعظم کی لائف اور طرزِ حکومت، صحابہؓ کے فتوحات، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

یہ کتاب مولنا شبلی کی بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، مطبعِ معارف نے نہایت اہتمام سے اس کا نیا ایڈیشن تیار کر دیا ہے جس کے ساتھ دنیا سے اسلام کا رنگین نقشہ بھی شامل ہے طبعات کا غرض نہایت عمدتیت سے صفحات ۱۱۳

المامون

خلیفہِ امامون الرشید عباسی کے عہدِ سلطنت کے حالات، مولنا شبلی مرحوم کی یہ پہلی تصنیف ہے جس میں مدوح نے تاریخِ اسلام کے ہر فخرِ عہد کے سیاسی، علمی، مذہبی اخلاقی تمدنی حالات تقلید کئے ہیں جن سے ولایت کے عروج و کمال کے زمانہ کا مرقع آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، دار المصنفین نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے

قیمت بر، صفحات ۲۴۴ صفحہ،

”مینجر“

نواحِ دہلی

کی

اردو کی دو قدیم ترین کتابیں

از

جناب ڈاکٹر شید الدین احمد صاحب بی ایس سی علیگ خانقاہ شعیبہ نیجارہ
صاحبِ گلشنِ ہند و آبِ حیات وغیرہ نے شاہ ولی اللہ دکنی اورنگ آبادی متوفی ۱۱۵۵ھ کو زبانِ اردو
کا پہلا شاعر لکھا ہے، جو سید ابوالمعالی کے ساتھ بہمد سلطنت محمد شاہ ۱۱۳۴ھ میں دہلی آئے چنانچہ لکھتے ہیں ۷
دل ولی کا لے لیا دلی نے بھین جا کہو کوئی محمد شاہ سون،
۱۱۴۱ھ میں اونھوں نے مثنوی دہ مجلس لکھی، مثنوی میں ہے،

ہوا ہے خمِ جبِ یو در د کا حال تھا گیارہ سو پہ اکتالیسواں سال
مصنف دکن میں اردو نے وجدی کی مثنوی تحفہ عاشقان کو ۱۱۵۸ھ کی تصنیف قرار دیکر زبانِ اردو
کا پہلا شاعر وجدی کو مانا ہے، مگر بہارِ منظر میں ہے کہ وجدی مسمی وجہ الدین قوم شیخ کر نولی کی تحفہ عاشقان
جو مثنوی گل و ہر مرفوع گل خسرو فریدی کا ترجمہ ہے، ۱۱۵۲ھ میں، اور پنجی نامہ یا پنجی باچھا جو منطق الطیر کا
ترجمہ ہے ۱۱۶۰ھ میں اور باغِ جافزا ۱۱۶۵ھ میں لکھی گئی ہیں تحفہ کا ایک شعر یہ ہے ۷

کردن پاک دل ہوزبانِ پاک سون شنایاک اس عاشقِ پاک سون
جو اہرمنِ مبلوطہ ہندوستانی کا ڈمی الہ آباد کی جلد اول میں اردو کا پہلا شاعر وحی دکنی کو لکھا

کیا ہے، جنھوں نے کتاب سہرس نثر میں بزبان دکنی ۱۵۳۷ء میں لکھی،

”مارتخ ادب اردو میں پہلا شاہ محمد علی قطب شاہ متوفی ۱۵۲۶ء کو لکھا گیا جزان کا ایک شعر یہ ہے،

کرتے ہیں دعویٰ شعر کا سب اپنی طبع سون بخشا فیض شعر معانی کے تئیں خدا

اور حسب تحقیق ولی الہی حضرت شیخ رزق اللہ علوی دہلوی متوفی ۹۹۹ھ نے فارسی میں جن کا تخلص شتی

اور ہندی میں راجن ہے بہت اشعار ہندی میں تحریر فرمائے ہیں، ہندی میں رسالہ پیمان اور جوت نرجن وغیرہ بھی مرقوم فرمائے ہیں،

ثنوی واقعات امیر | لیکن میرے نزدیک اردو کی سب سے قدیم تر ثنوی، ثنوی واقعات امیر ہے، یہ ثنوی حضرت شاہ غلام رسول تاجدار علی برادر حضرت شاہ حافظ منور بایزید ثانی معرق ریشی نے ہمایون کے عہد ۹۳۷ھ میں اردو میں جس کو اس زمانہ میں ہندی کہتے تھے، لکھی چنانچہ ثنوی میں ہے،

ہمایون شاہ آن شاہ مجید جاہ جو ہے حکمران اب بلا اشتباہ

غلام رسول است امیر دار شہا شہریار ان مرادش برآر

تجارہ شہر وطن مالوف دوست درین ملک میوات معروف دوست

یہ ثنوی کتب خانہ مجیدی واقع خانقاہ شیبی ملوکہ و مقبوضہ حضرت صاحب سجادہ نشین خانقاہ شیبی

تجارہ آفتاب میوات میں موجود ہے، جس کو عالیجناب میر سی، ڈبلو ایل ہاروے صاحب بہادر، او بی، ای، ایم، سابق پرایم منسٹر ٹونک وغیرہ چیف منسٹر راج اور نے عجائبات میں شمار کرتے ہوئے میوزیم قندسے حفاظت کتب کے لئے ایک سو بیس روپیہ مرحمت فرما کر قدردانی کا ثبوت دیا ہے،

۱۷۰۰ء آپ کا مراد دہلی کی عید گاہ کے پاس ہے ۱۷۰۰ء تجارہ پے توابع دہلی میں شمار ہوتا تھا، آج کل ریاست اور میں ہے،

کتاب مع گلشن میں تجارہ من اعمال شاہ جہان آباد تحریر ہے، اور زیر حکومت خزانہ دار ولادور الملک نواب احمد بخش خان بہادر رستم جنگ مورث اعلیٰ نواب صاحب آف لوہارو کے بھی رہا ہے،

نمونہ کلام | اس شبنوی کے چند اشعار یہ ہیں،

| | |
|-------------------------------|-----------------------------|
| فک اور ملک سب مددگار ہو | الہی ترافض جو یا رہو |
| حقیقت لکھون واقعاتِ امام | میرے دل میں ہے آرزوے تمام |
| نگارِ شِ نو دیم ترتیبِ نظم | بندی زبانِ بعض در فرسِ ہم |
| دلِ افشردہ گانِ شعلہ افروز ہے | کھتاورد و دکھ کی جگر سوز ہے |
| ستمگر نہ بتے میان پھر کین | رضائے خدا اگر ہو دے خشین |
| نک ٹوٹ پڑتا نہ با این ستم | زمین پیٹ پھٹ کھائی جاتی بدم |
| کھڑی خلق تیرے سخن کو سنن | غلامِ رسول آؤ سر کرِ محسن |

اردو ہندی کے الفاظ | اس میں اردو اور ہندی کے سب ذیل الفاظ پائے جاتے ہیں :-

جتن، آپ روپ، بابا، سریر، پیلاگ، بابی (لڑکی)، بالا، اگا، دھن، رکھے، ساریاں، چوک، دونوں بل (طرف) تمہوں، جھون، برین، دھن دہر، ہنگا، چپ، اوکھٹ، کپٹ، پنٹ، بچی جھٹکن، سوہا، مانٹھے، پاتا، لاگو، پنکورا، کاپن، دلیے، اوسان، سین، کبھ وی، موے، کارنے، ستن، کوں، سوں، جوں، پڑا، گڈا، پڑھ، بڑا، کھتا، سیتی، پھت، کماٹی، اُوتی، جادتی، رووتی، اوسووتی، پھرے، پڑھے، پچپانا، پچپانا، بھایا، پھوت (ست) جل (پانی)، آنجواں (آنسو) اوگے، اوتر، ندان، پڑ گئے، چھون اور اتوار، سوگند، باگ (لگا رہ) کتے، کئے، مسو، سورسافٹ، لایا، بلاک، پھر یہ (پہن لیا)، ایچ کر، انوں، لک، چوب (چوم) انکھیاں، جھنڈ، بنانا، ترچین، کھ سون، دیدن، اپنا، سنگاتی، گلے لاگ، چاچا، داوینے، پتاسا، نراسا، انکھیوں، کھلا، لوہو، بین، کمو، نمدی، پھیون، کنک، ٹمک، کچے، آؤتا، لاؤتا، ہول، سر اوپر لیا، جگ، بوتنا، سورمان، لڑن، مکیاں (دکھ دالے) کس بی، پلاؤن، راہ لورن لگے، کیتے، تینے، جہدی، کئے، کرتیان، من، من، بیابلی، چھراون، بچاؤں، روس، جھیلین، آنے، پچل، توت، کھلا،

دیوان منعم تجاری | اسی دور کی دوسری کتاب دیوان منعم جو اس کے مصنف حضرت مولانا شاہ محمد اشرف غفرانی القزینی
المخلص منعم ہیں یہ حضرت شاہ علام رسول مصنف افغانیہ کے تھے یہ دیوان بھی مذکورہ بالا لاہوری میں موجود
اس کے اشعار کا نمونہ یہ ہے،

نمونہ کلام

دیکھ کر اس قدموزون کو زبں شرم کے سا گڑ گئی خاک میں سرو آج گلستان کے بیچ
ہے بیچ و تاب میں سنبھل کا دل بی ڈھ سُن کر صبا سین طرہ دستار کی ہنر
شیع اس یار کے رخسار کون دیکھ ہوئی فافوس میں جل کر کے روپوش
نمک ایک تو چیت مت کہو عمر ضائع نہیں بہتر ہے منعہ خوابِ خرگوش
روقتی نہیں ہے سفر کی جد دل بغیر دیکھ ایسے ہی حُسن کے تئیں دے ہے بہارِ خطا
کونسا معشوق ہے جگ میں جلے عاشق کیسا اس قدر عاشق نو لڑی کون ترے چھاتی ہو شمع
ابرے سبزہ ہے اور خندان و گل گلشن کے بیچ حیف ہے اس وقت میں ساقی نہیں تیتا یاغ
رات دن ہے شوقیوں گل کے چمن میں پابند سب غلط ہے جو کوئی کتا ہے سرو آزا دہر
منعہ ہو عاشقان میں اس وقت کا سیلِ دہو گر اپنی اس کون انگشتری نشانی

اردو اور ہندی کے الفاظ | بل گئے، جھکے، دے، پیرام، پیرامان سوں، لک، سیس، سیتی، جاگین، زو
لوں، جوں، باج، کھو، تا، بہاں، بہاں، بوتے، (بت) گلے ہار، بوجھ تیں، نیں، تیں پی، سجدہ
تد، تدہر، جد، پیر، (پھر) چک، ٹمک، چیت، اے آگس، جھلکا، صحت، برار، جگ، دوہین، آجا دان
بوہتی، آنکھان، پریت، پاؤتی، ترپینگی، سرخوشی، پڈی، اٹھلا، بیس، کیو، بوتے، (بت) جاتاڑہ، وی
(دیجے) تجھ اوپر، پڑو، خوش نیں، چاکھا، جیو، من، لگن، لگن، تیکھی، نہت، ہنک، پڑہ
گھل ل، جھیلیں، ایسے، ایتا، کیدھر، اوڈ گئے، وسکا، جس، اُور، سجن، ساجن، اندو، ک

پانام نداب وغیرہ،

سلسلہ رسوید کے متعدد بزرگ ارشاد و ہدایت کے ساتھ صاحبِ علم بھی تھے، حضرت شاہ غلام رسول نے فتویٰ و اقحاتِ امامیہ تصنیف فرمائی، مولانا شاہ محمد اشرف، حضرت خواجہ محمد ارشد فردوسی، حضرت مخدوم محمد شیب قریشی، حضرت مخدوم محمد یونس احمد قبلہ نما صاحب دیوان تھے، ان سب کے دیوان اردو ہیں حضرت شیخ احمدیث مولانا مفتی حافظ اجیر الدین نے لہابا دین مدرسہ اسلامیہ قائم فرمایا آپ حضرت مولانا محمد صاحب مرحوم ادابادی کے استاد بھی تھے،

تاریخِ صقلیہ جلد اول

مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی، اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا مرکز بنادیا، اور تقریباً پانچ سو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافیائی حالات، سسلی، اٹلی اور جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بہمد کے دوروں کا عروج، اور مسلمانوں کے مصائب و جلاوت کا مرتق دکھایا گیا ہے قیمت :- للحدود ۵۴۶ صفحے،

سیر الصحابہ جلد ششم

اس میں عہد صحابہ کی چارہم ہستیوں حضرت حسنینؓ، امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے مفصل حالات و سوانح اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی اخلاقی اور سیاسی مجاہدات اور کارناموں اور ان کے باہمی سیاسی اختلافات کی تفصیل ہے، واقعہ کر بلا اور امیر معاویہؓ کے متعلق اردو میں اس سے زیادہ مستند اور تحقیقی حالات نہیں مل سکتے، قیمت :-

”مینجر“

طبر فرشتہ

از

نواب صدریاری جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شروانی
 ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۱ھ کے معارفین غازی مولوی سید ابوظفر نے طبر فرشتہ پر ایک مقالہ لکھا ہے، اولیٰ
 پیش نظر نسخہ دوسرے مقالے پر ختم ہو جاتا ہے،
 میرے کتابخانہ میں بھی ایک نسخہ طبر فرشتہ ”دستور الاطباء“ کا ہے، اس کتابت اس پر بھی نہیں ہے
 ایک جگہ لوح پر یہ عبارت تحریر ہے :-

”طبر فرشتہ حکیم عسکری در ۱۱۹۱ھ ابتیاع نمود برائے اولاد خود“

اس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم دو نسخوں کا لکھا ہوا یہ نسخہ ہے اس میں تین مقالے ہیں، تیسرا مقالہ معالجات میں
 جس میں ۱۶۰ فصلیں ہیں، یہاں کے نسخے میں ۱۵۰ (ایک سو ساٹھ) فصلیں ہیں، اخیر کی تین فصلیں نہیں ہیں، آخر
 فصل اس نسخے کی تپ کے علاج پر ہے، اسی فصل پر یہ نسخہ ختم ہو جاتا ہے،

خیام

خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل بحث
 اور آخرین خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضخیمہ اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے خیام
 کے مباحث پر اس سے زیادہ مفصل، مکمل اور مٹھانہ کتاب اب تک نہیں لکھی گئی، قیمت مجلد للہ غیر مجلد :- ۵۰ روپے
 ضحامت :- ۵۲۰ صفحے،
 ”منیجر“

استفسار خواہ

مسلمان سلاطین کے لوازم شاہی

تخت تاج، چتر و علم

پروفیسر غلام مصطفیٰ خان صاحب {
کنگ ایڈورڈ کالج امراتہ (دہرا دکن) {
مخدومی و مکرمی دام ظلکم

”قد سبوسی و سلام منون عرض ہے، ایک بات کے لئے آپ کو تکلیف دیتا ہوں میں۔ بہرام شاہ غزنوی کی مفصل تاریخ بفضلہ تعالیٰ لکھی ہے، مجھے بعض شعرا کے اشارے ہیں جو براہیم غزنوی (المتوفی ۹۲۰ھ) اور اس کے بعد کے سلاطین کے متعلق ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ غزنوی کا علم سیاہ تھا، اس پر شیر اور ہلال کی تصویر تھی، تاج سفید تھا، اور چتر سیاہ تھا، آداب اعراب (ضمیمہ انڈیل کالج میگزین ص ۹) سے معلوم ہوتا ہے، کہ چتر پر باز تھا، جیسا کہ سحر کے یہاں بھی تھا، (کلیات انوری، مشاعرہ ص ۱۰۳)

شیر علم کے متعلق ردنی (ص ۶۱) کہتے ہیں۔

چو شیر رایت شیر دلیر او بیدل چو شاخ آہو شاخ درخت ادبے بر
صفہ وین کتے ہیں۔

در جہد باس او بشیر فلک اگر اندر شود بر شیر علم

سنائی (بجی ص ۳۸۰) کہتے ہیں :-

آن چنان شیرِ علم سر بفراد و بشل
گوئی از چشمہ خورشید کند آب غری
و غیرہ و غیرہ،

اب آپ سے دو باتیں معلوم کرنا چاہتا ہوں :-

(۱) ان اشعار میں شیرِ علم سے کیا یہی مراد ہوگی، کہ علم میں شیر کی تصویر تھی؟ یا یہ محض استعارہ ہے؟

(۲) مسلمانوں اور بالخصوص غزنوی عہد کے سلاطین کے علم چتر اور تاج وغیرہ کا حال کمان معلوم

ہوگا،؟ کیا کسی صاحب نے اس موضوع پر کوئی مضمون لکھا ہے؟

امید ہے کہ جواب سے جلد سرفراز فرمائیں گے، اور تشنہ علم کی تسکین فرمائیں گے،

میرا تنیت نامہ خدمت میں پہنچا ہوگا، والسلام

معارف :- محترمی زاد لطفکم

السلام علیکم، کراچی نامہ ملا، آپ کے دونوں استفساروں کے متعلق حسب ذیل گزارشیں ہیں :-

۱۔ بعض سلاطین کے علم میں سورج اور شیر کی تصویریں دراصل بنی ہوئی تھیں، ابھی کچھ دن گزرے کسی مستند کتاب میں یہ روایت نظر سے گذری تھی، کہ برج اسد سے کچھ تغا دلے کر شیر کی تصویر کو علم میں داخل کیا گیا، آج حوالہ کے لئے یہ روایت بہت سی کتابوں میں تلاش کی لیکن افسوس ہے کہ نہ مل سکی، تاہم اپنے حافظہ اور یادداشت کے بھروسہ پر یہ عرض کر سکتا ہوں کہ آپ شیرِ علم کو استعارہ کے بجائے حقیقت پر محمول فرمائیں، اور جن اشعار میں آپ نے غزنویوں کے علم کے سیاہ ہونے اور اس پر شیر اور ہلال کی تصویروں کے موجود ہونے کا تذکرہ دیکھا ہے، اس کو بھی حقیقت نگاری پر محمول فرمائیں، جب کبھی وہ روایت دوبارہ نظر سے گزرے گی، انشاء اللہ اس کو نقل کر کے ارسال خدمت کروں گا، بہارِ نجم میں بھی شیرِ علم کا مختصر ذکر ملا ہے، چنانچہ مذکور ہے :-

شیر علم، نقش شیر کہ بر علم کند موی منوی ۵

ماہم شیران و لے شیر علم جلد شان از باد باشد و مبدم (جلد ۳ صفحہ ۱۸۳)

اس کے ساتھ اس سلسلہ میں یہ امر بھی پیش نگاہ رہے، کہ خوشنوار و زندہ کی تصویر علم پر اس لئے بھی بنائی جاتی

ہے، کہ علم برادر فوج و دشمنوں کے لئے خوشخوار ثابت ہو،

۲۔ سلاطین اسلام کے مختلف خانوادوں میں جو مختلف شاہی رسوم و مراتب رائج تھے، ان کا مفصل تذکرہ

تلفیذ منوی صفحہ ۸۲ کی صبح الاغشی کی مختلف جلدوں مثلاً ج ۳ ص ۴۲، ۴۹، ۵۲۲، ج ۴ ص ۶، ۸، ج ۵

ص ۲۰۶، ۲۲۳، ۲۴۱، اسی طرح مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۸، ۲۸۵، اور خط مصر مرقزی ج ۳ صفحہ ۳،

ص ۳۴۲ وغیرہ میں مختلف مواقع پر شاہی تخت چتر، تاج و علم غرض جلد شاہی لوازم کا ذکر آیا ہے،

اردو میں ابھی تک اس موضوع پر کوئی مستقل مضمون نظر سے نہیں گذرا، مذکورہ بالا ماخذ سے ان چیزوں

کے متعلق ذیل میں سرسری معلومات مرتب کر دیئے جاتے ہیں، مزید تفصیلات کی ضرورت ہو تو اصل ماخذ کی طرف

رجوع کریں،

ان لوازم شاہی میں مختلف شاہی خانوادوں میں کم و بیش مختلف چیزیں مثلاً تخت تاج چتر، علم،

نقارہ، مجیر، شہنائی، قرنا، نیچہ، سراپردہ چاوش و تبردار، اور کوتل گھوڑے، اور ان کے چند مخصوص شاہی زین

اور گردنی (الرقبہ) وغیرہ مختلف صورتوں اور شکلوں میں رائج تھیں، اور یہ مختلف شاہانہ موکب و جلوس و مجالس

کے موقعوں پر استعمال کیجاتی تھیں، ابن خلدون ان لوازم پر فلسفیانہ انداز میں نظر ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ

سلاطین ان لوازم کو اپنے کرم و فرائد و بدبہ و سطوت کی نمائش اور امارت، ارکان دولت اور عاتقہ الناس

سے اپنے امتیاز و اختصاص کو قائم رکھنے کے لئے استعمال کرتے تھے، ارسطو کے خیال کے مطابق بطل و نقارہ کا

دواج ان میں ابتداءً اس لئے ہوا کہ لڑائیوں میں اس کی آواز کی ہیبت سے دشمنوں کے دل دہلا جائیں ^{انہیں} علاوہ

نغون کے سننے سے طبیعت میں سرور و نشاط پیدا ہوتا ہے اور اس وقت طبیعت مشکل سے مشکل کام کو انجام دے

پر آمادہ ہو جاتی ہے، اس لئے عجم لڑائیوں اور شاہانہ موکب و جلوس کے موقعوں پر نشاۃ پیدا کرنے کے لئے موسیقی کے مناسب آلات استعمال کرتے تھے، اور عرب اپنی اس ضرورت کو اپنے مطربانہ اشعار سے پورا کرتے تھے، لیکن مسلمان سلاطین نے جب عجمی طریقے قبول کر لئے، تو ان کے تمام شاہانہ لوازم کو بھی اختیار کر لیا، اور شاہی امتیاز و نشان کے لئے چند خاص چیزیں مخصوص شکل و وضع کی خاص کر لی گئیں،

تخت جلوس سلطانی کے لئے مخصوص سمجھا جاتا تھا، اس میں بنیادی تخیل یہ تھا، کہ سلطان کی نشست گاہ مجلسِ حاضرین سے بند رہے تخت کا استعمال قدیم زمانہ سے سلاطین کے دربار میں رائج تھا، وہ عموماً سونے کا ہوتا تھا، حضرت سیمان بن داؤد علیہما السلام کا تخت ہاتھی دانت کا تھا، اور وہ سونے سے منڈھا ہوا ہوا تھا، اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، سلاطین اس کو اپنی سلطنت کو ترقی کر جانے کے بعد اختیار کیا کرتے تھے، اسلام میں اس کو سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے اختیار کیا تھا، انھوں نے اس کو استعمال کرتے وقت لوگوں سے یہ کہہ کر کہ ان کے جسم میں فریبی آگئی ہے، اس کے استعمال کرنے کی اجازت چاہی، چنانچہ لوگوں (صحابہ) نے ان کو اجازت دیدی اور انھوں نے اپنے لئے غالباً گدے دار اونچا تخت تیار کر لیا پھر آگے چل کر مسلمان سلاطین نے انہی کا اتباع کیا، ورنہ عربوں میں پہلے اس کا رواج نہ تھا، چنانچہ حضرت عمرو بن العاصؓ وائی مصر کے متعلق روایت ہے کہ وہ اپنے قصر میں سب عربوں کے ساتھ زمین پر بیٹھا کرتے تھے، جب مصر کا مقوقس ان سے ملنے کے لئے قصر میں آتا تھا تو اس کے ساتھ سونے کا ایک تخت بھی آدمیوں کے ہاتھ میں اٹھا کر لایا جاتا تھا، اور وہ اسی تخت پر بیٹھا کرتا تھا، اور حضرت عمرو بن العاصؓ اس کے سامنے اپنی جگہ فرش پر بیٹھتے تھے، اور چونکہ مقوقس اپنے بیہان کی رسم کی پابندی کرتا تھا، اس لئے حاضرین اس کے اس طرح بیٹھنے کو بُرا نہ مانتے تھے،

اس کے بعد جب نبو عباس اور عبیدین (فاطمین مصر) کا زمانہ آیا تو انھوں نے قصر و کسریٰ کے یہ طریقے

خود اختیار کر لئے، (مقدمہ ابن خلدون، خلاصہ ۲۸۳ و ۲۸۵ و ۲۸۶)

چنانچہ مسلمان سلاطین کے مختلف خانوادوں میں شاہی جلوس کے لئے مختلف قسم کے تخت و کرسی رائج تھے

بوجاس کا تخت زمین سے، فٹ اونچا تھا، غلطیوں کا تخت سنگ رخام کا ایک منبر تھا، جیسا کہ جامع مسجد دہلی میں ہوتا ہے، لیکن اس کی پشت علیحدہ سے ہونے کے بجائے دیوار سے لگی ہوئی تھی، اس منبر پر سلطان اہم موقوفوں پر جلوس کرتا تھا، ورنہ عام دونوں میں حریر سے منڈھی ہوئی لکڑی کی ایک کرسی پر بیٹھا کرتا تھا، جو اس تخت شاہی کے پاس رکھی رہتی تھی، (صبح الاعشیٰ ج ۴ ص ۴۴۶)

ان شاہی تختوں میں رفتہ رفتہ کس قدر کلفات بڑھتے گئے، اس کا اندازہ ایران و ہندوستان کے تخت طاؤس وغیرہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے،

تاج، سلاطین اسلام میں تاج کا استعمال نسبت بعد میں ہوا ہے، موسیٰ بن نصیر کا لڑکا عبدالعزیز اندلس کی فتح کے بعد اس کا پہلا والی مقرر ہوا تھا، اسپین کے سابق فرماندار ڈرک کی بیوہ ایجو لینا اس کے جالہ عقد میں آگئی تھی، عبدالعزیز کے خلاف اندلس کے عربوں میں شورش پھیل گئی تھی، اور اس پر دو الزامات عائد کئے گئے تھے جن میں سے پہلا الزام یہ تھا کہ ڈرک کی بیوہ نے جواب ام عاصم تھی، عبدالعزیز سے کہا کہ ہمارے یہاں کے حکمران جب تک اپنے سر پر تاج نہ دیکھیں وہ حکمران معلوم نہیں ہوتے، اس کے پاس جو اہرات موجود تھے چنانچہ اس نے انہی جو اہرات سے مرصع سونے کا ایک تاج اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے عبدالعزیز کے سامنے رکھا، عبدالعزیز نے کہا کہ اس کا پہننا اس کے مذہب میں، و انہیں، عی، بایں ہمہ عبدالعزیز ایجو لینا کی دلہن ہی کے لئے اس کو خلوت میں اس کے سامنے پہننے پر آمادہ ہو گیا، اور خلوت کا یہ راز بعض ذرائع سے جلوت میں پہنچ کر پشت ازبام ہو گیا اور اس کے خلاف ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا، (امنتاح الماندس ابن القوطیہ ص ۱۱) لیکن مسلمان حکمرانوں کی یہ احتیاط کچھ زیادہ دونوں تک قائم نہ رہی، رفتہ رفتہ اس کا استعمال شروع ہو گیا، اور اس کا وقار سلطنت کے وقار کے مترادف سمجھا جانے لگا، چنانچہ غلطیوں مصر کا تاج "تاج شریف" کہا جاتا تھا، اس تاج میں بہت سے جواہرات ٹنکے ہوئے تھے، ان میں کا سب سے بڑا گوہر "ہمتیہ" کے نام سے معروف تھا، اور وہ وزن میں، درہم کے مساوی تھا

چتر، شاہانہ جلوس میں سلطان کے سر پر سایہ انگن رہا کرتا تھا، یہ قبہ بنا ہوتا تھا، اس کی کمانیں اوپر جا کر سونے کے ایک حلقہ میں پیوست رہتی تھیں، فاطمین کے چتر کا پیران کے لباس شاہانہ کے رنگ سے متاثر رہتا تھا، چونکہ چتر شاہی خلیفہ کے سر پر بلند رہتا تھا اسلئے وہ بھی بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، چتر انگلی کی خدمت امرا، امداد میں سے کسی ایک کے سپرد رہتی تھی، (صبح الاغشی، ج ۲ ص ۴۲، ۴۳، ۴۴)

فاطمین کا یہ چتر ابوسین کے قبضہ میں آیا، اور اسی طرح استعمال کیا گیا، ان کے عہد میں اس کا پیرانہ ازداد جو بڑا کا تھا، جو سنہرے نقش و نگار سے آراستہ تھا، اور منظر کے بجائے چتر ہی کما جاتا تھا، چتر کے اوپر چڑیا کی ایک نقری مورتی تھی، جس پر طلا کاری تھی، (صبح الاغشی، ج ۲ ص ۸۰، ۸۱)

اس سے معلوم ہوا کہ فاطمین کے چتر میں بھی اسی طرح کسی چڑیا کی تصویر تھی، جیسا کہ مبارک شاہ نے داد الحرب میں غزنویوں کے متعلق لکھا ہے، کہ اس پر بازو بنا ہوا تھا، (ص ۹) عجب کیا کہ فاطمین کے چتر میں بھی بازو کی تصویر ہو، غزنویوں کے چتر میں بازو کی تصویر کے ہونے سے ذہن ایک روایت کی طرف منتقل ہوتا ہے جس سے شاہی چتر سے بازو کے تعلق پر قیاساً ایک واسطے قائم کیا جاسکتی ہے، مسعودی نے اسپن کے قدیم حکمرانوں کے سلسلہ میں یہ دھپ روایت نقل کی ہے کہ

اسپن کے یہ عیسائی حکمران جب کشیتون پر سوار ہوتے تھے، تو شاہین شاہانہ سواری پر، سایہ انگن کشتی کے ساتھ ساتھ اوپر اوپر جلو میں اڑتے ہوئے چلتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ان میں کے ایک حکمران "اندق" نامی کی کشتی پر شاہین سایہ انگن جا رہے تھے، کہ ایک چڑیا سامنے آگئی، شاہین نے چھٹ کر اس کا شکار کر لیا، "انسانوں کے علم میں پہلی مرتبہ یہ بات آئی کہ شاہین شکار بھی کر سکتے ہیں، چنانچہ اس کے بعد شاہین کے ذریعہ سے شکار کھیلنے کا عام رواج ہو گیا، (مسعودی ج ۲ ص ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱)

اس روایت سے قدرِ مشترک کے طور پر یہ معلوم ہوا کہ شاہین سلاطین کے جلوس میں ان کے سرورں پر سایہ انگن رہتے تھے، اسلئے شاہی سوادیوں سے ان کا تعلق قدیم زمانہ سے ثابت ہوتا ہے اور شاہانہ جلوس میں ان کا

سر پر سیاہی افگن رکھنے کا ایک مدعا یہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح سوار و پیادہ شاو کی سواری کے جلو میں اس کی حفاظت اور اس کے مرتبہ کے بڑھانے کے لئے ہوتے ہیں، اس لئے طہور کا یہ حکم ان نفعی میں انہی خدمات کی بجا آوری پر مامور ہوتا ہے۔ علم کے متعلق ابن خلدون لکھتا ہے کہ علم عہد قدیم سے لڑائیوں کی نشانیوں میں داخل ہے، میدان جنگ میں اس کی کثرت اس کے مختلف رنگ اور اس کے طول سے نفسیاتی طور پر دشمن کے دلوں پر خوف و ہراس طاری کرنا مقصود ہوتا تھا اسلام میں عہد نبوی کے آغاز سے اس کو اختیار کیا گیا، چنانچہ غزوات میں علم موجود رہتے تھے، امتداد زمانہ سے اس کے استعمال کے طریقوں میں فرق ہوتا گیا، چنانچہ عہد رسالت و خلافت راشدہ میں صرف لڑائیوں کے موقع پر استعمال کرتے تھے، جب بعد کے خلفائے شاہانہ طور و طریق اختیار کئے، اسی طرح علم کو بھی استعمال کرنے لگے، جیسے غجی سلاطین استعمال کرتے تھے، پھر خلفاء و سلاطین کے علاوہ امار و عمال بھی اپنی شان و شوکت کے اظہار کے لئے اس سے اپنے جلوس و موکب کی زینت بڑھانے لگے، اور آگے چل کر علم کی کثرت و قلت خلفاء و عمال کے جلوس و موکب میں فرق و امتیاز قائم رکھنے کا ایک ذریعہ بن گئی۔

پھر علم کے مختلف رنگوں سے مختلف خاندانوں کی تمیز کی جانے لگی، مثلاً عباسیوں نے اپنے علم کے لئے سیاہ رنگ اختیار کیا، تاکہ وہ ہاشمی شہداء پر اپنے پادراغ و الم کا اعلان کرتے رہیں، اس لئے وہ ”مسودہ“ کہے گئے۔ پھر جب نبوہاشم میں تفریق ہوئی، اور نبوہاطاب بنو عباس کے خلافت اٹھنے لگے، تو انھوں نے اپنے علم کا رنگ سفید اختیار کیا، اور وہ ”مہیضہ“ کہے گئے، اس کے بعد المامون نے ماتمی سیاہ لباس کو چھوڑ کر سبز رنگ اختیار کر لیا، اور اس کے جھنڈے کا رنگ بھی سبز ہو گیا،

دوسری طرف مغربین بربری سلاطین صنہاجی وغیرہ نے علم کے لئے کوئی مخصوص رنگ اختیار کرنے کے بجائے رنگین ریشمی کپڑے اختیار کئے، ان کپڑوں پر وہ سنہرا کام بنا دیتے تھے، اس کے بعد جب موحدین کا دور آیا، تو انھوں نے علم و طہیل وغیرہ شاہی لوازم کے استعمال کو سلطان کے لئے مخصوص کر دیا، اور دوسرے عمال و امار کو ان کے استعمال کرنے کی ممانعت کر دی، پھر مختلف سلاطین نے اپنے ذوق کے لحاظ سے اپنے جلو

کے لئے علم کی مختلف تعداد مقرر کی، چنانچہ محمد بن اور اندلس کے بواہر سات علم رکھتے تھے، پھر بعضوں نے یہ تعداد بڑھا کر دس کر دی، پھر تیس ہوئی، یہاں تک کہ سو تک پہنچی، چنانچہ ابن خلدون کہتا ہے کہ اس کے زمانہ میں سلاطین ابو الحسن جلوس میں سو علم رکھتا ہے، جو سنہ ۷۰۰ کا مونس سے آراستہ، رنگین ریشمی کپڑوں کے ہوتے ہیں، پھر اسی زمانہ میں دلاؤ، عمال، اور قواد کو سفید کتان کے صرف ایک چھوٹے علم اور صرف ایک چھوٹے نقارہ کی اجازت دی گئی، وہ لڑائیوں کے موقعوں پر بھی اس ایک علم سے زیادہ علم میدان جنگ میں نہیں لجا سکتے تھے،

اسی طرح سلاجقہ کے یہاں ابتداءً صرف ایک بہت بڑا علم رہتا تھا، جس کے سرے پر بالون کا گندھا ہوا ایک بڑا گچھا ہوتا تھا، یہ علم خاص سلاطانی نشان سمجھا جاتا تھا، اور شہنشاہ کہا جاتا تھا، اور چھوٹے چھوٹے علم بھی ہوتے تھے، وہ سختی لکھے جاتے تھے، (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۸۴، ۲۸۵)

فاطمین کا علم جیسا کہ ابن خلدون کے بیان میں اوپر گذرا، سفید رنگ کا ہوتا تھا، ان کے جھنڈوں میں دو سبب اونچے ہوتے تھے، وہ "واسے احمد" کے جاتے تھے یہ دونوں دو بلے نیزوں میں ہوتے تھے، جو اپنی نوکوں تک سونے کے خول میں ڈھکے ہوئے تھے، ان دونوں کے اوپر سفید حریر کی دو جھنڈیاں جن پر سونے کے بوٹے کرٹھے ہوئے تھے، ہوتی تھیں، یہ جھنڈیاں ان نیزوں میں لپیٹی رہتی تھیں، جلوس میں یہ دونوں علم دو ممتاز میروں کے ہاتھوں میں ہوتے تھے پھر ان دونوں علم سے دو بست نیزے ہوتے تھے ان کے سر میں پرٹھوس سونے کے ہلال ہوتے تھے اور ان میں سے ایک میں سرخ اور دوسرے ایک سات دیا ہوتے تھے پھر ان کے پیچھے پیچھے، نازک نازک رنگین جھنڈیاں بوٹے دار حریر کی ہوتی تھیں جن پر آیت کریمہ نصر من اللہ وفتحہ قریبہ "کرٹھی رہتی تھی، (صبح الاعشی ملخصاً ج ۳ ص ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲،

طبل دیگر لوازم شاہی میں موسیقی کے آلات، نقارہ، قرنا، شہتائی وغیرہ کا رواج عہد رسالت و خلافت راشدہ میں نہ تھا، ابن خلدون نے یہ صحیح لکھا ہے کہ اہل حق کے لئے اس دور میں ان لوازم کی حاجت نہ تھی، کہ وہ ان کی مدد سے میدان جنگ میں کامیابی حاصل کریں، جب خلافت بادشاہت میں منتقل ہو گئی، تو دیگر لوازم کے ساتھ رفتہ رفتہ یہ چیزیں بھی مسلمانوں کے تمدن میں داخل ہو گئیں، اور سلاطین کے مختلف خانوادوں میں یہ چیزیں استعمال کی گئیں، موصدین نے جس طرح علم پر پابندی غائد کی تھی، طبل و نقارہ پر بھی پابندیان غائد کر دی تھیں، پھر امراء کو جب ایک علم استعمال کرنے کی اجازت دی گئی تو طبل و مجمرے کے استعمال کی ممانعت اٹھائی گئی، پھر وہ لڑائیوں اور جلوسوں میں کثرت سے استعمال کئے جانے لگے، (مقدمہ ابن خلدون ۲۸۴-۲۸۵)

مختلف خانوادوں میں طبل و نقارہ کس قسم کے تھے، اور کیا خصوصیات تھے، قلعہ شذی نے ان کو باجاً لکھا، اسی طرح چند دیگر لوازم تھے، مثلاً فاطمین کے یہاں ایک عصا سے شاہی تھا، یہ ڈیڑھ باشت کا ایک دستہ تھا، اس پر سونے کا خول چڑھا ہوا تھا، اور موتیوں اور جواہرات سے مرصع تھا، اسی طرح مرصع تلوار، دوات، نیزہ، گھوڑے کی اٹلسی زین اور قیمتی جواہرات یا قوت خیرہ سے مرصع طلائی زیورات وغیرہ سے آراستہ وپراستہ رہواروں سے شاہی جلوس کی زینت بڑھائی جاتی تھی، اسی طرح سلطانی سرپردہ وغیرہ وخرگاہ وغیرہ تھے، قلعہ شذی اور مقریزی وغیرہ نے ان لوازم شاہی کی تفصیلات کے ساتھ سلاطین کی تخت نشینی اور شاہی موکب و جلوس کے مختلف مراسم جزئی تفصیلات کے ساتھ بیان کئے ہیں، اگر ان امور کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہو تو براہ کرم اصل تاحذ کی طرف رجوع کریں، (صبح الاشیاج ۳ ص ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹ و خطبہ مقریزی ج ۳ ص ۳۴۰، ۳۴۱ وغیرہ)

افسوس ہے کہ غزنوی عہد کے متعلق بہ تخصیص معلومات ہمارے پیش نظر تاحذ میں دستیاب نہ ہو سکے اگر ان معلومات کے لئے غزنوی عہد کی پوری تاریخ بالاستیعاب دیکھی جائے، اور موقع بہ موقع سے معلومات اخذ کئے جائیں، تو وہ فراہم ہو سکتے ہیں، غزنویوں سے متعلق کوئی ایسا تاحذ ہمارے سامنے موجود نہیں جس میں ان کے

یہ احوال جہاں گاہ نظر پر قلمبند کئے گئے ہوں،

ہندوستان کے عہدِ تغلیق پر تفصیلی معلومات قلعہ شہی نے صبحِ الٰہی میں لکھے ہیں، جو ایک مقالہ کی صورت میں ہندوستان آٹھویں صدی ہجری میں، کے عنوان سے ماہ دسمبر ۱۹۳۳ء کے معارف میں راقمِ سطور کے قلم سے مرتب ہو کر شائع ہو چکا ہے، اس مقالہ کے مطالعہ سے اس عہد میں ہندوستان کے شاہی لوازم کا اجمالی علم حاصل ہوتا ہے، مثلاً دربار عام کے سلسلہ میں مذکور ہے :-

سلطان ہفتہ تین ہر شنبہ کو دربار عام منعقد کرتا ہے، اس دربار کے لئے ایک بہت بڑا وسیع ایوان مخصوص ہے، جو ہر قسم کے تکلفات سے آراستہ و پیراستہ رہتا ہے، صدر میں ایک نہایت بلند مرصع تخت زرد نگا بچھا ہوتا ہے، سلطان اسی پر جلوس کرتا ہے، دائیں بائیں، اربابِ حکومت ایستادہ رہتے ہیں، پشت پر تھیا رند اسلحہ دار در سامنے اربابِ وظائف و اہل مناصب حسبِ حیثیت و مرتبہ کھڑے رہتے ہیں، سلطان خود سات دروازوں کے اندر بیٹھتا ہے، باریاب ہونے والوں کو پہلے ہی دروازہ پر سوار یوں سے اتر جانا پڑتا ہے، پہلے دروازہ پر بوق و طبل کا اہتمام ہوتا ہے، جب معزز عمدہ دار حاضر بارگاہ ہوتے ہیں تو ان کی شانِ امتیاز کے لئے وہ بجائے جاتے ہیں، شاہی جلوس بڑے ترک و احتشام سے نکلتا ہے، ایک شخص گھوڑے پر سوار تاج شاہی پر چتر لگائے رہتا ہے، سلاح دار ذوق برق لباس میں بلبوس اپنے چکیے بٹھیا رہنہالے ہوئے سرواڑی کے پیچھے پھرتے ہیں، دائیں بائیں تقریباً ۱۲ ہزار خدام یا پایا دورہتے ہیں، سواری کے آگے طبل بجاتا ہے، طبل میں ۳۰۰ نفارے، ۴۰ کوس، ۲۰۰ بوق اور ۱۰ چنگ ہوتے ہیں، سلطان کے ساتھ دوسرے اعیانِ حکومت اپنے اپنے امتیازی جھنڈوں کے ساتھ ہمراہ ہوتے ہیں، بعض خواہن کو سات سات جھنڈے رکھنے کی اجازت ہوتی ہے، ان اعیانِ حکومت کے چند دیگر امتیازات خصوصی بھی ہوتے ہیں، مثلاً خواہن عام طور پر دس کو تل گھوڑے اپنے ہمراہ رکھ سکتے ہیں، اور امرا کو صرف ۳ کو تل گھوڑوں کی اجازت ہوتی ہے، حالتِ جنگ میں سلطان کے سر پر سات چتر لگائے جاتے ہیں، جن میں سے دو خصوصیت کے ساتھ نہایت مرصع مظلّہ اور مذہب ہوتے ہیں،

ہندستان کے عہدِ غلیہ کے شاہی وازم کو ابو الفضل نے اَیْنِ اکبری میں کم و بیش ”شکوہ سلطنت“ کے زیر عنوان کجا کر دیا ہے، آپ اس کی طرٹ رجوع کر سکتے ہیں، چنانچہ اورنگ سلطنت سونے اور چاندی کا مرصع تخت تھا، ہندوستان کا تخت طاؤس شہرتِ عام رکھتا ہے، اردو میں تخت طاؤس کے نام سے ایک مستقل کتاب بھی لکھی جا چکی ہے، چتر بے شمار قیمتی جواہرات سے مرصع تھا، ابو الفضل لکھتا ہے کہ چتر میں کم سے کم سات جواہرات کا موجود ہونا ضروری تھا، آفتاب گیر کے نام سے جواہرات سے پورا مرصع زربفت کا شامیانہ تھا، جو دھوپ کے وقت سر پر راہِ میں سایہ انگن رہتا تھا، علم کی کئی قمیص تھیں، قلم، چتر، قوق، تن قوق وغیرہ یہ مختلف امتیازوں کے ساتھ بلند کئے جاتے تھے، چتر قوق کا علم تبت کے باز کی دم سے بنایا جاتا تھا،

طبل میں نقادہ، دہل، قرنا، سرنہ، نیرنج، اور سنگ وغیرہ تھے، جو مختلف موقوفوں اور ترتیبوں کے ساتھ بجائے جاتے تھے، (اَیْنِ اکبری)

روایات معراج

جناب مولوی سید عبدالرؤف صاحب اورنگ آبادی محترم دام بقائہ

جامع مسجد اورنگ آباد ضلع گیا السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۔ واقعہ معراج میں حضرت مالک بن صنفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سدرۃ المنتہی سے بیت المعمور کو روانہ ہوتے

وقت صاحبِ معراج علیہ السلام کے حضور میں شراب (نمر) دودھ، شہد کا ایک، ایک ظرف پیش کیا جانا

اور آنحضرت کا دودھ کے ظرف کو اٹھالینا اور حضرت جبریلؑ کا فرمانا کہ یہی فطرت ہے، جس پر آپؐ

آپ کی امت ہے، اور حضرت انسؓ کی روایت میں بعد فراغت، نماز مسجد اقصیٰ سے نکلنے اور آسمان

کی طرٹ روانہ ہونے کے وقت شراب اور دودھ کا ایک ایک ظرف حضورِ قدسؐ میں حضرت جبریلؑ کا

پیش کرنا اور دودھ کا ظرف لے لینا اور حضرت جبریلؑ کا فرمانا کہ اپنے فطرت کو پسند کیا ہو،

امامِ مسلمین ہادی عالم سید اولادِ آدم ﷺ کے حضور میں حضرت جبریلؑ کے ہاتھوں

خبر جیسی نجس اور حرام شے کے پیش کئے جانے کا منشا صحیح کیا ہو سکتا ہے؟ اس واقعہ سے بعض احباب کے دل میں خلش پیدا ہوتی ہے، اس کا ازالہ ضروری ہے،

۲۔ روایات معراج میں ہے کہ آسمان اول پر حضرت آدم اور آسمان دوم پر حضرت نوحؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور آسمان سوم پر حضرت یوسفؑ اور آسمان چہارم پر حضرت ادریسؑ، آسمان پنجم پر حضرت ہارونؑ، آسمان ششم پر حضرت موسیٰؑ، آسمان ہفتم پر حضرت ابراہیمؑ سے اور صاحب معراجؑ سے ملاقاتیں ہوئیں انبیاء نامیدہ کا تقریباً یہ ترتیب کی منشا ہے،

اور پھر انہی حضرات کرام کا تقریر کیوں ہوا، حالانکہ ان کے علاوہ اولوالعزم حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اور پیغمبران بھی مذکور ہیں،

۳۔ انبیاء مذکورین کا تقریر اپنی اپنی منزلوں پر بغرض افادہ تھا یا استفادہ؟ اگر افادہ کی غرض سے تھا، تو کیا وہ غرض دیگر انبیاء سے پوری ہو سکتی تھی یا نہیں؟ اور تیز مفید کا مستفید سے افضل و اکمل ہونا ضرور ہے یا نہیں، اگر ضرور ہے تو مستفید کی افضلیت و کملیت خود واقعہ معراج اور مسجد اقصیٰ میں امامت انبیاء مرسلین سے دیگر صفات و حیثیات سے ثابت ہے، نظر بران کسی صاحب کا یہ کہنا کہ انبیاء مذکورین کا تقریر بغرض افادہ تھا، اور ملاقاتیں بغرض استفادہ تھیں، کمالتک صحیح ہے؟

معاصرین :- دودھ فطرتِ صائغہ اور شراب فطرتِ فاسدہ کی جس کا دوسرا نام ضلالت ہے پیش ہے، حضرت انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دونوں چیزیں پیش کی گئیں، حضرت نے اپنے اختیار سے دودھ کو جو فطرتِ صائغہ تھی، قبول فرمایا، اور فطرتِ فاسدہ کو رد فرمایا، حضرت صلعم کی تیشیں ذاتی بین امت کا دھجہ پنہان تھا، آپ نے اپنی امت کی طرف سے فطرتِ صائغہ کو پسند فرمایا، جس کا دوسرا نام اسلام ہے، فطرۃ اللہ، التي فطر الناس علیہا،

۲۔ دوسرے سوال کا پہلا جز یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام باین ترتیب کیوں ہوئے تو ظاہر ہے کہ اس ترتیب میں ابتدا و انتہا و اوسط کی مناسبت ہے، حضرت آدم علیہ السلام پر اول، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آخر ہیں، بیچ کے انبیاء علیہم السلام ان دونوں ہیں،

سوال کا دوسرا جز یہ ہے کہ انہی کا انتخاب کیوں ہوا، جواب یہ ہے کہ اس فطرتی مناسبت کی بنیاد ہو، جو ان انبیاء کرام علیہم السلام میں فرداً فرداً اور آنحضرت ﷺ میں مجعماً تھی،

۳۔ یہ نہ فادۃ تھی، نہ استفادۃ بیکہ اگر ائمه للضعیف اور استینا سأل المتناہین۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعَلَمُهُ اَتَمُّ،

”س“

تابعینؓ

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابہ کرام کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دارالمصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمر ابن عبد العزیز، حضرت حسن بصری، حضرت ادیس قرنی، حضرت امام زین العابدینؓ، حضرت امام باقرؓ، حضرت امام جعفر صادقؓ، حضرت محمد بن خنفیہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن ثیرین، حضرت ابن شہاب زہریؓ، امام ربیعہ دانیؓ، امام کحول شامیؓ، قاضی شریحؓ وغیرہ چھانوئے الکاثر تابعینؓ کے سوانح ان کے علمی و مذہبی اخلاقی اور علمی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے، مرتبہ: شاہ معین الدین احمد ندوی،

ضمانت ۶۰۵ صفحہ، قیمت :- للحد

منہج

وفیات

آہِ شمس العلماء! مولانا حفیظ الشباق مدرس علی دارالعلوم

حضرت مولانا ابوالحسنات عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی آخری یادگار مٹ گئی، یعنی ان کے آخری شاگرد رشید مولانا محمد

حفیظ اللہ صاحب جوان کی مجلس درس کی کیلی یادگار رہ گئے تھے ۳۶۲ھ کے خاتمہ ماہ میں وفات پانگے،

مرحوم ۳۵۷ھ کے آخر میں ضلع عظم گڑھ کے چھوٹے سے گاؤں بندی میں پیدا ہوئے تھے، غدر ۱۲۵۷ء میں وہ ۶ ما

کے تھے اور اسی قدر وہ مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ سے بڑے تھے ابتدائی کتابیں گھر پر پڑھ کر وہ اپنے عزیز مولانا سلامت اللہ

صاحب جیراچوری والدہ حافظہ اسلم صاحب جیراچوری کے ہمراہ بنارس تعلیم کیلئے گئے وہاں سو واپس آکر مدرسہ ہشتیہ رحمت

غازی پور میں پڑھنے کیلئے گئے اور وہاں فارسی کی اونچی کتابیں پڑھیں اس زمانہ میں غازی پور میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی

شاگرد رشید مولانا غلام جیلانی صاحب ان کو بلوایا عربی کتابیں شروع کیں چند سال میں ان سے متوسطات تک پڑھ کر اپنی

کے مشورہ سے فرنگی محل لکھنؤ میں مولانا ابوالحسنات عبدالحی صاحب فرنگی محلی کی مجلس درس میں حاضر ہو کر ۱۲۵۷ھ زمانہ تھا جب دارالعلوم

حیدرآباد کی مسجد چوک میں عربی اور طب پڑھنے والوں کا گویا دارالافتاء تھا، نئی بنکر تیار ہوئی تھی چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی

صاحب کی سفارش سے ان کو اس کے حجرہ میں رہنے کی جگہ ملی اور یہاں کئی سال رہ کر معقولات اور دینیات کی تعلیم حاصل کی

فراغت کے بعد جو غالباً ۱۲۵۷ء میں ہوئی ہوگی وہ کاکوری ضلع لکھنؤ کے ایک مقامی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے، یہی سلسلہ ہے

جس سے وہ جانب نشی محمد اہتمام علی مرحوم رئیس کاکوری سے ملے اور جیسے ملے کہ پھر ان کے دل الگ نہ ہوئے اگلے زمانہ میں دستون کی

وضو داریاں آج عجیب معلوم ہوتی ہیں چند ہی سال کے بعد ریاست رامپور کو مشہور مدرسہ عالیہ میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے یہ

زمانہ تھا جب رامپور اہل کمال کام کرتا تھا، مولانا عبدالحی خیر آبادی کا وہاں طویل بول رہا تھا، اس عہد میں ان کا وہاں

طمانا

اور اہل علم کی نگاہوں میں قاری پیدا کرنا معمولی کارنامہ نہیں، ورنہ نون صاحب کے سامنے ایک فتنہ کسی فلسفیانہ مسئلہ پر نظر ہو چکا ہو لانا مرحوم کو زیادہ تر شوق مقولات ہی کا تھا، قدیم فلسفہ و منطق میں بڑی دسترس حاصل کی تھی، ساتھ ہی ریاضیات میں کمال پیدا کیا تھا، چنانچہ رامپور کے زمانہ قیام میں تصریح پرستہ^{۱۳۱} میں حاشیہ لکھا جو عام طور سے شائع ہے،

رامپور کے زمانہ قیام میں جنرل عظیم الدین مرحوم کا عہد دیکھا تھا ان کے شاگردانہ کارنامے وہ خوب خوب بیان کرتے تھے، یہ تو نہ دہم تھی، بزم میں جناب ششی امیر احمد صاحب مینائی مرحوم کی صحبت اٹھائی تھی، ان کے شاعرانہ کمالات اور بعض مشاعروں کے حالات بڑی دلچسپی سمجھنے لگے، آداب مجلس سے خوب واقف تھے، اور بڑی مزہ دار باتیں کرتے تھے، لطافت و ظرافت کی بھی کمی نہ تھی، سیر و شکار کا بھی شوق تھا، بڑے قادر انداز تھے،

رامپور سے وہ لکھنؤ آکر اور دارالعلوم ندوہ کے افتتاح کے وقت ۱۳۱۷ھ میں وہ اس کے فہم اور مدرس اول مقرر ہوئے جس پر وہ شہسوار ملک فائز بھی، چچان نے اسی زمانہ میں ان سے مدرسہ دارالعلوم میں مقولات و منقولات کی کتابیں پڑھیں مولانا شبلی مرحوم کے وہ معاصر تھے، اسلئے جب صحبت ہوئی تو دونوں میں خوب نوک جھونک ہوتی، گفتگو کا موضوع کوئی فلسفہ کا مسئلہ یا عقل و نقل کی تطبیق کی معرکہ آرائی ہوتی،

دارالعلوم سے وہ شہسوار میں ڈھاکہ یونیورسٹی میں گئے ۱۳۲۰ھ میں بلن سے نیشنل یاب ہوئے اسی سال ہجج کو گئے اور وہاں سواپس آکر لوگوں کے اصرار سے دوبارہ ندوہ کی صدر مدرس مقرر ہوئے قبول کی اور کئی سال تک یہ خدمت انجام دینے کے بعد ۱۳۲۳ھ میں ندوہ سے الگ ہو کر وطن واپس آگئے تھے، اور یہیں ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ کو وفات پائی،

مولانا عبدالحی مرحوم کی شاگردی کی باوجود مرحوم آخرین عامل باحدیث ہو گئے تھے، عدم تقلید کا میلان پہلے سے رکھتے تھے، جو شاید مولوی سلامت اللہ صاحب کی ابتدائی صحبت کا اثر رہا ہو، انکی تصانیف میں تصریح الافلاک کا حاشیہ علی یادگار ہے شہسوار کے آخرین پیدا ہوئے تھے اس حساب سے وفات کے وقت انکی عمر تقریباً ستاسی اٹھاسی سال کی تھی لیکن دوا و سال پہلے انکی صحت توانائی قابل رشک تھی، اور ان کے جسمانی قوی نہایت اچھے تھے، ادھر چند برسوں کو البتہ ضعف و انحلال کا اثر نمایاں اور آخری زمانہ میں ذہول نسیان کا غلبہ زیادہ ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت و مغفرت سے سرفراز فرمائے

اکتسیا

غزل

از جناب نجم احسن صاحب ایڈوکیٹ پرتاب گدہ اودھ

موت ہی اُس کے لئے زیت کا سامان ہوگا
 آدمی عشق میں مٹ جائے تو انسان ہوگا
 حُسن صورت ہو بشر میں تو گلستان ہوگا
 حُسن معنی میں ترقی ہو تو انسان ہوگا
 عشق میں حُسن کی ہر آن نمایاں ہوگا
 عشقِ جاناں ہی اگر جلوہ جاناں ہوگا
 یا تو محجوب ہی یہ عالم امکان ہوگا
 حُسن ہو جائے مرا عشق جو پنهان ہوگا
 مرحلہ دید کا مشکل ہو کہ آسان ہوگا
 ذوق آرا بھی ہو جائے جو رنگینی در
 عشق ہو جائے ترا حُسن جو حیران ہوگا
 یا خدا جس کو محبت نے کیا ہے برباد
 تب اُسے آئین گے کچھ بادہ رنگین کے سر
 بے تامل ترے قدموں پہ فدا ہوتا ہوں
 کم سے کم دردِ محبت نے نوازا تو مجھے
 جان لیں کچھ جو ملک منزلِ عصیان کے رُخ
 نازِ قاتل تو نمک ریز نمک پاش بھی ہو
 عشق کا فرض یہ ہے حُسن پہ قربان ہوگا
 یا خدا ہر رگ تن اب تو رگِ جان ہوگا
 شہپر ہر ملک آلودہ عصیان ہوگا
 زخمِ دل کیوں مرا محتاجِ نکلان ہوگا

غیرتِ حُسن کا حق یوں ہی ادا ہوتا ہے
کیا کرے دیکھنے والا جو نہ حیران ہو جائے
ہر فرشتہ اُسی منزل پہ کرے آکے قیام
جو اُسے معرفتِ منزلِ عصیان ہو جائے
آگ ہو جاتی ہے گلزارِ پہلِ وفا
کیونِ جہنم بھی نہ اب گلشنِ ضلوان ہو جائے
کچھ تو احسن کو محبت میں مرنے آنے لگیں

میرے اللہ یہ کافر بھی مسلمان ہو جائے

بدمستی

از جناب آفتاب گورکھپور

گلابیان اُتارے کہ کام ہے مدام سے
شفق کے مُرخ طاق سے فلکِ سبز جام سے
فلک کی مے سے کام ہر دین کی دوسکیا غرض
اسی قدر ہے فاصلہ حلال کو حرام سے
عنب کی تاک میں ہو کیا بجز قطارِ آبلہ
انہیں کا آبِ مشتر ہے سب میں مے کے نام سے
وہ شمعِ عقل آندھیوں کو جو کبھی کبھی نہیں
خوش ہو کے رہ گئی ہے اس کے ایک جام سے
بدی ہے مے کی واقعی بنائے سے بنی نہیں
نہ میرے اجتناب سے نہ تیرے احترام سے
سب سے ابنِ ساطک یوں ہی کہ تنگِ طرٹ سے
خون کا اشتیاق کیونِ فقط خیالِ نام سے
ملا رہے ہیں ناشناس سا غرِ شراب کو
کبھی تو آفتاب سے کبھی مہِ تمام سے
اسی نجسِ شراب کا تو نام آفتاب ہے
مال میں سیاہ ہے جو زلفِ مشکِ نام سے
یہ جس گلے میں آگئی اُسی کا دم گھٹا کیا
مراجیوں کی ہچکیوں کو پوچھ گوشِ جام سے
یہ مے کشوں کی آرزو ہے ایک خونِ آرزو
لہو ٹپک رہا ہے اس کے رنگِ لالہ نام سے
قدم قدم پہ ایک حشر اور پھر جزا نہیں
یہ میتیں وہی ہیں جو اُمّیں نہ احترام سے
اسی خرامِ ناز کا خوار ایک نام ہے
نہ چل وہ راستہ بہانِ خار ہو خرام سے

جسے شراب کہتے ہیں یہی تو شراب ہے نہ کام سے یہ کام لے پکار بان کو نام سے
وہ میکدہ فلک کا ہو جو ظاہر و طور ہے جان میں صبح ہوتی ہے اُسی کے ایک جام
خرب و داغ ہے نہ بڑا و کیف ہے حواس بھاگتے ہیں مسکرات رشت کام سے

منشیات بالعموم لائقِ نفور ہیں

یہ مستغفا و مجمل ہے رشتہ کلام سے

سوز و درون

از

جناب اسد ملتانی

ابھی تک تو نہیں دینے لگا سوزِ درون میرا بس آنا ہے کہ اکثر کھولنے لگتا ہے خون میرا
نہیں ہیں بے جراحاب میرے زخمِ نیاں کہ غمازِ دل پر خون ہے اشکِ لالگوں میرا
جو ہنگامے سے مقصد ہو فقط ہنگامہ رانی تو ان بے کار ہنگاموں سے بہتر سکون میرا
تلاشِ خضر کو سنگِ رہ منزل سمجھا ہوں و فورِ شوق ہے دستِ طلب میں رہنمون میرا
میں کا رخ و کویں کر سکتا ہوں شوہا و بوڑھا نہیں ہے پائے بند و سعتِ صحرانِ جون میرا
زمانے کی نظر کو دیکھ کر حیران رہتا ہوں اُسی پر داد ملتی ہے جو ہو صیدِ بون میرا
وہی مومن ہے جس کو دیکھ کر باطل پکارا کھٹے کہ اس مردِ خدا پر چل نہیں سکتا فسوق میرا

اسد ذوقِ سلیم و چشمِ روشن کی علامت ہو

نئی تہذیب کی محفل میں جامِ داڑگوں میرا

دولتِ عثمانیہ جلد و م سلطنتِ عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی

مینجر

تفصیل از محمد ثانی سیستانی ۱۲۲۳ھ تا ۱۲۸۰ھ ۶ جلد عظیم ۱۳۴۴ھ قیمت :- ص ۱۹۲۹ صفحات ۴۶۸ صفحہ

بَابُ التَّقْوَةِ وَالْإِسْقَا

انگریزی ترجمہ قرآن مجید لانا عبد الجبار دیا بادی

از

جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے ال ال بی اے اعظم گڑھ

اس زمانہ میں جب مسلمان نوجوانوں کے اندر براہ راست صحیفہ اسلام کے ذریعہ سے اسلام کے مطالعہ کا سونو روزانہ فزون ہے، اس بات کی سخت ضرورت تھی، کہ قرآن پاک کا کوئی ایسا ترجمہ ان کے ہاتھوں میں ہو جو تاویلات بعیدہ اور زمانہ کے تغیرات کے مطابق ذمہ آمیزی سے بالکل پاک ہو اور قرآن پاک کو بعینہ اسی رنگ اور اسپرٹ میں پیش کرے جس میں وہ صدرِ اول میں سمجھا جاتا تھا،

انگریزی میں اس وقت تک 'قسم کے ترجمے بن یا تو وہ عیسائیوں کے کئے ہوئے ہیں جن کے متعلق اہلِ رائے کی ضرورت نہیں، یا بعض ایسے لوگوں کے قلم سے نکلے ہیں جن کے عقائد و افکار سے جمہور اسلام کو موافقت نہیں مسٹر عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ جو ابھی حال میں شائع ہوا ہے، بے شبہ بہت حد تک ان مفاسد سے بری ہے لیکن اعلیٰ انشاء پر دہائی کے تخیل نے مترجم کو اس بات پر مجبور کیا ہے، کہ قرآنی الفاظ کی پابندی کے بجائے حاصل مطلب پر قناعت کرے، اسی طرح مسٹر محمد کھٹال کا ترجمہ بھی اول تو ان الفاظ سے پاک نہیں تاہنا اس میں بھی یہی نقص ہے، ان حالات کی موجودگی میں ایک ایسے ترجمہ کی حاجت تھی، جو کسی صحیح خیال اور پابندِ دین مترجم کے قلم سے نکلا ہو، اور جمہور اسلام کے معتقدات کے مطابق ہو، لفظوں کے حدود سے باہر نہ ہو، اور جس کے حواشی میں

موجودہ زمانہ کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوا اور جس کی زبان بھی صاف ستھری اور عام پسند ہو،

جناب مولانا عبدالمجید صاحب دریا بادی بی اے، جن کو ہم مدت تک فلسفی کی حیثیت سے جانتے رہے، اور جن

کی اردو تصنیفات ادب اور دانش کا مجموعہ ہیں، جب ان کے مذہبی خیالات میں انقلاب پیدا ہوا، اور وہ فلسفی سے

صوفی بنے، ان کے علمی فیوض سے اپنے کو محروم سمجھ رہے تھے، لیکن چند سال کی خاموشی کے بعد ان کا ایک عظیم الشان

کا نامہ ہمارے سامنے آیا اور یہ قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ ہے جس کی تیاری میں وہ کئی سال سے مصروف تھے اور

جس کو وہ تکمیل تک پہنچا سکے، اور اب ایک ایک پارہ کر کے تاج کینی لاہور کے ذریعہ سے شائع ہو رہا ہے، اور اس

وقت اس کا پہلا حصہ جو پارہ اول آکسہ پر مشتمل ہے، ہمارے سامنے ہے، اس ترجمہ کو دیکھ کر ہم کو بڑی

خوشی ہوئی، کہ مولانا نے وقت کا ایک اہم کام کیا اور مسلمان نوجوانوں کے ہاتھوں میں ہدایت کا ایک چراغ

دیدیا، اس ایک پارے کو دیکھ کر اس ترجمہ کی سب ذیل خصوصیات نظر آئیں،

(۱) زبان صاف ستھری صحیح اور فصیح ہو، لیکن نہ بہت اونچی ہے اور نہ بہت نیچی ہے، اور اس بنا پر اس

معمولی انگریزی دان بھی اسی طرح فائدہ اٹھا سکے ہیں جس طرح اعلیٰ انگریزی کے تعلیم یافتہ،

(۲) مترجم نے ترجمہ میں مقدس بائبل کی زبان اور محاورات کی پابندی کی ہے، لہذا موجودہ زمانہ کے بعض

کم فہم کو یہ بات قابل اعتراض نظر آئے گی، لیکن اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے، کہ مقدس

آسمانی کتابوں کی زبان اور طرز ادا عام ادبی کتابوں کی زبان سے قطعاً الگ ہونی چاہئے، تاکہ پڑھنے والے پر

یہ اثر پڑے، کہ وہ عام ادبی کتابوں سے بالاتر ایک صحیفہ ربانی کو پڑھ رہا ہے، جس کا تقدس اور جس کی عظمت

اور طرز بیان میں بھی اپنی انفرادیت کی شان ملے ہوئے ہو،

(۳) ترجمہ کی لفظی خصوصیت صرف اہل نظر کو نظر آئے گی، جس قدر زیادہ باریک بینی سے غور کیا جائے گا

مترجم کی تلاش اور عربی لفظ کے بالمقابل اس کے صحیح انگریزی مفہوم ادا کرنے کی کوششیں جھلکتی ہوئی نظر آئیں گی

اگر انگریزی کا کوئی لفظ عربی کے بالمقابل ہم معنی ان کو نظر نہیں آیا ہے، تو عام انگریزی الفاظ دیکر حاشیہ

اس کی تشریح مناسب کر دی ہے، مثلاً رب کا ترجمہ انگریزی میں عام طور سے Lord یا Sovereign سے کیا جاتا ہے، مگر اس لفظ کے معنی میں جو حقیقت ہے، ان دو لفظوں میں سے کسی ایک سے بھی ظاہر نہیں ہوتی، ہمارے مترجم نے اس کی کو اپنے حاشیہ سے پورا کیا ہے،

(۴) اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے، کہ انگریزی انشا پر داری کی خاطر عربی لفظ کے صحیح معنی کو انگریزی لفظوں میں بجا ڈالنا جائے، یعنی قرآن پاک کے مفہوم کو اپنی مفروضہ بلاغت اور فصاحت کے لئے برباد نہ کیا جائے (۵) جمہور اسلام کے صحیح عقائد اور خیالات کی خلاف ورزی نہ کی جائے، اور موجودہ زمانہ کی عقلیت پسندی اور خلاف محاورہ منطقیانہ معنی آفرینی اور معجزات اور خوارق کو خلاف فطرت نہ ثابت کئے جانے کی خاطر سید احمد خان مرحوم سے لے کر مولوی محمد علی لاہوری تک جو کوششیں کی گئی ہیں، ان سے قطعاً پرہیز کیا جائے،

(۶) ان مسائل اور واقعات کے بیان میں ان عقل پسند مترجموں نے اپنے ذمہ میں قرآن پاک کو صحیح ثابت کرنے کے لئے جو غلط طریقے اختیار کئے تھے، ان سے پرہیز کیا جائے،

(۷) عام طور سے اردو اور انگریزی مترجموں نے یہ کیا ہے، کہ معنوں کی وضاحت کے لئے نفس ترجمہ میں بریکٹ کے ساتھ یا بریکٹ کے بغیر الفاظ بڑھائے ہیں، موصوف نے اس میں بڑی احتیاط برتی ہے، ایسے متون پر ادھون نے لفظ پر حاشیہ دیکر ذرا تشریح درج کر دی ہے، تاکہ آیت کے صحیح معنوں میں انسانی اضافوں کا اختلاط نہ ہونے پائے،

(۸) حاشیوں کے لکھنے میں موصوف نے بڑی خدمت انجام دی ہے، گویا یہ کن چاہئے کہ ان کے ذریعہ سے ایک نیا عالم کلام مسلمانوں کے ہاتھوں آگیا ہی،

(۹) ان حاشیوں میں بعض ایسی تحقیقات ہیں، کہ جن سے عام طور پر پڑانے ترجمے خالی ہیں، اور یہ کہ کوششیں ہیں کہ جو ادھون نے آیتوں کے گرائمر، تاریخ، جغرافیہ اور تورات و انجیل کے بالمقابل موازنوں میں صرف کی ہیں

(۱۰) سب سے بڑھکر یہ کہ یہودی اور عیسائی تصنیفات میں قرآنی نایدات کی جو تحقیق ملی ہیں، ان کو آئینوں کے ساتھ موقع بموقع نقل کرتے گئے ہیں، اور جدید مستند انگریزی لٹریچر میں بھی جو باتیں ان کو قرآن کے لئے مفید نظر آئی ہیں ان کو بھی اپنے موقع پر جگہ دی ہے،

(۱۱) عبد قدیم اور عبد جدید کے حوالوں میں انھوں نے اصل کتابوں کے حوالوں کو محنت اور کوشش سے تلاش کر کے ان کے باب اور آیت کے نمبر آسانی کے لئے دیدیئے ہیں،

(۱۲) سب سے آخری چیز یہ ہے کہ ہمارے انگریزی خوان اصحاب عربی دانی کے کسی درجہ پر ہوں، اس تحقیق تقویٰ اور احتیاط سے عام طور سے یقیناً خالی ہیں جو علمائے محققین اور صالحین کی خصوصیت ہے، اس بنا پر چیز اس ترجمہ اور اس کے تشریحی بیانات کی صحت کے لئے بڑی طمانیت بخش ہے، کہ یہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن اور تفسیر البیان کو سامنے رکھکر کیا گیا ہے،

اس ترجمہ کی ناشر تاج کپنی ریلوے روڈ لاہور کو بھی مبارکباد دینی چاہئے، کہ اس نے اس زمانہ میں جبکہ کاغذ اور سامان طباعت کی گرانے بلکہ نامیابی کا یہ عالم ہے، اس انگریزی ترجمہ کی اشاعت کی ہمت کی ہے، کاغذ اچھا ٹاپ عمدہ اور نیا ہے، اور عربی عبارت کو بھی ہلاک کے خوبصورت خط میں شائع کیا گیا ہے، صفحہ کے اوپر اصل میں ترجمہ اور نیچے کسی قدر باریک ٹاپ میں حواشی ہیں، عربی پارہ اس کی قیمت رکھی گئی ہے، ضرورت ہے کہ انگریزی دان مسلمان اس کی خریداری کی عظمت توقد کرین اور اس کا ایک ایک نسخہ منگوا مطالعہ کریں،

المنہاج

انجی، ام، ڈی، صوفی، ام، اے، ال، ٹی (الذہاب) ڈی، لٹ، (پیرس) تقطیع، وسط، صفحہ ۳۰، لکھائی،

پھپائی، عمدہ، ناشر شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور، قیمت للدر

مندرجہ بالا کتاب ہندوستان کی اسلامی درسگاہوں کے تعلیمی نصاب کے ارتقاء کی گویا تاریخ ہے جس کو

مؤلف نے ۱۹۳۵ء میں پیرس یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کے مقالہ کی حیثیت سے پیش کیا تھا، اور اس پر ان کو ڈگری بھی ملی تھی، دراصل یہ مقالہ فرانسیسی زبان میں لکھا گیا تھا، ہندوستان کے ارباب علم کے استفادہ کے لئے مؤلف نے اس کا انگریزی ترجمہ کر دیا ہے جس کو شیخ محمد اشرف ناشر لاہور نے اپنی اور مطبوعات کی طرح اعلیٰ طباعت کیساتھ شائع کیا۔ کتاب میں تمہید اور مقالہ کے علاوہ چار ابواب ہیں (۱) ترکوں اور قانون کے عہد میں نصاب تعلیم (۲) منلوں کے عہد میں نصاب تعلیم (۳) برطانیہ کے عہد میں نصاب تعلیم (۴) آزاد ہندوستان کے نصاب تعلیم پر خیالات، آخر میں ماخذ کی فہرست اور اشاریہ ہے، ایک طویل ضمیمہ بھی ہے، جس میں کلکتہ اور بی کے مختلف امتحانات کے مضامین کی تفصیل ہے،

یہ کتاب اس حیثیت سے مفید اور پرارز معلومات کسی جاسکتی ہے، کہ انگریزی زبان میں مسلمانوں کے گزشتہ اور موجودہ تعلیمی نصاب کے خاکے کو مرتب طریقہ پر پیش کیا گیا ہے، جس سے مختلف دور کے نصاب کا تذکرہ آدھانگا کے سامنے آجاتا ہے، مگر جب اس کے پہلے دو ابواب کے ماخذ پر نگاہ ڈالتے ہیں، تو اس کے علمی وقار میں بڑی کمی پیدا ہو جاتی ہے، مؤلف نے ان دو ابواب کے مباحث میں صرف دو کتابوں ان۔ان۔لا کی تصنیف پر روش آتے ہیں۔
 محمد زرننگ اور مولانا ابوالحسن صاحب ندوی مرحوم (رفیق دارالمنصفین) کی کتاب ”ہندوستان کی قدیم درگاہیں“ کو ماخذ بنایا ہے، اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں کتابیں اپنے معلومات کے لحاظ سے استفادہ کے لائق ہیں مگر کسی تحقیقی مقالہ کی ترتیب میں صرف ان دونوں کتابوں کو ذریعہ معلومات بنانا اس کے تحقیقی درجہ کو کم کر دینا ہے۔ مولانا ابوالحسن صاحب مرحوم نے اپنی کتاب کے خاتمہ پر تحریر کیا تھا، کہ ”یہ اسلامی عہد حکومت میں ہندوستان کی اسلامی تعلیم اور تعلیم گاہوں کا مختصر سا خاکہ ہے، میں نے علی العموم اجمال و اختصار سے کام لیا ہے، مزید تفصیل و تشریح کی طرف توجہ کی جائے، تو پھر دفتر کا دفتر چاہئے جس کے لئے نہ موقع ہے اور نہ وقت بلکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مزید توجہ کے بعد قطرہ دریا بن سکتا ہے“ لیکن المنہاج کے مؤلف نے اس قطرہ کو دریا بنانے کے بجائے صرف اس سے پیاس بجھانے پر اکتفا کیا، اگر کس کسی نئی بات کا اضافہ کیا گیا تو تجدید پسندی اور

روشن خیالی کے جو شمس ان کے بیانات جاوہر مستقیم سے ہٹ گئے ہیں، مثلاً نصاب موسیقی کے سلسلہ میں ان کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ موسیقی کی تعلیم کلام مجید، آنحضرت ﷺ اور صوفیائے کرام کی عین تعلیم کے مطابق ہے، (دکھتہ ۲۶۳) جو سرسرا غلط ہے، لیکن ہر کہ مصنف کو موسیقی سے دلچسپی ہو یا موجودہ تمدن معاشرت کے زیر اثر اس فن کو تعلیم کا ضروری جز سمجھے ہوں، لیکن اس کے لئے انھیں مذہب کو اڑانے کی کیا ضرورت ہے، اگر موسیقی سے مراد خوش گلوئی، خوش گانی اور ترنم و آوازی کا البتہ اسلام نے ممانعت نہیں کی، لیکن محض اتنی ہی بنیاد پر موسیقی یعنی گانے اور ساز وغیرہ کو جائز بتانا سرسرا غلط و غیر ہی احکام کی غلط تفسیر و خواہ و حسن نیت ہی سے کیوں نہ ہو، طرح طرح کے مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں، اس قسم کے خطرات کو مد نظر رکھنا ایک محتاط مصنف اور مقالہ نگار کا اولین فرض ہونا چاہئے،

اسلامی دور حکومت کی صنعتی اور فوجی تعلیم پر بھی مباحث ہیں، مگر یہ بہت ہی سرسری اور نشہ ہیں، تیموری عہد میں فوجی تعلیم کے متعلق مولف نے گویا صرف اس پر قناعت کی ہے، کہ ”ابوالفضل کی لکھی ہوئی تفصیلات سے اس تعلیم کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے، جو فوجوں کی مختلف جماعتوں کو دی جاتی تھی۔“ اگر تھوڑی سی محنت اٹھا کر اس فوجی تعلیم کی تفصیل بھی درج کر دی جاتی تو کتاب کا میاں بلند ہو جاتا، حالانکہ اس سلسلہ میں تیموری بادشاہوں اور شاہزادوں کے سپاہیانہ اور بہادرانہ کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے، مگر اس ذکر سے صرف ان کی ذاتی خصوصیات کا اندازہ ہوتا ہے، اس عہد کے لشکروں کی فوجی تعلیم کا خاکہ سامنے نہیں آتا، بجلت میں مولف نے ہندوستان کے بعض اہم مسلمان فرمانرواؤں کے عہد کے تعلیمی نصاب کا استقصا کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا، مثلاً اکبری دور کے فضلا اور علما کا ذکر تو کیا ہو مگر اس زمانہ کے نصاب تعلیم کو نظر انداز کرنا اور انگریزوں اور اسکے بعد کے تعلیمی نصاب کی نہرست پرست کی گئی ہے، حالانکہ ان اکبری میں اکبری دور کے نصاب تعلیم کی تفصیل موجود ہے، اس طرح تھوڑی سی توجہ و تفرقہ و تامل کے عہد کا یہ نصاب بھی معاصر تاریخوں سے مرتب کیا جاسکتا تھا، اسلامی دور کی تعلیم سنو سنو پر بھی کافی معلومات فراہم ہو سکتے تھے، اگر صرف مالوہ کے فرمانروا سلطان غیاث الدین ابن محمود خلجی کے عہد میں عورتوں کی تعلیم پر نظر ڈالی جاتی تو ہین مین بھی کہیں کہیں غلطیاں نہ رہ گئی ہین،

مگر عام اور سرسری مطالعہ کے لئے یہ کتاب مفید کی جاسکتی ہے، طرز بیان صاف روان اور دلچسپ ہے، ”صرع“

سیرت محمد علی مطبوعات

محمد علی از مولانا عبدالمجید صاحب دریا بادی قطع بڑی ضخامت ۸۸۷ صفحے کا نذر کتابت لطافت بہتر

قیمت ۱۲ روپے ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن،

مولانا محمد علی مرحوم کی وفات کے بعد مولانا عبدالمجید صاحب دریا بادی نے مرحوم پر اپنے اخبار سچ میں مضامین کا ایک سلسلہ لکھا تھا، مذکورہ بالا کتاب میں ان مضامین کو مرتب طریقے سے جمع کر دیا گیا ہے، مولانا محمد علی مرحوم پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لیکن ان مضامین کی حیثیت اُن سے مختلف ہے، مولانا مرحوم اور فاضل مضمون نگار میں خاص ربط و اخلاص تھا، بعض کاموں میں وہ انکے شریک بھی رہے تھے، اسلئے انھیں مرحوم کی خلوت و جلوت پر ایک اور پرائیوٹ زندگی کو بہت قریب دیکھنے کا موقع ملا ہے، اور اس کا کوئی رُخ اُن کی نگاہ سے مخفی نہیں تھا، ان مضامین میں اسی کی عکاسی کی گئی ہے، اس کتاب میں ۱۹۱۲ء سے لیکر ۱۹۲۳ء تک صاحب سوانح کے جیسے جیسے اجمالی حالات ہیں، ۱۹۲۵ء سے آخر زندگی تک کے کسی قدر تفصیلی یہ حالات ایک واقعہ نگار کے بیان کی طرح محض تاریخ کی کھتونی نہیں ہیں، بلکہ اس سے مولانا مرحوم کے ملکی و ملی خدمات کے ساتھ ان کے فضل و کمال، ذہانت و کلاوت، عقائد و خیالات، جذبات و رجحانات، غیرت، قومی و جمیت دینی، اخلاص و تلبیت حق گوئی و حق پرستی، مزاج و اندازِ طبع ان کے اخلاق و کردار کی پوری تصویر اور ان کی مجاہدانہ زندگی کی پوری روح سامنے آجاتی ہے، مرحوم کے گونا گون اوصاف و کمالات کی اس سے زیادہ جامع مصوری ممکن نہ تھی، اس کو پڑھ کر مرحوم کے مرقعات کے تمام خط و خال نظر آجاتے ہیں، سیرت محمد علی کی تالیف کے سلسلہ میں مولانا سے جو سہم ہوا تھا، اس کتاب

اس کی تلافی ہوگئی، انداز تحریر کے متعلق کچھ لکھن تحصیل حاصل ہے، مولانا کی بحر طرازی نے خشک تاریخی واقعات کو دلآویز افسانہ بنا دیا ہے، اور اس کتاب کے متعلق یہ فقرہ بالکل صحیح معنوں میں صادق آتا ہے، کہ جب تک ختم نہ ہو جائے ہاتھ سے نہیں چھوٹی، یہ ایک ایسے پرشور دور کے حالات ہیں، جس میں بہت سے اخلاقی مسائل پیش آئے، بعض میں خود مولف کی حیثیت بھی فربق کی تھی، اس لئے ان مسائل کا زیر بحث آنا ناگزیر تھا، تاہم ان کے رمز تناس قلم نے انہما حق کے ساتھ سنبھالنے کی پوری کوشش کی ہے، امید ہے کہ یہ کتاب مولانا محمد علی مرحوم کے قدر دانوں اور فاضل مصنف کی تحریروں کے قدر شناسوں میں مقبول ہوگی،

ابوالکلام آزاد، مرتبہ جناب عبداللہ ربیع صاحب قلعچوٹی، ضخامت ۲۳۵ صفحے کاغذ کتابت

وطباعت بہتر اتمیت مجلد ۱، پتہ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور

مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت کے متعلق مختلف جماعتوں کے متعدد اکا بر و ممتاز اشخاص اور بعض عالم لوگوں نے بھی تحریری شکل میں اپنے تاثرات ظاہر کئے ہیں، اس کتاب کے لائق مرتب نے ان سب کو اس کتاب میں یکجا کر دیا ہے، اس سے مولانا کے کمالات کے متعلق مختلف اہل نظر کی رائیں اور اس کے مختلف پہلو سامنے آجائے ہیں، اگر اس کتاب کو محض اکابر کے تاثرات تک محدود رکھا جاتا، تو اس کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی، مولانا کی ذات ایسی جامع کمالات ہے، اور ان کے واقعی اور صحیح کمالات اتنے گونا گون ہیں، کہ ان میں کسی مزید اضافے کی مطلق ضرورت نہیں، پھر معلوم نہیں بعض مضمون نویس غیر صحیح واقعات لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آتی، لیکن اس سے مولانا کی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، مثلاً ایک مضمون میں ہے کہ آپ نے قاہرہ کی مشہور عالم کویت لائبریری میں تعلیم حاصل کی، اور ۱۴ سال کی عمر میں اپنے جامع ازہر میں علوم مشرقی کا نصاب پورا کیا، اور اس قدر استعداد پیدا کر لی، کہ آپ کو مختلف مضامین کے پڑھانے پر مامور کر دیا گیا، یا تذکرہ بیس سال کی عمر میں لکھا ایک دوسرے مضمون میں ہے کہ ۱۹۰۵ء میں آپ کو قاہرہ کی یونیورسٹی الاذہر میں بھیجا گیا..... ۱۹۰۶ء میں آپ عراق، شام و فلسطین کی سیاحت کر کے ہندوستان واپس آئے ص (۳۰۶) اسی مضمون میں ہے کہ ۱۹۰۵ء

میں آپ اللہ کے اڈیٹر تھے، اور ۱۹۱۸ء میں وکیل کے اڈیٹر مقرر ہوئے حالانکہ مولانا نے اپنے مولد و منش و طفولیت و ادبی غیر ذمی ذرع یعنی مکہ منظمہ سے ہندوستان آنے کے بعد پھر یہاں سے باہر قدم نہیں نکالا، ہضون کا یہ تصاف بیان بھی دیکھ چکے ہیں کہ ایک طرف تو مولانا کو ۱۹۰۵ء اور ۱۹۱۸ء میں اللہ وہ اور وکیل کا اڈیٹر لکھا گیا ہے، اسی زمانہ میں ان کو الازہر میں بھی دکھایا گیا ہے، درحقیقت مولانا کی شخصیت اور ان کا علم ازہر کی تعلیم سے بلند ہے کسی درس گاہ کی جانب ان کا تعلیمی انتساب ان کے لئے کوئی سند کمال نہیں ہے، اع

بہ آب و رنگ خال و خطا چہ حاجت روے زیبارا

تذکرہ ادھون نے بیس سال کی عمر میں نہیں بلکہ اس وقت لکھا جب قافلہ برق رفتار عمر منہرل ثلاثین تک پہنچ چکا تھا (تذکرہ ص ۲۸۹) بیس سال کی عمر میں بھی ایسی کتاب لکھنا بجائے خود کمال ہے، ان خفیف فرنگہ نشین سے قطع نظر کتاب دیکھیے،

ضرورة القرآن حصہ اول از جناب قاضی محمد زاہد یحسینی صاحب تقطیع جھوٹی ضخامت ۶، ۷ صفحے،

کافہ، کتابت و طباعت بہتر قیمت عاریتہ مصنف دارالاشاعت والتبصیف ڈاکٹرنہ شمس باضلع لکھنؤ

اس کتاب کا مقصد دنیا کے لئے قرآن مجید کی ضرورت کا اثبات ہے، اس حصہ میں لائق مصنف نے نبوت اور کائنات کے متعلق بعض اسلامی تعلیمات کو پیش کر کے ان کے لئے مذہب، انبیاء اور الہامی کتابوں کی ضرورت دکھائی ہے، ان کی صداقت کا معیار بتایا ہے، اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کے دلائل دیئے ہیں، اور دوسرے مذاہب کی الہامی اور غیر الہامی کتابوں کے نقائص ظاہر کر کے ان کے مقابلہ میں کلام مجید کے کمالات دکھائے ہیں، ان مباحث میں مصنف کو موضوع سے متعلق وغیرہ ضروری وغیرہ ضروری اور معتبر وغیرہ معتبر قسم کے معصومات مل سکے ہیں ان کو بے کم و کاست نقل کر دیا ہے، بعض باتیں نہ صرف غیر ضروری بلکہ ناقابل تحریر تھیں، اس حصہ میں اتنی غیر ضروری بحثیں آگئی ہیں کہ اصل موضوع تشنہ رہ گیا ہے، ممکن ہے دوسرے حصہ میں اس کی تلافی ہو، یہ کتاب مواد، ترتیب اور زبان و بیان مختلف حیثیتوں سے نظر ثانی کی محتاج ہے، لیکن

خوش عقیدہ عوام کے لئے مفید ہے، اللہ تعالیٰ مصنف کو ان کے حسن نیت کا صلہ عطا فرمائے،

ہم کیسے پڑھائیں، از جناب سلامت اللہ صاحب ایم اے، معلم جامعہ ملیہ، قیطع چھوٹی،

نجات ۲۲۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد نہر، مکتبہ جامعہ ملیہ نئی دہلی، اور

اس کی شاخیں لکھنؤ، بمبئی، نمبر ۳،

بچوں کی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ نہایت اہم ہے، لیکن اب تک اس کی طرف پوری توجہ نہ ہو سکی، یوں تو اس کا پورا نظام تعلیم موجود ہے، لیکن وہ جدید و قومی ضروریات اور نئے تعلیمی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا، اور اس موضوع پر اردو میں کتبیں نہیں غالباً جامعہ ملیہ ایک ایسی درس گاہ ہے، جہاں جدید تعلیمی اصولوں کے مطابق اس کا عملی تجربہ ہو رہا ہے، اسلئے ہمیں کے ایک استاد نے معلمین کی واقفیت کے لئے یہ کتاب لکھی ہے، اس میں تعلیمی مواد یا نصاب تعلیم کے انتخاب اس کے باہمی ربط و تعلق کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے، اور اس کے قبول کے لئے بچوں کی ذہنی تربیت کے طریقے بتائے گئے ہیں اور پڑھانے میں مختلف نئے طریقوں کو جن کا یورپ و امریکہ میں تجربہ ہو چکا ہے تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، ان مباحث میں ہندوستان کی ضروریات اور یہاں کے حالات کا بھی پورا لحاظ رکھا گیا ہے، ہر بحث کے آخر میں ماخذ کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے، کتاب کی اصلی خوبی کا صحیح اندازہ تو فنِ تعلیم کے واقفکار ہی کر سکتے ہیں، لیکن بظاہر کتاب مفید تعلیمات پر مشتمل اور اساتذہ معلمین کے استفادہ کے لائق ہے،

طریق مستقیم مترجمہ جناب محمد اسماعیل صاحب ایم اے قیطع اوسط، نجات ۹۹ صفحے، کاغذ

کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ :- مطبوعہ فاین پریس، ہیوٹ، اردو۔ لکھنؤ،

حضرت شیخ ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ کتاب الصدق عربی میں تصون کی مشہور و معروف کتاب ہے، اس میں حضرت شیخ نے کلام مجید احادیث نبوی اور صلحا و اخیار امت کے اقوال و حالات کی روشنی میں تصون کے کلمات مسائل اور تقرب الی اللہ جلہ قلی اعمال، اخلاص، صبر، معرفت نفس، معرفت ملیں، حلال صافی یا اکل حلال ترک دنیا، خشت الہی، حیا، محبت رضا، الہی، اور انس مع اللہ میں صدق کی حقیقت

اور اس کی تشریح بیان فرمائی ہے، ہر بحث شریعت کی روح اور عرفان و تصوف کا عطر ہے، کتاب اصحابِ فدک کے مطالعہ کے لائق ہے، ترجمہ سلیس و روان ہے،

علمائے کرام کا مستقبل از جناب منظر الدین صاحب مدنی بی اے بقیع چھوٹی پنجمت صفحہ ۸۸

کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸ روپے اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاج پور لاہور،

مصنف حیدر آباد کے سخیہ صاحب قلم ہیں، ان کے خیالات میں قدیم و جدید کا متدل امتزاج ہے، وہ مذہبِ ملت کا بھی درد رکھتے ہیں، اور زمانہ کے نئے تقاضوں پر بھی ان کی نگاہ ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر انھوں نے علمائے کرام کے مستقبل پر غالباً بیوضوں لکھا تھا، جسے کتب صورت میں شائع کر دیا گیا، اس میں انھوں نے علمائے کرام کے منصب اور ان کے فرائض و ذمہ داریوں کو دکھایا ہے، اور ان کے جوہر و بے حس، زمانہ کے حالات اور مذہبی ضروریات سے ان کی ناواقفیت و بے خبری، مسلمانوں کی حالت سے ان کی غفلت اور اس کی دوسری خامیوں اور کوتاہیوں کو ظاہر کر کے مسلمانوں کے حق میں اس کے مضر نتائج دکھائے ہیں، اور علماء کو ان کے فرائض کی جانب متوجہ کیا ہے، علماء کے فرائض کے بارہ میں لائق مصنف نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بالکل صحیح ہے، ان کی بعض کوتاہیوں اور مسلمانوں کی زبوں حالی سے بھی انکار نہیں اس مسئلہ میں مصنف کے بعض مشورے یقیناً غور و توجہ کے لائق ہیں لیکن حسن نیت کے باوجود اس بحث میں جا بجا ان کا قلم جاوہرِ انداز سے ہٹ گیا ہے، اور ان کے دینی احساس پر دورِ جدید کی تجدید و اصلاح کا غلبہ نظر آتا ہے، ان کے نزدیک شروع سے اب تک تمام علماء کرام نہ صرف مسلمانوں کی حالت سے غافل اور خود غرضی میں مبتلا ہے، بلکہ انھوں نے تجدید و اصلاح کی راہ میں مزاحمت پیدا کی، جو سراسر مبالغہ ہے، مصنف نے مسلمانوں کی جو خوبزبانیاں اور جو اصلاح طلب باتیں شمار کرائی ہیں ان میں بھی نقطہ نظر سے کوئی ایسا اصلاح طلب امر نہیں ہے، جس کی اصلاح کی جانب علمائے توجہ نہ کی ہو، پھر نفسِ تجدید و اصلاح کے بارہ میں بھی مصنف کے بہت سے خیالات محلِ نظر ہیں مثلاً وہ موجودہ فقہ کو ذریعہ قرار دیتے ہیں اور کون کی غیر مسلمانی

اصلاحات کو بھی جائز شمار کرتے ہیں، جدید حالات و مسائل کے حل کی ضرورت سے انکار نہیں، لیکن اس کے خلاف فقہ کو دفتر پارہ نہ قرار دے دینا صحیح نہیں اس نقطہ کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے، جتنی مسنف نے سمجھی بہر حال یہ کتاب بعض خیالات سے قطع نظر غور و توجہ کے لائق ہے،

اسلامی معاشرت از جناب غلام احمد صاحب پروریہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۶ صفحے، کاغذ کتابت

دباعت بہتر قیمت ۶ روپے :- شمیم منزل شیدی پورہ قنول باغ نئی دہلی،

کلام مجید مسلمانوں کی جدید دینی و دنیوی ضروریات کا ضابطہ ہے، اس میں مسلمانوں کی فوز و فلاح کے تمام مسائل بھی ہیں، اور اجتماعی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ معاملت اور حسنِ معاشرت کی ہدایات بھی ہیں، اگرچہ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، لیکن انسانی اخلاق و کردار کی تربیت سے ان کا گہرا تعلق ہے، اس نے اسلام میں ان کی بڑی اہمیت ہے، اور تکمیل اخلاق اسلام کی تعلیم کا بڑا ضروری جز ہے، لائقِ ملاحظہ نے اس کتاب میں کلام مجید سے اجتماعی زندگی کی حسنِ معاشرت اور حسنِ معاملت کی ہدایات کو جمع کر دیا ہے، جا بجا ضروری تشریح بھی کر دی ہے، کتاب مسلمانوں کے لئے مفید ہے،

سی پی میں کانگریس راج، از جناب حکیم اسماء احمد صاحب کرپوری تقطیع بڑی ضخامت

۳۶۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عارپہ مرزا امیل بیگ صاحب جنرل سکریٹری

مسلم لیگ، لاہور، سی پی،

کانگریسی وزارت کے دور میں صوبہ متوسط کے مسلمانوں کو اس کے خلاف جوش کا تین تھیں، اس کتاب میں ان کو سب شواہد و ثبوت کے جمع کر دیا گیا ہے، اس میں سرکاری محکوم، لوکل بورڈون، اور کونسل میں مسلمانوں کی جو جو حق تلفیاں اور ان پر جو زیادتیاں ہوئیں، ان کی پوری تفصیل درج ہے بعض واقعات کے ثبوت میں سرکاری دستاویزوں کی نقلیں بھی شامل ہیں، لیکن اب یہ داستان بعد از وقت ہے، البتہ آئندہ کے لئے اس سے حاکم و محکوم دونوں سبق حاصل کر سکتے ہیں،

آریائی زبانیں از جناب سدھیشور دوشاستری ایم اے، ڈی لٹ، پروفیسر سنسکرت لٹریٹ

پرنس آف ولز کالج جون تقیچھوٹی ضخامت ۱۰۰ صفحے قیمت ۱۰/- ۱۰۰ روپے ادبیات

اردو خیرت آباد حیدر آباد دکن،

لسانیات یا فیلا لوجی اپنی خشکی کے باوجود نہایت دلچسپ فن ہے، لیکن اردو میں اس موضوع پر مستقل کتابیں کم ہیں، بعض ادبی کتابوں میں ضمیمہ کچھ لسانیاتی بحثیں ملتی ہیں، لائق ملاحظہ نے اس کتاب میں لسانی نقطہ نظر سے ہندوستان اور ایران کی آریائی زبانوں کی مختصر تاریخ، ان کی خصوصیات، ماخذ و ارتقاء، عہد بعدہ کے تغیرات، ان کی باہمی عربی و صوتی مشابہت و اختلافات وغیرہ کو دکھایا ہے، ہندوستان کی زبانوں پر نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، یہ کتاب اس فن سے دلچسپی رکھنے والوں کے مطالعہ کے لائق ہے

اپنے خواب از جناب سید کاظم دہلوی، تقیچھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ معمولی، کتابت دہلی

بہتر قیمت مجددہ، پتہ دفتر ملکٹان گلی تارا شاہ دہلی،

مصنف کتاب موجودہ دور کے اچھے افسانہ نگاروں میں ہیں، ان کے افسانوں کے بعض مجموعے اس پیشتر شائع ہو چکے ہیں، اپنے خواب بارہ افسانوں کا نیا مجموعہ ہے، تقریباً کل افسانے رومانی ہیں لیکن ان میں حسن و عشق کی محض تقریحی اور بے نتیجہ افسانہ طرازی نہیں ہے، بلکہ روزانہ کے واقعات زندگی، اور ہماری معاشرت کی صحیح تصویریں ہیں، افسانوں کے پلاٹ دلچسپ، خیالات ستھرے اور زبان پاکیزہ ہے،

مفتاح الحرمین جز اول و دوم مؤلفہ احمد بن ناصر العسیری استاد عربی عثمانیہ ٹریننگ کالج

حیدر آباد دکن، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ہر دو حصہ ۱۴ روپے :- مصنف سے ملے گی،

مصنف نے عربی زبان کے ابتدائی طلبہ کے لئے یہ ریڈرین لکھی ہیں وہ اہل زبان بھی ہیں، اور تعلیم کا بھی عملی تجربہ رکھتے ہیں، اسلئے یہ ریڈرین زبان تعلیمی نقطہ نظر دونوں حیثیتوں سے مفید ہیں ان میں روزانہ کی ضروریات کے الفاظ اور اسباب میں تدریج، اور ان کی مشق کا پورا اہتمام دکھایا ہے، عربی کے متدیون کے لئے یہ مفید ریڈرین ہیں، ”م“

جلد ۵۳ ماہ صفر ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۴۴ء عدد ۲

مضامین

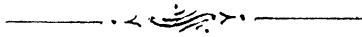
| | | |
|---------|--|--|
| ۸۴-۸۲ | شاہ معین الدین احمد ندوی، | شذرات، |
| ۱۱۱-۸۵ | سید سلیمان ندوی، | حکیم الامتہ کے آثار علیہ، |
| ۱۳۵-۱۱۲ | شاہ معین الدین احمد ندوی، | ”تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی“ |
| ۱۴۰-۱۳۶ | جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب صدیقی | حیدرآباد کی ایک تعلیمی جوبلی، |
| | استاذ جامعہ عثمانیہ، | |
| ۱۴۶-۱۴۱ | جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی استاذ | ابن منصور کو پھانسی نہیں سولی دی گئی ہی، |
| | دنیا ت ڈھاکہ یونیورسٹی، | |
| ۱۵۲-۱۴۸ | جناب ابوالاسرار صاحب رمزی اٹادی، | سفیر غیب، |
| ۱۵۴-۱۵۳ | جناب فکرندہ دی، | آہ حکیم الامتہؒ، |
| ۱۵۵-۱۵۴ | جناب جمیل الرحمن صاحب محمودی سیوہادی | تاریخائے وفات حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی |
| | | تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، |
| ۱۶۰-۱۵۶ | ”م“ | مطبوعات جدیدہ، |

دولت عثمانیہ جلد دوم

سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل از محمود

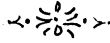
ثانی ۱۲۲۳ھ تا جنگ عظیم ۱۳۳۸ھ قیمت: ص ۶۸ صفحات، ”فیجر“

نقطہ نظر اور مخصوص قومی مقاصد سے یکسر خالی الذہن رہنا بہت دشوار ہے اس لئے اس کی توقع بھی نہیں کی جاتی، لیکن اگر مذکورہ بالا اہم مشترک مقاصد کو پیش نظر رکھا جائے تو پھر دوسرے امور میں اپنے مخصوص قومی نقطہ نظر کی ترجمانی میں چند اصول مضائقہ نہیں ہو دوسری یہ کہ دنیا کی کسی حکومت کا دامن خامیوں اور کوتاہیوں سے پاک نہیں اور نہ سب کے سب حکمران مساوات کا نوہ ہوتے ہیں، کیا خود اپنی قومی حکومت کے ہاتھوں اپنے ہم قوم محکموں کے ساتھ بے عنوانیاں نہیں ہوتیں اور کیا خود اپنی قوم کے ہاتھوں حکومتوں کو نقصان نہیں پہنچے اور کیا عدل و مساوات کا یہ دور جس کو نہ سبھی تعصب خالی کہا جاتا ہے ایسی مثالوں سے خالی ہے، ایسی حالت میں کسی حکومت یا حکمران کے ہر فعل کو محض اختلاف مذہب یا تعصب کا نتیجہ قرار دینا صحیح نہیں ہے، بعض بے عنوانیوں حکومت کے ذاتی مصالح، عام سیاسی پالیسی اور مذہبی تعصب قطع نظر ان کی قومی سرشت کا نتیجہ ہوتی ہیں، جن کو مذہبی جذبہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور جس کا اثر بلا تفریق مذہب تمام محکموں پر پڑتا ہے، اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ گذشتہ حکومتوں کے ہر جائز اور ناجائز فعل کو سر ہا چلے، بلکہ یہ ہے کہ ان کو محض اختلاف مذہب کی عینک سے نہ دیکھا جائے اور ان کی غلطیوں اور بے عنوانیوں کو ان کی حد کے اندر محدود رکھا جائے، اب وینک دے کر چپکا یا نہ جائے اور ان کی کوتاہیوں کے ساتھ فراخ دلی سے ان کے ماسن کا بھی اعتراف کیا جائے، یہ بھی واضح رہے کہ محض جن ظن اور سوئے ظن سے ایک ہی واقعہ کے متعلق نتائج بالکل بدل جاتے ہیں، بلکہ بسا اوقات متضاد ہو جاتے ہیں،

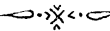


کسی تاریخ خصوصاً اپنی قوم کی تاریخ میں اعلیٰ قومی مقاصد کا لحاظ رکھنا تاریخ نگاری کی دیانت کے خلاف نہیں ہے، تاریخی دیانت اور خیانت کا مقصد یہ ہے کہ ذاتی جذبات فرقہ وارانہ اغراض اور پست مقاصد کے لئے تاریخ کو مسخ یا اس پر طبع نہ کیا جائے یہ نہیں ہے کہ غایت دیانتداری اور غیر جانبداری میں قومی تعبیر کے عناصر کو نظر انداز کر دیا جائے، اور نہ اس دیانت کا ثبوت آج تک کسی قوم کے مورخ نے دیا ہے، موجودہ زمانہ کی تاریخ کو نہ صرف قوموں کو نیک نام اور بدنام کرنے بلکہ ان کو بنانے اور بگاڑنے میں بھی دخل ہے، اس لئے ان کی تذکر

میں کسی حال میں بھی قومی مقاصد سے قطع نظر نہیں کیا جاسکتا، خصوصاً ہندوستان کی تاریخ میں جسکا ابھی تعمیر دور ہے



گذشتہ بیسہ کی آخری تاریخوں میں کاشی پرچارنی سبھا کی سلو جلی منائی گئی، اس کے محترم صدر نے اردو کی مخالفت اور ہندی کی حمایت میں بڑی پرورتقریر کی، اس میں دو باتیں خاص طور سے دلچسپ نظر آئیں ایک ہندی کی عالمگیریت یعنی ہندوستان کے باہر اس کی مقبولیت اور اشاعت کا دعویٰ، دوسرے ہندوستان میں ریڈیو کے ذریعہ عربی اور فارسی کچھ کی اشاعت کی سازش کا انکشاف، اب تک ہندی کے مشترکہ اور دعویٰ زبان ہونے کا دعویٰ ہندوستان کے اندر تک محدود تھا، اس کی عالمگیری کی یہ پہلی آواز ہے دیکھیں آئندہ اس تخم ریزی سے کیا کیا نتائج پھوٹتی ہیں، لائق صدر نے غالباً اس لئے ریڈیو پر غصہ کا اظہار کیا ہے کہ اس میں عام فہم زبان کیوں بولی جاتی ہے، پھینٹھ ہندی کیوں نہیں بولی جاتی اسکیں و فور جوش میں جناب صدر کی نگاہ اس پہلو پر نہیں گئی، کہ ان کا یہ غصہ اور الزام دوسرے نفلوں میں اس کا اعتراف ہے کہ ہندوستان کی مشترکہ زبان وہی ہے، جو ریڈیو پر بولی جاتی ہے، اس لئے کہ ریڈیو میں وہی زبان چل سکتی ہے، جسے سارا ہندوستان سمجھتا ہو،



مالوسی جی کا لہجہ البتہ اس مرتبہ خلاف معمول اردو کے حق میں مشفقانہ تھا، انھوں نے اس کو ہند کی بہن تسلیم کیا ہے، اور اس کی ترقی کی بھی خواہش ظاہر کی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ہندی کو یہ ترجیحی حق عطا فرمایا ہے کہ عدالت کی زبان اسی کو ہونا چاہئے، اردو کو ہندی کی بہن تسلیم کرنے کے بعد پیرا در ہند کے اس ترکہ میں ہندی کا ترجیحی حق کیوں ہے، اردو تو ہندو قانون وراثت کے مطابق بھی اس سے محروم نہیں ہو سکتی، اس پورے مجمع میں ایک بلب ہند کے نغمہ میں صداقت تھی کہ ہندوستان کی زبان وہی ہونی چاہئے جو صوبہ متحدہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، اردو کے حامی بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتے،

مقالہ

حکیم الامتہ کے آثار علیہ

حضرت حکیم الامتہ مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و دینی فیوض و برکات اس قدر مختلف الانواع ہیں کہ اُن سب کا احاطہ ایک مختصر سے مضمون میں نہیں ہو سکتا، اور یہی ان کی جامعیت، جو ان کے اوصاف و محاذات سے پہلے نظر آتی ہے، وہ قرآن پاک کے مترجمین، مژدہین، مفسرین، اوس کے علوم و حکم کے شارح ہیں، اوس کے مشکوک و شبہات کے جواب دینے والے ہیں، وہ محدث ہیں، احادیث کے اسرار و نکات کے ظاہر کرنے والے ہیں، اُن فقیہ ہیں، ہزاروں فقہی مسائل کے جوابات لکھے ہیں، نئے سوالوں کو حل کیا ہے، نئی چیزوں کے متعلق اہتماماً تحقیق کے ساتھ فتوے دیے ہیں،..... وہ خطیب تھے، خطبہ ماثورہ کو کجا کیا ہے، وہ واعظ تھے، ان کے سیکڑوں وعظ چھپ کر عام ہو چکے ہیں، وہ صوفی تھے، تصوف کے اسرار و غوامض کو فاش کیا ہے، شریعت و طریقت کی ایک مدت کی جنگ کا خاتمہ کر کے دونوں کو ایک دوسرے سے ہم آغوش کیا ہے، ان کی مجلسوں میں علم و معرفت اور بین و حکمت کے موتی بکھرے جاتے تھے، اور یہ موتی جن گنجینوں میں محفوظ ہیں، وہ ملفوظات ہیں، جن کی تعداد بیسیوں تک پہنچی ہے، وہ ایک مرشد کامل تھے، ہزاروں مسترشد و مستفید اُن کے سامنے اپنے احوال و واردات پیش کرتے تھے، اور وہ ان کے تسکین بخش جوابات دیتے تھے، اور ہدایات بتاتے تھے، جن کا مجموعہ ترجمۃ السالک ہے، اُنھوں نے بزرگوں کے احوال و کمالات کو کجا کیا، اور اس ذخیرہ سے سب کو آشنا کیا، اُن کی متعدد دکتا ہیں اس مضمون میں

اونھوں نے حضراتِ چشت کے احوال و اقوال میں سے بظاہر اعتراض کے قابل باتوں کی حقیقت ظاہر کی، اور ان کی تاویلات کیں، ان کی کتابوں کے خلاصے، اقتباسات اور تہسیلات ان سے الگ ہیں جن کی ترتیب ان کے مترشحہ نے کی ہے، وہ مصلحِ امت تھے، امت کے سیکڑوں معائب کی اصلاح کی، رسوم و بدعات کی ترمیم و اصلاح رسوم اور انقلابِ حال پر مستعد و تصانیف کیں، وہ حکیمِ امت تھے، مسلمانوں کے علاج اور شفا و احیاء پر حیوۃ المسلمین وغیرہ رسائل تالیف فرمائے، غرض ان کی زندگی میں مسلمانوں کی کم کوئی ایسی مذہبی ضرورت ہو گی جس کا مداوا اس حکیمِ لامتناہی نے اپنی زبان اور قلم سے نہیں فرمایا، اور جس کی دست کا اندازہ تحقیق اور مطالعہ کے بعد ہی نظر میں آسکتا۔ ان کی تصنیفات ہندوستان کے پورے طول و عرض میں پھیلیں، اور ہزاروں مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کا باعث ہوئیں، اردو اور عربی کے علاوہ مسلمانوں نے اپنے ذوق سے ان کی متعدد تصانیف کا ترجمہ غیر زبانوں میں بھی کیا، چنانچہ ان کی متعدد کتابوں کے ترجمے انگریزی، بنگالی، گجراتی اور سندھی میں شائع ہوئے۔ ان کی تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم تصانیف سب داخل ہیں اٹھ سو کے قریب ہے۔ ۱۸۵۷ء میں ان کے ایک خادم مولوی عبدالحی صاحب فچپوری نے ان کی تصنیفات کی ایک فہرست شائع کی تھی جو بڑی قیطع کے پورے ۸۶ صفحوں کو محیط ہے، اس کے بعد نو برسوں میں جو رسائل یا تصانیف ترتیب پائیں وہ ان کے علاوہ ہیں، کہا جاتا ہے کہ ہر صدی کا مجدد اپنی صدی کے کمالات کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو یہ صدی جو مطبوعات و منشورات کے کمالات سے مملو ہے، اور جس کا ہم کا زمانہ خواہ حق کے اثبات و اظہار میں جو یا باطل کی نشر و اشاعت میں پُرس اور مطبع ہی کے برکات ہیں زبان و قلم اس صدی کے مبلغ ہیں، اور رسائل و منشورات دعوت کے صفحے ہیں، اس بنا پر مناسب تھا کہ اس صدی کے مجدد کی کرامت بھی انہی کمالات میں جلوہ گر علمائے اسلام میں ایسے بزرگوں کی کمی نہیں جن کی تصانیف کے اوراق اگر ان کی زندگی کے ایام پر بانٹ دیے جائیں تو اوراق کی تعداد زندگی کے ایام پر فوقیت لے جائے، امام جبریل طبری، حافظ خطیب بغدادی، امام مازنی، حافظ ابن جریری، حافظ سیوطی وغیرہ متعدد نام اس سلسلہ میں لئے جاسکتے ہیں، ہندوستان میں مولانا ابوالحسن

عبدالحی فرنگی تھی رحمۃ اللہ علیہ اور نواب صدیق حسن خان صاحب مرحوم کے نام بھی اس سلسلہ میں داخل ہیں، اس سلسلہ کا اخیر نام حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کا ہے،

مولانا کی تصانیف کا انواع | مولانا کے رسائل اور تصانیف کی تعداد گواٹھ سو کے قریب ہے، مگر ان میں چھوٹے چھوٹے

رسالے بھی جن کوئی اصطلاح میں مضامین و مقالات کہتے ہیں داخل ہیں، ان میں بعض اتنے مختصر ہیں کہ صرف صفحہ دو صفحہ میں ہیں بعض ایسے ضخیم ہیں کہ کئی کئی جلدوں میں ہیں،

زبان | بیشتر تصانیف شریفین اور اردو زبان میں ہیں، البتہ بارہ تیرہ رسائل و کتب عربی زبان میں ہیں، جن کے نام یہ ہیں، سبق النہایات فی نسق الآیات، انوار الوجود، النجلی العظم، حواشی تفسیر بیان القرآن، تفسیر المقطعات، التیضات العشر، مائتہ دروس، الخطب الماثورہ، وجہ المثانی، سبع شہارہ، زیادات، جامع الآثار، تاسیۃ الحقیقہ، اودین فارسی میں ہیں، شنوی زیر دم، تعلیمات فارسی، عقائد بانی کالج،

نظم و نثر | نظم میں مولانا کی تصنیف صرف یہی ایک مشنوی زیر دم ہے، اور یہ غالب الصلی کے بعد ہی لکھی ہے، نثر میں اس میں ایک بیوقوف عاشق اور چالاک معشوق کا قصہ ہے، مگر درحقیقت یہ نفس انسانی کی بصیرت افزو و زکا ہے، ایک اور نظم اور اردو رحمانی کے آخر میں ہے،

مولانا کو فارسی کے بشمار اشعار یاد تھے، حافظہ اور مولانا رومی کے اشعار بیشتر نوک زبان تھے، اور نظم کا اور سلیقہ بھی تھا، مگر کبھی اس سے کام نہیں لیا، ایک دفعہ میں نے اپنے برادر گرامی قدو مولوی مسعود علی صاحب کو جو تھانہ بھون میں مقیم تھے، اپنے حاضر ہونے کے قصد سے مطلع کیا، اور یہاں حرم کا یہ مصرع لکھ دیا:

زندگی ہے تو فقیر وں کا بھی پھیرا ہوگا

برادر موصوف نے یہ اطلاع مولانا کو دی، اور یہ مصرع بھی سنا دیا، تو فوراً فقیر وں کو بدل کر یوں فرمایا،

زندگی ہے تو سیماں کا بھی پھیرا ہوگا

ایک دفعہ حضرت نے خاک رکو ایک تسبیح عنایت فرمائی، تو خاک رنے ایک بیت کہی ۷

خواجہ بخشید مراد سجدہ صدوانہ بلطف دانہ انداخت و در حلقہ مرا کرد اسیر

اصل مرحوم نے موقع سے حضرت کریمؐ سنا دیا، تو فرمایا، تو بھی مجھے بھی اس کا جواب کہنا پڑے گا، مگر کچھ فرمایا نہیں سبے آخر میں جب خاکسار نے از خود حضرت کی تحریک و اشارہ کے بغیر اپنے احساس سے مجبور ہو کر رجوع و اعتراف کا مضمون معارف میں شائع کیا، اور ملاحظہ کے لئے بھیجا تو بہت مسرت ظاہر فرمائی، اور ثنوی کے وزن پر دس بار شعر لکھ کر بھیجے، جو اس بیچ میرزہ کے لئے وجہ سعادت بنیں، یہ غالباً آخری نظم کی تصنیف ہے، اور اس کا ایک نام بھی حضرت نے رکھ دیا ہے،

موضوعاتِ اثر | تصانیف کا بیشتر حصہ اصلاحی اور فقیہی ہے، اور کم تر کتبِ درس کے متعلق تاہم دو چار درسی کتابوں پر بھی رسائل ہیں، مذہبی تصانیف میں علوم القرآن، علوم احادیث، کلام و عقائد، نقد و فتاویٰ اور سلوک و تصوف اور مواظباتِ کثر ہیں،

قرآن پاک کی خدمت | اسلام میں علم کا سب سے پہلا سفینہ خود اسلام کا صحیفہ ہے، یعنی قرآن پاک، مولانا نے اس کی خدمت کی سعادت جس جس نوع سے حاصل فرمائی، وہ بجا سے خود ان کی ایک علمی کرامت ہے، کانپور کے زمانہ قیام میں مطبع انتظامی میں تفسیر لکھتے تھے، وہاں جبرائیل اولین مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خواب میں دیکھا جن کو آنحضرت ﷺ نے اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب کی وعادی تھی اور بشارت سنائی تھی، مولانا فرماتے تھے، کہ اس رویا کے بعد سے میری غائبیت قرآنی بہت بڑھ گئی تھی اور یہ رویا اسی کی طرف اشارہ تھا،

قرآن پاک کی خدمت کی یہ سعادت نہ صرف معنوی حیثیت سے حاصل فرمائی، بلکہ لفظ و معنی دونوں حیثیتوں سے وہ حافظ تھے، اور بڑے جید حافظ، وہ فارسی تھے، اور فنونِ تجوید و قرأت کے بڑے ماہر، اخیر زمانہ میں پانی پت کو قاری عبدالرحمان صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کی برکت سے قرأت سے ایک خاص مناسبت حاصل ہو گئی تھی، مولانا ایک دفعہ جب پانی پت گئے، تو لوگوں نے انکو بالقصد کسی جہری نمازیں امام بنادیا، مولانا نے بے تکلف کسی تصنع کے بغیر یہی قرأت فرمائی کہ تارویں نے تعریف کی، کہ صحتِ مخارج کے ساتھ تکلف کے بغیر اس قدر موثر قرأت نہیں سنی آپ

اور مقام پر جان اہل نظر موجود تھے، صبح کی نماز پڑھائی، تو ایک صاحب نے کہا کہ موسیقی کے قاعدہ سے آپ کی قرأت میں بھیروین کی کیفیت تھی، جو صبح کی ایک سہانی راگنی کا نام ہے،

مولانا کی قرأت کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں مخارج کی پوری صحت ہوتی تھی، لیکن لہجہ میں عام قاریوں کی طرح ہناوٹ نہ تھی، اور نہ تھیں آواز کے لئے تسکلت آتا رہتا تھا، بلکہ فطری آواز بلا تکلف حسب موقع گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، اور تاثیریں ڈوب کر نکلتی تھی کہ ہر چہ ازل و ازل خیزد بادل ریزد،

۱۔ تجوید و قرأت و متعلقات علوم قرآنی

علوم القرآن میں سے یہ پہلا فن ہے، مولانا نے اس فن پر حسب ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں
۱۔ جمال القرآن یہ فن تجوید کا رسالہ ہے جس میں قرآن مجید کو ترتیل اور تجوید سے پڑھنے کے مسائل میں مخارج اور صفات حروف، اظہار و انحاء، ابدال و ادغام و تغنیہ و ترقیق و وقف و وصل کے مسائل درج فرمائیں
۲۔ تجوید القرآن اس مختصر منظوم رسالہ میں بچوں کی یاد کے لئے تجوید کے عام مسائل لکھے ہیں،

۳۔ رفع الخلاف فی حکم الاوقات اذ قاف قرآنی کے بارہ میں قاریوں میں جو اختلاف ہو اس رسالہ میں اس کی توجیہ و تطبیق کی صورت بیان کی گئی ہے،

۴۔ وجوہ المثانی اس میں قرآن شریف کی مشہور قرأتوں کے اختلافات کو قرآن پاک کی سورتوں کی ترتیب سے سلسلہ میں جمع فرمایا ہے اور اخیر میں تجوید و قرأت کے کچھ قواعد تحریر فرمائے ہیں،

۵۔ منیظا بطح فی اجراء البیع قرات سبع اور اس فن کے رواد کی تفصیل درج کی گئی ہے،

۶۔ زیادات علی کتب الروایات اس میں قرأت کی غیر مشہور روایتوں کی سندیں ہیں، یہ وجوہ انشا

کے اخیر میں بطور ضمیمہ ہے،

۷۔ ذنابات لمافی الروایات یہ اگلے رسالہ کا ضمیمہ ہے،

۸۔ یادگار حق القرآن اس میں قرآن مجید کے آداب اور تجوید کے مسائل کا مختصر بیان ہے یہ تجوید القرآن

کا اختصار اور ضمیمہ ہے،

۹۔ متشابہات القرآن ل تراویح رمضان قرآن پاک کے حفاظ کو تراویح میں قرآن سنانے میں بعض مشہور مقامات

پر جو متشابہات لگتے ہیں، ان سے بچنے کے لئے اس میں چند قواعد کلیہ یعنی کرمض آیات کے ضبط فرمائے گئے ہیں

۱۰۔ آداب القرآن، قرآن پاک کی تلاوت کے آداب، اور تلاوت کرنے والوں کی کوتاہیوں کی اصلاح

کے لئے ہدایات و تنبیہات ہیں،

۲۔ ترجمہ و تفسیر قرآن

۱۔ ترجمہ قرآن پاک کا سلیس و باحی اور اردو ترجمہ جس میں زبان کی سلاست کے ساتھ بیان کی صحت کی

احتیاط ایسی کی گئی ہے، جس سے حیرت کی نظریں بڑے بڑے ترجمے خالی ہیں، قرآن پاک کا سب سے صحیح اردو ترجمہ حضرت

مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے، لیکن وہ بہت ہی لفظی ہے، اس لئے عام اردو خوانوں کے فہم

سے باہر ہے، مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ترجمہ میں دونوں خوبیاں یکجا ہیں، یعنی ترجمہ صحیح اور زبان فصیح ہے اس

ترجمہ میں ایک خاص بات اور ملحوظ رکھی گئی ہے، کہ اس زمانہ میں کم فہمی یا ترجموں کی عدم احتیاط کی وجہ سے جو شکوک

قرآن پاک کی آیات میں عام پڑھنے والوں کو معلوم ہوتے ہیں، ان کا ترجمہ ہی اس میں ایسا کیا گیا ہے کہ کسی تاویل

کے بغیر وہ شکوک ہی ان ترجموں کے پڑھنے سے پیش نہ آئیں، اور پھر قرآن پاک کے لفظوں سے مدد مل بھی ہونے نہ پائے

اسی لئے کیس کیس فرید تفہیم کی غرض سے قوسین میں ضروری تفسیری الفاظ بھی بڑھائے گئے ہیں، یہ مولانا کی عظیم

خدمت ہے،

۲۔ تفسیر بیان القرآن، یہ بارہ جلدوں میں قرآن پاک کی پوری تفسیر ہے، جس کو ڈھائی سال کی مدت

میں مولانا نے تمام فرمایا ہے، اس تفسیر کی حسب ذیل خصوصیتیں ہیں، سلیس و باحی اور حتی الوسع تحت اللفظ ترجمہ

فہم کے، اشارہ فائدہ سے آیت کی تفسیر، تفسیر میں روایات صحیحہ اور اقوال سلف صالحین کا التزام کیا گیا ہے،

فقہی اور کلامی مسائل کی توضیح کی گئی ہے، نجات اور نحو کی ترکیبوں کی تحقیق فرمائی گئی ہے، شبہات اور شکوک

اذا کہ کیا گیا ہے، صوفیانہ اور ذوقی معارف بھی درج کئے گئے ہیں، تمام کتب تفسیر کو سامنے رکھ کر ادین میں سے کسی قول کو دلائل سے ترجیح دی گئی ہے، ذیل میں اہل علم کے لئے عربی لغات اور نحوی تراکیب کے مشکلات حل کئے گئے ہیں، اور حاشیہ پر عربی میں اعتبارات و حقائق و معارف الگ لکھے گئے ہیں، ماخذوں میں غالباً سب سے زیادہ آؤسی بنیادوی خفی کی تفسیر روح المعانی پر اعتماد فرمایا گیا ہے، یہ تفسیر اس کاخا سے حقیقہ مفید ہے کہ تیرہویں صدی کے سطح میں لکھی گئی ہے، اس لئے تمام قدما کی تصانیف کا خلاصہ ہے، اور مختلف و منتشر تحقیقات اس میں یکجا ملتی ہیں،

عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اردو تفسیر میں صرف عوام اردو خوانوں کے لئے عملاً لکھتے ہیں، یہی خیال مولانا کی اس تفسیر کے متعلق بھی عملاً، کو تھا، لیکن ایک دفعہ اتفاق سے مولانا کی یہ تفسیر مولانا انور شاہ صاحب نے اٹھا کر دیکھی تو فرمایا کہ میں سمجھتا تھا کہ اردو میں یہ تفسیر عوام کے لئے ہوگی، مگر یہ تو عملاً کے دیکھنے کے قابل ہے، خود میرا خیال یہ ہے کہ قدیم کتب تفسیر میں رائج ترین قول مولانا کے پیش نظر رہا ہے، ساتھ ہی ربط آیات و سورت کا ذوق مولانا کو ہمیشہ رہا ہے، اور اس کا کاخا اس تفسیر میں بھی کیا گیا ہے، مگر چونکہ ربط آیات کے اصول سب کے سامنے چسماں نہیں، اس لئے وجود ربط میں قیاس اور ذوق سے چارہ نہیں، اس لئے ہر مستند ذوق والے کے لئے اس

اختلاف کی گنجائش ہے، اسی طرح مفسرین کے مختلف اقوال میں سے کسی قول کی ترجیح میں زمانہ کی خصوصیات اور ذوق و وجدان کا اختلاف بھی اظہار ہوگا اس لئے اگر کلام سلف کے اصول متفقہ سے دور نہ ہوتو تنگی نہ کی جائے،

۳۔ چونکہ مسلمانوں پر شفقت اور ان کی اصلاح کی فکر مولانا پر بہت غالب تھی، اس لئے وہ ہمیشہ ان کو گمراہیوں سے بچانے میں بجاں و دل ساعی رہتے تھے، اردو میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت شامیہ صاحب کے جو ترجمے شائع تھے، وہ بالکل کافی تھے، مگر نئے زمانہ میں پہلے سرسید نے، پھر تیسریں نے، ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے نئے اردو ترجمے شائع کئے، تو انھوں نے پہلی دفعہ یہ کوشش کی کہ اپنے جدید عقائد کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ کریں اور ادین تو جہ زبان کی طرف رکھیں، اور اقوال سلف کی پروا نہ کریں، اس طرح عمل نے عملاً کو مضطرب کر دیا، اور ان کو ضرورت محسوس ہوئی، کہ اس کی اصلاح کی جائے، مولانا نے اپنا ترجمہ اسی ضرورت

سے مجبور ہو کر کیا، مگر اسی پر کفایت نہیں کی، بلکہ مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کے ترجمہ کو بغور پڑھا، اور اس کے غلطی نشان دیکر ایک رسالہ اس ترجمہ کی اصلاح پر لکھا، جس کا نام اصلاح ترجمہ دہلویہ ہے،

۴۔ مولوی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ کی عام اشاعت نے دہلی کے ایک بلند بانگ اخبار نویس مرزا حیرت کو حیرت میں ڈال دیا، اور انھوں نے پہلے تو ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمہ پر اعتراضات شروع کئے، اور پھر پورا ترجمہ چھپوایا، جس کی نسبت عام طور سے مشہور ہے کہ وہ لکھنؤ کے ایک عالم کا کیا ہوا ہے، لیکن نام سے وہ مرزا صاحب کے چھپا ہے، کیونکہ مرزا صاحب خود عربی سے نا بلد تھے، بہر حال مولانا نے اس ترجمہ کے غلطی کی اصلاح پر بھی آپ رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام اصلاح ترجمہ حیرت ہے،

۵۔ بعض معاصر علما نے اردو میں قرآن شریف پر حواشی لکھے ہیں جن میں ربط آیات کا خاص طور سے اہل علم کیل گیا ہے، اور آیات کو بتاویل و اعتبار سیاسی مسائل پر منطبق کیا ہے، اور اس تاویل و اعتبار میں کہیں کہیں حد اعتدال سے قلم باہر نکل گیا ہے، مولانا نے ان تاویلات بعیدہ پر تنبیہات لکھیں جن کا نام التفسیر فی التفسیر ہے،

۶۔ لاہور کے ایک بزرگ نے قرآنی مطالب کو کئی جلدوں میں تفصیل البیان فی مقاصد القرآن کے نام سے جمع کیا ہے، اس کے مؤلف کی درخواست پر اس میں جو شرعی نقائص نظر آئے وہ مولانا نے المادی لہجہ میں فی تاویلی تفصیل کے نام سے ظاہر فرمائے،

۷۔ مولانا کے خاندان کی بعض لڑکیوں نے مولانا سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا، اور اکثر آیات کی تفسیر و تقریر کو ضبط تحریر میں کر لیا تھا، وہ ایک مجموعہ ہو گیا، اور اس کا نام تقریریں البیان فی تفسیر بعض آیات لکھا مگر چھپنا نہ سکا۔
۸۔ رفع البناء فی ففع السماء الذی جعل لکرم کرم ذل شاد السماء بناء کی تفسیر جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آسمان سے کیا کیا فائدے ہیں، یہ درحقیقت ایک سوال کے جواب میں ہے،

۹۔ احسن الاثبات فی النظر الثانی فی تفسیر المعامات الثلاث، سورہ بقرہ کی تین آیتوں کی تفسیر پر نظر ثانی

نصرامانی ہے،

۱۰۔ اعمالِ قرآنی قرآن مجید کی بعض آیات کے خواص جو بزرگوں کے تجربوں میں آئے ان کو بیان کیا گیا

۱۱۔ خواصِ عرفانی اس کا موضوع بھی وہی ہے اس کا ایک اور حصہ ہے جس کا نام آثارِ میانی ہے ان

رسائل سے مقصود عوام کو ناجائز غیر شرعی تنوید، گنڈ و ن اور عملیاتِ سفلی سے بچا کر قرآنی آیات کے خواص کی طرف ملتفت کرنا ہے اور اس قسم کے بعض خواص احادیث میں بھی مروی ہیں،

۳۔ علوم القرآن

علوم قرآن کے متعلق مختلف مباحث و مسائل تو مولانا کی ساری تصانیف، مواعظ، ملفوظات اور رسائل

میں ملتے ہیں، اگر ان کو کوئی یکجا کر دے تو ابھی خاصی ضخیم کتاب ہو جائے، مگر ان پر مستقل طور پر بھی بعض کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے اول سبق الغایات ہے،

۱۔ سبق الغایات فی نسق الآیات، یہ قرآن پاک کے آیات و سورتوں کے ربط و نظم پر عربی میں ۱۵۶ صفحوں

کی کتاب ہے جس کو سترہویں ڈھائی مہینوں میں تصنیف فرمایا، اس میں مولانا نے سورۃ فاتحہ سے سورۃ النہل تک تمام سورتوں اور ان کی آیتوں کے ربط پر کلام فرمایا ہے اور اس کا بڑا حصہ امام رازی کی تفسیر کبیر اور مفتی ابو ہریرہ

بغدادی المتوفی ۱۱۹۹ھ کی ارشاد و النقلِ اسلم الی فرمایا القرآن الکریم سے ماخوذ و مستنبط ہے جس کی تصریح کتاب کے دیباچہ میں کر دی گئی ہے، ان دو کے علاوہ مولانا نے خود اپنے اضافوں کو قتال المسکین لکھ بیان فرمایا ہے، یہ حصہ

بھی اچھا خاصہ ہے، اور اخیر کی سورتوں میں زیادہ تراضافات ہی ہیں جن میں مؤلف نے ان سورتوں کے ضروع اور عقود کی تعیین فرمائی ہے، چونکہ یہ امور زیادہ تر ذوقی ہیں، اس لئے ان ذوقیات کی نسبت ہمیشہ رائے مختلف

ہو سکتی ہیں تاہم ان سے مولانا کے ذوقِ قرآنی کا اندازہ بہت کچھ ہو سکتا ہے،

تفسیر البیان میں بھی ربط و نظم پر گفتگو التزام کے ساتھ کی گئی ہے،

ذوقِ ربطِ آیات] مولانا کے ذوقِ ربطِ آیات و سورتوں کا حال چونکہ عام طور سے لوگوں کو معلوم نہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مواعظ میں سے دو قول نقل کر دیے جائیں جن سے ان کا ذوق اور ان کے بعض اصول

واضح ہو جائیں، سبیل النجاح ص ۹ میں فرماتے ہیں:

۸۸۔ جواب اس شبہہ کا کہ مفسرین کے بیان کردہ ربط مختصر بین

کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان ارتباط کا لحاظ کیا ہی نہیں

”اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن میں باوجود طرز تصنیف اختیار نہ کرنے اور شفقت کا طرز اختیار کرنے کے پھر بھی ربط کا لحاظ کیا گیا ہے، اس لئے مفسرین کے بیان کردہ ربط مختصر معین ہیں، اور اس ربط کو ملحوظ فرمانے کی دلیل یہ ہے کہ احادیث سے ثابت ہے کہ ترتیب نزول آیات اور ہے اور ترتیب تلاوت مصحف اور ہے یعنی قرآن کا نزول تو واقعات کے موافق ہوا، کہ ایک واقعہ پیش آیا اور اس کے متعلق ایک آیت نازل ہو گئی، پھر دوسرا واقعہ پیش آیا تو دوسری آیت نازل ہو گئی، و علیٰ ہذا، تو ترتیب نزول تو حسب واقعات ہے، اگر تلاوت میں بھی یہی ترتیب رہتی، تو واقعی ربط کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن ترتیب تلاوت خود جناب باری تعالیٰ غراسمہ نے بدل دی، یعنی حدیث میں آتا ہے، کہ جب کوئی آیت کسی واقعہ کے متعلق نازل ہوتی تو جبریل علیہ السلام حکم خداوندی حضورؐ سے یہ کہتے کہ آیت کو مثلاً سورہ بقرہ کی فلان آیت کے بعد رکھا جاوے، اور اس کو فلان آیت کے بعد، اور اس کو فلان سورہ کے ساتھ، و علیٰ ہذا، تو مصحف میں ترتیب آیات، ترتیب نزول پر نہیں، بلکہ اس کی ترتیب حق تعالیٰ نے دوسری رکھی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس آیت کو بھی کسی آیت کے ساتھ ملایا گیا ہے، دونوں میں کوئی مستقل ربط اور مناسبت اور تعلق ضرور ہے کیونکہ اگر اب بھی دونوں میں کوئی ربط نہ ہوا تو ترتیب نزول کا بدلنا مفید نہ ہوگا“ (سبیل النجاح ص ۹)

پھر اسی کتاب کے ص ۱۱ میں ارشاد ہے:

۸۹۔ قرآن کریم بے ترتیب اور غیر مرتب کلام نہیں ہے

”قرآن میں ہر پہلو کی ایسی رعایت ہے کہ کسی کلام میں ویسی رعایت نہیں ہے، قرآن میں صرف ضابطہ کو پر نہیں کیا گیا، اس مضمون کو آپ سہولت سے یوں سمجھیں گے کہ حکام و دستم کے ہیں، ایک وہ جو بعض ضابطہ کے پابند ہیں، ضابطہ کی رو سے جو کام ان پر واجب ہر وہ کر دیا، اور قانون کے موافق رعایا پر احکام لازم کر دیئے، ان کو اس کی ضرورت

نہیں کہ دشوار احکام کو قانون سے خارج کریں یا انکے سہل و آسان کرنے کی تدبیر بتائیں، دوسرے وہ حکام ہیں جن کو رہایا سے محبت ہوتی ہے، اور مخلوق کو راحت پہنچانا چاہتے ہیں، اور حتی الامکان قانون میں کوئی دشوار حکم داخل نہیں کرتے، اور اگر کسی مصیبت سے کوئی دشوار حکم رکھتے بھی ہیں تو رعایا کو اس کے سہل کرنے کی تدبیر بھی بتلاتے ہیں، اور اس تجویز میں ان پر تعجب ضرور ہوتا ہے، مگر یہ شفقت پر مبنی ہے، اتنی رعایتیں وہی حاکم کر سکتا ہے جس کو رعایا پر شفقت ہو، اسی طرح ایک اور مثال سمجھئے، کہ نصیحت کرنے والا ایک تو اتنا دہوتا ہے، اور ایک باپ ہوتا ہے، باپ کی نصیحت میں عام لوگوں کی نصیحت سے فرق ہوتا ہے، اُستاذ و ضابطہ پر مبنی کر دیتا ہے، مگر باپ ضابطہ پر مبنی کر سکتا، وہ نصیحت کرتے ہوئے اس کا خیال رکھتا ہے کہ بیٹے کو ایسے عنوان اور ایسے طرز سے نصیحت کروں جو اس کے دل میں گھر کرے، کیونکہ وہ دل سے یہ چاہتا ہے کہ اس کے بیٹے میں کوئی کمی نہ رہ جائے، اور اگر وہ کوئی مشکل کام بھی بتلاتا ہے، تو اس طریقہ کو وہ اختیار کرتا ہے جس سے بیٹے کو عمل آسان ہو جاوے، اور ان سب رعایوں کا منشا وہی شفقت ہے، شفقت ہی کے ساتھ تمام پہلوؤں کی رعایت کی جا سکتی ہے، اور اسی لئے باپ کا کلام نصیحت کے وقت کبھی بے ربط اور بے ترتیب بھی ہو جاتا ہے، مثلاً باپ بیٹے کو کھانا کھاتے ہوئے نصیحت کرے، کہ جُری صحبت میں نہیں بیٹھا کرتے، اور اس مضمون پر وہ مفصل گفتگو کر رہا ہو، اسی درمیان میں اس نے دیکھا کہ بیٹے نے ایک بڑا سالقہ کھانے کو لیا ہے، تو وہ فوراً پہلی نصیحت کو قطع کر کے کہے گا کہ یہ کیا حرکت ہے، لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے، اس کے بعد پھر پہلی بات پر گفتگو شروع کر دے گا، اب جس کو شفقت کی اطلاع نہ ہو، وہ کہے گا کہ یہ کیسا بے ترتیب کلام ہے، جُری صحبت سے منع کرنے میں لقمہ کا کیا ذکر، مگر جو شخص کبھی کسی کا باپ بننا ہے، وہ جانتا ہے کہ یہ بے ترتیب کلام مرتب و مرتباً کلام سے افضل ہے، شفقت کا مقتضایہ یہی ہے، کہ ایک بات کرتے ہوئے اگر دوسری بات کی ضرورت ہو تو ربط کا لحاظ نہ کرے، دوسری بات کو بیچ میں رکھ کر پھر پہلی بات کو پورا کرے، یہی راز ہے اس کا کہ خداے تعالیٰ کا کلام ظاہر میں بے ربط بھی معلوم ہوتا ہے، اس ظاہر ہی بے ربطی کا منشا شفقت ہی ہے کہ حق تعالیٰ المضمین کی طرح گفتگو نہیں کرتے، کہ ایک مضمون پر کلام شروع ہو تو دوسرے باب کا کوئی مضمون

ربط میں تھک تھک گئے ہیں، اور بہت سی توجیحات بیان کی ہیں، مگر سب میں خلقت ہے، اور کسی نے خوب کہا ہے، کلام کے محتاج یعنی باشد لایعنی است "تو جس کو حق تعالیٰ کے اس تعلق کا علم ہے جو حق تعالیٰ کو حضور کے ساتھ ہے، اس کو آفتاب کی طرح نظر آتا ہے، کہ اس کلام کا درمیان میں کیا موقع ہے، صاحبو اس کا وہی موقع ہے، جیسے وہ باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا، کہ بُری صحبت میں نہیں بیٹھا کرتے، اور اس کے مفاسد بیان کر رہا تھا، کہ درمیان میں بیٹے کو بڑا سا لقمہ اٹھاتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا یہ کیا حرکت ہے، لقمہ بڑا نہیں لیا کرتے، تو ظاہر میں لقمہ کا ذکر ترتیب کلام سے بالکل بے ربط ہے، لیکن جو باپ ہوا ہوگا، وہ جانے گا کہ نصیحت کرتے کرتے درمیان میں لقمہ کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ لڑکے نے بڑا لقمہ لیا تھا، باپ نے فرط شفقت سے درمیان کلام میں اس پر بھی تنبیہ کر دی، اسی طرح یہاں بھی حق تعالیٰ قیامت کا ذکر فرما رہے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خیال سے کہ کیسی یہ آتین ذہن سے نہ نکل جائیں، جلدی جلدی ساتھ ساتھ پڑھ رہے تھے، تو درمیان میں خدا تعالیٰ نے فرط شفقت سے اس کا بھی ذکر فرمادیا، کہ آپ یا د کرنے کی فکر نہ کریں، یہ کام ہم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے، آپ بے فکر ہو کر سنتے رہا کریں، قرآن آپ کے دل میں خود بخود محفوظ ہو جائے گا تو اُس مضمون کو درمیان میں ذکر فرمانے کی وجہ فرط شفقت ہے، اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہاں بالکل عبی ربط نہ ہوتا تو یہ بے ربطی ہزار ربط سے افضل تھی، مگر پھر بھی باوجود اس کے یہاں ایک مستقل ربط بھی ہے، اور یہ خدا کے کلام کا اعجاز ہے کہ جہاں ربط کی ضرورت نہ ہو وہاں بھی کلام میں ربط موجود ہے۔" (سبیل النجاح ص ۶)

۲۔ اشرف البیان لمافی علوم الحدیث والقرآن، مولانا کے چند مواعظ سے ان کے ایک مقدمہ و خاتم

نے ان اقتباسات کو کیجا کر دیا ہے جن میں آیات قرآنی اور احادیث کے متعلق لطیف نکات و تحقیقات ہیں، افسوس ہے کہ اس کام کو اگر زیادہ پھیلا دے ساتھ کیا جاتا تو کئی حصے اس کے مرتب ہو سکتے تھے،

۳۔ دلائل القرآن علی مسائل النعمان، مولانا کو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ سے جو شدید

شفقت تھا، وہ ظاہر ہے ان کا مدت سے خیال تھا کہ احکام القرآن ابو بکر جصاصؒ رازمی اور تفسیرات احمدیہ ملا جیوں

کی طرح خاص اپنی تحقیقات اور ذوقِ قرآنی سے اوں آیات اور ان کے متعلق مباحث و دلائل کو یکجا کر دین جن فقہ حنفی کے کسی مسئلہ کا استنباط و اخراج ہو، لیکن یہ کام انجام نہ پاسکا، آخر میں یہ خدمت اوفھون نے اپنے سرشد خاص مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو سپرد فرمائی کہ وہ اوں کی ہدایت کے مطابق اس کو تالیف فرمائیں چنانچہ مفتی صاحب اس کام میں مصروف ہو گئے، ابھی حالِ بین جب وہ مدرسہ سے الگ ہوئے، تو خانقاہ امدادیہ میں جا کر خاص اس کام کی تکمیل میں لگ گئے، مولانا روزانہ کی مجلس میں اس کے متعلق جو جو نکات ان کو یاد آ جاتے تھے بیان فرماتے، اور جناب مفتی صاحب اس کو اپنے مقام پر اگر قلمبند فرماتے، یہ تصنیف اس طور سے جاری تھی کہ مولانا کا مرض الموت شروع ہوا، اور کام نام تمام رہ گیا، امید ہے کہ مفتی صاحب اس کام کو جاری رکھیں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ ان تمام کو پہنچائیں گے،

مولانا عبدالباقی صاحب ندوی کی روایت میں نے سنی ہے جن کو خود بھی مائتار اللہ قرآن پاک کے نظم کا ذوق ہے، وہ نقل کرتے تھے کہ مجلس میں مولانا ان آیات پر جب گفتگو فرماتے تھے، اور نقیبانہ وقتِ نظر کسی حنفی مسئلہ کی صحت پر استدلال کرتے تھے تو اچنبھا ہوتا تھا، کہ یہ مسئلہ اس میں موجود تھا، لیکن اب تک اوں اس حیثیت سے نظر نہیں پڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادل چھٹ گیا اور آفتاب نکل آیا، اسی کے ساتھ وہ مفتی صاحب موصوف کے حافظ کی تعریف کرتے تھے، کہ مولانا سے سُنکر اپنے مستقر پر پہنچ کر اس کو بعینہ اسی طرح قلمبند کر لیتے تھے، جس طرح مولانا نے اس کی تقریر فرمائی تھی،

ہم تصویر المقطعات لتیسیر بعض العبارات، تفسیر بفاوی میں حردتِ مقطعات کا جو محل و منقلب بیان ہے، اس رسالہ میں بزبانِ عربی اس کو آسان کر کے بیان کیا گیا ہے جس سے حروفِ مقطعات کی تاویل کا ایک طریق معلوم ہوتا ہے،

۴-۵۔ مولانا کے دوسرے علم القرآن سے متعلق اور جین اور ان دونوں کا تعلق سلوک سے ہے ایک کا نام مسائل السلوک من کلام ملک الملوک اور دوسرے کا نام تائیدِ تحقیقہ بالآیات العقیقہ ہے، ان

و دون رسالوں کا موضوع قرآن پاک کی اُن آیتوں کی تفسیر ہے جن سے سلوک کے مسائل مستنبط ہوتے ہیں، اس دوسرے رسالہ کی بنا ایک سابق مولف کی تالیف ہے جس کا قلمی رسالہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ۱۳۲۷ھ میں بھادپور میں ملا تھا۔ اس پر مزید اضافہ کر کے یہ رسالہ مرتب ہوا ہے،

۳۔ علوم الحدیث

حضرت حکیم الامتہ رحمۃ اللہ علیہ کو علوم حدیث میں جو مہارت حاصل تھی، اس کی شہادت ان کے مواظ و رسائل تالیفات کے ہزاروں صفحات دے رہے ہیں جن میں بے شمار احادیث کے حوالے اُتارے اور تفصیلات ان کے مشکلات کی شرح، ان کے دقیق مطالب کے حل اور ان کے نکات و لطائف کا بیان ہے، خصوصیت کے ساتھ شیخ کے مواظ میں جو زبانی تقریریں ہیں بر محل حدیثوں کے حوالے اور اکثر احادیث کے بمعینہ الفاظ مع ان کی تخریجات اُن کتابوں کے حوالوں کے اس کثرت سے نہیں ہیں، کہ ان کو دیکھ کر کسی انصاف پسند کو ان کے حافظ الحدیث ہونے میں شبہ نہین ہو سکتا،

اس کے بعد ان کی ادنی تصانیف کو لیجئے جو گو قفقہ و فتاویٰ اور احکام و مسائل یا اصلاح رسوم اور سلوک میں ہیں، لیکن ان کی بنیاد احادیث پر ہے، اُن میں احادیث کے حوالے دلائل کی مضبوطی اور صحت بیان کی تائید و شہادت کے لئے آئے ہیں، جو مولف کے علم و معرفت پر دلیل قاطع ہیں،

حضرت حکیم الامتہ کو فن سلوک کی تجدید کی جو توفیق عنایت ہوئی تھی، اس کا ایک مبارک اثر یہ ہے کہ حضرت نے احادیث کی کتابوں سے اُن تمام حدیثوں کو یکجا فرمایا جن میں اس فن شریف کے مسائل متفرق تھے، اگرچہ بعض حضرات محدثین نے اپنی کتابوں میں بعض ابواب زہد و رفاق کا تذکرہ کیا ہے، تاہم ان کی حیثیت فن کی نہیں، قدامین سے مرث ایک بزرگ حضرت امام عبداللہ بن مبارک المتوفی ۱۸۱ھ کا نام ہم کو معلوم ہے، جنھوں نے کتاب الزہد و الرقاق کے نام سے مستقل تصنیف فرمائی ہے، مگر یہ بھچان اس کی زیارت سے محروم رہا ہے، اس لئے اس کی نسبت کچھ عرض نہیں کر سکتا، مگر قیاس یہ ہے کہ وہ ابن ابی الدنیا کی کتاب کی طرح زہد و رفاق اور مذمت دنیا

کے مضامین کی احادیث پر مبنی ہوگی،

اہل سلوک نے جن روایات احادیث سے کام لیا ہے وہ عموماً ضعیف بلکہ موضوع تک ہیں، اسی لئے علماء سلوک کو اس فن میں کمزور سمجھا گیا ہے، اور اسی بنا پر اہل حدیث و روایت نے یہ برخود غلط خیال قائم کر لیا ہے کہ فن سلوک اور اس کے مسائل احادیث نبوی سے ثابت نہیں، اور صدیوں سے ان کا یہ اعتراض قائم تھا، گو بعض محدثین ادھر توجہ فرمائی، اور اس سلسلہ میں کچھ کام انجام دیا، مثلاً امام ابن ابی جرہ اندلسی المتوفی ۸۹۹ھ نے صحیح بخاری کی شرح ہیجۃ النفوس کے نام سے لکھی جس کی پہلی جلد چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اس میں اس کا التزام کیا ہے کہ احادیث کی شرح میں سلوک کے مسائل و نکات کی طرف بھی اشارہ کرتے جائیں،

حضرت حکیم الامت نے اس کام کو مستقل طور سے انجام دیا، اور حقیقۃً طریقۃً من السنۃ الانبیاء التشریف بمعربۃ احادیث النصوص کے نام سے دو کتابیں تالیف فرمائیں،

حقیقۃً طریقۃً ۳۲۷ء میں تالیف پائی ہے، اور یہ درحقیقت حضرت کی کتاب التکشف بہات النصوص کا آخری جزا ہے، اور ساتھ ہی مستقل تصنیف بھی ہے، اس میں تین سو تیس احادیث سے جو عموماً اصحاب میں مذکور ہیں سلوک و تصوف کے مسائل کو مستنبط کیا گیا ہے، اور ادل کو اخلاق، احوال، اشغال، تعلیمات، علامات، فضائل، عادات، رسوم، مسائل، اقوال، توجہات، اصلاح اور متفرقات کے دس ابواب پر تقسیم کیا گیا، یہ اہل علم کے مطالعہ کی خاص چیز ہے،

التشریف | یہ کتاب چار حصوں میں ہے، ان میں ان احادیث کی تحقیق ہے جو تصوف کی کتابوں میں یا صوفیہ کے کلام میں آتی ہیں، اور یہ دکھایا ہے کہ اصول و فن حدیث کے رو سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے، اور حدیث کی کس کتاب میں ہے اور جو روایات ان میں دراصل حدیث نہ تھیں، بلکہ عوام نے غلط فہمی سے ان کو حدیث سمجھ رکھا ہے، اگر وہ اقوال نتیجہ کے طور پر کسی دوسری حدیث یا آیت پاک سے ثابت ہیں تو ان احادیث و آیات اور ان سے ان اقوال کی صحت کے طریق و استنباط پر گفتگو فرمائی،

حصہ اول تشریف میں امام غزالی کی احیاء العلوم کی احادیث کی تخریج ہے، اس حصہ کا ماخذ زیادہ تر امام غزالی کی تخریج احیاء العلوم ہے، جس کا حوالہ دیا گیا ہے، اور اس کے علاوہ احادیث کی دوسری کتابیں ہیں، جن کا ماخذ ہر روایت کے ساتھ بتایا گیا ہے، یہ حصہ ۱۳۳۱ھ میں لکھا گیا ہے،

حصہ دوم بین دفتر اول فتویٰ مولانا روم اور اسکی شرح کلیدِ شنوی میں آئی ہوئی احادیث و روایات کی تخریج کی گئی ہے، ان احادیث کی تحقیقات زیادہ تر امام غزالی کی المقاصد الحسنہ سے التقاط کی گئی ہے، یہ حصہ ۱۳۳۹ھ میں زیرِ قلم آیا،

حصہ سوم و چارم ان دونوں حصوں میں حافظ سیوطی کی جامع صغیر سے جو احادیث کی ساری کتابوں کا بہ ترتیب حروف تہجی مجموعہ ہے، ان احادیث کو یکجا کیا گیا، جن سے مسائلِ سلوک مستنبط ہیں، اور ان کو بہ ترتیب حروف تہجی ترتیب دیا گیا، یہ حصہ ہی تحقیقات خاصہ کا باباً اضافہ اور احادیث کے مطالب کی تشریح و تطبیق اور بعض مشکلات کا حل کیا گیا، جو حصہ سوم صرف الف کی روایتوں پر مشتمل ہے، اور ۱۳۵۲ھ میں ترتیب پایا ہے، حصہ چہارم میں بقیہ حروف کی روایتیں ہیں، اور وہ محرم ۱۳۵۲ھ میں تکمیل کو پہنچا ہے،

جامع الآثار | حضرات اہل حدیث کے اُس فرقہ کی طرف سے جو غالی ہے، اکثر حضراتِ خفیہ پر یہ طعن کیا گیا ہے کہ خفی مسائل کی تائید میں احادیث بہت کم ہیں، اور چونکہ کتبِ حدیث زیادہ تر محدثین اور حضراتِ شوائع کی تالیفات ہیں، اس لئے ان میں خفیہ کی تائید حدیثیں یکجا نہیں ہیں، گو امام محمد کی موطا اور آثار اور قاضی ابویوسف کی کتاب الآثار اور مسند ابی حنیفہ متبہ خوارزمی اور امام طحاوی کی تصانیف سے ان کا جواب دیا جاتا رہا ہو، مگر کتب صحاح و مسانید و مصنفات سے جو رائج اور محدثین میں مقبول ہیں جن کے ان احادیث و روایات کو یکجا نہیں کیا گیا تھا جن سے مسائلِ خفیہ کی تائید ہوتی تھی،

یہ ضرورت گو ہمیشہ سے تھی، مگر اس زمانہ میں اہل حدیث کے ظہور و شیوع سے اس ضرورت کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی، چونکہ اس تحریک کا آغاز پرب (عظیم آباد پٹنہ) سے ہوا، اسی سے اس ضرورت کا احساس

بھی پہلے بین کیا گیا، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی علی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا محمد بن علی فہر احسن شوق فیوئی عظیم آبادی نے آثار السنن کے نام سے کتب حدیث سے اتفاق کر کے اس قسم کی حدیثوں کو شائع کیا، اس کے دو ہی حصے شائع ہو سکے، اس کا دوسرا حصہ ۱۲۳۱ھ میں شائع ہوا، علماے اخلاف نے اس کتاب کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا، یہاں تک کہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس زمانہ میں مدرسہ امینیہ دہلی میں مدرس تھے، اس کی درجہ میں عربی قصیدے لکھے، افسوس ہے کہ مولانا تیموی کی وفات سے ان کا یہ کام ناتمام رہا،

احیاء السنن | حضرت حکیم الامتہ رحمۃ اللہ نے بھی اس ضرورت کو محسوس فرمایا اور احیاء السنن کے نام سے اس قسم کی احادیث کا مجموعہ مرتب فرمایا، اور اس کی ترتیب ابواب فقہیہ پر رکھی، لیکن افسوس کہ اس کا مسودہ ضائع ہو گیا، جامع الآثار | کچھ دنوں کے بعد پھر اس موضوع کا خیال آیا، اور دوبارہ ایک جدید اسلوب پر اس قسم کی حدیثوں کا مجموعہ جامع الآثار کے نام سے مرتب فرمایا، لیکن یہ سلسلہ ابواب الصلوٰۃ سے آگے نہیں بڑھا، تاہم جتنا مرتب ہو گیا وہ چھپ کر شائع ہو گیا،

تابع الآثار | یہ بھی اسی موضوع پر ہے، اور اس کو جامع الآثار کا ضمیمہ بنایا گیا،

احیاء السنن کا احیاء | سلسلہ ۱۱ میں یہ خیال ہوا کہ یہ کام اتنا بڑا ہے، کہ حضرت والا خود اس کام کو تمنا انجام نہیں دیکھتے، اس لئے یہ قرار پایا کہ اس کے لئے بعض مستعد علماء کو رکھ کر کام لیا جائے، چنانچہ مولانا محمد حسن صاحب سنبھلی کو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا، انھوں نے کام شروع کیا، جو کام وہ کرتے جاتے مولانا کی نگاہ سے گزرتے جاتے تھے، اس طور سے کتاب الحج تک کام ہوا، اور اس کا نام دوبارہ احیاء السنن رکھا گیا، تاکہ مرحوم احیاء السنن کی یاد گار ہو، اس کے دو حصے شائع ہوئے تھے کہ بعض اسباب سے اس کتاب کے بعض مضامین سے مولانا کی تشفی نہیں ہوئی، اور اس پر اس قدر رک لکھوانے کا خیال ہوا، اور آئندہ کام کے لئے مولانا غفر احمد صاحب تھانوی کا انتخاب ہوا،

الاستدراک الحسن | مولانا ظفر احمد صاحب نے حضرت حکیم الامتہ رحمہ اللہ کے زیر ہدایت اس کام کو بڑی دیرینہ وسعت نظر اور تحقیق و تنقید کے ساتھ انجام دینا شروع کیا، سب سے پہلے احیاء السنن کے شائع شدہ حصہ پربا نظر کر کے اسکو الاستدراک الحسن کے نام سے شائع کیا گیا،

اعلاء السنن | اس کے بعد احیاء السنن کے نام کو بدل کر اعلاء السنن کے نام سے اس کام کو شروع کیا گیا، اور اس وقت تک اس کی بارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن میں مذہب حنفی کی مؤید حدیثوں کو بڑے استیعاب کے ساتھ جمع کیا گیا، اور محدثین اور اہل فن کی تحقیقات اوس کے شروع و حواشی میں یکجا کئے گئے ہیں، امید ہے کہ مولانا ظفر احمد صاحب ابھی اس سلسلہ کو جاری رکھ کر باقی اول کے حق میں صدقہ جاریہ کا باعث بنیں گے،

الخطب الماثورہ من الآثار المشہورہ | جمعہ وعیدین کے خطبوں میں اس درجہ تکلف و تصنع اور مضامین کے ابتذال سے کام لیا گیا ہے، کہ یہ بازاری خطبے زبان اور طرزِ ادا اور مضامین و مطالب کے لحاظ سے عمدہ نبوت اور خلافت راشدہ کے اسلوب سے ہٹ کر بلغار اور خطبا کے اظہارِ قابلیت کا دنگل بن کر رہ گئے ہیں حکیم الامتہ کی اصلاحی نظر سے محراب و منبر کا یہ گوشہ بھی مخفی نہیں رہا، چنانچہ خطب الماثورہ من الآثار المشہورہ کے نام سے آنحضرت صلی علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے خطبات کو احادیث صحیحہ سے انتخاب فرما کر ایک جگہ جمع کر دیا تاکہ خطبا سے مساجدان مسنون خطبوں کو پڑھ کر ان تکلفات بارہ کے گناہ سے محفوظ رہیں،

خطبات الاحکام | جمعہ اور عیدین کے پچاس خطبوں کا یہ مجموعہ تالیف فرمایا، جس میں احادیث و آثار و آیات ترغیب و ترہیب کے مضامین کے علاوہ عقائد و اعمال و اخلاق کے مضامین درج فرمائے،

مناجاة مقبول | احادیث میں وارد شدہ اوراد و اذکار مستونہ کے حصص حصین و حزب اعظم ملا علی قاری وغیرہ کتب رواج پذیر ہیں، مگر وہ طویل ہونے کی وجہ سے سب کے کام کی نہیں، حضرت حکیم الامتہ نے عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے ان سبے غلیظ کر کے مناجات مقبول قریات عند اللہ و صلوات الرسول کے نام ایک مختصر مجموعہ تالیف فرمایا ہے، جو اپنے اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بید مقبول ہے،

۵۔ علوم الفقہ

حضرت حکیم الامتہ کو مسائل فقہیہ کی تلاش و تحقیق کا خاص ذوق تھا، اور یہ ذوق ان کو اپنے شیوخ و اساتذہ کرام سے ورثہ میں ملا تھا، چنانچہ ابھی وہ تعلیم سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے، کہ حضرت مولانا یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فتویٰ نویسی کی خدمت یعنی شروع کر دی تھی، اگر حضرت حکیم الامتہ رحمہ اللہ کی فقہی خدمات کا آغاز ۱۳۰۰ھ سے بھی کیا جائے تو ۱۳۶۲ھ تک بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ پورے ساٹھ سال اس فن شریف کی خدمت میں بسر کئے، اس طویل عرصہ میں ہزاروں مسئلوں کے جواب دیئے، ہزاروں فتوے اور سیکڑوں چھوٹے بڑے فقہی رسالے لکھے، متعدد ضخیم جلدوں میں امداد الفتاویٰ اور تتمہ امداد الفتاویٰ کے نام سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کے مجریے جمع کئے گئے، جبر، کی نظیر ہندوستان میں کم از کم نہیں ملتی، وذا الفضل اللہ یؤتہ من یشاء،

حوادث الفتاویٰ کے نام سے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو اس زمانہ کے نئے مسائل اور نئے مصنوعات سے متعلق ہیں، جن کے جوابات گذشتہ کتب فتاویٰ سے بآسانی حاصل نہیں کئے جاسکتے، بہشتی زیور کی دس جلدیں جو گو عورتوں کے ضروریات کے لئے ہیں، مگر ان میں تمام ابواب فقہیہ کے مسائل مندرج ہیں، جن کے جوابات ہندوستان کے حالات اور ضروریات اور اصطلاحات کے مطابق صرف انہی کتابوں سے معلوم ہو سکتے ہیں،

ترجیح المراجع یہ وہ مجموعہ ہے جس کی نظیر سلف صائین میں تو ملے گی، مگر متاخرین کے یہاں یہ سلسلہ بالکل مسدود ہے، اس مجموعہ میں حضرت حکیم الامتہ نے اپنے ان مسائل کو جمع فرما دیا ہے جن میں ان خود یا کسی دوسرے کے توجہ دلانے سے کوئی تسامع نظر آیا، تو اس سے رجوع فرما کر مسئلہ کی مزید تحقیق فرما کر تصحیح کر دی، یہ سلسلہ حضرت کی انصاف پسندی، تواضع اور عدم نفسانیت کا بین ثبوت ہے، یہی حضرت صاحب کرام رضی اللہ عنہم حضرات تابعین

دوبچ تابعین اور مجتہدین عظام کا طریق تھا، جس کو اس زمانہ میں حضرت حکیم الامتہ نے زندہ کیا، اور اپنے کو بار آخرت سے بچایا،

فتاویٰ اشرفیہ کے نام سے مسائل دینیہ کے تین حصے الگ شائع ہوئے جو مختصر رسائل ہیں، ہشتی گوہر، ہشتی زیور، سلسلہ کام وائہ حصہ ہے جس میں خاص طور سے ان مسائل کا بیان ہے جو مردوں سے خاص ہیں، جیسے جمعہ، جماعت، عیدین وغیرہ،

ان کے علاوہ مسئلہ حجاب، مسئلہ رہا، مسئلہ رشوت، مسئلہ بنک، سینما اور قلم اور ریڈیو وغیرہ کے مسائل پر فنی تحقیقات ہیں، اور بعض موضوعوں پر بار بار کئی رسالے تالیف فرمائے،

۶۔ علم کلام

علم کلام عقائد و توحید پر متعدد رسالے قلم بند فرمائے، جو شائع و ذائع ہیں، خاص نئے زمانہ کے حالات کا خیال کر کے خود چند کتابیں تالیف فرمائیں، اور دوسروں سے ترجمہ کرائیں، مثلاً اسلام اور سائنس کے نام سے اسٹیفن اگنیر کا مولانا اسحاق صاحب سے ترجمہ کرایا، یہ عربی کی ایک جدید کلامی تصنیف ہے، اس کے مصنف علامہ جبری ہیں جنھوں نے سلطان عبدالحمید خان کے عہد میں اس کو ملک شام میں تصنیف فرمایا تھا اور چھٹے حلقوں میں بہت پسند کیا گیا تھا، اس کی خاص صفت یہ ہے کہ اس میں تاویل فاسد کا دروازہ نہیں کھولا گیا ہے،

المصاحح العقلیہ للحاکم العقلیہ تین حصوں میں ترتیب پایا ہے جس میں اسلامی احکام و مسائل کے مصاحح و حکم بیان کئے گئے ہیں، پہلے حصہ میں نماز و زکوٰۃ، دوسرے میں روزہ عیدین، صدقہ فطر، قربانی، حج، بکاء و طلاق وغلامی وغیرہ کے مسائل کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں، تیسرے حصہ میں خرید و فروخت و معاملات، حدود و قصاص، فرائض، عذاب قبر اور مراد کے متعلق اسلامی تعلیمات، کے مصاحح ہیں،

الانتباہات المفیدۃ، الانتباہات، المجدیدہ: یہ بھی علم کلام ہی کا باب ہے، اس میں جدید تعلیمات

اصحاب کے مذہبی خدمتوں اور وسوسوں کے تشفی بخش جوابات درج ہیں،

اشرف الجواب بھی اسی قسم کا ایک مجموعہ ہے جو مواعظ و ملفوظات سے جمع کیا گیا ہے جس میں بہت سے نئے اور پرانے شبہات اور خطرات کے جوابات فراہم کئے گئے ہیں،

۱۔ علم سلوک و تصوف

علم سلوک و تصوف روح شریعت کا نام ہے، جس میں اخلاص دین اور اعمال قلب کے احکام اور دقائق سے بحث کیجاتی ہے، تدارصوفیہ نے اس فن پر جو کتابیں لکھی ہیں، مثلاً رسالہ شیرہ امام شیرازی، قوت القلوب ابوطالب مکی، کتاب التلح ابونصر عبداللہ بن علی سراج الطوسی، کتاب الصدق ابوسعید خرازی، فتوح النیب شیخ سروردی اور غنیۃ الطالبین شیخ عبدالقادر جیلانی اور متاخرین میں تصانیف امام سحرانی ان کو پڑھنے سے اس فن کی جو حقیقت ظاہر ہوتی ہے، افسوس ہے کہ مصنوعی اور ڈوکا مذاہن و مبدعہ کی تلمیذ نے اس پر ایسا پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ کبھی توحیدیات کا مجموعہ، بلکہ بطلان و ضلالت کا ذخیرہ معلوم ہوتا ہے، پھر ہندوستان میں ہندوؤں کے جگ اور ویدانت کے اثر سے اس میں بہت سے ایسے مسائل شامل ہو گئے جو اسلام کی روح کے تمام تر منافی ہیں، حتیٰ کہ وحدت وجود و وحدت شہود و لطافت و دوار کے مباحث و اعمال بھی اصل فن سے قطعاً الگ ہیں، جو یا تو علم کلام و فلسفہ یا ادہام و خیالات و احوال سے وابستہ ہیں جن کا تعلق نفیاتی ہے، اصل شئی جو اخلاص فی الدین، طلب رضا، حصول قرب اور اعمال و اخلاق قلب و مقامات ہیں، جن سے مقصود رذائل سے پاکیزگی اور فضائل سے آراستگی ہے تمام تر متروک ہو گیا تھا، صدیوں کے بعد حضرت حکیم الامتہ کے تجدیدی مساعی نے اس فن کو پھر سلف صابیحی کے رنگ میں پیش کیا، اور ہر قسم کے اضافوں اور آمیزشوں سے پاک کر کے کتاب و سنت کے نور میں اس تاریک زمانہ کے اندر پھر ظاہر کیا، اور زبان و قلم سے ان مسائل پر اتنا کچھ لکھا، اور بیان فرمایا کہ اب طالب پر اصل طریق کا کوئی گوشہ اندھیری میں نہیں ہوا، لہذا اس سلسلہ میں پہلی چیز قصداً السبیل ہے جو پچاس ساٹھ صفحوں کا مختصر رسالہ ہے، لیکن اس کو زہین

دیر بند ہے، فنی سلوک کے وہ تمام حقائق و تعلیمات جو سالہا سال میں معلوم ہو سکے ہیں، اور جن کے نہ جاننے سے سالیکن و طالبین غلط راستوں پر پڑ کر منزل مقصود کو گم کر دیتے ہیں، اس میں لکھ دیئے گئے ہیں، اگر کوئی طالب صادق صرف اسی ایک رسالہ کی تعمیل و تکمیل میں عمر صرف کر دے تو اس کے لئے انشاء اللہ کافی و کافی ہو،

جابل پیرون^۱ و دوکاندار صوفیوں نے ایک مسئلہ یہ گھڑا ہے، کہ شریعت اور طریقت دو چیزیں ہیں، اور اس زور شور سے اس کو شہرت دی ہے کہ عوام تو عوام خواص تک پر اس کا رنگ چھا گیا ہے، حالانکہ یہ تمام تر خواص بے معنی ہے، حضرت حکیم الامتہ نے تمام عمر لوگوں کو یہی یقین فرمائی کہ طریقت عین شریعت ہے، احکام الہی کی باخلاص تمام تعمیل و تکمیل ہی کا نام طریقت ہے، دیگر بیچ، اور یہی خواص امت کا مذہب ہے، اور جس نے اس کے سوا کما و دین کی حقیقت سے جاہل اور فنی سلوک سے نا آشنا ہے، اس بارگاہ کے ایک حلقہ گوش کا شعر ہے،

اب تو مے نوشی ہے عین شرع بر فتوائے شیخ

اب وہی ہو گا فقیر شہم جو مے نوش ہے

حضرت حکیم الامتہ نے اس فن کے مسائل کو سب سے پہلے کلام پاک سے مستنبط فرمایا، اور اس کے متعلق مسائل السلوک میں کلام ملک الملوک اور تائید الحقیقہ بالآیات العتیقہ نام دو رسالے تالیف فرمائے ہیں جن کا ذکر اوپر گذر چکا، پھر ان مسائل سلوک کی تشریح فرمائی جن کا ماخذ احادیث نبوی اور سنت صحیحہ ہے، اور یہ التشریف^۲ حقیقۃ الطریقۃ من السنۃ النایفۃ میں مدون ہیں،

اہل تحقیق کے لئے اس فن شریف پر ایک جامع کتاب التکشف بہمات النصوص تالیف فرمائی جو پانچ حصوں میں منقسم ہے، یہ حقیقت طریقت، حقوق طریقت، تحقیق کرامت اور دیگر مضامین تصوف پر مشتمل ہے، طرق و سلوک کے اسرار و رموز اس قدر دقیق اور نازک ہیں کہ ذرا ان کے سمجھنے میں بے احتیاطی کی جائے تو ہدایت کے بجائے وہ ضلالت کا ذریعہ بن جائیں، اس سلسلہ میں حضرت مولانا رومی کی نے کی جو شمنوی معنوی نام سرور و نواز حقیقت ہی خاص اہمیت ہو اسی لئے وہ اس سلسلہ کے اکابر کے خاتما ہی درس میں رہے، جو حضرت حاجی امداد اللہ

رحمۃ اللہ کو اس سے خاص ذوق تھا، اور وہ بھی خاص خاص لوگوں کو اس کا درس دیتے تھے، پچانچہ حضرت حاجی صاحب کے ایما سے مولانا احمد حسن صاحب کانپوری نے بڑے اہتمام سے اس کا حاشیہ لکھا، اور منشی رحمت اللہ رحمہ مرحوم کے مطبع نے اس کو چھاپا، اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا بجز العلوم کے بعد ثنوی کی حکیمانہ شرح اس سے بہتر نہیں لکھی گئی،

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں سے حضرت حکیم الامتہؒ نے اس ثنوی کی خدمت محض فن کی حیثیت سے فرمائی، سلوک کے مسائل، طریقت کی تعلیمات اور ثنوی کے بیانات کی قرآن و حدیث سے اس خوبی کے ساتھ کلیہ ثنوی میں تطبیق فرمائی کہ اب فن کا مبدی بھی چاہے، تو اس کلیہ کے ذریعہ سے ثنوی کے خزانہ کو کھول سکتا ہے،

دیوان حافظ کی پر جوش و مردانگی شراب نے بھی بہت سے بے احتیاطے نوشون کو راہ سے بے راہ کر دیا تھا، بدگمانوں کو تو اس شراب معرفت پر شیراز کے بادہ انگور کا شبہ ہوا، اور بے احتیاط خوش گمانوں نے اس سے اباحت کی تعلیم حاصل کی کہ

ہے سجادہ زلیں کن گرت بیرمغان گوید

کہ سالک بے خبر ہو و راہ و رسم منز لما

حضرت حکیم الامتہؒ کی معرفت اس تیز و تند شراب کے منافع و اہم سے پوری طرح باخبر تھے، حضرت نے عرفا حافظ کے نام سے اس کی ایسی شرح لکھی، کہ اس پھول سے ہر کاٹا الگ ہو گیا،

سانق پلائے پھول تو کاٹنا نکال کے

طالبینِ سالکین کی تعلیم و تربیت کے لئے تربیۃ السالک تہجۃ المالک کا سلسلہ الگ مرتب فرمایا، جس میں سالکین کے مشکلاتِ راہ، ذاکرین و شافعیین کے شبہات و خطراتِ راہ کے لیے ہدایات مندرج ہیں، یہ کنساہجائین کہ علومِ مکاشفہ و معاملہ کے متعلق کلیات و جزئیات اور احوالِ شخصی پر ایسی حاوی کتاب کی

نظیر تصوف کے سارے دفتربین موجود نہیں، ۲، ۲، صفحہ ۱۰۹ میں یہ کتاب تمام ہوئی ہے، ایک دوسرا اہم سلسلہ ملفوظات کا ہے، بزرگوں کے ملفوظات مرتب کرنے کی رسم قدیم زمانہ سے قائم، بیان تک کہ چشتیہ حضرات میں حضرت سلطان خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت قطب الدین بختیار خلجی اور حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ملفوظات بھی موجود ہیں، لیکن افسوس ہے کہ اہل شوق اس کام کو پورے استیجاب سے نہ کر سکے، کیونکہ ان اکابر کے ملفوظات قلم بند ہو سکے، وہ چند سال بلکہ چند ماہ سے زیادہ کے نہیں ہیں، اور نہ ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہو کہ لکھنے والوں نے ان کو ان بزرگوں کی نظر کیا اُس سے گذرنا بھی تھا، تاہم چونکہ لکھنے والے خود اہل کمال و اہل احتیاط تھے، اس لئے ان کی صحت میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا، اور وہ اس اختصار پر بھی ہمارے لئے بڑی خیر و برکت کی چیز ہیں،

حضرت حکیم الامتہ کے ملفوظات کا سلسلہ تقریباً ساٹھ مجلدات اور رسائل میں مدون ہوا ہے، اور ان میں سے ہر ایک ان کی نظر سے گذران کر چھاپا گیا ہے، اور جن میں اکثر حسن العزیز وغیرہ ناموں سے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں، ان ملفوظات میں بزرگوں کے قصے، تنبیہ، لطیف، قرآن و حدیث کی تشریحات، مسائل فقہیہ کے بیانات، سلوک کے نکتے، اکابر کے حالات، طالبوں کی ہدایات و تنبیات، آداب و اخلاق کے نکات، اصلاح نفس و تزکیہ کے مجربات وغیرہ اس خوبی و دلچسپی سے درج ہیں کہ اہل شوق کے دل اور دماغ دونوں اس آبِ زلال سے سیراب ہوتے ہیں،

۸۔ اصلاحیات

حضرت حکیم الامتہ رحمۃ اللہ علیہ کے محارف کا یہ آخری باب ہے، اور خاصہ اہم باب ہے مسلمانوں کی اصلاح کی جو دقیق نظر ان کو بارگاہ الہی سے عنایت ہوئی تھی، اس کا اندازہ ان کی اصلاحی کتابوں سے بخوبی ہو سکتا ہے، اصلاح کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بچوں، طالب علموں اور عورتوں سے لے کر مردوں اور علما و فضلا کے حلقہ تک پھیلا ہوا ہے، اور سب کے لئے مفید ہدایات کا ذخیرہ یا دگار چھوڑا ہے،

دوسری طرف ان اصلاحات کی دست یہ ہے کہ مجالس و مدارس اور خانقاہوں سے شروع ہو کر شاہی و غمی کے رسوم اور ذرّہ کی تک وہ محیط ہیں، غرض ایک مسلم جہرا اپنی زندگی میں رُخ کرے اُن کے قلم نے شریعت کی ہدایات کا پروگرام تیار کر رکھا ہے،

اس سلسلہ میں حضرت کی سب سے اہم چیز **مواعظ** ہیں، واعظ تو پھر اللہ زمانہ اخیر کے بعد اسلام کی دس بارہ صدیوں میں بے شمار گذرے ہوں گے، مگر شاید واعظین میں ابنِ نباتہ اور ائمہ سلوک میں حضرت شیخ الشیوخ عبدالقادر جیلانی رحمہ کے مواعظ کے سوا کوئی دوسرا مستند اور مفید مجموعہ موجود نہیں لیکن یہ ان بزرگوں کے صرف چند مواعظ پر مشتمل ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس اخیر دور میں امتِ اسلامیہ کی اصلاح کے لئے بہت بڑا فضل یہ فرمایا کہ حضرت کے مستفیدین کے دل میں یہ ڈالاکہ وہ حضرت کے مواعظ کو جو شہر بشہر ہوئے ہیں عین وعظ کے وقت لفظ بہ لفظ قید تحریر میں لائیں، اور حضرت کی نظر سے گزران کر اُن کو دوسرے مسلمانوں کے عام فائدہ کی غرض سے شائع کریں، چنانچہ اس اہتمام اور احتیاط کے ساتھ تقریباً چار سو مواعظ جو احکام اسلامی و قدیمات و نصائح و لذیذ اور مسلمانوں کی مفید تدابیر و تجاویز پر مشتمل ہیں، اور جن میں حقائق کے ساتھ ساتھ پچیسویں کی بھی کئی مین مرتب ہوئے، اور اکثر شائع ہوئے، اور مسلمانوں نے اُن سے فائدے اٹھائے،

سلسلہ اصلاح و تربیت میں حضرت کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عموماً واعظین صرف عقائد و عبادات پر گفتگو فرماتے ہیں، حضرت ان چیزوں کی اہمیت کے ساتھ مسلمانوں کے اخلاق و معاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی اصلاح پر زور دیتے ہیں، بلکہ اپنی تربیت و سلوک کی تعلیم میں بھی ان پر برابر کی نظر رکھتے تھے، حالانکہ عام مشائخ نے اس اہم سبق کو صدیوں سے بھلا دیا تھا،

مواعظ کے علاوہ اس سلسلہ کی اہم کڑی ان کی کتاب **جیوۃ المسلمین** ہے جس میں قرآن پاک و احادیث نبویہ کی روشنی میں مسلمانوں کی دینی و دنیاوی ترقی و فلاح کا مکمل پروگرام مرتب فرمایا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار ارشاد فرمایا کہ انھوں نے اپنی ساری تصنیفات میں اس کتاب کی تالیف میں جو محنت اٹھائی، وہ کسی میں

نہیں پیش آئی، اور اسی لئے یہ بھی ارشاد ہے کہ میں اپنی ساری کتابوں میں اس کتاب کو اپنے لئے ذریعہ نجات گمان کرتا ہوں،

اس سلسلہ کی دوسری کتابیں اصلاح الرسوم، صفائی معاملات، اصلاح امت، اصلاح انقلاب وغیرہ ہیں، اور ہر ایک کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کی اخلاقی، اجتماعی، معاشرتی زندگی، خالص اسلامی طریقہ شرعی نیچ پر ہو، اور ان کے سامنے وہ صراطِ مستقیم کھل جائے، جو ہدایت کی منزل بقصود کی طرف جاتی ہے، افسوس کہ اس مضمون کو جس استیعاب اور اہتمام کے ساتھ یہ بیچہ پان لکھنا چاہتا تھا، اپنی علالت و عدم صحت کی سبب اس کو اس طرح پورا نہ کر سکا، تاہم جو کچھ ہوا وہ اگر مسلمانوں کیلئے فائدہ بخش ثابت ہو تو طوفانِ اشک لانے سے اے چشمِ فائدہ و دوا شک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

خط و کتابت

کیلئے

ضروری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجائے صرف ایڈیٹر معارف کے پتہ سے اور معارف اور دار المصنفین کے انتظامات اور فرمایشات کے متعلق فیہر صاحب دار المصنفین کے نام سے کی جائے، اور ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعمیل میں وقت ہوتی ہے، امید ہے کہ اجاب مجھے زحمت سے بچانے کے لئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائیں گے،

سید سلیمان ندوی

تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی

از

شاہ معین الدین احمد ندوی

(۶)

اس کے بعد مصنف موصوف نے ان تفسیری روایتوں پر تنقید کی ہے جو ان کے نزدیک اسرائیلی ہیں مثلاً اقوام عاد و ثمود، آدم، قصص سلیمان، حضرت سیدنا کیلئے یونس اور پرندوں کی تسخیر، ان کے نطق، جن، ملائکہ، شیطان، سحر و ایتھین اور یا جوج و ماجوج وغیرہ کی روایات، یہ تنقیدیں اور خشن مصنف کے ذہن و دماغ کا نتیجہ نہیں ہیں، بلکہ سر سید احمد خان اور مولوی چراغ علی وغیرہ کی کتابوں سے ماخوذ ہیں جن کے مفصل جوابات بارہا دیئے جا چکے ہیں، اور ان پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اس کے علاوہ ان میں ملائکہ کے سوا اور کسی چیز کا تعلق ارکان دین سے نہیں ہے، اس لئے ان فرسودہ مباحث میں پڑنا بے کار ہے، اس سلسلہ میں صرف چند باتیں کہنی ہیں،

بلاشبہ مذکورہ بالا امور و مسائل کی بیشتر مروجہ روایات اسرائیلی ہیں، اور وہ اتنی کھلی ہوئی ہیں کہ انہیں ہر صاحب نظر آسانی کے ساتھ پہچان سکتا ہے، اور محدثین نے خود ان کو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے اس لئے ان کو لازم کی صورت میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن اس سلسلہ میں اس کی تصریح کر دینا ضروری ہے کہ گو اسرائیلیات کا بڑا حصہ افسانہ و حکایات پر مشتمل ہے، اور وہ بالاتفاق سب کے نزدیک ناقابل اعتبار ہے لیکن اس میں گذشتہ انبیاء و رسل علیہم السلام اور ان کی امتوں خصوصاً یہود و نصاریٰ کے متعلق بعض صحیح روایتیں بھی

جو انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بسند صحیح مروی ہیں، اس لئے ان کے رد و قبول کا معیار یہ ہے کہ جو روایت سند صحیح ہو وہ قابل تسلیم ہے ورنہ قابل رد و سند کی صحت کی تید سے ان کا بڑا حصہ خود بخود چھٹ جاتا ہے،

لیکن مصنف کی تنقید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کسی روایت کی صحت و عدم صحت کا معیار اس کی سند کی کیفیت نہیں ہے، بلکہ عقل ہے، یعنی جو واقعہ عام انسانی عقول یا کم از کم مصنف کی عقل کے خلاف ہو، خواہ سند کے اعتبار سے وہ کیسا ہی ہونا قابل قبول ہے، احادیث میں تو خیر ہائیک بھی غنیت تھا، لیکن آیات قرآنی کے معانی اور مفہوم کی تعیین میں بھی انھوں نے یہی معیار مقرر کیا ہے، چنانچہ جس آیت کے ظاہر میں معنی ان کی محدود عقل میں نہ آ سکے، اس کی انھوں نے دور از کار تاویلین کی ہیں جس کی مثال آئندہ آئیگی،

گو اسلام کا کوئی عقیدہ عقل مطلق کے خلاف نہیں، لیکن دینی امور میں محدود انسانی عقول کو معیار ماننا ہی سرے سے غلط ہے، اس لئے کہ ہماری عقلیں تو محض مادیات کے دائرہ کے اندر تعقل و ادراک کر سکتی ہیں اس کے باہر وہ بے کار محض ہیں، مذہب کے مابعد طبیعی مسائل کو چھوڑیے سطح زمین کے جو طبیعی قوانین ہیں، اور اس میں زندگی بسر کرنے کے لئے جن قوی کی ضرورت ہے، وہ وہیں پانچ میل فضا کی بلندی میں بالکل بدل جاتے ہیں اور وہاں اس زمین کے انسانی قوی بالکل بے کار ہو جاتے ہیں، اور اس میں زندگی بسر کرنے کے لئے ایک بالکل مختلف قسم کے قوی کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی دوسرے کہ میں زندگی کا امکان ہو یا وہاں انسانوں سے مشابہ کوئی مخلوق پائی جائے، تو اس کے اعضاء و جوارح اور ادراک و تعقل کے قوی اور احساس و ادراک کے وسائل اس دنیا کے انسانوں سے بالکل مختلف ہوں گے، کہ اس دنیا کے قوی دوسرے کروں میں زندگی بسر کرنے کیلئے بالکل بے کار ہو جائیں گے، ایسی حالت میں عقل کو مابعد طبیعی مسائل میں معیار ماننا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ اسی لئے کلام مجید نے ہدایت کے لئے ایمان بالغیب کو ضروری قرار دیا ہے،

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى

یہ کتاب ایسی ہے جن میں کوئی شبہ نہیں

لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

ہدایت ہے ان متقینوں کے لئے جو غیب کی باتوں

وَلْيَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْحَقِّ

پر یقین رکھتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں،

اسلئے ایمان بالغیب ایمان کا ضروری جز ہے، دین کے مابطنی اور روحانی مسائل میں عقل و خرد اور علم کی نارسائی اور کوہشی اتنی ظاہر ہے کہ اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں، عقل کا کام محض نظریات کی ایجاد و مقدمات کی ترتیب اور ظن و قیاس پر اس کو وہ ذہن و دماغ میں آنے والے تصورات کا توازن کر سکتی ہے، لیکن روحانی حقائق اور مجربات کا تعقل اس کے بس سے باہر ہے، اس کے لئے وجدانِ سلیم اور ذوقِ یقین کی ضرورت ہے، عقل خرد اور علم و استدلال کبھی اسرارِ دین کے حرم نہیں سمجھ سکے،

گر زانستد لال کارِ دین بدے فخرِ ازی را ز دارِ دین بدے

پاسے استدلالیان چوین بود پاسے چوین سخت بے تمکین بود

یہ موقع علم و عقل کی نارسائی کی بحث کا نہیں، لیکن مصنف کی تشفی کے لئے اس بارہ میں اقبال کے خیالات کو جن کے کلام پر ان کا ایمان ہے، پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، خود ہی کے بعد اقبال جن چیز پر سب سے زیادہ زور دیا ہے، وہ عقل و علم کی نارسائی اور عشق و دل کی عظمت اور کسی ہدایت دہنائی ہو گا، عشق و دل کی اصطلاح کو جا بجا ایمان و یقین سے زیادہ وسیع معنوں میں بھی استعمال کیا ہے، لیکن اس کا کوئی استعمال قوتِ ایمانی، جذبہ ایمانی اور حرارتِ ایمانی کے مفہوم اور مقصود سے خالی نہیں ہے، جس کو تعبیر ادھون نے عشق و دل سے کی ہے، یہی اصطلاح شرع میں ایمان ہے، انھوں نے اس حقیقت کو بچو کا ہمیں سنا کثرت سے اور اتنے مختلف پیرایوں میں پیش کیا ہے، کہ ان سب کا استقصاء مشکل ہے، اس لئے صرف چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں،

عقل اسباب و علل کے پھر میں مبتلا ہے، اور عشق میدانِ عمل کا چوگان باز ہے، عقل کا سرمایہ شک

تذبذب ہو، اور عشق کا مایہ غیر جزم و یقین ہے، عشق سوزِ دل یعنی حرارتِ ایمانی سوزندہ اور شرارِ لالہ سے شامندہ ہو،

عقل در پچاک اسباب و علل عشق چو گان باز میدانِ عمل

عقل را سرمایہ از بیم و شک است عشق را جزم و یقین لا ینفک است

عشق از سوز دلِ مازندہ است از شرارِ لا اله الا ہما بندہ است

علم محض تخمین و ظن ہے، سراپا حجاب ہے، مقام صفات ہے، ابن الکتاب ہے، اور عشق سراپا حضور
تماشا ہے ذات اور ام الکتاب ہے،

علم نے مجھ سے، کہا عشق ہے دیوانہ پن عشق نے مجھ سے کہا علم ہی تخمین و ظن

بندہ تخمین و ظن کرم کتابی نہ بن عشق سراپا حضور علم سراپا حجاب

عشق کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات علم مقام صفات عشق تماشا ذات

علم ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب

یہ محض شاعرانہ تخیل اور صوفیانہ نکتہ دہی نہیں ہے، بلکہ عین حقیقت ہے، مومن کی سب سے بڑا انجام
جمال الہی کا مشاہدہ ہوگا، لیکن علمی نقطہ نظر سے رویت باری میں طرح طرح کے استحالہ ہیں اسی لئے عقل کے حصہ
میں صرف غیاب و جستجو آیا، اور عشق کو حضوری کا درجہ نصیب ہوا،

تیری نگاہِ ناز سے دو نون مراد پائے عقل غیاب و جستجو عشق حضور اضطراب

انجام خود ہے بے حضوری ہے فلسفہ زندگی سے دوری

اسی لئے علم کو حجاب اکبر کا گیا ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ

بو علی اندر غبارِ ناقہ گم دستِ رومی پر دھجّل گرفت

آن فرو تر دفت تا گو ہر رسید آن بگردا نیے چرخ منزل گرفت

علم کی نگاہ کیف و کم اور ابتدا پر رہتی ہے، اور عشق کی استہلا اور نتیجہ پر،

حیراں ہے بولے کہ ین آیا کماک ہون رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں کہ ہر کو ین

یہ شعور و حقیقت علم و عقل کی حیرانی اور ان کی بے نتیجہ تحقیق و کاوش اور انجام سے بے خبری اور ایمان کی

حقیقت پسندی اور انجامِ مبنی کی بہترین تمثیل ہے، کائنات کے متعلق علم و سائنس کی ساری تحقیق اب تک اس پر صرت ہوئی ہے، کہ یہ کائنات کس طرح وجود میں آئی اور کن کن مراحل سے گذر کر اس درجہ تک پہنچی لیکن اس کا انجام کیا ہوگا اور کسے بعد کون سی منزل شروع ہوگی، اس سے اس کو مطلق بحث نہیں لیکن ایمان ان لاینبی باتوں میں نہیں پڑتا، اس کی ساری فکر اور تیاری اس کے لئے ہوتی ہے، کہ اس کے بعد کہاں جاتا ہے، دنیا کی تخلیق کی سرگزشت کی علمی تحقیق سے چند ذہنی معلومات کے علاوہ انسان کو کیا حاصل ہوا لیکن آئندہ پیش آنے والا مرحلہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس پر انسان کی سعادت و شقاوت کا دار و مدار ہے اس لئے انسانی فلاح و سعادت کے لئے دنیا کی تخلیق کی سرگزشت مفید و کارآمد اور ضروری ہے، یا اس کے انجام کی فکر اور تیاری،

اس تشریح کو ہمارے موضوع سے چند ان تعلق نہیں تھا، مذکورہ بالا شعر پڑھ کر بے اختیار یہ خیال آیا کہ زبانِ قلم پر آگین، ابھی عقل و عشق کے فرق مراتب پر گفتگو تھی، کمالِ عشق و مستی، یعنی ایمانِ کامل کا نمونہ ظرفِ حیدر ہے، اور حرفِ رازی یعنی علم و عقل اس کے زوال کا منظر ہے،

جمالِ عشق و مستی نے نوازی جلالِ عشق و مستی بے نیازی

کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدر زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

عاشقی نام ہے قوتِ ایمانی کا،

عاشقی تو حیدر را بردلِ زدن دانگے خود را بہ ہر شکلِ زدن

اسی لئے

بے خطر کو دپڑا آتشِ نبرد میں عشق عقل جو محو تماشا و لبِ بامِ ابھی

عشق کی بندگی اور عقل کی پستی یہ ہے کہ عشق و ایمان کا منظر جمالِ مصطفوی صلعم ہے، اور عقل و علم

کاشفی بولہبی چون دچرا اور وجودِ انکار،

تازہ مرے ضمیر میں مگر کہ گمن ہوا عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

اب مصنف ان دونوں میں سے جس کو چاہیں اختیار کر سکتے ہیں،

عشق ہی صل ہے، اسی سے عقل بھی روشنی حاصل کرتی ہے، جو عقل اس روشنی یعنی ایمان سے خالی ہو وہ بیچ و مار کا رہے، زندگی کی آسودگی ایمان ہی کی حلاوت سے حاصل ہوتی ہے،

عقلے کہ جہاں سوز و یک جلوہ میباش از عشق بیا موزد آئین جہاں تانی

عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیز از تاب و تب رومی تاجرت فارابی

این حرف نشاط آوری گویم وی رقصم

از عشق دل آساید با این ہمہ بے تابی

ہمارے فاضل مصنف نے دینی مسائل میں اسی کو ختم عقل کو رہنما بنایا ہے، اگر وہ محض اپنی خوش فہمی

اور اپنے اغراض کے لئے کلام اقبال کو موقع بے موقع استعمال نہیں کرتے، اور اس کی صداقت پر واقعی

ان کا عقیدہ ہے، تو ان کی خدمت میں گزارش ہو،

عقل بے مایہ امامت کی سزا و ازنین راہ بر ہوطن و تخنین تو زبون کا بہ حیات

گذر جا عقل سے آگے کہ یہ نور چراغ راہ ہے منزل نہیں ہو

اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ دین کے نام سے مذہب میں جو خرافات بھی شامل ہو گئے ہیں انکو

بے چون و چرا تسلیم کر لیا جائے، بلکہ یہ مقصد ہے کہ کلام مجید کی ان آیات میں جو بالکل کھلی ہوئی ہوں، اور ان

دینی مسائل میں جو غیر مشتبہ طور پر صریحاً ثابت ہیں، کسی قسم کی تاویل جائز نہیں، خواہ وہ ہمارے عقل کے

کتنی ہی خلاف کیوں نہ ہوں، انہیں بے چون و چرا تسلیم کر لینا چاہئے، البتہ محمل المعانی و مختلف ابجات اُ

محل آیات و مسائل میں تاویل کی گنجائش ہے، اس لئے ان تفسیری روایات میں جن کا اثر کلام مجید کے صریح

اور کھلے ہوئے معنی اور مفہوم پر نہ پڑتا ہو، مصنف کو تنقید کا پورا حق ہے، لیکن صریح آیات کی تاویل انکار و سلب

کے ”مصلح“ کے لئے زبانیں،

مصنف نے اگرچہ اس بحث کا موضوع اسرائیلیات کو قرار دیا ہے لیکن اس میں انھوں نے بعض آیاتِ قرآنی کی تفسیر کو بھی شامل کر لیا، پہلی شق یعنی اسرائیلی روایات میں بعض روایتیں مثلاً عاد و ثمود، قصصِ سلیمانی کی غیر قرآنی تفصیلات یقیناً اسرائیلی بن جنہین کوئی بھی صحیح نہیں مانتا، بعض کا تعلق عاص تاریخ سے ہے، مثلاً عاد، ثمود و آدم، ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج وغیرہ ان میں بھی ایک مورخ اور ماہرِ ثریا کو بحث و گفتگو کا حق حاصل ہے، اور یہ تاریخی تحقیق کی روشنی میں غیر معتبر تفسیری روایات سے اختلاف کر سکتا ہے، اس لئے ہم ان مسائل کو نظر انداز کرتے ہیں لیکن ملائکہ کا تعلق ارکانِ دین سے ہے، اس میں شک شبہ سے وہی الہی اور انسانی کتابوں کی صداقت مشتبہ ہو جاتی ہے، اس لئے ان کے متعلق آیاتِ قرآنی پیش کرنا ضروری ہے،

ملائکہ اور جن کے بارے میں مصنف نے عجیب و غریب اختیار کی ہے، ایک طرف تو وہ کلامِ مجید میں ان دونوں کے صریح اور بکثرت تذکرہ کی وجہ سے ان کے وجود سے انکار نہ کر سکے، چنانچہ لکھتے ہیں،

”ملائکہ جن اور شیاطین کا وجود مسلماتِ اسلام میں ہے، اور ان تینوں میں سے کسی کے وجود کا انکار اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا۔“

لیکن چونکہ ان کا وجود محسوس نہیں ہے، اور روایات کا ادراک کرنے والی عقل ان کا ادراک نہیں کر سکتی، اسلئے پہلے تو انھوں نے ان کو تو اسے مجرود مانا، چنانچہ ملائکہ کے متعلق فرماتے ہیں:-

”نظامِ عالم کو چلانے کے لئے مختلف طاقتوں اور قوتوں کی (Energy) ضرورت“

انہی قوتی کا نام ملائکہ ہے، ملک عربی میں طاقت (انرجی) کو کہتے ہیں۔“

لیکن اس پر بھی بس نہیں کیا، اور آخرین ادھین مادی عناصر کے فطری قوی کا درجہ دیدیا، چنانچہ

ارشاد ہوتا ہے :-

”ایک درخت کو اکاٹے اور پرورش کرنے کے لئے مختلف واسطوں کی ضرورت ہے، سمندر سے بہاؤ بنانے اور آسمان کی فضا میں بادل بنانے کے لئے بے شمار عناصر و قوتیں درکار ہیں، ان قوتوں کا وجود ہر حال ضروری ہے، اسی وجود کا نام بعض مسلم مفکرین کے نزدیک ملک ہے، اسی طرح ناری مخلوق (جن) کے لئے بھی یہ ضروری نہیں، کہ اس کے مادی جسم ہو، اگرچہ خدا میں قدرت ہے کہ وہ ہر وجود کو مادہ جسم سے آراستہ کر سکتا ہے، بہر حال جنوں کے وجود حقیقی میں کوئی اختلاف نہیں، (ملاحظہ)۔

اس کے بعد اس معنی سے بھی گریز کرتے ہیں :-

”قرآن کریم میں جن متعدد دوسرے مقامات پر بھی آیا ہے، جہاں اس کے معنی وہ مخلوق ناری نہیں ہیں، جس کا اوپر ذکر کیا، بعض مفسرین کے نزدیک لفظ جن جہاں اس کے مقابلہ میں آیا ہے، ہٹھو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سلسلہ میں جہاں اس لفظ کا ذکر آیا ہے، وہاں اس کے معنی غیر مذہب، دیو، ہابلی پہاڑی کے ہوتے ہیں (ص ۱۱۱)۔

لیکن آگے چل کر یہ تخصیص بھی ختم ہو جاتی ہے، فرماتے ہیں :-

”عرب میں بھی جن مشہور قبیلہ تھا، جو بدوی لوگوں پر مشتمل تھا،.... یہ قبیلہ جنگلوں میں رہتا ہو،..... اس سے ظاہر ہے کہ جنگلوں کے رہنے والے آدمیوں سے منسوب کیا گیا ہے۔“

آخری نتیجہ :- قرآن کریم کی بعض مشہور آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کو انسان ہی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، مثلاً

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ الْعَاثِرِينَ ﴿۱۰۰﴾
اے جن و انس کے گروہ کیا تمھارے پاس
دُسل مینکو،
تم ہی میں رسول نہیں آئے،

مصنف کے خیالات کی یہ نیزنگی قابل ملاحظہ ہے، کہ پہلے ملائکہ کو ایک مجر و مخلوق مان کر چڑھائیں، انہیں عناء کے قویٰ کا قالب دیا، و جن کو ناری مخلوق تسلیم کر کے مختلف قالب دیتے ہوئے آخر میں انسان بنا دیا۔

ملائکہ کی تبیر مادی عناصر سے کرنا نہ صرف اوں کا استخفاف ہے، بلکہ قرآن کی صریح مخالفت ہے، مصنف کو معلوم ہونا چاہئے کہ انسانوں کی طرح ان کو مادی مخلوق کوئی نہیں مانتا، لیکن ان کے روحانی مخلوق یا کم سے کم روحانی قوت ماننے سے انکار تو آیات قرآنی کا صریح انکار ہے، مصنف کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ملک و ملائکہ کوئی مخلوق نہیں، بلکہ دوسرے مختلف مادی عناصر کے امتزاج سے کون و فساد کے عمل کی قوت کا نام ہے، جو ایک خالص مادی اور غیر شعوری استعداد ہے، اس جدت تفسیر کیسے بنی سلم مفکرین کا حوالہ مصنف نے دیا ہے، وہ سرسید احمد خان ہیں، اسی سے اس تفسیر کی حقیقت ظاہر ہے، حال یہ تفسیر سراسر آیات قرآنی کے خلاف ہے، ملائکہ عناصر کی قوت کون و فساد کا نام نہیں، بلکہ وہ اُن سے بلند تر باشندہ روحانی قوت ہیں جن کا کام خدا کی تقدیس و تعبد، اس کی خدمت گذاری، اس کے احکام کی بجا آوری ان کا نفاذ، خدا اور انبیاء و رسل کے درمیان پیامبری، اور کارخانہ عالم کے نظام کی نگرانی اور اس کا انصرام ہے، کلام مجید میں بیسویں، بلکہ پچاسویں مقام پر ان کا اور ان کے ان اوصاف کا ذکر ہے، فرشتے خدا اور اس کے برگزیدہ بندوں اور مخلوقات کے درمیان پیامبری اور سفارت کی خدمت انجام دیتے ہیں،

الحمد لله فاطر السموات والارض
جاعل السموات والارض
مستغنی وثقلت وربع یزید فی الخلق
ما یشاء ان الله علی کل شیء قدیر
(فاطر - ۱)

حمد ہو اوس خدا کی جو آسمانوں اور زمین کا
پیدا کرنے والا اور فرشتوں کو دو دوتین تین
اور چار چار شہر بازوؤں والے پیام رسان
بنانے والا ہے، وہ پیدا میں جو چاہے بڑھا
وہ ہر چیز پر قادر ہے،

الله یصطفی من الملائکة رسلًا
ومن الناس ان الله یمیع بصیر
یعلم ما بین ید یمینہ وما خلفہم

خدا ہی ہے جو فرشتوں اور آدمیوں میں
سے پیام رسان اور قاصد منتخب کرتا ہے، خدا
سننے والا اور دیکھنے والا ہے، اور ان کے آگے

- وَاللّٰهُ تَوَحَّجُ الْاُمُورِ، اور پیچھے کا حال جانتا ہے، اور تمام کاموں کا مرجع ہے، (حج - ۱۰)
- اَوْ يَرْسِلُ رُسُوْلًا فَيُوحِيْ بِاٰذَانِهِ مَا يَشَاءُ یا خدا اپنا ایک سفیر بھیجتا ہے تو وہ اس کی اجازت سے جو خدا چاہتا ہے وحی کرے گا، (شوری - ۵)
- يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ اَوْحٰى عَلٰی مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ، بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے، (نحل - ۱)
- بَارِكًا هٗ اِزْدٰى كَے حاضر باش ہیں، اور اس کی تسبیح و حمد اور اہل زمین اور مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں اور فرشتے حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور زمین والوں کی بنیاد کی دعا مانگا کرتے ہیں، ہشیدار کہ بننے والا ارحم کرنے والا خدا ہی ہے، (شوری - ۱)
- الَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ اللّٰہیٰں جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں، اور جو اس کے پاس ہیں، وہ سب اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں، اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان والوں کی بنیاد کی دعا کرتے ہیں، (مومن - ۱)
- وَتَوٰى الْمَلَائِكَةُ حَاقِقِيْنَ مَنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يَسْبُحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهٖمُ، اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے ارد گرد اٹھائے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد شنائی میں مصروف ہوں گے، (ذہر - ۸)

سَلَّاتٍ اِذَا دَكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا وَ
جَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا،
ہرگز نہیں جب زمین دینہ دینہ کر دی جائیگی
اور تیرا رب تشریف فرما ہوگا، اور فرشتے
قطار در قطار آئیں گے، (نجر - ۱)

خدا کے احکام کو دنیا میں جاری کرتے ہیں،
تَنْزِيلَ الْمَلَكُوتِ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ
رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ امْرِيٍّ (نذر - ۱)
اِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ اَنْتِي
مَعَكُمْ فَتُنَبِّئُوْا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا،
اس میں (لیلة القدر) فرشتے اور روح آئے
پروردگار کے حکم سے ہر کام کو لیکر نیچے اترتے ہیں
یا درجہ تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی
کر رہا تھا، کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، تم
مومنوں کو ثابت قدم رکھو، (انفال - ۲)

روح قبض کرتے ہیں،

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَائِكَةُ اِذْ يُدْعٰى لِكُلِّ ذِيْ
وَلُوٍّ تَرٰى اِذْ يُنْفِثُ الرُّوحُ فِيْ
الْمَلَائِكَةِ، (انفال - ۷)
کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے وہ تم پر
موت طاری کرے گا،
اور اگر دیکھو جب فرشتے کافروں کی عمر پوری
کر رہے ہوں،

وَرٰى سُلَيْمٰنَ عَلٰى كُرْسِيِّهٖ حَافِظًا مِّنْ
اَحَدٍ كَلَّمَ الْمَوْتَ تَوَفِّتْهُ وَاَسْلَمْنَا وَهُمْ
لَا يَعْرِضُوْنَ، (انعام - ۸۰)
اور وہ خدا تم پر نگران بھیجتا ہے، یہاں تک کہ
جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے، تو ہمارے
قاصد اس کی عمر پوری کرتے ہیں، اور وہ کوئی نہیں کرتے،

انسانوں کے اعمال و افعال کی نگرانی کرتے ہیں،

وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ لَاحِظٍ كَلِمًا كَاتِبٍ
بیشک تم پر نگہبان ہیں بزرگ ہیں لکھنے والے ہیں

يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ، (انفطار-۱)
 مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ
 عَتِيدٌ، (ق-۲)
 مَوَاسِعَ مِنْكُمْ مِنْ أَسْرِ الْقَوْلِ وَمِنْ
 جَهَنَّمَ وَمِنْ هُوَ مُسْتَخَفٌّ بِاللَّيْلِ
 وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ لَهُ مَعْقِبَتٌ مِنْ
 بُنْيَانٍ يَدْرِيهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ
 مِنْ أَمْرِ اللَّهِ، (سعد-۲۰)
 جنت و دوزخ کے کاروبار کے نگران ہوں گے،

جو تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں،
 کوئی منہ سے بات نہیں نکالتا، لیکن اس
 نزدیک ایک نگبان حاضر ہے،
 تم سے کوئی بات چھپا کر کہے یا دوسرے کہے
 یا وہ رات میں چھپے یا دن کو کرے، خدا کے
 تعاقب کرنے والے اس کے سامنے سے اور
 اس کے پیچھے سے خدا کے حکم سے اس کی نگرانی
 کرتے ہیں،

إِنَّ نَزْنَ قَالَ لَوْ رَتَبْنَا اللَّهُ نَحْرَ
 اسْتَقَامُوا نَزَلَ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ
 الْأَتَاخُوا فَوَازُوا لَا تَحْزَنُوا وَالْبَشَرِ
 بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ
 أَوْلِيَاكُمْ كَوْمًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
 وَفِي الْآخِرَةِ (دفعت-۴)
 دُفِيقِينَ هُنَّ،

اور کفر کرنے والے گروہ کے گروہ دوزخ کی
 طرف لیجائے جائیں گے، یہاں تک کہ جب اس
 کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھولے
 جائیں گے، اور اس کے چوکیدار (فرشتے) کہیں گے
 اَبُو ابِیْہَا وَ قَالَ لَہُمْ خَرْنٰہَا
 الْمَعْرِیَاتُ کَوْمٌ رَّسُلٌ مِّنْکُمْ،

(نمر - ۸) کہ کیا تمہارے پاس تھین مین کے سپر نہیں آئے
 وَ سَيَقْدِرُ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى
 الْجَنَّةِ زَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ هَاهُنَا
 ابوابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ
 عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوا هَا
 خَالِدِينَ،

اور جو اپنے پروردگار سے ڈرتے تھے، وہ گرڈ
 درگاہ جنت میں لیجائے جائیں گے، یہاں تک کہ
 جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے، اور اس کے
 دروازے کھولے جائیں گے، اور اس کے پاس
 (فرشتے) کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو خوش خوش

(نمر - ۸) ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جاؤ،
 وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ
 مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ
 فَتَحَ عَقِبَى الدَّارِ (رعد - ۳) ہو، یہ کیسا اچھا عاقبت کا گھر ہے،
 وَمَا جَعَلْنَا لِشَيْءٍ أَمْلَةً إِلَّا يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ
 دُنْيَا میں نیکو کاروں کے لئے بشارت کا پیام لاتے ہیں،
 وَلَقَدْ جَاءَتْكُمْ رُسُلْنَا بَرَاهِيمَ بِالْبَشَرِ (هود) اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لیکر آئے
 بدکاروں کی تباہی کے سامان میا کرتے ہیں،

قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ
 اوتھوں نے کہا اے لوط ہم تیرے پروردگار

(هود - ۷) کے بھیجے ہوئے ہیں،


حسب ذیل آیات خاص طور سے غور کے لائق ہیں،

وَ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ
 اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں
 فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً، (بقرة - ۱۸) کہ میں ضرور بناؤں گا زمین میں ایک نائب،

تو فرشتوں نے اس کے جواب میں عرض کیا،

تَالَوْا اتَّجِدُوا فِيهَا مَنْ يَفْسُدُ فِيهَا
وَيُصْفَتُ الدَّمَاءُ وَغَنُ نَسَبَتِهِمْ بِحَدِّ
وَقُلْتُ سُبْحَانَكَ

فرشتے کہنے لگے کہ آپ پیدا کریں گے زمین
میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اس میں
اور تو نیز بیان کریں گے اور ہم برا ترسیخ کرتے ہیں

(بقیہ - ۴)  ہیں آپ کی حمد کی اور تقدیس کرتے رہتے ہیں

خلیفہ پیدا کرنے کے بعد بارگاہِ ایزدی سے فرشتوں کو حکم ہوتا ہے،

ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ
فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنْ
السَّاجِدِينَ (اعراف)

پھر ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ
کرو، سو سب نے سجدہ کیا۔ بجز ابلیس کے وہ سجدہ
کرنے والوں میں شامل نہ ہوا،

ایک دوسرے موقع پر ہے،

إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ
نَسَبًا مِّنْ طِينٍ فَادْأَسُوهُ نَفْخًا
فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ
فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَتَّجَعُونَ لَأَ
إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ
(ص - ۵)

جب آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد
فرمایا کہ میں گارے سے ایک انسان بنانے والا
ہوں، جب میں اس کو پورا بنا چکوں، اؤ
اس میں اپنی جان ڈال دوں تو تم سب کے
رو برو سجدہ میں گر پڑنا، چنانچہ سارے کے
سارے فرشتوں نے سجدہ کیا۔ بجز ابلیس کے کہ

نور میں آگیا، اور کافروں میں سے ہو گیا

فرشتوں میں انسانوں کی طرح افراد ہیں جنہیں خدا باطل قوتوں کے مقابلہ میں پیغمبروں کی مدد کے لئے

مامور فرماتا ہے،

اَذْ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِي يُقَالُ
يُحْدِثُ كُودَ سَبْعِ مِائَةِ اَلَا فِ مَن
الْمَلَكَةُ مَزَلِيْلٍ بَلَى اِنْ تَصْبِرُوْا
تَنْقُوْا يٰۤاَنۡكَوۤا مِّنۡ فُودِ هٰذَا عِلَدٌ
سَبْعُوۡا بِخِصۡةِ اَلَا فِ مَنۡ الْمَلَكَةُ
مَسُوۡمِيۡنَ،
(آل عمران - ۱۳)

اور جب آپ مسلمانوں سے یوں فرما رہے تھے
کہ تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری
مدد کرے تین ہزار فرشتوں سے جو تمہارے
جاوید بن گئے، ہاں کیونکہ انہیں اگر مستقل رہو گے
اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آپہنچیں گے تو
تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا، یا پھر اگر
فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہو گئے

یہ اور اس قسم کی اور بہت سی آیات ہیں جن سے فرشتوں کی حقیقت ان کی جنس اور ان کے کائنات
پر روشنی پڑتی ہے، کیا ان صریح آیات کے بعد یہ کہنے کی گنجائش باقی ہے کہ فرشتے محض عناصر کے فطری قوی
کا نام ہے،

اسی طریقہ سے جن کی تفسیر بدوون، پہاڑی اور جنگلی انسانوں سے بھی سرسید احمد خان کی رہنمائی
جو ملائکہ کی تفسیر کی طرح بالکل غلط اور آیات قرآنی کے یکسر خلاف ہے، جن اور اجنبی سے مراد بدوی اور جنگلی
انسان نہیں، بلکہ انسان کی طرح اور اس کے مقابل مستقل ایک مخلوق ہے، کلام مجید میں ایک سے زیادہ مقاموں
پر اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے

خَلَقَ الْاِنۡسَانَ مِّنۡ صَلۡصَالٍ کَالۡلِغۡلِ
وَخَلَقَ الْجَاۤنَ مِّنۡ مَّادِجٍ مِّنۡ نَّارٍ
انسان کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکرے
کی طرح بجتی تھی، اور جنات کو خالص آگ
سے پیدا کیا، (رحمن - ۶)

اس لئے دو مختلف بلکہ متضاد عناصر سے ترکیب پانے والی مخلوق ایک کس طرح ہو سکتی ہے، کلام مجید
کی آیت کے انکار سے بچنے کے لئے یہ پہلو اختیار کرنا کہ اس آیت میں تو جن سے جن ہی مراد ہے، لیکن اس کے علاوہ

وَيُنذِرُ دُونَكَ لِقَاءَ يَوْمٍ مَّكَرُهُنَّ ۚ
 قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا وَغَدِيقُمْ
 الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا
 عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَافِرُونَ
 (انعام - ۱۶)

اور جو تم سے میرے احکام بیان کیا کرتے تھے، اؤ
 تم کو اس آج کے دن کی خبر دیا کرتے تھے و
 سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اور جو تم کا اقرار
 کرتے ہیں، اور ان کو دنیوی زندگی نے بھول
 میں ڈال رکھا ہے، اور یہ لوگ مقرر ہوئے کہ

یہ آیت جنوں میں پیغمبروں کے آنے کا صریح ثبوت ہے،

کیا قیامت میں بدوؤں اور شہریوں اور جنگلی انسانوں اور مذہب انسانوں سے خطاب الگ الگ
 ہوگا، اگر ایسا ہے تو پھر انسانوں میں محض دو قسم کی تقسیم کیون ہو، انسانوں کے اور بہت سے طبقات نکل
 سکتے ہیں، پھر عربی قاعدہ سے بھی جن و انس کو ایک نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ معطوف معطوف علیہ میں
 معاشرت ضروری ہے، اس لئے اس آیت میں دو دونوں ایک ہو ہی نہیں سکتے، پوری سورہ رحمان میں جنوں
 اور انسانوں سے خطاب ہے، ہر خدایتوں کے بعد خدایتی اَلَّذِينَ كُنْتُمْ تُكَلِّمُونَ الْكُفَّارَ، اور انہیں کلام کرتے ہوئے
 دو دونوں میں تشبیہ کی ضمیر ہے، جس سے جن و انس دو دونوں سے خطاب ہے،

اسی طریقہ سے سورہ نمل کی ان آیات کی تفسیر میں جن میں ”منطق الطیر“ کا مترج ذکر ہے، اُن سے
 متعلق اسرائیلیات کی تنفیذ نہیں بلکہ دور جدید کے ”مفسرین“ کی غلط تاویلات کی سراسر تقلید کی گئی ہو،
 چنانچہ ان آیات میں،

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا
 وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ
 كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ، وَوَرَفَّ
 سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا
 ان دونوں نے کہا تمام تعریف اللہ کے لئے
 نمر اور ہے جس نے ہم کو اپنے بہت سے
 ایمان والے بندوں پر فضیلت دی

عَلَّمَنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا إِلَهُ الْفَضْلِ الْمُبِينِ
اور داد و آؤ کے قانعاً سلیمان ہوئے، اور انھوں نے کہا کہ اے لوگو ہم کو پرندوں کی بولی کی تعلیم کی گئی ہے، اور ہم کو ہر قسم کی چیزیں دی گئی ہیں، یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا صانع مافض ہے، چنانچہ سلیمان کے لئے جو لشکر جمع کیا گیا تھا، ان میں جن بھی تھے اور انسان بھی اور پرندے بھی، اور ان کو رد کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ وہ چیونٹوں کے ایک میدان میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا، کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے سوداؤں میں جا لگے، کیسے سلیمان اور لشکر یغری میں کچل نہیں... اور سلیمان نے زندہ کی تاشی لی تو فرمایا کیا بات ہو کہ میں ہر دو کو نہیں دیکھتا کیا کیسے ہو گیا؟ (رسول - ۱)

مَحْضُ اس بنا پر کہ بقول مصنف چیونٹی کا حکم کرنا جدید مفسرین کے نزدیک قرآن کریم کے طرز کے خلاف ہے (ص ۱۷۶)، ہر دور میں معارف ہر دور چیونٹی بجائے ان کو انسانی قبیلہ قرار دیا گیا ہے، اور طیر کے معنی لشکر کے لئے ہیں، فرماتے ہیں :-

”طیر کے معنی لشکر کے بھی ہیں، اور مولوی چراغ علی کی تحقیق کے مطابق ہر دور ہر دور کی جمع ہے ایک قبیلہ کا نام ہے،... قدما نے اسکی دخل، کی تفسیر میں اس لئے غلطی کی کہ وہ ہر لفظ کو براہ راست اس کے معنوں میں لیتے تھے، اور قدیم تاریخ اور فنی تفسیر کا ان میں رواج نہ تھا، چونکہ آیت میں دخل کا لفظ ہے، اور اس کے معنی چیونٹی کے ہیں اسلئے محض حکم کے معنی بجائے نقصان پہنچانا ”اروندنا“

کے گئے، ان کی تحقیق کے مطابق نعل ایک قبیلہ کا نام تھا۔

لیکن مصنف نے پوری آیت پر غور نہیں کیا، ورنہ وہ ان دو راز کا رتاویوں میں نہ جاتے، یہ دونوں تاویں عربی زبان، سیاق کلام اور منشاء قرآنی سب کے خلاف ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو موضع فضل و احسان میں ذکر فرمایا ہے، کہ ہم نے داؤد و سلیمان کو عظم عطا فرمایا، اس عطیہ کی احساندہی میں دونوں پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور فرمایا فضلاً علیٰ کثیر من عبادہ المؤمنین اس سے معلوم ہوا کہ وہ کوئی خاص امتیازی فضل تھا، جس کی تشریح خود منطق الطیر موجود ہے جو واقعی ایک امتیازی علم یا استعداد ہوا اگر طیر سے مراد فوج لی جائے تو فوج کی بولی کا سکھانا کونسا فضل ہے، اور اس کی کون سی خاص بولی ہوتی ہے، جس کا اختصاف کے ساتھ ذکر کیا گیا دوسرے کلام مجید میں وَحْشَر لِّسُلَیْمٰن جُبُو دَا مِّنَ الْجِبِیْنِ وَ اَکَلَا لَنْتٰ وَ الطَّیْرُ بِہٖ اَلْکَیْمُ کے معنی فوج کے لئے جائیں تو جو وہ بالکل بے کار اور بے معنی ہو جاتا ہے، اَوْ جُبُوْہُ کے بعد طیر کی ضرورت ہی نہیں رہتی، پھر جن وانس کا مقابل طیر بمعنی پرندہ ہو سکتا ہے، نہ کہ فوج، دوسرے طیر کے معنی سرے سے لشکر کے ہی نہیں ہیں، معلوم نہیں مصنف نے کس لغت میں دیکھے ہیں، ممکن ہے ان کو یا ان کے جیسے دوسرے بانے نظر تحقیق کو اسم جمع کے لفظ سے دھوکا ہوا، کتب لغات میں طیر کی تشریح کے تحت میں اسم جمع کا لفظ ملتا ہے، جو ایک صریح اصطلاح ہے، ممکن ہے فاضل تحقیق کا وہ اسم جمع کی کثرت کے معنی کی طرف منتقل ہوا ہو، پھر اُس سے ادھون نے فوج مرتب کر لی اس لئے جب طیر کے معنی پرندہ کے متعین ہو گئے، تو پھر ہر ہر کو قبیلہ ماننے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی،

اسی طرح نعل کی تاویل بنی نعل سے کرنا بھی صحیح نہیں اس سے انکار نہیں کہ اگلے زمانہ میں جو انون کے ناموں پر انسانی قبائل کے نام ہوتے تھے، خود عرب میں بنی کلب اور بنی اسد موجود تھے، لیکن اس آیت میں نعلتہا نعل سے بنی نعل مراد لینا عربی قاعدہ کے خلاف ہے، ایسے موقعوں پر عربی میں قبائل کے افراد کا تذکرہ ہمیشہ نسبت کے ساتھ ہوگا، مثلاً بنی کلب اور بنی اسد کے فرد کے لئے لکھی اور اسدی کہا جائے گا، کلب اور اسد نہ ہوگا اور اس آیت میں قَالَتْ عَلَیْہِٓمُ النَّعْلُ ہے یعنی ایک فرد نے اپنی جنس یا قوم سے کہا، اس لئے اگر

بنی نعل مراد ہوتے تو قَالَتْ خَلَعْتُ كَيْبَاسَ قَالَ عَلِيُّ بْنُ عَمْرِو بْنِ قَوْمِهِ ہوتا ہے تائید نہ ہوتی اگر کہنے والی عورت ہوتی تو اَلْبَسَتْ خَلَعْتُ ہوتا اس لئے نعل اور خلع سے بنی نعل مراد لینا قطع نظر ارباقون کے عربی تہ کے بھی غلط ہے،

علمائے جغرافیہ نے بھی 'دادی نعل' بن بنی نعل کی مینن، بلکہ چیونٹی ہی کی نسبت مانی ہے 'یورپین تو خین' ا جغرافیہ نگار بھی چیونٹی ہی کی نسبت مانتے ہیں، چنانچہ جی لی اسٹریخ جغرافیہ فلسطین و شام میں لکھتے ہیں :-

یہ 'دادی' (دادی نعل) اس چیونٹی کے نام سے موسوم ہے جس نے حضرت سلیمان بن داؤد سے (مومنت آمین) گفتگو کی تھی،

مصنف نے اس کتاب میں مختلف موقعوں پر ابن جریر طبری، ابو عبد اللہ قرطبی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبد القادر موصیٰ قاسم اور شیخ المدحیم لہ کے ترجموں اور تفسیرن کو مستعمل کیا ہے، (ملاحظہ ہو کتاب مذکور ص ۱۱۴، ۱۵۱ اور ۱۵۵) اگر ان میں سے کسی نے بھی یہ تاویل کی ہو تو، تو ہم کو اس کے قبول کرنے میں تامل نہ ہوتا، ان آیات کی تفسیر سے لیکر خلف تک متفق علیہ چلی آتی ہے، ایسی حالت میں مصنف کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی،

گو کہ قرآن اور انبیاء علیہم السلام کی تائید کے لئے کسی حیوان میں عارضی طور سے انسانی نطق پیدا کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ملکہ ہے، لیکن اگر مصنف کے نزدیک یہ 'خیر قرآن کریم' کے طرز کے خلات ہے، تو وہ مذکورہ بالا آیات کی ایسی تاویل کر سکتے تھے، جو کلام مجید کے ظاہری الفاظ و معنی کے بھی خلاف نہ ہو، اور جس سے کوئی عقلی استحالہ بھی لازم نہ آئے، ان آیات میں تین چیزوں کا ذکر ہے، طیسور کی بولی سمجھنے کا علم، ایک چیونٹی کا، دوسری چیونٹیوں کو سلیمان فی قوج کے خطرہ سے آگاہ کرنا، اور تیسرے طور، ان میں سے کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں ہے، حیوانوں میں انسانی نطق عقل کے خلاف ہے، لیکن خود ان کی بولیوں سے ان کے جذبات کو سمجھ لینے میں کوئی عقلی دشواری نہیں ہے، یہ معلوم اور مسلم ہے، کہ حیوانات مختلف آوازوں، بولیوں کے ذریعہ بھوک

ملاحظہ ہو ترجمہ اردو جغرافیہ بلا فلسطین و شام جی لی اسٹریخ ص ۲۴، شائع کردہ دارالترجمہ حیدر آباد،

پایاس، خوشی، مسرت، نعم و غصہ، لطف و محبت، نفرت و کراہت اور خوف و ہراس وغیرہ مختلف قسم کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں جنہیں ایک واقعہ کار آسانی کے ساتھ سمجھ لیتا ہے، اس لئے منطق الطیر کے علم سے کوئی حلاوت عقل بات لازم آتی ہے، اسی طرح ایک حیوان کے دوسرے حیوان کو انسانی خطرہ سے آگاہ کرنے میں بھی کوئی عقلی استحالہ نہیں ہے، بلکہ یہ تو روزانہ کا مشاہدہ ہے، اور جدید تحقیقات کے مطابق تو جیو میٹون اور شند کی کھینوں کا اجتماعی نظام تو اتنا حیرت انگیز ہے کہ ان کے متعلق محض خطرہ سے آگاہ کرنا ایک معمولی سی بات ہے، انہی کی جانب قول کی نسبت تو کلام مجید میں عمل یا صورت حال کے لئے قول کے استعمال کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں؛ بطور اور حیوانوں کی تیسرے بھی روزانہ کا مشاہدہ ہے، انسان تو وحشی حیوانوں کو ایسا مسخر کر لیتا ہے، کہ وہ انسانوں سے زیادہ مطیع و متقاد ہو جاتے ہیں، رہا یہ امر کہ اس تاویل سے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہ جاتا، تو اس میں شبہ نہیں کہ معجزانہ امتیاز نہیں رہ جاتا، لیکن اس کے امتیاز ہونے سے پھر بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ ہر انسان میں یہ صلاحیت واستعداد نہیں ہوتی اسلئے کسی ایک انسان میں اسکا پایا جانا یقیناً ایک امتیازی کمال ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا، لیکن تاویل مصنف کی تفسیر کے لئے ہے، ورنہ خدا تو انبیاء علیہم السلام کی تائید کے لئے شجر و حجر میں نطق پیدا کر سکتا ہو، ایک طرف تو مصنف کو فہم قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ تیرہ سو برس کی ساری تفسیر ن کو ناجاہل اعتباراً قرار دیتے ہیں، دوسری طرف ان کی قرآن فہمی کا یہ حال ہے کہ وہ عربی کے معمولی اور کلام مجید کے نہایت کھلے ہوئے الفاظ کے معنی تک نہیں سمجھتے، ان کی قرآن فہمی کا ایک دلچسپ نمونہ کلام مجید کی اس آیت مسلمات موشا قانتا تا نباتات عابدات ساجدات میں ساجدات کا ترجمہ سیاحت میں سرگرم ہے اور اس پر یہ طوار کھڑا کیا ہے:

”قرآن مجید کا انقلاب کس قدر حیرت انگیز تھا کہ وہی عورتیں جو کبھی اپنے مردوں سے زیادہ جاہل تھیں، اب قرآن مجید میں عبادت قانات تا نباتات عابدات ساجدات کے ادھان و غور میں ہیں، یعنی اللہ کی فرمائندہ اور برائیوں سے پرہیز کرنے والیاں عبادت گزار اور سیاحت میں سرگرم

اس ترجمہ کی تصدیق اس سے کی گئی ہے کہ روایت سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام اور خود رسول کریم کی لڑائی
مطہرات بھی میدان جہاد میں نکلتی تھیں، اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں، اس لئے ان کو سائنات و کپڑا لگی ہوئے
گویا مجاہدین کی خدمت اور زخمیوں کی مرہم پٹی کے لئے عورتوں کا نکلتا اور سیر سپاٹا دونوں ایک
چیز ہیں، اس ترجمہ کی اور خوبیوں سے قطع نظر سائنات کا ترجمہ جس کے معنی روزہ رکھنے والیاں ہیں سیاحت کنیولیاں
خوب کیا گئی ہیں سائنس کے معنی روزہ دار کے مفسرین کے طبع ادنیٰ ہیں، کہ اس میں مسنف کو گفتگو کی گنجائش ہو بلکہ
علمائے لغت کا اس پر اتفاق ہے صاحب لسان العرب لکھتے ہیں،

السَّائِحُونَ وَالسَّائِحَاتُ الصَّائِحُونَ
یعنی سائحوں اور سائحات کے معنی الصائحوں

قَالَ التَّجَاجُ السَّائِحُونَ فِي قَوْلِ
ہیں تجاج لہو کا قول ہے کہ اہل تفسیر اور لغت

اهل التفسير واللغة جميعاً الصَّائِحُونَ
دو دونوں کے نزدیک الصائحوں کے معنی الصائحوں

راغب اسمعانی نے بھی مفردات میں یہی معنی لکھے ہیں، ان کے علاوہ خلف سے لیکر سلف تک تمام

ترجمین مفسرین اور علمائے لغت کا اس پر اتفاق ہے،

لیکن مصنف السائنات کا ترجمہ سیاحت کرنے والیاں کرنے میں معذور بھی ہیں، عربی وہ جانتے

نہیں اور وہ کی مدد سے تفسیر و ترجمہ کرتے ہیں، اس لئے اگر اردو کی سیاحت کو انھوں نے سائنات پر چسپاں

کر دیا تو اس میں ان کا زیادہ تصور نہیں،

ان مباحث کے بعد کلام مجید کی تاویل کے حدود اور اس کے فہم و تدبر کے بارہ میں بعض اصولی باتیں

ہیں گویہ مسامحات سے خالی نہیں، لیکن بڑی حد تک صحیح ہیں، اگر ان اصولوں کی وہ خود بھی پابندی کرتے تو

ان کو صریح آیات میں قرآن کے مفہوم و منشا سے اتنی دور نہ ہٹنا پڑتا، میں نے دور جدید کے بہت مفسرین کے

اجتماعات کے پیش نظر چند سائیں ہو کر فہم قرآن کے اصول، شرائط و معارف میں ایک مفصل معنون لکھا تھا اس کا مطالعہ

مفسرین جدید کے لئے مفید ہوگا،

تفسیر کی بحث میں مصنف نے بعض اور تاریخی غلطیاں یا غلط بیانیوں بھی کی ہیں، مثلاً علماء و مؤرخین اسلام کی تاریخ اور طبیعیات سے ناواقفیت کے ثبوت میں لکھتے ہیں :-

حبشیوں کے متعلق مسعودی نے لکھا ہے کہ ان کا رنگ اس لئے سیاہ ہو گیا، کہ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو بدو عادی تھی، اور اہل حبش ابنِ نوح کی اولاد سے ہیں، اسی بدو کے اثر سے ان سب کا رنگ کالا ہو گیا، ابنِ خلدون نے اس سیاہ رنگی کو طبائع کائنات ہواؤں اور حرارت کی تاثیرات پر محمول کیا ہے، اور یہی حقیقت ہے۔

ہم کو یہ بیان پڑھ کر سخت حیرت ہوئی کہ مسعودی جیسے وسیع النظر عالم نے جو تھا تو رخنہ ہی نہ تھا، بلکہ نہایت دوجہ اور طبیعیات کا بھی فاضل تھا، کس طرح ایسی نوابات لکھ دی، اس کی کتابوں میں تلاش کیا، تو حیرت مصنف کی ناواقفیت اور لاعلمی منبطل ہو گئی، مسعودی نے حبشیوں کے رنگ کی سیاہی کو بارہوین وہی لکھا ہے جو ایک مؤرخ اور طبیعت طبیعیات کے عالم کو لکھنا چاہئے تھا، چنانچہ کتاب التنبیہ والاشراف میں وہ مسموٰرہ ارضی کی طبیعی حالت اور اس کی آبادی پر اس کے اثرات کے سلسلہ میں حبشیوں کے متعلق لکھا ہے :

ترجہ جنوبی کے باشندے حبشی رنگی اور وہ تمام قومیں جو خط استوا کے نیچے آفتاب کے مقابل میں ہوتی ہیں، حرارت کی لپٹ اور رطوبت کی کمی کی وجہ سے ان کا رنگ سیاہ اور ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور ان میں وحشت آگئی اور گرم ہواؤں کی لپٹ آب و ہوا کے اثرات ان کے رحم میں جنین کی بچائی اور گرم و خشک بنجرات کی وجہ سے ان کا رنگ گھل گیا، بال گھونگھریا لے ہو گئے، اس لئے کہ آفتاب کی حرارت سے سیدھے بالوں کو وقتی قرب اور دوری ہو گی، اس کے اعتبار سے وہ کمزور بن گئے، پھر آپس میں مل جائیں گے، اور آئینہ بن جائیں گے۔

۱۔ کتاب التنبیہ والاشراف مسعودی ص ۶۶ مطبوعہ پیرس،

یہ ہے مسعودی کا بیان جس کو مصنف نے بالکل بدل دیا، لیکن اس میں بھی وہ بے تصور ہیں، اس لئے کہ ان کو براہِ راست مسعودی دیکھنے کا اتفاق کما ہوا ہوگا، محض سنی سنائی بات لکھ دی، ورنہ اتنی صریح غلطی عمداً نہیں کر سکتے تھے، ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

”تیسری صدی ہجری میں حلیت کا عقیدہ مسلمانوں کے بڑے طبقہ پر حاوی تھا، ان میں بہت درویش خدا کی روح کی حلیت کے قائل تھے۔“

حلول کا عقیدہ مسلمانوں کے بڑے طبقہ کیا چھوٹے سے طبقہ میں بھی نہ تھا، بعض غالی شیعی فرتے اپنے آبائی عجمی عقائد کے اثر سے البتہ اپنے ائمہ میں حلول کے قائل تھے، ان کے اثر سے بعض اور فرقوں میں بھی اس قسم کے عقائد پھیلے، مثلاً رزمیہ، یقینیہ، علمانیہ اور حلاجیہ، ابو مسلم خراسانی، قتیبہ ابو علان دمشقی، اور منصور حلاج میں حلول کے قائل تھے، لیکن یہ محض برائے نام فرتے تھے، ان کی جماعت بہت مختصر تھی، اور جلد ہی ختم بھی ہو گئے، اسی لئے صرف تاریخوں میں ان کے نام ملتے ہیں، امام عبد القادر غزالی نے کتاب الفرق بین الفرق میں بعض کے حالات لکھے ہیں، لیکن یہ فرتے کبھی بھی مسلمان نہیں سمجھے گئے، حتیٰ کہ شیعی علماء تک نے حلول کے قائل شیعی فرقوں کو فاجح از اسلام قرار دیا، نو بخیتی نے فرق الشیعہ میں ان کی تکفیر کی ہے^۱۔

ایسی حالت میں حلول کو مسلمانوں کے بڑے طبقہ کا عقیدہ کہنا کمان تک صحیح ہو سکتا ہے، (باقی)

۱۔ کتاب الفرق بین الفرق ص ۲۳۹ تا ۲۵۰۔ ملاحظہ ہو فرق الشیعہ ابو محمد حسن بن موسیٰ نو بخیتی

کلیاتِ اردو

مولانا شبلی مرحوم کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ، جس میں ثنوی صبحِ امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظیں جو کا پُور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یہ نظیں درحقیقت مسلمانوں کی پہل سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، قیمت: ۷۰

منہج

حیدرآباد کی ایک تعلیمی جوبلی

از

جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب صدیقی استاذ جامعہ عثمانیہ

مملکتِ اصفیہ کی موجودہ درسگاہوں میں سب سے قدیم سرکاری ادارہ دارالعلوم ہے جس کے قیام پہلے ۱۳۶۲ء میں نوے سال گزر چکے، یہ درس گاہ ملک کے نظامِ تعلیم کا مرکز رہی ہے، اور اسی کے حصّہ اعلیٰ پچیس سال ہوئے جامعہ عثمانیہ کا غالب اختیار کیا، اور دارالعلوم کالج کو وہاں شعبہٴ دینیات قرار دیکر اولاً شعبہٴ فوٹو کا اور پھر دفعہٴ سائنس، انجینئری، تعلیم المصلین، طب، کلکاری وغیرہ کا اضافہ عمل میں آتا رہا، شعبہٴ دینیات جامعہ عثمانیہ کے طلبہ جو بجا طور پر اپنے آپ کو جامعہ عثمانیہ کے سب سے قدیم اور سب سے اہم جزو کا نام لیوا سمجھتے ہیں، ہر سال اپنی درسگاہ کا یوم تاسیس مناتے ہیں، سالِ حال کی تعطیلات عیدِ اضحیٰ میں طلبہ قدیم و جدید نے اہل ملک کی ہمدردی و اشتراکِ عمل سے اپنی درسگاہ کا نو دہ سالہ جشنِ بڑی شان سے منایا، اس کا مختصر تذکرہ ناظرینِ معارف کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جاتا ہے،

خانوادہٴ اصفیٰ کو تعلیم سے جو خصوصی دلچسپی ہے اس کا مظاہرہ اس جشن میں اس طرح ہوا کہ سلطانِ علوم آصف جاہ سابع نے اپنے بھائی شہزادہ بسالت جاہ بہادر کو اس امر پر مامور فرمایا کہ جشنِ دارالعلوم کا افتتاح فرمائیں، شہزادہ موصوف نے علومِ اسلامیہ اور ثقافتِ اسلامیہ کی عالمگیر اہمیت اور اس سے اہل زمانہ کی تجرمانہ غفلت پر پُر زور الفاظ میں توجہ مبذول کرائی، اور فرمایا کہ حیدرآباد جو مہندینِ اسلامی تحریکوں کا مرکز ہے اس بارے میں جو بھی اقدام کرے، وہ ضروری و بروقت بھی ہے، اور اس کے شایانِ شان بھی،

اس جشن کے متعدد اجزاء و شعبے تھے :-

۱- خطباتِ علیہ اس میں تاریخِ تعلیمِ اسلامی، تاریخ دارالعلوم، جامعہ عثمانیہ کے قیام کی اندرونی سرگذشت، شعبہ و مبنیات جامعہ عثمانیہ کی پچیس سالہ کوشش، جدید طرز سے علوم اسلامیہ کی تحقیق و تعلیم وغیرہ شامل تھے، ہمیں ذریعہ تعلیم کی زبانی حکومتِ آصفی کے اس ارادے کا نیم سکاڑی اعلان ہوا کہ جملہ مسلم طلبہ کے لئے عربی لازم کر دینا حکومت کے پیشِ نظر ہے،

۲- محفلِ عربی ایک خصوصی نشست میں صرف عربی تقریرون، مقالون اور نظون کا انتظام کیا گیا تھا، جو اہتمامی کامیاب رہا، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ نئی پود میں بھی مجد اللہ عربی تعلیم کا کافی پائی جاتی ہے،

۳- مظاہرہ تجوید کی خصوصی نشست، اس سے معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں میں اپنے اس خاص فن کا ذوق روز افزون ہے، فنِ تجوید پر بعض دھچپ مقالون کے ضمن میں قراتون کے مختلف اقسام کے علمی مظاہرے بھی کئے گئے، مثلاً قراتِ سبعہ، قراتِ عشرہ وغیرہ،

۴- فارسی مشاعرہ اس میں طرعی مصرع یہ تھا،

این چنین دارالعلوم کے دکن پیدا کند

سلطان الشعراء حضرت آصفیہ صاحب نے بھی طرعی مصرع پر ایک غزل سرفراز فرمائی تھی،

۵- فائوسی تقریرون میں ایک تقریر منظرِ مجاز و بیت المقدس پر تھی، اور دوسری دکن کی اسلامی تہذیب و دونوں بڑی سبق آموز اور دلچسپ رہیں،

۶- نمائش ثقافتِ اسلامیہ، یہ نمائش پورے جشن کی جان تھی، صرف ایک ہفتہ کھلی رہنے کے باوجود ہزار آدمیوں نے اس کا معاشرہ کیا، جن میں ہر مذہب اور ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے، آخری دنوں میں دعوتِ نمائش گاہ میں تل و دھرنے کو جگہ نہ رہی تھی، پانچ پانچ ہزار اشخاص روزانہ آتے تھے،

حال میں مداس کی نمائش کے حالات سہ ماہی میں چھپ چکے ہیں، حیدرآباد کی نمائش بھی انہی کا کٹو

کے زیر انتظام ہوئی، اس نے اس کی تکرار کے بجائے اس نقش ثنائی کی صرف بعض خصوصیتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، اس نمایش میں فلکیات کا شعبہ زیادہ مکمل اور عجیب تھا، قسم قسم کی دھوپ گھڑیاں، دیسی ساخت کی قدیم دور میں جس کی سند سے معلوم ہوتا تھا، کہ نواب آصف الدولہ حکمرانِ اودھ نے کسی کو عطا کی تھی، مختلف نمونوں کے اسطرلابِ برج عجیب، فلکیات میں مسلمانوں کی تحقیقاتوں کے حالات (مثلاً آفتاب کے وارخ، قطر زمین کی پیمائش، انعطافاتِ شمس، مد و جزر کے دجہ وغیرہ) جلی خط میں نمایاں کئے گئے تھے، ایک بہت بڑے نقشے میں کرہ سماوی اور ستارے بنائے گئے تھے، اور ہر ستارے کا عربی اور انگریزی نام بھی لکھا تھا، جس سے معلوم ہوتا تھا، کہ پانچا نوے فی صدی نام عربی ہی کے مغربی زبانوں میں برقرار ہیں صرف تلفظ بگڑ گیا ہے، جغرافیہ میں ادرسی وغیرہ کے نقشے ہمارے عالمِ علمِ ملاحی میں قسم قسم کے عربی جاذبوں کے نقشے عجیب چہرے تھے،

مخطوطات کا شعبہ بہت اہم تھا، اناد کتب میں صحیفہ ہمام بن منبہ المتوفی ۱۳۱ھ، خاص چیز تھی اس کے علاوہ انجیل کا عادل شاہی دور کا فارسی ترجمہ جو ایک مسلمان عالم نے کیا تھا، پانچویں صدی ہجری اور اس کے بعد کے لکھے ہوئے نسخے، یا قوت مستصی، عماد، میر علی وغیرہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں قرآن مجید، دارالشمسہ و عالمگیر کے مخطوط قرآن، حضرت عثمان کے ہاتھ کے قرآن کا نوٹ جو ترکی حکومت نے شائع کیا تھا، حافظ ابن حجر وغیرہ مشاہیر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں ابن قیم کی نادر روزگار تالیف احکام اہل الذمہ (جلد اول) پچھ سو صفحوں میں تھی، اس کے اجزائے بعد کا یہ نہیں)

سکون میں بنی اتیہ سے لے کر اب تک کے تقریباً ہر اہم اسلامی حکمران خانوادے کی نمائندگی ہوئی تھی، سبکیگین، بلبین، تغلق، شیر شاہ سوری، احمد شاہ ابدالی، بچہ سقا، نادر خان و ظاہر خان، نیز مختلف ممالک اسلامی (جاوا، مشرقی افریقہ، زنجبار، مستط، عمان وغیرہ) وغیرہ وغیرہ کے سکے تھے،

سیرۃ ابنی کا شعبہ زیادہ اہم تھا، سوڈیٹھ سو مقامات کے نوٹوں کے ذریعہ ولادت

باسادات سے وفات تک کے حالات نمایان کئے گئے تھے، اس میں غارِ حرا، غارِ ثور، بدر و طائف، احد و خندق، مناظرِ حج اور دیارِ حبیب کے فوٹو تھے،

تاریخِ اسلام کے نقشے بھی دھچپ تھے، عہدِ نبوی و خلافتِ راشدہ کے فتوحات کا پانچ رنگی نقشہ، عالمِ تیرہ سو سالہ فتوحاتِ اسلامی کا دس رنگی نقشہ، دنیا کی موجودہ اسلامی آبادیوں کا تفصیلی نقشہ تین رنگوں میں مع اعداد و شمار،

اسلحہ کا شعبہ بھی اہم تھا، قسم قسم کی تلواریں، اور دیگر اسلحے جن کے کام و استعمال کا کیا ذکر ان کے نام تک سے اب نئی نسل بے خبر ہو گئی ہے، فاروقی سلاطین کی توپیں، اورنگ زیب وغیرہ کی تلواریں، حروبِ صلیبیہ کے زمانے کی تلوار، بہادر شاہ کی تلوار، آہن ربا، جنبہ وغیرہ، تصاویر کے ذخیرہ نے قدیم و جدید استادوں کا بڑا ہلکا پیدا کر دیا تھا، جو خاص کر دکن کی تاریخی شخصیتوں کا مکمل مرتع کہا جاسکتا ہے۔

دکن کی ڈیڑھ دو صدی پہلے کی امیرانہ زندگی کے سامان، سنہری قالین، چاندی کی جڑاؤ کریا، صوفے، میزین وغیرہ،

اس نمائش نے فوجانوں میں ایک لہر دوڑا دی ہے، اور انہیں اپنے گھروں کے سامانوں کی اہمیت کی جانب متوجہ کر دیا ہے، کہ وہ کتنے ہی بوسیدہ اور خراب کیون نہ ہوں، نہایت قیمتی اور قابلِ تحفظ ہیں،

توقع ہے کہ یہ نمائش ان شاء اللہ جلد ایک معرضِ ثقافت اسلامیہ کی صورت میں منتقل میوزیم کی حیثیت اختیار کرے گی، جس میں منظم اور باقاعدہ طور سے سامان تیار اور فراہم کر کے جمع کیا جائے گا، جو تاریخ و تمدنِ اسلامی کے لئے ایک درس گاہ بن جائے گا، ابھی تو یہ خانگی کوششیں ہیں، خدا کرے پروان چڑھیں،

خطباتِ علیہ میں مولانا سید سلیمان ندوی کا مقالہ اصول فقہ پر رکھا گیا تھا، مگر موصوف کی آمد کی تاریخ میں خانگی وجہ سے تبدیلی ہو گئی، اس مقالہ کو رد و مدح جن میں شامل کرنے کی کوشش کی جائے گی، جن کی طرف سے تذکرہ دارالعلوم کے نام سے فہم کتاب شائع ہو چکی ہے، اور سامانِ نمائش کی مفصل فہرست مشاعرے اور خطباتِ علیہ کی طباعت کا کام شروع ہو چکا ہے،

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ برطانوی ہند کی قدیم ترین جامعات کلکتہ، مدراس و بمبئی کے قیام سے بھی ایک سال قبل دارالعلوم حیدرآباد کا افتتاح ہوا تھا، اور غالباً ہندوستان کے غیر سرکاری اسلامی مدارس میں بھی اب کوئی اتنا قدیم موجود نہیں ہے، واللہ عاقبتہ الامور،

حیاتِ شبلی حصول

حیاتِ شبلی جس کا مدتوں سے شائقین کو انتظار تھا، چھپ کر شائع ہو گئی ہے، یہ کتاب تنہا علامہ شبلی مرحوم کی سوانح عمری نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کی وفات ۱۹۱۳ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی اصلاحی اور دوسری تحریکوں، اور سرگرمیوں کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع میں جدید علمِ کلام کی نوعیت، اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، اور نقلی اور تعلق کے زمانہ سے لے کر، انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ اگرہ و ادوہ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا، ہوا اور اکابر علماء کے حالات بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہیں، اس کی خدمات مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۲۰۰ صفحے ہیں، اس کے علاوہ دارالمفین مذہب العلماء، مدرسہ الإصلاح، سربراہ اور شبلی انٹر کالج کی عمارتوں کے تیرہ ہاٹ ٹون بلاک فوٹو بھی شامل ہیں، ان کا غذا اور طباعت اعلیٰ،

قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپے،

مینبر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ابنِ منصور حلاج کو پھانسی نہیں دی گئی؛

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی استاذ دینیات ڈھاکہ کیونیورسٹی

قال الخطيب في تاريخه انبأنا ابن الفتح
 خطيب نے اپنی تاریخ میں کہا کہ ہمیں خبر دی ابن
 انبأنا محمد بن الحسين سمعت عبد الله
 انفق نے اوس نے کہا کہ اُس سے کہا محمد بن حسین
 ابن علي سمعت عيسى القصار يقول آخر
 کہ میں نے عبد اللہ بن علی سے سنا کہ وہ کہتا تھا
 كلمة تكلم بها الحسين بن منصور
 کہ میں نے عیسیٰ القصار کو کہتے ہوئے سنا کہ آخری
 عند قتله وصلبه ان قال حسب
 بات جو حسین بن منصور کی زبان سے اس کے قتل
 الواحد افراد الواحد له فما سمع
 اور سولی کے وقت بھی جو وہ بیگم کو احد کے لئے یہ کافی
 بهذا الكلمة احد من المشائخ
 کہ واحد اسی کے لئے مخصوص ہے، مشائخ میں سے
 الادق واستحسن هذا الكلام منذ
 اس جملہ کو جس نے سنا اس پر رقت طاری ہوئی
 وفي تاريخ القزويني من شهر ربيعاً کے ذکر میں ہے کہ
 ما نصبه فقال الوزير للقاضي اكتب
 اور تاریخ قزوینی میں شہر ربیعہ کے ذکر میں ہے کہ
 انه زندق فاخذ خط القاضي ر
 پھر وزیر نے قاضی سے کہا کہ لکھو کہ یہ زندق ہے،
 پھر اُس نے قاضی کی تحریر کو لے لیا، اور اس کو

وَبَعَثَ إِلَى الْخَلِيفَةِ فَاخْرَجَهُ لِيُصَلِّبَهُ
 وَفِيهِ أَيْضًا فَلَسًا صَلَبَ وَاحِدًا اخَذَ
 السَّاءَ فِي الزِّيَادَةِ حَتَّى كَادَ يُخْرِقُ
 بَعْدَ ۱۰ اَدْنَى

خلیفہ کے پاس بھیجا، چنانچہ خلیفہ نے اس کو
 سولی دینے کا حکم دیا، اور اسی میں ہے جب
 سولی دیدی گئی، اور جسم جلا دیا گیا، دو دریا
 کا، پانی اس قدر بڑھ گیا، کہ قریب تھا کہ غلغلہ

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو قول المنصور ص ۱۶۵ وقت ۲)

ڈوب جائے،

پس تقریباً ۲۳ کے معارف میں جو علمی لطیفہ کے طور پر یہ لکھا گیا ہے کہ ابن منصور کو شعرا نے دار پر
 چڑھایا، اور دار و رسن کو اس سے جلوہ پہنچایا، یہ لطیفہ درست نہیں، تاریخ سے اس کا مصلوب ہونا ثابت
 ہوا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اولاً ایک ہزار ضرب تازیانہ کی سزا دی گئی، پھر ہاتھ پیر کاٹے گئے، پھر سولی پر چڑھا
 دیا گیا، جب روح پرواز کر گئی، سر کاٹ کر تشہیر کی گئی، اور بدن کو جلا کر خاک کر کے دریا میں بہا دیا گیا
 امید ہو کہ اشاعت آئندہ میں اس امر کو واضح کر دیا جائے گا، شیخ عطار نے بھی تذکرۃ الاولیاء میں سولی دیئے جانے کا
 ذکر کیا ہے مگر شاید آپ اول کو شعرا میں داخل کر دیں، اسلئے خطیب و قزوینی ہی کے بیان پر اکتفا کیا،

معارف :- افسوس ہے کہ جو روایتیں سطور بالا میں نقل کی گئی ہیں، ان سے مولانا موصوف کے
 اس قیاس کی تصدیق نہیں ہوتی کہ

”اولاً ایک ہزار تازیانہ کی سزا دی گئی، پھر ہاتھ پیر کاٹے گئے، پھر سولی پر چڑھا دیا گیا، جب روح
 پرواز کر گئی، سر کاٹ کر تشہیر کی گئی، اور بدن کو جلا کر خاک کر کے دریا میں بہا دیا گیا“

بلکہ یہ قیاس خطیب کی اس تصریحی روایت کے مخالف ہے کہ

وَلَسَابُلُغَ الْفِ سَوَاطِطِ قَطْعَتِ يَدَيْهِ لَأَتُو
 اَدَجِبَ هَذَا كَوْرَے پورے ہو گئے تو اس کا
 رجلہ تشرید کا شعور سرجلہ د
 ہاتھ کاٹا گیا، پھر اس کا پاؤں، پھر ہاتھ پھر

لے ان عربی عبارتوں کے ترجمے کی ذمہ داری مراشد نگار پر نہیں ہے،

حزرا سہ و احرق جنتہ، پاؤں کا ٹانگیا، اور اس کا سر کاٹ دیا گیا، او

(خطیب ج ۸ ص ۵۸) اس کا دھڑلا دیا گیا،

سولی دینے کے لئے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر دخت بن لٹکانا چاہئے تھا لیکن جب دونوں ہاتھ پینے کاٹے جا چکے تھے، تو سولی کا دیا جانا ممکن کیسے ہو سکتا ہے، کیونکہ پھانسی دینے کا، جس کو عربی میں خنق کہتے ہیں، اس زمانہ میں رواج نہ تھا، بلکہ کسی مجرم کو مار ڈالنے کے باوجود وہی دوطریقے رائج تھے، یعنی یا تو قتل کرتے یا سولی دیتے تھے، لیکن اسلامی عہد کے ابتدائی دور میں سولی دینے کا رواج بھی عموماً نہ تھا، بلکہ بہت ہی اہم موقعوں پر اسی طرح ہاتھ پاؤں کاٹے جاتے تھے، پھر عبرت و سبق آموزی کے لئے سر کو تن سے جدا کر کے کسی شاہراہ عام یا فیصلہ کو کمرج یا قلعہ کے پھانک پر لٹکا دیتے تھے، اور یہی صورت منصور حلاج کے ساتھ پیش آئی، چنانچہ حلاج نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کرنے، اور سر کو عبدالملک کے پاس بھیج دینے کے بعد ان کی لاش شارع عام پر لٹکوا دی تھی، ابن اثیر میں ہے :-

و بحث الحجاج براسہ الی اور حلاج نے ان کے سر کو عبدالملک

عبد اللہ بن مروان و اخذ ابن مروان کو باہر بھیجا، اور ان کے دھڑ کو لیا،

جنتہ فصلتہا، (جلد ۴ ص ۲۹) اور اس کو لٹکا دیا،

۱۔ مولانا موصوف نے معارف کے عنوان کیا منصور حلاج کو پھانسی دی گئی، (مطبوعہ ستمبر ۱۳۸۵ء) پر اپنے مراسلہ کا عنوان ”پھانسی نہیں سولی دی گئی“ قائم فرمایا ہے، لیکن اردو میں پھانسی اور سولی دونوں مترادف و ہم معنی الفاظ ہیں ملاحظہ ہو نور اللغات (ج ۳ ص ۳۸۰) سولی: پھانسی، سولی چڑھانا: پھانسی دینا، دار پر کھینچنا سولی چڑھنا: پھانسی پانا، (ج ۲ ص ۱۰۰) پھانسی، پھندا،

(۱) وہ حلقہ جس کے ذریعے آدی کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے ہیں،

(۲) وہ ستون اور تسی کا پھندا جس پر چڑھا کر آدی کو لٹکا دیتے ہیں،

در نہ جب "تل" اور "صلب" مار ڈانے کے دو علاحدہ علاحدہ طریقے ہیں، تو کسی کو مار ڈانے کے لئے ان میں سے کسی ایک ہی طریقہ کو اختیار کیا جاسکتا تھا، خصوصاً جب علاج کے ہاتھ کاٹے جا چکے تھے، تو سولی دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا :-

لأن الرجل إذا صلب مديدًا
 کیونکہ جب آدمی کو سولی دی جاتی ہے
 وباعده على الجنح،
 تو اس کے ہاتھ اور بازو (سولی کی) لکڑی
 (سان العرب ج ۸ ص ۱۷۱)
 پر پھیلانے جاتے ہیں،

اس لئے مولانا موصوف نے جو روایت پیش کی ہے، اس میں "عند قتلہ و صلبہ" کے معنی عند قتلہ و تعلیقہ کے ہیں، کیونکہ

الصلب هو تعليق الإنسان للقل
 "صلب" کے معنی انسان کو مار ڈانے کے لئے
 (مفردات راغب ج ۲ ص ۱۷۱)
 لٹکانے کے ہیں،

اس لئے قتل کے بعد صلب سے مراد اس کے سر کو بقدا کے پل پر لٹکانے جانے سے ہے، جیسا کہ معلوم ہے کہ قتل کے جانے کے بعد دو دن تک اس کا سر بقدا کے پل پر لٹکا رہا، خلیفہ میں ہے :-

ونصب الراش يوسف بن عبد
 اور سر دو دن تک بقدا کے پل پر نصب ہوا
 على الجسر شوحل الى خراسان و
 پھر خراسان بجا یا گیا، اور اس کے نواح
 طيف به في النواحي (خطيب جلد ۸ ص ۱۷۱)
 میں گھمایا گیا،

بلکہ انہی لمون کے متعلق جب اس کا سر بقدا کے پل پر لٹکا ہوا تھا، ایک دوسری روایت ہے جس میں اس کے سر کے ٹکے ہونے کی وجہ سے "صلب اور مصلوب" کے الفاظ آئے ہیں :-

يقول لما صلب الحسين بن منصور
 جب حسین بن منصور کو چڑھایا گیا، تو اس
 وفقت عليه وهو مصلوب فقال (خطيب جلد ۸ ص ۱۷۱)
 کے پاس کھڑا تھا، اس حال میں کہ وہ سولی

در اصل یہاں بھی ”مصلوب“ سے مقصود وہی معلق سر ہے، اس موقع پر ”صلب“ کے معنی ”تعلیق“ یا ”نصب“ اس کے جوڑے جا رہے ہیں، یہ کسی تاویل یا قیاس پر مبنی نہیں، بلکہ یہ ایسی تحقیقت ہے کہ جس کا بدیہی ثبوت حلاج کے معاصر مورخوں کے بیانات میں موجود ہے، چنانچہ خزیم بن سعد قرطبی کی صلیہ تاریخ طبری میں حلاج کے پیروں کے ذکر میں حسب ذیل صاف و صریح الفاظ موجود ہیں :-

| | |
|-----------------------------------|---|
| من الحوادث (فی سلسلہ) ان نازو | ۱۲۳۷ء کے واقعات میں یہ ہے کہ نازوک بغداد |
| جلس فی مجلس الشراطہ بغداد | میں مجلس شریعت میں حلاج کے پیروں میں |
| فاحضرتہ تلمذہ نفر من اصحاب الحلاج | تین آدمی اس کے سامنے پیش کئے گئے، وہ |
| وہو جید درۃ الشعرانی وابن منصور | حمید رہ، شعرائی اور ابن منصور تھے، ان سے |
| فطالہم بالرجوع عن مذہب | حلاج کے مذہب سے لوٹ جانے کا مطالبہ |
| الحلاج ذابوا فصریت اعناتھو | کیا گیا، تو انھوں نے انکار کیا، چنانچہ ان |
| ثعر صلیہم فی الجانب الشرقی | کی گردنیں مار دی گئیں، پھر ان کو بغداد |
| من بغداد وضع دؤ سھم علی سو | کے مشرقی جانب سو لی پر چڑھا گیا، اور ان |
| السمین فی الجانب الغربی، | کے سر وں کو مغربی جانب قید خانہ کی |
| (ص ۱۰۰) | فصیل پر لٹکایا گیا، |

جو روایت اوپر گزری، اس کے علاوہ اس میں اور دوسری روایتیں بھی ہیں، جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عند صلیب کی مراد وہی ہے، جو ہم نے بیان کی ہے، ورنہ یہ روایتیں اس کے خلاف ہوتی ہیں، مثلاً ایک دوسرے موقع پر ہے،

| | |
|---------------------------------|--|
| حد ثنا عبید اللہ بن احمد بن | عبید اللہ بن عثمان صیرفی نے ہم سے بیان |
| عثمان الصیرفی قال قال لنا ابو ع | کیا، کہ ہم سے ابو عیسیٰ بن جویہ نے کہا کہ جب |

بن حیویم لما خرج حسین الحلاج حسین حلاج قتل کئے جانے کے لئے نکلا تو میں
لیقتل مضیت فی جملة الناس و بھی اور لوگوں کی طرح دیکھنے کے لئے گیا،
لما اذل ازا حو حتی را یتہ فقال مجمع میں گھس پل کر اس کو دیکھا، اس نے اپنے
لا صحابه: لا یھولنکو ھذا فانی ساتھ یوں سے کہا کہ تم اس سے گھبراؤ نہیں
عائد الیکم بعد ثلاثین یوما ثم میں تیس دن کے بعد پھر تمھارے پاس
قُتِلَ (جلد ۱۳ ص ۱۳) لوٹ آؤں گا، اسکے بعد قتل کر دیا گیا،

اسی طرح مذکور ہے کہ کو تو ال کو ہدایت کی گئی کہ اس کو کوڑے لگانے کے بعد اس کا سر کاٹ کر
علیہ رکھ لیا جائے، اور پورا دھڑ جلا دیا جائے، (تاریخ خطیب ج ۸ ص ۱۴۰)
علاوہ ازیں یہ صرف خطیب پر موقوف نہیں بلکہ اس عہد کے اکثر مؤرخین نے اس کے قتل ہی کئے
جانے کا تذکرہ کیا ہے، اور یہ روایتیں اس حیثیت سے بڑی اہم، مستند اور قابل ذکر ہیں کہ ان مؤرخین
میں سے بعض حلاج کے معاصر اور بعض اس کے قریب العہد ہیں، مثلاً مشہور مؤرخ مسعودی متوفی
۳۴۶ھ کا معاصرانہ بیان ملاحظہ ہو،

ضَرَبَ الْفَتَّ سَوْطَیْہِ وَقَطَعَتْ یَدَہُ اس کو ایک ہزار کوڑے مارے گئے، اور
وَرَجَلَاہُ وَضَرَبَتْ عُنُقَہُ وَحَرَّتْ اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے، اور
جَسَدَہُ اس کی گردن مار دی گئی، اور اس کے دھڑ
(کتاب التنبیہ والاعذار ص ۳۳) کو جلا دیا گیا،

عرب بن سعد قرطبی کا دوسرا معاصرانہ بیان ہے :-

فاحرق بقلبہ و احرقہ بالنار بعد اوس کو ایک ہزار تازیانہ کی سزا دینے، اور
ضربہ الف سوط و قطع ید یدہ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بعد قتل کرنے اور آگ میں

ورجلہ... فوق الی صاحب
 جلانے کا حکم دیا،..... چنانچہ محمد بن عبد
 شریطہ، محمد بن عبد الصمد بان
 یخرجہ الی رحبۃ الجسر فیضیہ
 من یجائے، اور ایک ہزار کوڑے لگائے
 اوس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے، چنانچہ اس کے
 سوط و قطع ید یہ ورجلیہ ففعل
 ذلک بعد (صلۃ تاریخ طبری ص ۱۸۱)

اسی طرح ابن ندیم متوفی ۳۸۵ھ حلاج سے قریب الحمد مورخ ہے، اوس نے بھی اپنی الفہرست
 میں جو ۳۳ھ میں تصنیف ہوئی، اس کے متعلق قتل و احرق (چنانچہ قتل کیا گیا اور جلایا گیا) ہی لکھا ہے
 پھر اسی طرح ابن سکویہ متوفی ۴۲۱ھ کی روایت ہے :-

ضرب الف سوط ثم قطعت ید لا ثم جلد
 ثم ضرب سقۃ و احرق جثتہ و نصب
 داسہ علی الجسر (حاشیہ ص ۹۵)
 ہزار کوڑے مارے گئے، پھر اس کا ہاتھ کاٹا
 گیا، پھر پاؤں کاٹے گئے، پھر اسکی گردن ماری
 گئی، اور اوس کا دھڑ جلا دیا گیا، اور اس کے
 ابن جوزی کا بیان ہے :-

ضرب الف سوط ثم قطعت ید لا، ثم
 جلد و حرق داسہ و احرق جثتہ
 چنانچہ ہزار کوڑے مارے گئے، پھر اس کا ہاتھ
 کاٹا گیا، پھر اس کا پاؤں کاٹا گیا، اور اس کے
 سر کو کاٹا گیا، اور جثہ کو جلا دیا گیا،

اسی طرح متاخر مورخین نے بھی اس کے سولی دیئے جانے کے بجائے اس کے قتل ہی کئے جانے کا تذکرہ

کیا ہے ملاحظہ ہو الکامل ابن اثیر ج ۲ ص ۹۴، امرأة ابحان یا نمی ج ۲ ص ۲۹۰، شذرات الذہب ابن عساکر ج ۲ ص ۲۵۵
 وغیرہ ان صاف اوکھلی شہادتوں کی موجودگی میں کسی قیاس کی گنجائش نہیں، اس لئے ان تصریحات کو سامنے
 رکھ کر صحیح طور پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ حسین بن منصور حلاج کو سولی نہیں دی گئی، بلکہ وہ قتل کیا گیا،

وفیات سفیرِ غیب

(حکیم الامت حضرت انشرف علی تھانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی یامین)

از

جناب ابوالاسرار صاحب رزمی اٹاوی

نہ جانے کیا اچانک موج آئی اس کی رحمت کو
اٹھا کر لے گئی آغوش میں جبریلِ طاعت کو
اسی ماحول میں گم ہو گیا ہنستا ہوا تارہ
سوادِ اعظم اسلام کا رخشہ مہ پارہ
وہ تارہ جو رہا ملفوف احرام قیادت میں
گذاری جس نے اپنی زندگی اصلاح امت میں
بڑھاپے کا تو کیا کتنا مجسم آرزو ہو کر
خدا سے ہو گیا واصل خدا کی جستجو ہو کر
یہ تیری خانقاہ پاک، نور حق کا مینار
حقیقت جس میں روشن ہے بجلی جس میں آواز
ابنما دیکھتا ہوں کو شرع فان کا قوار
نظر کو بختتا ہے دولتِ انوار، نظارہ

یہ تیری سرودی ہے جس کو طاقِ معرفت کئے

یقیناً تربیت کا مذاقِ معرفت کئے

حکیم ایشیا کئے تجھے یا عارفِ مشرق
تیری تقریر کیا ہوتی تھی کشفِ سامع کئے
عجم سے تاحرم ہر سو ہے تیرا شہرہ ماطق
تجھے اسلام کا اک چلتا پھرتا جامہ کئے

وہ دولت لیکے اٹھے تھے جو تیرا وعظ تھے
بغیر ساز و نغمہ و جہرین سراپنا دھتے تھے

اجالاس طرح کرتا تھا پیدا و بن فاسقین

پسیدہ جیسے اگتا ہو ریاضِ صبحِ صادقین

اس امت کے قدمِ با رفتنی راہوں سے روکتے ہیں
کہ جن راہوں میں پوشیدہ جہنم زار ہوئے ہیں

و باغِ جہنم سے خارج کیا ہیو وہ رہمن کو
پکھل ڈالا تمدن کے شر راہِ انگریز جلوں کو

اٹھا دی یک قلمِ ملت کی وہ رسمِ ڈاوا
سمجھ رکھتا تھا دنیا نے جسے رازِ وفا داری

مُتیز کر دیا تا موسِ اکبر سے زوائد کو
روایا قی عناصر، اجنبی باطل عقائد کو

اُجاگر کر دکھایا دینِ فطرت کا پسِ منظر

مکدر ہو چکا تھا روغنِ اوہام سے کیسر

روحِ اسلام کو حقانیت کی دھوپ میں دیکھا

اُسے تیری بدولت آسمانی روپ میں دیکھا

سبق تو نے دیا ہم کو محمد ﷺ کی طاعت کا
خلوصِ آمیزِ عظمت اور سنجیدہ محبت کا

دلِ تار یک روشن کر دیئے تیری نگاہوں نے
دورِ توبہ پہ رکھ دی اپنی پیشانی گناہوں نے

سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو
جلالِ قیصری بخشا جمالِ خانقاہی کو

سواِ آذرستان سے اندھروں کو مٹا ڈالا
ضمیمہ زارِ دو آب کو خلیستان بنا ڈالا

نئے فتنے اٹھے اور اٹھ کے تفسیر میں بلالین

مگر تو نے مسلمانوں کی تقدیر میں بلالین

سیہ کاری نے جب بھی پاؤں پھیلانے کی
خدا نے غیب سے بھیجے سیفِ راہِ ہدایت کے

چنانچہ حجۃ اللہ بن کے آیا تھا زمانے میں
پیامِ رشد پوشیدہ تھا تیرے تازیانے میں

ملی تھی تجھ کو مشکوٰۃ نبوت سے دہشتانی
سیلقتیر اقدوسیٰ فراست تیری نورانی
تری تہذیب اسلامی، تراکچر مسلمانی
ڈسپلن سے ترے اغیار کو بے سخت جراتی
سیاست تیری فاروقی ہدایت تیری تمہانی
تراکیر یکڑا مجموعہ کر دارِ ودھانی
تحقق مجتہد عالم، محدث، حافظ وقاری
باین اوصاف شہرت سے بری اظہارِ حای
تواضع، سادگی، مردانگی، زہد و صفائشی
ٹھکے مشن کا ترہبہ تھی تیری پالیسی
پنچھا ور روح کرتا تھا نشان پاک احمدیہ
تصور اڑتا رہتا تھا ہمیشہ سبز گنبد پر

قدم راہِ نبیؐ میں اور پنجہ نبض امت پر

حکیمانہ نظر رہتی تھی بسط و قبض امت پر

تراغور جذبہ صورت فولادِ حکم تھا
ترے پیکر میں روشن شعلہ فاروقی غلم تھا
نظر حیرہ سے پڑھ لیتی تھی کیفیاتِ پہمانی
بصیرت کو نظر آتا تھا نہ و جزا انسانی
کنہ دین بھینکتی تھیں اہرمن پیری بدین
علاجِ محضیت ثابت ہوئیں اکسیرِ تیرین
نہ لاپچ دے سکیں ہرگز تجھے سکون کی جھنگار
ترے دستِ توکل میں تھیں استغنیٰ کی تلوار
کتا ب زندگی کا ہر ورق تصویرِ سنت ہو
تری ہر نقل و حرکت نقشہ تدبیرِ سنت ہو

شرف تجھ کو ملا بزمِ ولا کی باریابی کا

صحابی گوئیں لیکن نمونہ تھا صحابی کا

ترے پہلو میں نفسِ مطمئنہ کھلکھلاتا تھا
یقین تارِ نفس پر نغمہ توحید گاتا تھا

دماغ و دل ترے مومن بھی کیا ہر ادا مومن

خدا کے ساتھ تیرا رشتہ عشق و قامون

تری حاضر جوابی سے ہر اک مسرور ہوتا تھا
ترا سادہ سافقرہ مصرعہ منشور ہوتا تھا

بفیض پر تو امدادِ حق ہر فن میں کامل تھا نہ کیوں ہوتا کہ آخر دیدہ یقویٰ کا قتل تھا
 تو شاگردِ رشید ایسا کہ استادِ زمان نکلا زمین ہند کا ذرہ چراغِ آسمان نکلا
 تری تحقیق کے جھڑے سہرا خلاق لہرائے جہان سائنس کا ذہن سا جانے سونگلا
 کسے گنجائشِ شک ہے مبارک کامرانی میں کہ اک دنیا سے ہو چھوڑی جو اس دنیا فانی میں

ترے انجام برتر کا پتہ آغاز دیتا تھا

ترا مستقبلِ تابان تجھے آواز دیتا تھا

تو میدانِ صحافت میں بھی سبقت لے گیا سب سے کہ نو سو تک پہنچ جاتا ہے تصنیفات کا نمبر
 مقدس اسپرٹ کے جوہر جذبات کیلئے ہیں حیفے تیرے خطبے اور ملفوظات کیلئے ہیں
 کسی میں فلسفہ منطق کسی میں نورِ حرکت ہو ذخیرہ علم دین کا، گنج اسرارِ نبوت ہو
 ترے حکمت بھرے نسخوں کو جو علم آتی ہو فضا سے روح میں جو نور بکھر پھیل جاتی ہو
 جھین پڑھنے سے عقبی کے چمن کی یاد آتی ہو اسی دار البقا سے وطن کی یاد آتی ہو
 مطالب جن کے قاری کو غذا سے فکر دیتے تفاعل کش روح کو پیامِ ذکر دیتے ہیں

کہ جن دل کے میلے آئینے خود دھلتے جاتے ہیں

حجابت اٹھتے جاتے ہیں، درتے کھلتے جاتے ہیں

مرتب ہے حدیثوں کا انبیاء کا دفتر ہمارے واسطے چھوڑا ہو کی پاکیزہ لہر پر
 لکھے گا وقت آپ زمر سے تیرے کا نام کو مسلمان حفظ کرے کاش ان زرین پیام کو
 نفع اندوزیانِ باہم فلک پر چڑھتی جاتی ہیں سلامِ شکر احسانوں پر تیرے پڑھتی جاتی ہیں

جو چرخ پوچھو جہان میں قطبِ ارشاد ہدایت تھا

ترے تبلیغ کے ہاتھوں میں فانوسِ رسالت تھا

ترسیٹھ سال تک تو نے ہیں تبلیغ فرمائی

یہی وہ عسمر تھی جو سرورِ کونین نے پائی

یہ دفرِ مزی بے بصیرت جو ترے تہ کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا، وہ ترے اوصاف پہچانے

یہ خدا مِ شریعت ہیں جو مانندِ پیمبر ہیں
وہ دریا کیسا ہو گا جس کے یہ قطرے سندر ہیں

جہان سے نقشِ مٹ سکتا نہیں اللہ انوکھا
یہ تیرا مِ شیعہ کیا ہے قصیدہ ہے کما لون کا

تری تعریف سے تعریفِ ربانی عبارت ہے
کہ جس کے پاس جو کچھ ہو وہ سب اس کی اہانت ہے

عقیدت نے جسے لکھا ہو قرطاسِ محبت پر
جسے بے تابیاں پڑ جاتی ہیں غلوتِ شیعہ پر

کیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ

بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مینانہ

آہ حکیم الامتہ

از جناب فکرِ ندوی

ہر اشکِ غم میں شورشِ طوفان ہے آج کل
ما تم یہ کس کا دیدہ گریان ہے آج کل

کس کے ریاضِ عمر یہ یہ آگئی خزان
بدلا ہوا جو رنگِ گلستان ہے آج کل

مثلِ دلِ فسر وہ عاشقِ بھیجی ہوئی
علم و عمل کی شمعِ فروزان ہے آج کل

اب زہد و آقا کی وہ رونق نہیں رہی
دتیا کمالِ شرع کی دیران ہے آج کل

یہ جلوہ گر ہے کون بہشتِ نعیم میں
نماز ان جو اپنے بخت پہ رضوان ہے آج کل

۱۵۵ھ مدوحِ حق تعالیٰ علیہ تقریباً ۱۹۰۲ء سال میں فارغِ تحصیل ہو گئے تھے، اور بعد ۸۳ سال واصلِ جنتی ہوئے

گویا ترسیٹھ سال تک تبلیغِ حق میں مشغول ہوئے جو آنحضرتِ صلعم کی عمر مبارک ہو،

ہے ہے! کہ اب نہ دل جو نہ دل کے وہ لوگ کتنی خلافت گردشِ دوران ہے آج کل

وہ اٹھ گیا جو پیرِ طریقت نواز تھا

وہ اٹھ گیا کہ جس پہ شریعت کو ناز تھا

اب کس کے آستان پہ چھکائیں جبینِ شوق وہ تاجدارِ علم شریعت نہیں رہا

کیونکر نہ پاش پاش ہو دلِ شاہِ جبین وہ آفتابِ زہد و طریقت نہیں رہا

اب کس سے درسِ حکمت اخلاق بے جا افسوس وہ مسلم فطرت نہیں رہا

وہ صاحبِ علوم حقیقی کمان گیا؟ وہ وارثِ رموزِ نبوت نہیں رہا

تھانہ بھون کے گلشنِ علی میں ہر خزان وہ باغبانِ باغِ حقیقت نہیں رہا

کیونکر نہ قومِ خاک اڑائے فراقِ یمن وہ خضرِ قوم و ہادیِ ملت نہیں رہا

جالی ہے بزمِ انجمنِ آراءِ انہیں کوئی

اب طالبانِ حق کا سہارا نہیں کوئی

منزل کے اب نشانِ نظر آتے نہیں ہیں گم گشتہ راہِ قوم کے رہبرِ کمان ہے تو

اے آفتابِ مشرقِ دین تو کمان گیا اے اوجِ علم کے مہرِ نورِ کمان ہے تو

خانہ خرابِ ہند میں ہے امتِ رسول اے ترجمانِ دین پیغمبرِ کمان ہے تو

مضطر ہے دلِ خدا کی قسم تیری یاد میں اے وجہِ راحتِ دلِ مضطر کمان ہے تو

یتری مصنفات پہ پڑتی ہے جب نگاہ کتا ہے دل کہ علم کے سرورِ کمان ہے تو

علم و عمل کا پوچھنے والا نہیں کوئی علم و عمل کے حامی و یادِ رکمان ہے تو

آن گل کہ دریا ضحیت شگفتہ شد

رفت از چمنِ بگوشہ تربت نہفتہ شد

تھانہ بھون میں اب وہ تجلی نہیں رہی محروم جلوہ آہ ہمارے نظر ہے آج
جو وجہ افتخارِ جہان تھا کمان ہے ڈ جس پر کہ ہم کو ناز تھا آنا کہہ رہے آج
دل ہی میں غفلتِ غمِ فرقتِ بینِ فقط خود بے چراغِ محفلِ شام و سحر ہے آج
کس کے لئے ہے مستِ اسلام سو گوار تربت پہ کس کی ایک جہاں نوہ گرے آج
تاریک کائنات ہے اپنی نگاہ میں یعنی فردِ غِ شمس نہ نورِ قسم ہے آج
ما تم ہے کس کا انجمنِ علم و فضل میں دنیا سے علم و فضل جو زیرِ ذر ہے آج
مایم سینہ چاکِ برگِ ولیِ دریغ!
آمدِ صدائے غیب کہ اشرف علیِ دریغ!

ہم دل شکستہ ہادہ ہستی میں کیا کریں یا رب ہمارا قافلہ سالار کیا ہوا
اب کون دستگیر ہو اپنا جہان میں ہم جس کے خوشہ چین تھے ہنگام کیا ہوا
تھانہ بھون کی خاک تجھے بھی خبر ہے کچھ تیرا وہ علم و فضل کا دربار کیا ہوا
تلقینِ صبر کس کو کرے کون؟ آہ! آہ! وہ رہنما وہ سید و سردار کیا ہوا
جس کے مصفات سے دنیا ہے فیضِ یاب وہ علم دیں کا محرم اسرار کیا ہوا
دورِ فراق سے کسی پہلو نہیں قرار اے فکر وہ سکونِ دلِ زار کیا ہوا
تاریک شدہ منزلِ افاق راہِ ما ورنہ! کہ رفتِ پیرِ طریقت پناہِ ما

بے تہمت و فاقہ لاہر مولانا انور علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

از جناب جمیل الرحمن صاحب محمودی سیوہارہ

لصا تو فی اشرف العلماء دہکت علیہ الارض مثل سماء

| | |
|--|--|
| ادخت مر تجلا وملت مبادراً | لفظ السجد د "مشعر بقاء |
| وعلى الوفاات تدل بالعشرات | ہاقد توفی اشرف العلماء |
| بائنہ طیب ثراۃ ومثوا ۴ | وفات اہل العلوم موت کل العا ^{۶۰} |
| اجل العلماء ثلثتہ فی الدین ^{۱۳} | رحلت قدوۃ الاصفیاء، ^{۶۲} |
| ان الموت موتہ والمجئے حیا ۴ | جزاۃ اللہ حسن الخیراء ^{۱۳} |
| نماند آہ علامہ اشرف علی | مگر ماند از وثبت نام نکو |
| زمر گش بملت زیانے رسید | کہ شانِ سلف بود قائم ازو |
| بن گفت با تفت کہ سالِ وفا ^{۱۳} | نشانِ سلف آہ گم گشتہ گو ^{۶۲} |
| وہ اشرف یگانہ اور وقت کے مجد | غزالی زمانہ اور رہنما و مرشد |
| ہے جن کی زندگی کی تاریخ المجدد ^{۸۲} | جن کی حیات پر ہے لفظ امام شاہ |
| وہ آج ہو چکے ہیں خلد برین میں اُس | سالِ وفات سنئے رخصت ہوئے مجد ^{۶۲} |
| سیدی اشرف علی جب عازمِ قہقہے | مرحبا کی جنت الفردوس سے آئی نوہ |
| غیب سے ملے ہوئی مجھ پر یہ تاریخِ وفا | شیخ اکبر خلدینے یا خلدینے گویا جنید |
| علامہ اشرف علی افسوس رخصت ہو گئے | داندہ سب ہی کچھ تھے وہ (بائنہ) سب ہی کچھ تھے ^{۶۲} |
| ہاتفت نے فرمایا کہ لکھ رحلت کا سال عیسوی | علامہ تھے عارف بھی تھے باندہ سب ہی کچھ تھے ^{۱۹} |
| آہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ^{۶۲} | |

۱۵ بحسابِ عشرات،

لکھ حدیث مرفوع موت العالم ثلثہ فی الدین،

مکتبہ مطبوعات جدیدہ

تطہیر القلوب از جناب سید صاع حسین صاحب شوق علیگ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۸، کاغذ

کتابت و طباعت بہتر قیمت مدد پر تہ :- مبارک لین چھپر اہو بہ بہار،

شیعہ اور سنی اختلاف کے نتائج محتاج بیان نہیں، اس کا سبب افسوس تک پہنچا کر ام رفوا اللہ علیہم اجمعین پر جو اسلام کے اساطین اعظم ہیں، طعن و طنز ہے، لائق مصنف کا آبائی مذہب شیعہ تھا، لیکن انھوں نے اپنے مطالعہ اور تحقیق سے سنی مذہب اختیار کر لیا ہے، مشاہرات صحابہ حضرت علی، حضرت شعیب اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے باہمی تعلقات جنگ بھل و جنگ صغین، اور حضرت امیر معاویہ کے متعلق شیعہوں کی جانب سے جو اعتراضات اور شکوک و شبہات پیش کئے جاتے ہیں، مذکورہ بالا کتاب میں مصنف نے شیعہ اور سنیوں کی معتبر کتابوں سے ان کے تشکیکی بخش جوابات دیئے ہیں، یہ جوابات زیادہ تر مدار المصنفین کی سیرت عائشہ اور سیر الصحابہ سے ماخوذ ہیں، لیکن جا بجا مصنف نے خود بھی مفید اضافے کئے ہیں، اختلاف سائل کی بحث میں عموماً غیر سنجیدہ مناظرانہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اس کتاب کا لب و لہجہ متین و شایستہ ہے، کاش شیعہ اور سنی اختلافی سائل کو چھوڑ کر متحد ہو سکتے، اور ان کی قوتیں ایک دوسرے کے خلاف اور غیر ضروری مباحث میں صرف ہونے کے بجائے اسلامی مفاد میں صرف ہوتیں،

اسٹالن مترجم جناب آصف علی صاحب بیرسٹر دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۴۲، صفحہ کاغذ

کتابت و طباعت بہتر، قیمت بیس پتہ :- مکتبہ جامعہ نئی دہلی اور اسکی شاخیں لاہور، لکھنؤ، ممبئی، بڑا موجودہ دور کے تمام ڈکٹیٹروں کی سوانح نمایان اردو میں موجود ہیں، اسٹالن کے سوانح پر ایک

کوئی مستقل کتاب نہ تھی، موجودہ جنگ میں اسٹالن کے حیرت انگیز کارناموں کی وجہ سے اس کی ادبی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، لائق مترجم نے مشہور انگریز مصنف سٹیفن گریہم کی کتاب اسٹالن کا اردو ترجمہ کر کے اس کمی کو پورا کیا ہے، اسٹالن کے سوانح حیات اور اس کے کارنامے تاثر انقلاب روس سے وابستہ ہیں، اس نے اس کتاب میں ۱۹۱۷ء سے لیکر ۱۹۳۹ء تک انقلاب روس سوویت حکومت کی تاسیس، اور اس کے مختلف مراحل کی مختصر تاریخ، اور اس انقلاب و تعمیر میں اسٹالن کا جو حصہ رہا ہے، اور نین کے بعد اس نے جس طرح اپنی مخالف قوتوں کا خاتمہ کر کے ڈکٹیٹری حاصل کی ہے، اور سوویت حکومت نے جو نئے اقتصادی اور صنعتی تجربات کو بین ان سب کی پوری سرگزشت آگئی ہے، اس کتاب میں اخلاقی نقطہ نظر سے اسٹالن کی کوئی بھی تصویر نہیں پیش کی گئی ہے اور اسے پڑھکر اس کی عظمت کا کوئی اثر دل پر نہیں پڑتا، شاید اس کی ”جہ تلم در کف“ ”است“ ہو، تاہم اس سے اسٹالن کے کارناموں کا اندازہ ہو جاتا ہے، لائق مترجم کا مقدمہ بجائے خواہ ایک مستقل چیز ہے، اس میں روس کی قدیم تاریخ کے مختلف دوروں، یورپ میں حکومت کے مختلف نظاموں اور ان کے متعلق عہد بعد کے مختلف اصلاحی سیاسی نظریوں اور ان کے ماتحت ان کے تغیرات و انقلابات اور انقلاب روس کے عوامل و اسباب کی پوری تفصیل ہے،

تھویر صبر، حصہ اول، مؤلفہ جناب مولوی سکندر بخت صاحب فاضل دیوبند تنطیع چھوٹی، مفت

۴۴ صفحہ، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۷ روپے، یہ غلام دستگیر تاجر کتب حیدر آباد دکن،

ہونا مصنف نے اس کتاب میں نہایت عزائمات قرآنی، احادیث نبوی اور اقوال موفیہ کی روشنی میں صبر کے معنی و مفہوم کی تشریح کی ہے، اس کی عظمت و اہمیت بتائی ہے، اور اسکے مختلف اقسام بیان کئے ہیں، یہ کتاب غالباً انکی پہلی تصنیفی کوشش ہے اسلئے خامیوں کا رہ جانا تعجب کی بات نہیں، چنانچہ صبر کی بعض تشریحیں بھی محل نظر ہیں اور ان عبارات و طرز تحریر تو بہت اصلاح کی محتاج ہیں، ایسی تصانیف کے لئے بڑی مشق و مہارت اور پختگی کی ضرورت ہے لیکن ان خامیوں کے باوجود مصنف کی محنت اور تلاش قابل قدر ہے انھوں نے صبر کے متعلق اس کتاب میں بہت مفید معلومات جمع کر دی ہیں،

نور ہدیٰ مولفہ جناب مولوی سید ابوالخفوظ محمد محمود احسن صاحب شمس، تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۲ صفحے

کاغذ کتبت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ روپے شاد بک ڈپو، پیر بھوڑ پٹنہ،

مولوی سید نور الدین صاحب مرحوم پیر سٹرٹ مارڈ ڈسٹرکٹ جج پٹنہ، بہار کے ایک دیندار مخلص اور درویش مسلمان تھے، ملازمت سے سبکدوشی کے بعد انھوں نے بقیہ عمر مسلمانوں کی خدمت میں بسر کی، ان کا سب بڑا کانا مدرسہ شمس الدینی پٹنہ ہجریہ مدرسہ انھوں نے اپنے والد مرحوم سید شمس الدینی کے نام پر اپنے ذاتی صرف سے قائم کیا تھا، اور اس کے اخراجات کے لئے ایک بڑی جائیداد وقف کر گئے، اب یہ مدرسہ گورنمنٹ بہار کے شعبہ تعلیم کی نگرانی میں ہے، اور صوبہ بہار میں عربی تعلیم کا ایک بڑا مرکز ہے، مصنف نے جو اسی مدرسہ کے فارغ شدہ ہیں، مذکورہ بالا کتاب میں بانی مدرسہ کے حالات اور مدرسہ کی تاسیس سے لیکر آئندہ تک اس کی پوری سرگذشت بیان کی جو اور کتاب کے آخر میں مدرسہ کے منتظمین اور اساتذہ کے مختصر حالات لکھ دیئے ہیں، کتاب سبق آموز اور دلچسپ ہے، لیکن زبان نہایت خام ہے، جو غالباً مصنف کی نوا موزی کا نتیجہ ہے،

بچی کمانیان از جناب عبدالرب شادانی پروفیسر ڈھاکہ یونیورسٹی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲ صفحے

کاغذ کتبت و طباعت بہتر، قیمت جلد سے ۱ روپہ، کتب خانہ علم و ادب دہلی،

عرصہ ہوا سالہ ساتی دہلی میں پریم پکباری کے قلم سے بچی کمانیون کا ایک دلچسپ سلسلہ نکلتا تھا، جو بہت مقبول ہوا، ہم نے بھی اس کو بڑی دلچسپی سے پڑھا تھا، افسانوں کی دلکشی غمازی کرتی تھی کہ پریم پکباری کے پردہ میں کوئی صاحب مذاق پنہان ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ اس پردہ میں عبدالرب کا نغمہ نکلے گا، مذکورہ بالا کتاب انہی پندرہ کمانیون کا مجموعہ ہے، مصنف کے تعارف کی ضرورت نہیں، وہ ایک کتب شوق اور بھین ان کا بیان ہے کہ یہ کمانیان سچی ہیں اور اصل واقعات میں بہت کم اضافہ کیا گیا ہے، اگر ان کا یہ بیان صحیح ہے، اور غلط ہونے کی کوئی وجہ نہیں، تو ان افسانوں کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، یہ صحیح ہے کہ کبھی سچی سرگزشت بھی انسانے سے کم دلچسپ نہیں ہوتی، لیکن حقیقت میں فرضی افسانوں سے زیادہ لطف دلاؤ بی پیدا کر دینا

مصنف کے حُسنِ انشا کا کمال ہے، یہ تمام افسانے دیکھ کر اور پڑھنے کے لائق ہیں،

رنگِ پست از جناب نواب مرزا جعفر علی خان اثر لکھنؤی تقطیع بڑی ضخامت ۸۶ صفحے کا نند

کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد پیر پتہ :- اردو ایکڈمی لاہور

اردو میں دوسری زبانوں کی مشہور اور بلند پایہ نظموں کے منظوم ترجمے کرنا مختلف حیثیتوں سے اردو شاعری کے لئے مفید ہے، لیکن یہ بڑا کٹھن کام ہے، ہر شخص کے بس کی بات نہیں، اس کے لئے قادر الکلامی کے ساتھ بڑے سلیقہ اور حسنِ مذاق کی ضرورت ہے، ورنہ منظوم تراجم کی کوشش عموماً نہایت مضحک بن جاتی ہے، جس کی مثال اردو میں کیا نہیں، جناب اثر لکھنؤی کی قادر الکلامی اور حسنِ مذاق مسلم ہے، انھوں نے اس مجربے میں یونانی اٹالوسی فرانسیسی، انگریزی، سنسکرت، ہنگائی، اور عربی زبانوں کی اٹھائیس مشہور نظموں کے منظوم ترجمے کئے ہیں، الفاظ کی پابندی کے ساتھ منظوم ترجمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے، اس لئے کہ ہر زبان کا انداز بیان اور طریقہ تبصرہ جدا گانہ ہوتا ہے، اسلئے الفاظ کی پابندی سے زبان کی سلاست میں فرق آجائے گا، اگر مفہوم کا بھی پورا ترجمہ ہو جائے تو بھی بڑی کامیابی ہے، اس لحاظ سے یہ ترجمہ جناب اثر کی قادر الکلامی کا نمونہ ہیں، انھوں نے ان کو اس طرح اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے، کہ اگر کہیں کہیں خیالات غیر زبان کی غمازی نہ کریں تو ترجمہ کا گمان بھی نہیں ہوتا، بیشتر نظموں میں لطفِ زبان میں بھی فرق نہیں آنے پایا ہے، اور بعض ترجموں میں تو ادبی اور شاعرانہ نزاکتیں بھی موجود ہیں، یہ ترجمے بیشتر انگریزی کے ترجموں سے کئے گئے ہیں، اس لئے ممکن ہے، ترجمہ در ترجمہ میں اصل سے کچھ فرق پیدا ہو گیا ہو، لیکن اس کا

کوئی ظاہری اثر ان نظموں میں نظر نہیں آتا، ان نظموں سے اردو شاعری میں اچھا اضافہ ہوا،

نمودِ زندگی از جناب سید علی منظور صاحب حیدر آبادی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۷۰ صفحے،

کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۰ پیر، پتہ :- سب رس کتاب گھر خیر آباد،

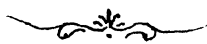
حیدر آباد دکن،

مصنف حیدرآباد کے مشہور شاعر ہیں، اردو کے اکثر ادبی رسالوں میں ان کا کلام نکلتا رہتا ہے،
نمود زندگی اور ان کے کلام کا مجموعہ ہے، اس میں مذہب و اخلاق سیاست و قومیت، عرفان و تصوف،
حسن و عشق وغیرہ مختلف موضوعوں اور جذبات و خیالات پر نظمیں ہیں، کلام میں تخیل آرائی، اور رنگینی
کے بجائے واقعت اور سادگی بیان زیادہ نمایاں ہے، بلکہ یہ دونوں اوصاف ان کے کلام کا امتیاز
وصف ہیں، بعض نظموں میں سادگی اور واقعت اتنی غالب ہے کہ وہ شاعری کی بہ نسبت
واقعہ نگاری سے زیادہ قریب ہو گئی ہیں، غزلوں کا بھی عموماً یہی رنگ ہے، لیکن کلام میں
پختگی ہے،

حالی محبوبِ وطن، از جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب، قیطع چھوٹی قیمت ۲۴ صفحے،

کاغذ کتابت، طباعت بہتر، قیمت چھ آنے، پتہ ۱- اردو گھر احمد نزل کلان محل دہلی،

مولانا حالی کی پیدائش کی صد سالہ یادگار کے موقع پر ڈاکٹر صاحب نے یہ تقریر فرمائی تھی۔
جسے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے، آج کل کے انقلابی رجحانات اور ان کی تنگ نظری نے قوم و
وطن کی محبت اور خدمت کے معنی و مفہوم کو بہت محدود کر دیا، جو اس تحدید کی بنا پر ہمارے بعض وہ پرانے خدمتِ وطن
جنہوں نے سب سے پہلے حب وطن اور حب قوم کا سبق دیا، اس زمرہ سے خارج تصور کئے جاتے
ہیں، فاضل مقرر نے اس تقریر میں اس غلط فہمی کو دور کیا ہے، اور بتایا ہے کہ قوم اور وطن کی خدمت
محض انقلاب کا نعرہ لگا لینے کا نام نہیں ہے، اور اس کے مختلف پہلوؤں اور مختلف حیثیتوں کی
وضاحت کر کے مولانا کی خدمتِ وطن کی نوعیت اور اس کی قدر و قیمت دکھائی ہے، اور ان کے کلام سے ان کے
حُبِ وطن اور حب قوم کا ثبوت دیا ہے، بعض ایسی مثالیں بھی پیش کی ہیں جو خدمتِ وطن کے موجودہ معیار
پر بھی پوری اترتی ہیں، فاضل مقرر کی دوسری تقریروں کی طرح یہ تقریر بھی خیالات کے اعتدال و توازن اور
مکتہ داری کا نمونہ ہے،



جلد ۵۳ ماہِ بیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ماہِ مایح ۱۹۴۲ء عدد ۳

مضامین

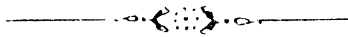
- شذرات ، شہ معین الدین احمد ندوی ، ۱۶۲-۱۶۴
- تنبیج ، سید سلیمان نہ وی ، ۱۶۵-۱۸۵
- اسلامی اور غریبی علم ، جناب غلام مصطفیٰ صاحب ایم کے ایلی بی ، ۱۸۷-۱۹۸
- کلام اقبال کی دقتیں اور ان کی تشریح کی ضرورت ، جناب انور سید سید احمد صاحب ایم کے ڈی ایچ پکچرز ، ۱۹۹-۲۱۰
- یونیورسٹی اور نیشنل کالج لاہور ، جناب یونیورسٹی اور نیشنل کالج لاہور ، ۲۱۱-۲۱۶
- انجمن ہاسے قرضہ بے سودی ، جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب یقینات فاضلہ ، ۲۱۶-۲۲۱
- طب فرشتہ ، جناب سید عبدالقادر صاحب ایم کے پرنٹرس ، ۲۱۶-۲۱۹
- اسلامیہ کالج ، جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی ، ۲۲۱-۲۲۲
- اردو کی دو قدیم کتابیں ، مولوی اقبال احمد خاں صاحب سہیل ، ۲۲۲-۲۲۵
- ”نویج کوثر“ ، ایم کے (علیگ) ایڈوکیٹ اعظم گڑھ ، ۲۲۵-۲۲۶
- السنلوۃ و السلام علی سید الانام ، جناب یحییٰ اعظمی ، ۲۲۶-۲۲۷
- مولوی ریاض حسن خاں صاحب خیال کا مکتوب بنام مولوی ریاض حسن خاں صاحب خیال ، ۲۲۷-۲۲۸
- نواب محمد اسحاق خاں صاحب حم سکریٹری محمد علی گڑھ
- مطبوعات بیدار ، ۲۳۶-۲۳۷
- ”م“

شہزاد

ہندوستان میں اسلام اور اسلامی کچر کی حفاظت کی مدعی تو بہت سی جماعتیں ہیں لیکن حقیقت اس کی حفاظت و پاسبانی کا اصلی فرض عربی مدارس ادا کرتے ہیں، اور آج ہندوستان میں دین و مذہب کا جو چرچا اور اسلامی کچر کے جو نقوش بھی باقی ہیں وہ انہی کی بدولت ہیں، اسلامی کچر کے حفاظتی قلعے مسلمانوں کے پر شکوہ ایوان نہیں بلکہ غریبوں کے یہی جھونپڑے ہیں، گو مسلمانوں کی غفلت سے ان مدارس کو دنیاوی فراغت و اعلیٰ نمان کے سامان بہت کم حاصل ہیں لیکن اس حالت میں بھی دین کی خدمت کا سرشار ان سچے خدمتگزاروں کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، اور وہ صبر و قناعت کے ساتھ برابر اپنا فرض ادا کرتے چلے جاتے ہیں،

ہندوستان میں اگرچہ مذہبی تعلیم کا رواج روز بروز کم ہوتا جاتا ہے لیکن خدا کو ایک جماعت سے دین کی حفاظت کا کام لینا منظور ہی اس لئے دینی تعلیم سے مسلمانوں کی غفلت کے باوجود الحمد للہ عربی مدارس کی کافی تعداد موجود ہے، ان سب کا مشترکہ مقصد دین اور دینی علوم کی خدمت ہے لیکن اس اتحاد و مقصد کے باوجود ان میں باہم کوئی تنظیم اور اشتراک عمل نہیں ہے جو تعلیمی اور دینی دونوں حیثیتوں سے ضروری ہو، عموماً ایک مدرسہ کے طلبہ، مدرسین اور منتظمین دوسرے مدارس سے کوئی ربط و علاقہ نہیں رکھتے، بلکہ ایک دوسرے کے حالات تک سے بے خبر ہوتے ہیں، جس سے ان میں اتحاد و یکانگیت کے بجائے اجنبیت اور دوری پیدا ہوتی ہے، اور وہ ایک دوسرے کے تجربات اور مفید مشوروں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے،

اگرچہ یہ مدارس اپنی اپنی جگہ پر خاموشی کے ساتھ تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں، لیکن ان کے ذمہ تنہا یہی فرض نہیں ہے، بلکہ ان پر اور بھی ذمہ داریاں ہیں، بہت سے مذہبی اور خود تعلیمی معاملات ایسے ہیں جن کے لئے باہمی صلاح و مشورہ اور اشتراک عمل کی ضرورت ہے، مذہبی اور تعلیمی ضروریات کے مطابق وقتاً فوقتاً انصاب اور طریقہ تعلیم میں تغیر و تبدل کی ضرورت پیش آتی ہے، حالات کے اقتضائے کے مطابق دین کی خدمت کے بعض پرانے طریقے بدلتے اور نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں، اُسے دن نئے نئے مذہبی اور مذہب سے قریبی علاقہ رکھنے والے سیاسی و معاشرتی مسائل پیش آتے رہتے ہیں جن کا حل ان مدارس کے ذمہ ہے، لیکن چونکہ ان میں باہم اشتراک عمل تعلیم کے علاوہ خدمت دین کا کوئی مشترک پروگرام اور تقسیم عمل نہیں ہے اس لئے مذکورہ بالا مسائل میں بعض اوقات ان کا طریقہ کار باہم مختلف بلکہ متضاد ہو جاتا ہے، جس سے ان میں بعد اور دوری بڑھتی ہے، ان حالات کے پیش نظر عربی مدارس کی تنظیم انہیں باہم اشتراک عمل کی بڑی ضرورت ہے،



مختلف مدارس کی انفرادی خصوصیات کی بنا پر ان کے ذوق اور طریقہ کار میں اختلاف ہونا ایک طبعی امر ہے جو ہر زمانہ میں موجود رہا ہے، بلکہ انفرادی طبعی رجحانات کی بنا پر خود ایک مدرسہ کے افراد کے ذوق اور طریقہ کار میں باہم اختلاف ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے، اس لئے نفس اختلاف مذاق کوئی خطرہ کی چیز نہیں بشرطیکہ وہ باہمی مخالفت کا ذریعہ نہ بنجائے، مدارس کی تنظیم اور اشتراک عمل سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ذوق اور طریقہ کار کے اختلاف کے باوجود ان میں اتحاد و یکجہانگت کا رشتہ قائم رہے گا، اور آپس کی بے تعلقی اور ایک دوسرے کے حالات کی بے خبری سے عموماً جو بے اعتمادی، درسی عصبیت اور جماعت بندی پیدا ہو جاتی ہے وہ نہ ہونے پائے گی، اور مدارس کی انفرادی خصوصیات اور ان کا اختلاف ذوق تفریق کا ذریعہ بننے کے بجائے خدمت دین میں تفریق اور تنوع کی شکل اختیار کرے گا۔

یہ مسئلہ ایک دوسرے پہلو سے بھی لائق توجہ ہے، یہ ظاہر ہے کہ کسی درس گاہ کے اثرات تعلیم ختم ہو جانے کے بعد بالکل خلیہ سے زائل نہیں ہو جاتے، بلکہ آئندہ زندگی میں بھی کسی نہ کسی حد تک باقی رہتے ہیں، انہی طلبہ میں سے کچھ لوگ آگے چل کر مسلمانوں کے رہنما بننے ہیں اور ان کی پبلک زندگی میں بھی ان اثرات کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے اگر وہ مدارس سے باہمی یکجہانگت اور اشتراک عمل کا سبق سیکھ کر نکلیں گے تو اس کے اچھے اثرات ان کی پبلک زندگی میں بھی ظاہر ہوں گے، جس کی اس زمانہ میں بڑی ضرورت ہے، اس کے علاوہ مسلمانوں کے اور بہت سے مفید کام، اس تنظیم و اشتراک عمل کے ذریعہ زیادہ بہتر طریقہ سے انجام پائے سکتے ہیں جو انفرادی کوششوں کے ذریعہ ممکن نہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کا اقتصادی زوال اور اس کے برے نتائج محتاج بیان نہیں، اصحاب فکر مسلمانوں نے بارہا اس صورت حال کی اصلاح کی کوشش کی اور اب بھی وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے، لیکن یہ کوششیں عموماً وعظ و پند اور تقریر و تحریر تک محدود ہوتی ہیں، اس لئے آج تک ان کا کوئی عملی نتیجہ نہ نکلا اور مسلمانوں کی اقتصادی حالت روز بروز گر گئی جاتی ہے، قوموں کی ترقی و تنزل میں ان کی اقتصادی حالت کو جو دخل ہے وہ اتنا ظاہر ہے کہ اس پر بحث و گفتگو کی ضرورت نہیں، اگر مسلمانوں کے اقتصادی زوال کی یہی حالت رہی تو وہ دن دور نہیں جب وہ زندگی کے ہر شعبہ میں دولت مند ہمایہ اقوام سے پیچھے رہ جائیں گے، بلکہ بہت سے شعبوں میں ہوجکے ہیں،

اس صورت حال کے پیش نظر اجازت فرما دوں کہ اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ کی جڑ اور اصحاب فکر مسلمانوں کو مسلمانان ہند کے اقتصادی زوال کے اسباب اور اس کے علاج پر اپنے صفحات میں اظہار خیال کی دعوت دیجئے، اور مضامین کے لئے چار انعام مقرر کئے ہیں، اس دعوت کے مفید ہونے میں شبہ نہیں، لیکن ایسے اہم مسائل میں محض تحریر کوشش کچھ زیادہ مفید نہیں ہوتی، جیسا کہ زمر نے ارادہ بھی ظاہر کیا ہے، ضرورت اس کی ہے کہ علی جمیع اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کی جائے، نظام اجتماعی کے ذریعہ اس کے عملی وسائل اختیار کیے جاسکتے ہیں، امید ہے کہ اصحاب فکر مسلمانوں میں یہ خواہش

مقالہ

قنوج

از

سید سلیمان ندوی

”چند سال ہوئے یہ مضمون میں نے ادارہ معارف اسلامیہ کے اجلاس دہلی میں پڑھنے کے لئے لکھا تھا، مگر میرا جاننا نہ ہوا، اور نہ مضمون ہی پورا ہو سکا، اب کچھ دن ہوئے کہ یہ پورا ہوا، اور انگریزی میں اسلامک کلچر کے اکتوبر ۱۹۴۳ء کے نمبر میں چھپا، اب ایڈیٹر صاحب اسلامک کلچر کی اجازت سے اردو میں شائع کیا جا رہا ہے۔“

”سید سلیمان ندوی“

بعض عرب سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں نے سندھ کے علاقہ میں ایک شہر کا نام قنوج بتایا ہے، ایک خیال تو یہ ہے کہ قنوج ایک ہی ہے جو اودھ میں موجودہ کپتور کے پاس، موجودہ فرخ آباد کے ضلع میں واقع ہے، اس کے علاوہ سندھ میں کوئی دوسرا قنوج نہ تھا، اور ان عرب جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں نے جنھوں نے سندھ میں کسی قنوج کا ذکر کیا ہو غلطی کی ہے، دوسرا خیال یہ ہے کہ ان جغرافیہ نویسوں نے سندھ میں ایک قنوج کا ذکر اس طرح متعین طور سے کئی دفعہ کیا ہے، کہ اس میں غلط بیانی کا گمان نہیں ہو سکتا،

ایلیٹ صاحب نے جب اُن عربی جغرافیوں کے اقتباسات انگریزی میں جمع کر دیئے ہیں جن میں سندھ

کے قنوج کا بھی ذکر ہے، ہندوستان کے یورپین مورخوں نے بھی اس کا کہیں کہیں ذکر کیا ہے، اور اُس وقت سے بحث ابھی ہوئی چلی آتی ہے، ونسنٹ اسمتھ صاحب نے بنگال ایشیاک سوسائٹی جنرل جولائی ۱۸۷۰ء میں قنوج کی تاریخ پر جو فاضلانہ مضمون لکھا ہے، اس میں بھی یہ غلط محبت موجود ہے، وہ فرق کے لئے سندھ کے شہر مذکور کا نام قنوج "بکسرقاٹ و تشدید نون اور اودھ کے قنوج کو بفتح قات و تخفیف نون لکھتے ہیں، بکری گزٹیر میں قنوج سندھ کے حالات جو عربوں نے لکھے ہیں، اور قنوج اودھ میں ملا دیئے گئے ہیں، راوی صاحب نے بنگال ایشیاک سوسائٹی جنرل ۱۸۹۲ء میں گزٹیر کی اس غلطی کی تصحیح کی ہے،

تاریخ ایٹ کے محشی پروفیسر ڈوسن صاحب اس غلطی کو سمجھتے تھے، مگر وہ اس کی یہ تک نہ پہنچ سکے، عرب ہند کے تعلقات لکھتے وقت میں بھی متردود تھا، اور اس وقت سے اب تک اس کی تحقیق میں لگا تھا، اتنی کاوش کے بعد اب حقیقت کی تصویر زیادہ صاف دکھائی دیتی ہے، اور یہی تصویر اب میں دوسروں کو دکھانا چاہتا ہوں، اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ عربی جغرافیہ اور تاریخوں کے ان سارے حوالوں کو جن میں قنوج کا نام آیا ہے، ترتیب سے ایک جگہ کر دوں،

۲۶۶ھ
اشتباہ کی بڑی وجہ ابو یزید سمرانی کا سفر نامہ ہے، جس نے تیسری صدی ہجری کے وسط میں یہ لکھا تھا

وقوم بظہر دین التھابیل دیدعون - اور کچھ ڈنٹ نظر بندی اور شہیدہ بازی کرتے
یفھا و ذلک بقنوج خاصۃ دھو - میں، اور اس میں نئی نئی باتیں کرتے ہیں، اور
بلد عظیمہ فی مملکتہ الجوز، (۱۳) - یہ فن خاص طور سے قنوج میں ہے، جو جزیرہ کی

اس نے قنوج کو جزیرہ قرار دیا ہے، جزیرہ کوئی ملک نہ تھا، یہ کتاب ۱۱۸۱ء میں پیرس میں فرخ نچہ کے ساتھ چھپی ہے، اڈیٹرنے اس کی دوسری قرأت "جزرہ" کی ہے، اور جزرہ کے بادشاہ کا نام بار بار اس کتاب میں آیا ہے، اس سے اصرار دھیان گیا کہ یہ جزیرہ بھی جزرہ ہے، اور اس سے مراد صوبہ گجرات ہے،

پھر بشاردی مقدسی نے ۳۵۰ھ میں اپنے سفر نامہ احسن التعمیم فی معرفۃ الاقالیم میں سندھ کے

سلسلہ میں فتوح کا نام لیا ہے، اور اس کی کیفیت لکھی ہے، اور بتایا ہے کہ اب اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ یہاں جامع مسجد ہے، اور گوشت سست بکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وصف اودھ کے فتوح پر صادق نہیں آتا، اس لئے خیال ہوا کہ یہ فتوح نام کا دوسرا شہر تھا، جو سندھ میں واقع تھا، پھر چونکہ فتوح کا ذکر محمد بن قاسم کے حملہ سندھ کے سلسلہ میں بھی ۹۶ھ میں چچ نامہ میں آیا ہے، خیال ہوتا تھا کہ محمد بن قاسم کی نظر اس اودھ کے فتوح تک کہاں پہنچ گئی ہوگی، جو سیکڑوں میل سندھ سے دور تھا، اس لئے اس سے مقصود فتوح نام سندھ ہی کی کوئی چھوٹی موٹی ریاست ہوگی لیکن پوری تحقیق اور فکر و تلاش نے اب حقیقت کا پردہ چاک کر دیا ہے، علی بن حاد بن ابی بلر کوئی کی فتوح السند میں جس کے فارسی ترجمہ کا مشہور نام چچ نامہ (۹۱۳ھ) کئی جگہ فتوح کا نام آیا ہے، فتوح السند کی تالیف کی تاریخ نہیں معلوم ہے، لیکن اس کا یہ فارسی ترجمہ سلطان ایتیش کے حریف و ہمسایہ قباچہ والی سندھ کے زمانہ میں ۱۳۶ھ میں کیا گیا ہے، ابھی تک گو اس کی عربی اصل اہل علم کو نہیں مل سکی ہے، لیکن اس کے طرزِ تحریر اور سلسلہ روایت اور عربی اشعار سے یہ بات ثابت ہے کہ اصل کتاب پرانے زمانہ میں عربی میں لکھی گئی تھی، مترجم کو یہ عربی کتاب اچھ کے قاضی اسماعیل بن علی بن موہبی ثقفی کے کتب خانہ میں ملی تھی، اس قسم کی فتوحات کی کتابیں عرب مصنفوں نے تیسری صدی ہجری یعنی نویں صدی عیسوی کے اوسط میں لکھی ہیں، چنانچہ فتوح البلدان کا مصنف احمد بلاذری بھی اسی زمانہ میں تھا، اس نے ۲۹۹ھ میں وفات پائی ہے،

چچ نامہ میں فتوح کا نام تین دفعہ آیا ہے، پہلی دفعہ اس وقت آیا ہے جب سندھ میں چچ اور اس کے حریف اکہم میں لڑائی ہوتی ہے، اور اکہم شکست کھا کر اسے فتوح سے مدد طلب کرتا ہے،

”و در آن وقت ملک ہندوستان یعنی کنوج، سیار بن راے بدل راے بود اکہم

فوشما در ستاد و از دے مدد خواست۔“

اس عبارت میں ہندوستان کی تعمیر کنوج سے کی گئی ہے، یعنی کنوج کے راجہ کو ہندوستان کا راجہ کہا گیا ہے، اس کے بعد سیوستان کا راجہ بھاگ کر قنوج کے راجہ کے پاس جاتا ہے،

”پس متہ ملک سیوستان نیز ویک شاہ کنوج رفتہ بود و در آن عہد ملک ہندوستان بارانسی بود“

و کنوج در تحت فرمان سیہرس بن راسل بود“ (تاریخ نامہ قلمی ص ۲۳)

بارانسی بنارس اور کنوج قنوج ہے، جس سے اس سلطنت کے مرکزی شہر معلوم ہونگے،

اس کے بعد وہ وقت آتا ہے جب ۹۲ھ میں محمد بن قاسم ثقفی سندھ کو فتح کر کے قنوج کی طرف توجہ کرتا ہے :-

”پس ابو حکیم شیبانی را بادہ ہزار سوار بقنوج فرستاد تا مثال دارا خلافت بدعت اسلام و مال و خزانہ بیت المال بر دے عرض دارد، و باوے بیت کند و خود با لشکر بزرگ کشمیر کہ پنج ماہیات گوئند موضع کی کہ پدر و اسرچ سیلاچ درخت صنوبر یعنی بیدرا نہال کوڑہ بود، دواع نمودہ بود و آنجا رسید، و آن حد را تجدید تعین کردند، اسے قنوج در آن وقت جلیل را بود چون لشکر باورد و با بر رسید، ابو حکیم شیبانی بفرمود تا زید بن عمرو الکلابی را بیاوردند، پس گفت اسے زید ترا بر سائے ہر چند جلیل باید رفت و فرمان مطاوعت اسلام بدیشان رسانید و گفت کہ از دریاے محیطا تا حد کشمیر ہر راے و ملک کہ ہست تحت اقدار و تمکین اسلام شد و امیر عماد الدین (محمد بن قاسم) را کہ لشکر کش عرب و قہر کنندہ کفار است مطاوعت نمودند، و بیضے در بقعہ اسلام آندہ، و باقی بر خود مال معین کردند تا بخراندہ دارا خلافت تسلیم کنند، اسے ہر چند گفت و جوا داد کہ این ولایت قریب یک ہزار و شش صد سال است کہ در ضبط و تصرف ما راست، و در ایالت فرمان ما بیچ مخالفہ نازہرہ نمودہ است کہ در ذیل حدود ما را سپردے و با پیر امن و فصاحت مانگئے، و دست تصرف و تعریض در مملکت ما زدے، و از شما ما را چہ نیسب کہ این

مقالات و محالات کہ در خاطر می اندیشی (صل)

اس عبارت میں پنج امیات کی ماہیت، ایٹ کے خیال میں پنج مارینی پنج آب ہے، جس کو عربوں نے عموماً سرحد کشمیر قرار دیا ہے،

ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ قنوج کی ایک مستقل مضبوط سلطنت تھی جو سندھ سے باہر ہندوستان میں تھی لیکن دونوں کی سرحدیں پنجاب میں ملتی تھیں، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ محمد بن قاسم تقی کے حملہ کے پہلے ہی سے ان دونوں سلطنتوں میں فوجی امداد و اعانت کے مراسم قائم تھے، یعنی سندھ کے راجہ، قنوج کے آج سے لگ بھگ مائٹھا کرتے تھے، اس پہلو کو سامنے رکھ کر قنوج کی طرف محمد بن قاسم کی پیش قدمی کا مسد صاف ہو جاتا ہے

سفرنامہ ابو زید سیرانی موجود ہے،

| | |
|--------------------------------|--|
| دللہند عباد و اهل علم و بصيرة | اور ہندوستان کے عابدین اور علم والوں |
| بالبراہمۃ و شعراء یخشون الملوك | کو برہمن کہتے ہیں، اور ہندوستان میں شاعر |
| و منجمون و فلاسفۃ و کھتان | ہیں، جو راجاؤں کے دربار میں رہتے ہیں، |
| واهل زجر للخریان و غیرها و | اور نجوم اور فلسفی اور کاہن، اور کوکون وغیرہ |
| بھاسمخ و قوم یظہرون الخلیل | سے فال لگانے والے اور اس میں جادوگر |
| وید ہون فیہ و ذلک بقنوج | ہیں اور کچھ ایسے لوگ ہیں جو نظر بندی |
| خاصۃ و ہولاء عظیم فی مملکتہ | شعبہ بازی کرتے ہیں، اور اس میں نیئی |
| الجوز | باتیں پیدا کرتے ہیں اور یہ فن قنوج میں |
| (ص ۲۰، پیرس) | خاص کر ہے، جو جوز کی سلطنت میں بڑا شہر، |

اس کے بعد وہ عبارت آتی ہے، جو غلط فہمی کا سبب بڑا ہے، یہ شامی سیاح بشاری مقدسی کا بیان ہے، یہ ۱۰۰۰ھ میں ملتان اور سندھ آیا تھا، اس لئے اپنے سفر نامہ میں جس کا نام احسن التقاہیم

فی معرفۃ الاقالیم ہے، قنوج کا ذکر چار جگہ کیا ہے، اور ہر جگہ نیا مغلطہ پیدا کیا ہے، سب سے پہلے "قلم السند" کو پانچ پڑے صوبوں میں بانٹا ہے، اور اسی کے ساتھ مکران کا ایک نام اور بڑھا کر چھ کر دیا ہے، کتا ہے،

فاولہامن قبل کرمان مکران تھو سندھ کا آغاز کرمان کی طرف سے مکران

طوران تھو السند تھو ویہند ہے، پھر طوران، پھر سندھ، پھر ویندا

تھ قنوج تھ ملتان (ص ۴۲، ۴۳ لائن)

شیراز میں ایک عالم سے جس نے ہندوستان کی سیاحت کی تھی، وہ ملا تھا، اوس کی زبانی یہ بیان نقل کرتا ہے :-

وَأَمَّا قَنُوجُ فَانْهَاقَصْبَةُ أَيْضًا لِيَكُنْ قَنُوجٌ تَوْوَهُ يَأِيَّ تَحْتَ هـ

وَمِنْ مَدَنِيَّاتِ قَدَارٍ، اَبَار لِهَارِہ، اور اوس کے شہروں میں سے قدار

بارد، وجین، اورھت، زھوھر ابار، لہارہ، بارد، وجین، اورھت، زھوھر

جوھیر دا، (ص ۴۴)

ویندا اور ملتان کے بیچ میں قنوج کی نسبت یہ لفاظی کرتا ہے:

قَنُوجُ قَصْبَةُ كَبِيرَةٌ لِهَارِ بَضْبَتِہ قنوج بڑا شہر ہے، اوس میں حصار کی

بہا لحوہ کثیرہ و میا غزیرہ و چار دیواری ہے، وہاں گوشت بہت پانی

بساتین محیطہ و وجوہ حسنہ و بہت، باغ شہر کے ارد گرد، خوبصورت لوگ

ماء صیح و بلد فیح، متجرب و پانی اچھا، شہر کشادہ، تجارت نفع بخش،

وکل صیح، و موزر خیس الا ہر چیز اچھی، کیلے بستے، لیکن وہاں آگ بہت

انہا کثیرہ الحریق قلیلۃ الدقیق لگا کر قی، آنا کم پیدا ہوتا ہے، اونکی

لے کیا لہا دینی لاہور؟ لے کیا امین؟

اکلھو اکا در لبھرا لاد، بناء
خو راک چاول، اور لباس دھوتی ہے،
خسیس، وصیف بغیض، منہا الی
مکان بہت معمولی، اور گرمی بہت سخت
الجال اربعۃ فراسخ والجامع فی
شہر سے پہاڑ تک، چار فرسنگ، اور جامع
الربض رخیصۃ المحور والنہر تجلّل البلد اکثر
مسجد شہر پناہ کے اندر ہے..... دریا شہر کے اندر
طعاہ المسلمین الحنطۃ ربھا
سے بہتا ہے، اور مسلمانوں کی خوراک گیون
عُصَاءَ وَاجَلَّتْ، (ص ۸۰۰)
ہے، اور وہاں علماء اور اکابرین،

اس کے بعد قنوج کے متعلق اس کا آخری بیان یہ ہے :-

والغلبۃ بقنوج و بوجیند للکفار
اور غلبہ قنوج اور وجیند میں ہندوؤں
وَالْمُسْلِمِينَ سُلْطَانٌ عَلَىٰ حَدَا،
کو ہے، اور مسلمانوں کا ایک حاکم الگ ہے

وجیند کے متعلق یقینی طور سے معلوم ہے کہ وہ قندھار اور دریا سے سندھ کے بیچ میں پیشا ور سے تین
منزل جنوب میں واقع تھا، اور ایک سلطنت کی مستقل راجدھانی تھی، سلطان محمود نے ۳۹۲ھ میں پیشا ور
لے لینے کے بعد اس کو فتح کیا تھا، (گردیزی ص ۶۶ برلن) بشاری نے وجیند کے بعد قنوج کو جگہ دی جو گمراہ
سے قصور و شہر قنوج نہیں بلکہ قنوج کی سلطنت ہے، جس کے کنارے پنجاب، سندھ اور مالوہ تک پھیلے تھے، قنوج
کے اندر جن شہروں کے نام شیراز کے ایک ستیا ح نے بشاری کو بتائے تھے، ان میں ایک شہر کی صورت
توصاف ہے، یعنی وجین جو ہمارا اوجین (مالوہ) ہے، دوسرے شہر کی صورت کچھ دھندلی سی ہے، اور د
اددھہ ہے، میرے خیال میں سر کی جگہ یہ دہے، یعنی اوددھہ ہے، یعنی اجودھیا یا ایدو دھیا جس کو
مسلمانوں نے اوددھ بنا لیا تھا،

مشکلات کو حل کرنے کے لئے ایک بات صاف کر لینی چاہئے، پُرانے ہندوستان میں راجدھانیوں کو
بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اور دائرہ حکومت یا حدود سلطنت کے نام یا تو راجدھانیوں کے نام بعینہ

رکھے اور پکارے گئے ہیں، یا اودن کے حکمران خاندانوں کے نام پر ان کے نام رکھے گئے ہیں، ان کی مثالیں پھر تاریخوں میں بھی ملتی ہیں، اور اب بھی تمام ریاستوں کے ناموں میں یہی طریقہ رائج ہے، اور مدراس، بمبئی، اور بہار کی مثالیں انگریزی علاقوں میں پائی جاتی ہیں،

ایک بات اور ذہن میں رہنے بشاری بڑا محتاط سیاح ہے، اوس نے اپنا سفر نامہ بڑی احتیاط سے لکھا ہے، اس کی احتیاط ہی کا نتیجہ یہ ہے کہ اوس نے ہندوستان کے حال میں صاف صاف لکھ دیا ہے کہ باوجود لوگوں سے تحقیق اور دریافت کے میں ہندوستان کے وصف میں صحت کی ذمہ داری نہیں لیتا، کہتا

| | |
|----------------------------------|--|
| ومح هذا خلاص من وصفه | باوجود اس کے کہ میں ہندوستان کے بیان |
| ما اخذ من غير ولا اصف لا | کی وہ ذمہ داری نہیں لیتا جو اس کے علاوہ |
| امصار ولا استقصى في حصر | دوسرے ملکوں کی لیتا ہوں، اور میں صرف ا |
| لصادر ولا كفى بالسرء كذا بان يحد | شہروں کا حال بیان کرتا ہوں اور اس کی |
| بكل ما سمع ولقول صلح وليس | ساری تشریح نہیں کرتا، کیونکہ حدیث میں |
| الخبر كالمعانيمة ولو لا خشية | ہے کہ انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ کافی |
| ان يخل هذا الاصل ويبقى | ہے کہ جو کچھ سننے وہ بیان کر دے، اور اس |
| من الاسلا مرصد ولا عرضنا | کہ سننا دیکھنے کے مانند نہیں، اگر مجھے یہ ڈر |
| من الكلاه فدية | نہ ہوتا کہ یہ اصل یعنی کہ اسلامی ملکوں میں |
| (ص ۵، ۴) | کسی کا حال چھوٹے نہ پائے ٹوٹ جائیگی تو |

میں ہندوستان کا بیان چھوڑ دیتا

اس ملک کے جغرافیہ بیان کے متعلق اوس نے تصریح کی ہے کہ اسکو اصطخری فارسی کے جغرافیہ سے نقل کیا ہے، یا دوسرے سیاحوں سے سُن کر اور پوچھ کر لکھا ہے، اس لئے قنوج کی جاے وقوع کی نسبت اوس کا بیان اعتبار سے خارج ہے،

مگر آنا صحیح ہے کہ تیسری صدی کے خاتمہ پر عرب جہاز رانوں کے کانون تک قنوج کا نام پہنچ چکا تھا، بزرگ بن شہر یار ناخدا جو تیسری صدی کے خاتمہ پر تھا، قنوج کا نام لیتا ہے، اور ایک عرب سیاح کی زبانی بیان کرتا ہے :-

ان بقنوج من بلد ان الهند من ہندوستان کے شہروں میں قنوج میں
 تاخذ الفوفلة بين شفر يها فتكسر ايسے لوگ ہن جو ڈلی کو اپنے دونوں
 قطعاً من شد لا ما تضغطها میں لے کر اس زور سے دباتے ہن کہ
 (عجائب الهند ص ۶) وہ ٹوٹ جاتی ہے،

سنہ ۳۳۰ میں مسعودی ہندوستان آیا، اس نے گویہ غلطی کی ہے کہ قنوج کے راجہ کوسندھ کے بادشاہوں میں شمار کیا ہے، مگر اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں قنوج کی سلطنت سندھ تک تھی، اس لیے قنوج کے راجہ کوسندھ کے راجاؤں میں شمار کیا ہے، اس ایک بات کے علاوہ مسعودی کا سارا بیان بہت کچھ غلط فہمیوں کو دور کرنے والا ہے،

مسعودی نے قنوج کا ذکر تین موقعوں پر کیا، پہلے باب، صفحہ ۷۸، امین ہے۔

وناديه (بلہر) من ملوک اور ولہر داسے کا حریف ہندوستانی
 الهند من لا بحر له بؤور حصا راجاؤں میں سے جس کے پاس سمندر نہیں
 مدينة لقنوج وهذا الاسم ممة بورہ قنوج کا راجہ ہے، اور یہ بورہ لقب
 لكل ملث يلى هذا المملكتہ ہر اس راجہ کا ہوتا ہے جو اس ملک پر راج
 ولعجوش مرتبة على الشمال و کرتا ہے، اور اسکی فوجیں، اتروکھن، پورب،
 الجنوب الصبا والد بورکانه من كل جنہ اور عجم ہر رخ پر رہتی ہیں، کیونکہ ہر رخ پر
 من هذا الوجه ليقال ملك محارب (طبع لايد) اس کے اوس سے کوئی نہ کوئی لڑنے والا ہے

یہ بورہ عجیبین کہ بھوج راے کا عربی تلفظ ہو جو قنوج کے مشہور راجہ بھوج راے کے بعد بیان کے راجاؤں کا موروثی لقب قرار پا گیا تھا،

اس کے بعد مسعودی (ص ۲، ۳ جلد اول لائبرٹن) قنوج کا دوبارہ ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے:

ملک قنوج من ملوک السند بؤرہ سندھ کے راجاؤں میں سے ایک قنوج کا

ہذا اسم کل ملک یلی القنوج راجہ بورہ ہے، اور یہ بورہ ہراوس راجہ

دھنا مدینتہ یقال لہا بؤرہ کا لقب ہے جو قنوج پر راج کرے، اور یہاں

باسم ملوک کھو، وقد صارت الیوم ایک شہر بھی اسی کے نام سے ہے جس کا نام

فی حینہ السلام ودھی من اعمال بورہ وہاں کے راجاؤں کے نام سے ہے، اور وہ

المولتان ومن ہذا الحمدینتہ آج کل اسلام کی حکومت میں داخل ہے

یخرج احد الانہار الی اذا اور وہ ملتان کے علاقوں میں شامل ہے

اجمعت کانت نھر مہراں اور اسی شہر سے اون دریاؤں میں سے

السند ایک دریا نکلتا ہے جن کے مل جانے سے

..... وبؤرہ ہذا الذی ہو دریاے سندھ بنتا ہے،

ملک القنوج هو ضد البھری اور یہ بورہ جو قنوج کا راجہ ہے وہ ہندوستان

ملک الہند، کے راجہ بھرا کا مخالف ہے،

مسعودی کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ قنوج کی سلطنت سندھ سے ملتی تھی، اور سندھ کا علاقہ مسعودی

کے بیان کے مطابق کشمیر سے ملا ہوا تھا، (ص ۳، ۴) گویا پنجاب کا علاقہ بھی سندھ ہی میں شمار ہوتا تھا، آ

وہ کہتا ہے کہ یہاں بینی سندھ کے پاس اس راجہ کے نام بھوج راے کے نام سے ایک شہر بھی آباد تھا یعنی

اوس کا نام بھی بھوج راے ہے، اور یہ اُن پانچ دریاؤں میں سے کسی ایک کے دہانہ پر واقع ہے، جن سے مل کر

دریائے سندھ بنتا ہے، ان پانچ دریاؤں میں سے ہر ایک دریا موجودہ پنجاب میں ملتا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ وہ موجودہ پنجاب میں دریائے ستلج کے کنارہ جو ہندوستان خاص اور پنجاب کی طبعی سرحد ہے کہیں بہتا ہوگا اور وہ بھوج راے یا قنوج کی سلطنت کا اس سمت میں آخری شہر ہوگا، اور اس لئے وہ حکمران خاندان کے نام پر بھوج راے اور راجدھانی کی حکومت کی نسبت سے قنوج کہلاتا ہوگا، جیسے آج بھی حیدرآباد، میسور، بڑودہ، بھوپال، رامپور وغیرہ ہمارے ہندوستانی ریاستوں کا ہر شہر اس کے والی یا اوس کے پاتیتخت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس سے بشاری مقدسی کے اس بیان کی شکل کہ سندھ کے شہروں میں سے ایک کا نام قنوج ہے، حل ہو جاتی ہے، اور قنوج میں مسلمانوں کی آبادی، جامع مسجد اور گوشت کی کثرت کی توجیہ بھی ہو جاتی ہے، کیونکہ مسعودی کے بیان کے مطابق سنہ ۱۱۷ میں یہ شہر ملتان کی اسلامی عمل دار سیمن داخل ہو چکا تھا،

مسعودی کے دوسرے بیان سے ہمارا خیال اور زیادہ صاف ہو جاتا ہے، وہ قنوج کی سرحدوں

کا حال یہ بتاتا ہے،

| | |
|-------------------------------------|--|
| فاما مملکتہ بومریلا هو مملکت القنوج | لیکن پورہ کا راج اور وہ قنوج کا راجہ ہے |
| فان مسافۃ مملکتہ نحو من عشرين | تو اس کے راج کی وسعت ایک سو بیس فرسنگ |
| ومائۃ فرسنگ فی مثلھا قرا سنج سنۃ | لمبائی میں اور اتنی ہی چوڑائی میں سندھی |
| الفرسنگ ثمانیۃ امیال بھذا الحیل | فرسنگ سے، ایک فرسنگ اس میل سے ۸ |
| وهذا الملت الذی قد مناذ کرا | میل کے برابر ہے، اور یہ راج جس کا میں پہلے بھی |
| فیما سلف ان کہ جیوشا اربعۃ | ذکر کر چکا ہوں کہ اس کی چار فوجیں ہوں گے |
| علی مہاب الریاح الاربع کل جیش | چاروں رخ پر ہیں، ہر فوج کی تعداد سات |
| سبع مائۃ الف وقیل تسع مائۃ الف | لاکھ اور کچھ ہیں کہ و لاکھ ہے، تو وہ ان کی |

فیخادرب بمبیش الشمال صاحب فوج سے تان کا امیر اور جو اس کے ساتھ
 المولتان ومن معه فی ذلک الثغر اس سرحد میں مسلمان ہیں، ان سے لڑتا ہو،
 من المسلمین، و یخادرب بمبیش الجنو اور دکن کے لشکر سے دلہہ راسے مان کھیڑ
 البلیہی ملک المانیکور وبالجبوش کے راجہ سے مقابلہ کرتا ہے، اور باقی فوج
 الباقیہ من یبقا من کل وجہ من سے جس طرف سے کوئی حملہ آوے، اس کا
 السلوک و یقال ان ملکہ یحیط فی سامنا کرتا ہے، اور کہتے ہیں، کہ اس کی سلطنت
 مقدار ما ذکرنا من المسافۃ من کی اس وسعت میں جس کا ذکر میں نے کیا،
 المدن والقری والضیاع ماید کہ شہر، گاؤں، دیہات کی تعداد جو گنتی میں آئی
 الاحصاء والحد والفت وثمانیۃ ہے، اٹھارہ لاکھ ہے، درختوں کے جھنڈ
 الف قریۃ بین اشجار وانہا رجبال اور دریاؤں اور پہاڑوں اور سرسبز
 دھروج، (ص ۴۳، ۴۴) میدانون کے درمیان،

بلکہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ شمالی گجرات کا اٹھیا وار کا راجہ ولہہ راسے ہے، اور مانیکور جو کبھی مانگڑ تھا جاتا
 تھا، اب مان کھیڑ ہے، جو ولہہ راسے کی راجدھانی تھی، اور جو موجودہ پونہ کے قریب تھا، اب عرب سیاحوں کے
 تنوچ راج کی دوحیدین معلوم ہو گئیں، یعنی اتر کی سمت میں وہ ملتان کی حکومت سے مل جاتا تھا، اور دکن
 میں ولہہ راسے کی سلطنت سے، اور اس کی وسعت میں اٹھارہ لاکھ شہر اور دیہات آباد تھے، جن میں جنگلون
 پہاڑوں، دریاؤں اور سرسبز میدانون کے سلسلے تھے،

ابن حوقل بغدادی اسی زمانہ کا مشہور سیاح ہے، اس نے ۳۳۱ھ میں بغداد سے اپنا سفر
 شروع کیا، اور ہندوستان آیا، اس نے اپنی کتاب میں چار دفعہ تنوچ کا نام لیا ہے، ص ۴۴ و ۴۵
 ص ۲۲، ۲۳ و ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱

عرب سیاحون اور جغرافیہ نویسوں میں یہی سب سے پہلا شخص ہے جس نے قنوج کو مملکت ہند کا پایہ تخت بتایا ہے، ص ۱۴ اور ص ۱۶ میں اوس نے ہندوستان کی لمبائی اور چوڑائی لکھی ہے، اور بتایا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین کی لمبائی مکران (بلوچستان) سے شروع ہو کر منصورہ (سندھ) اور سندھ ہوتے ہوئے قنوج تک، اور پھر اس سے آگے بڑھ کر تبت تک چار ہینوں کا راستہ ہے، (ص ۱۶)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ شہر قنوج مکران یعنی بلوچستان سے تبت اور کوہ ہمالیہ کی سمت میں کئی ہینوں کے راستہ پر واقع تھا، اور ظاہر ہے کہ یہ شہر سندھ کے اندر نہیں تھا، بلکہ وہ لامحالہ وہی قنوج تھا، جسکو ہم اب بھی قریب قریب اسی مسافت پر جانتے اور پہچانتے ہیں،

ابن حوقل صفحہ ۲۲ میں تیسری دفعہ قنوج کا نام لیتا ہے، اور کہتا ہے کہ

وہذا مدن الهند التي عرفها اور یہ ہندوستان کے وہ شہر ہیں جن کو میں نے
دیکھا بواطن و اماکن کفرزان و جانا، اور اس کے اور اندرونی مقامات ہیں،
قنوج فی السواد و وہی کلاسطہ دشت جیسے فرزان اور قنوج جنگلون اور صحراؤں
فی اقطار نائیث و اماکن سحیقة میں اور وہ لمطہ کی طرح اور بڑے بڑے دو
لا یحصل الیہاء تاجر الا من اہلھا اطراف اور بعید مقامات ہیں جہاں وہاں
لا نقطاء عیضا و کثرۃ الآفات المقطعة کے باشندوں کے سوا کوئی تاجر نہیں پہنچ سکتا
لقاعدھا، کہ وہاں کے جانے والوں کو بڑی بڑی آفتوں

اس سے معلوم ہوا کہ قنوج سندھ سے آئی دور جنگلون اور صحراؤں میں ہو کر واقع تھا کہ مسلمان تاجر

وہاں تک پہنچ نہیں سکتا تھا،

ابن حوقل نے ص ۲۸۶ پر آخری دفعہ قنوج کا ذکر کیا ہے،

اصطخری ص ۳۳ میں ہندوستان آیا تھا، اوس نے اپنی کتاب مسالک الممالک میں اپنے پشروں

اور سمجھو ان کی فیاضی سے فائدہ اٹھایا ہے، اوس نے قنوج کا بیان تقریباً ابن حوقل سے لیا ہے، چنانچہ قنوج کا نام دو دفعہ لیا ہے، ایک دفعہ وہ دنیا کی سلطنتوں کے مشہور دارالسلطنتوں کے سلسلہ میں لکھا ہے :-

ومملكة الهند منسوبة الى الملك
اور ہندوستان کی سلطنت اوس راجہ کی
الحقیر یقنوج، (ص ۹ لایڈن) طرف منسوب ہے جو قنوج میں رہتا ہے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں قنوج راج کی اہمیت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ مملکت ہند کا پائے تخت اکیلے اسی کو بتایا جا رہا ہے، آگے بڑھ کر مصنف دنیا کے ملکوں کی مسافت اور پھیلاؤ کا حال لکھتا ہے، اس سلسلہ میں ہندوستان کا نام لیکر لکھتا ہے :-

واما ارض الهند فان طولها من
لیکن ہندوستان کا ملک تو اوس کا طول
عمل مکوان فی ارض المنصورة و
منصورہ اور بدہ اور باقی سرزمین سندھ میں
البدھتہ وسائر بلاد السند الی
مکران کی عماری سے شروع ہو کر قنوج پر
ان تنتھی الی قنوج ثم تجوز الی
ختم ہوتا ہے، پھر اوس سے آگے بڑھ کر
ارض التبت نحو من اربعة اشهر
تبت تک چار مہینوں کی راہ ہے، اور اس
وعرضها من بحر فارس علی ارض
کا عرض بحر فارس سے قنوج کے ملک تک
قنوج نحو من ثلثة اشهر، (ص ۱۱) تین مہینوں کی راہ،

یہ وہی ابن حوقل کی آواز باز گشت ہے، اور اوس نے بھی قنوج کی مسافت وہی لکھی ہے،

۳۳۳ میں گورگانان واقع ترکستان قریب فاریاب میں بیٹھ کر ایک مصنف نے حد ود العالم من الشرق الی المغرب کے نام سے فارسی میں دنیا کا ایک جزائیہ لکھا تھا، ۳۳۳ میں یہ کتاب بین گراڈوس میں چھاپی گئی تھی ۳۳۵ میں طرین دوبارہ چھپی، یہ نسخہ میرے پیش نظر ہے، اس میں صوبہ سرحد اور پنجاب کے شہروں کے متعلق بعض معلومات بالکل نئے ہیں، مصنف کا نام گو معلوم نہیں، مگر چونکہ ترکستان اور ہندوستان کی تجارتی

آمد و رفت برابر قائم تھی، اس لئے یہ معلومات تاجروں کی زبانی مضیف کو حاصل ہوئے ہوں گے،

میرے علم میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں لاہور اور جالندھر کا نام آیا ہے، اور قنوج کے متعلق بھی بعض نئی بیانات اس میں پائے جاتے ہیں، گجرات اور کاٹھیاوار کے شہروں کے نام لے کر کہتا ہے :-
 ”واذہرین ہمہ یادشاہ بہراست واذہس این پادشاہ قنوج است.....“

توق ج شہرے بزرگ است و متقدراے توق است... و بشیر از ملوک ہند طاعت او دارند، و این
راے ہتر از خوشی کس را نہ بند و گویند کہ او را صد و پنجاہ ہزار سوار است، و ہشت صد پیل کہ برو
حرب بر نشند، (ص ۴۳)

میرد ہمہ کمر سے کہ اندر سایہ او با شد خوشن بکشند و پاوشاہ این شہر بخت نشیند و ہر جا کہ رود
 آن تخت را بر کتھما ہی بر بندہ مروتنا آنجا کہ او خواہد میان این شہر و بت مقداد پنج روزہ راہ است
 اندر عقبہ مائے سخت، ہتال، احتیت بہ نزدیکی قنوج میان شان کو بہیت عظیم و ناحیہ خرد است و
 لکن مردمان جنگی و مبارزہ و پاوشاہے اولو ملک اطرافت و میان رائے قنوج دشمنیت

در ہند (دہند؟) شہرے بزرگ ست و پاوشاہے دے حیال (حیال) است دین حیال
 طاعت رائے قنوج است و اندر و مسلمان اندازدک، و بہاڑہاے ہندوستان بیشتر بدین حیات
 افتد از مشک و گوہر و جامہاے باقیقت، قشیر شہرے بزرگ ست بانفت بازرگان بسیار و
 پاوشاہے دے رائے قنوج راست، و اندر دے تھانہاے بسیار است کہ ہندوان آنجا بزیارت آتند

(از صفحہ ۳۴ تا ۴۴۔ حدود العالم، طران)

حدود العالم کی ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں یعنی ۱۳۰۰ء میں قنوج کی
 حکومت دکن کی طرف و بھہ رائے کی حدود حکومت سے جا کر ملتی تھی، اور اتر طرف پنجاب کے شہر جاندھر
 سے گزرا لاہور سے کترا کر کشمیر اور موجودہ سرحدی شہروں تک پہنچ کر دہند پر جا کر ختم ہوتی تھی، لاہور کا
 ہندو راجہ اس زمانہ میں ملتان کے مسلمان امیر کا ماتحت تھا، غرض قنوج اور سندھ کی سرحدیں پنجاب میں
 آکر مل جاتی تھیں، اس کے علاوہ کوئی دوسرا قنوج نہ تھا، اور اس کے جس مقدس دریا کا ذکر ہے وہ
 یقیناً لگگا ہے جس کے ساحل پر قنوج آباد تھا،

مصر کے فاطمی وزیر مہدی نے تقریباً ۱۳۰۰ء میں جغرافیہ کی کتاب "غزیری" لکھی ہے، اور چونکہ اس

زمانہ میں سندھ کی ریاستیں مصری فاطمیوں کی نگرانی میں داخل ہو چکی تھیں، اور مصر اور سندھ کے درمیان برابر سفیر آتے جاتے رہتے تھے، اس لئے اس کو تنوج کی پوری واقفیت تھی، وہ کہتا ہے :-

”تنوج ہندوستان کے دور ترین شہروں میں ہے، اتمان کے پورب ہے اتمان اور تنوج کے بیچ
میں دو سو بیاسی فرسنگ کی مسافت ہے، اور وہ ہندوستان کا پانچواں درجے کا شہر ہے، لوگوں
نے اس کا حال بیان کرنے میں بہت مبالغہ سے کام لیا ہے، کہتے ہیں کہ اس میں جوہریوں کے تین
بازار ہیں، اور اس کے راجہ کے قبضہ میں ڈھائی ہزار ہاتھی ہیں، ان میں سونے کی کانیں بھی ہیں۔“

اب اس کے بعد غزنوی دور شروع ہو جاتا ہے، اور سیکٹیکن اور چچ محمد غزنوی کے حملے ہندوستان
پر پے درپے ہونے لگتے ہیں، اس سلسلہ میں تنوج نام کا کوئی شہر پنجاب یا سندھ کے علاقہ میں نہیں آتا، اور نہ اس
کوئی ذکر کسی طرح ہوتا ہے، البتہ ادھ کے مشہور تنوج کا نام بار بار آتا ہے، یہاں تک کہ سلسلہ میں محمود
اوس کو فتح کر لیتا ہے، اور یحییٰ البیرونی نے جو سلطان محمود کا معاصر تھا، کتاب الهند میں تنوج کا ذکر بار بار
کیا ہے، مگر اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ تنوج سے کون شہر مقصود ہے، اور وہ کہاں تھا،
صفحہ ۱۱۱ میں محمد بن قاسم والے تنوج کا نام وہ اس طرح لیتا ہے،

| | |
|-----------------------------------|--|
| لما دخل محمد بن القاسم البض السند | جب محمد بن قاسم سندھ کی سرزمین میں |
| من نواحی سجستان و افقہ بلادہما | سیستان کی طرف سے آیا اور شہر مہنوا کو فتح |
| وسماہ منصورۃ و بلد مؤلتان | کیا اور اس کا نام منصورہ رکھا اور مؤلتان |
| وسماہ معصودۃ و ادخل فی بلاد | کو فتح کر کے اس کو مہنورہ کے نام سے موسوم |
| الهند الی مدینۃ کنوج و وطئ | کیا، اور ہندوستان کے شہروں میں کنوج تک |
| ارض القندھار و حد و کشمیر | چلا گیا، اور قندھار کے ملک اور کشمیر کے حدود |

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی مراد وہی کنوج یا قنوج ہے جس کا ذکر اس نے بار بار کیا ہے۔
صفحہ ۸۲ میں وہ کہتا ہے :-

تشریستعل فی مدّ دیش اعنی واسطۃ
المملکتۃ وہی ماحول کنوج فی جہاتہ
ولیسعی ایضاً آرجا فرت ،
صفحہ ۹۰ میں ہے :-

ولیسمونہامد دیش اے واسطۃ
المملکۃ وذلک من جہتہ المکان
لأنہا فیما بین البحر والجبل فیما بین
الجبل والصر دو فیما بین حدیہا الشرقی
والغربی ومن جہتہ المملکۃ فقد
کان کنوج مسکن عظمائہم الجبابرۃ
الفر اعنہ وبلد کنوج
موضوع علی غرب نہر گنگا کبیر
جداً واکثرہ الاکان خراب معطل
لنوال مقصر المملکۃ عنہ الی
بلد باری دھونی شرقی گنگا
وبینہما مسیرۃ ثلاثۃ ایاہاد
اربعة ،

اور اس کا نام مدیش یعنی بیچ کا ملک ہے ،
اور یہ نام اس کی جائے وقوع کے لحاظ سے ہے ،
کیونکہ وہ دریا اور پہاڑ کے بیچ میں اور گرم
اور سرد ملکوں کے درمیان میں اور اس کے
مشرقی اور مغربی حدود کے وسط میں ہے اور
بادشاہی کے لحاظ سے تو کنوج ان کے بڑے
بڑے جہت والے راجاؤں کا مسکن ہے
اور نہر کنوج دریاے گنگا کے مغربی کنارہ پر ہے ،
بہت بڑا شہر تھا ، لیکن اس وقت اس کا
بڑا حصہ ویران ہے ، کیونکہ پائنتخت دہان
سے ہٹ کر اب شہر باری میں آگیا ہے جو
گنگا کے پوربی کنارہ پر ہے ، اور ان دونوں
کے بیچ میں تین یا چاروں کی راہ ہے ،

اس سے معلوم ہوا کہ قنوج راج، مدویش یعنی بیچ کا ملک تھا، اس کا دوسرا نام آراجا فرت یعنی آریہ ور تھا، اور شہر قنوج گنگا کے مغربی ساحل پر تھا، جو اب محمود کے حملہ کے بعد ویران تھا،

۳۶۷ھ سے غزنوی بادشاہوں اور ہندوستان کے راجاؤں میں صلح و جنگ کے تعلقات شروع ہوتے ہیں، ۳۶۸ھ میں سلگیں نے ہندوستان کے سرحدی شہروں پر حملہ کیا، اور شاہیہ خاندان کے حکمرانوں کو اس کا واسطہ پڑا، سلگیں کے بیٹے محمود نے ۳۹۹ھ میں اجین، گوالیار، کانہر، دہلی، اجمیر اور قنوج کے راجاؤں کی متحدہ فوجوں کو شکست دے کر شاہیہ کا خاتمہ کر دیا، اور اس کے چند سال کے بعد ۴۰۹ھ میں قنوج تک پہنچ گیا، راجہ نے صلح کی، اور اپنا پایہ تخت قنوج سے اٹھا کر گنگا کے شرقی کنارہ میں جا کر بسایا، اور باری اوس کا نام رکھا، اسی زمانہ کے سلطان عالم مصطفیٰ عبدالقادر بغدادی المتوفی ۴۲۹ھ نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق میں فخریہ لکھا کہ "اب محمد اللہ لغمان سے لیکر قنوج تک اسلام کی علداری ہے" ہمارے بعض بزرگوں نے قنوج کو آنا پرانا بتایا ہے کہ سکندر کے زمانہ میں موجود تھا، اور رام پورس جس نے سکندر کا مقابلہ کیا تھا، وہ یہیں کا راجہ تھا، جیسا کہ نظامی سکندر نامہ میں لکھتے ہیں :-

بقنوج خواہم شدن سوے خود خدا یار بودم در آن راہ دور

حالانکہ قنوج سکندر کے وقت میں تھا ہی نہیں، البتہ نظامی کے زمانہ میں وہ ہندوستان کا مرکز و باب بن گیا تھا، سکندر نامہ ۳۸۵ھ میں لکھا گیا ہے، اور اس کے چھ برس بعد ۳۹۰ھ میں شہاب الدین غوری نے قنوج کو دوبارہ فتح کیا ہے،

قنوج کی تاریخ کے واقفکار جانتے ہیں کہ قنوج پرتین مختلف دور گزرے ہیں، اس کا نام تاریخ میں سب سے پہلی دفعہ چھٹی صدی عیسوی میں آتا ہے، ۶۶۷ء سے ۶۷۷ء تک یہاں کا مشہور راجہ ہرش تھا ہند کا سب سے بڑا طاقتور بدھ راجہ گذرا ہے،

محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ (مطابق ۹۲ھ) میں حملہ کیا، اور ۱۲۷ھ میں پورے سندھ پر قبضہ کر لیا، اس نے محمد بن قاسم نے قنوج کے جس راجہ سے خط و کتابت کی، اور حملہ کی دھمکی دی، وہ راجہ ہرش کے سلسلہ کا راجہ ہوگا، چچ نامہ میں اس عہد کے قنوج کے چند راجاؤں کے نام آئے ہیں، پہلا سیار بن رائے بدل رائے، دوسرا سیمر بن راسل اور تیسرا ہر چند جیتل رائے، محمد بن قاسم نے اس آخری راجہ کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی تھی،

راجہ ہرش کے بعد کے راجاؤں کے نام تاریخ ہند کے صفحات سے گم ہیں، اس لئے یہ نام ادن خانی جگہوں کے بھرنے کے لئے کام میں آسکتے ہیں، البتہ ناموں کی تصحیح کا مرحلہ باقی رہ جائے گا، اب اس کے بعد ۱۸۷ھ کے قریب ہیمپان کے گرج پر تھار قوم کے راجہ ناگ بھٹ نے قنوج فتح کر لیا، اور کئی صدیوں تک اس کی اولاد اس پر حکمران رہی، اس کا پوتا بھوج رائے ہوا جس نے ۱۲۷۷ھ سے ۱۲۹۹ھ تک قنوج پر حکومت کی، اور یہی وہ راجہ ہے جس کا نام عربوں نے بورہ رکھا ہے،

ابوزید سیرانی نے جو ۱۲۷۷ھ میں تھا، قنوج کے متعلق جو فقرہ لکھا ہے، اس کی دو قرائتیں ہیں، ایک دھو بلد عظیمی مملکتہ الجوز اور دوسری فی مملکتہ الجوز ایک صاحب کی رائے ہے الجوز کو الجوز پڑھا جائے اور اس کو بھوج کا عربی تلفظ قرار دیا جائے، کیونکہ یہ زمانہ قنوج میں بھوج کی حکومت کا تھا، میری رائے میں اگر جر پڑھا جائے اور اس سے گوجرم ادا لیا جائے تو بھی صحیح ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ راجہ گرج پر تھا تھا، جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے،

بہر حال اس کے بعد مسعودی نے ۱۲۹۹ھ قنوج کے راجہ کو بورہ یعنی بھوج رائے کے نام سے یاد کیا ہے، بھوج اول کے بعد ہندو پال نے اور اس کے بعد اس کے بڑے بیٹے بھوج دوم نے چند سال تک سلطنت کی، اور ۱۸۷ھ سے ۱۹۷ھ تک بھوج دوم کے بیٹے ہیمپال نے حکومت کی، مگر عربوں نے ان سب کو

بھوج داسے ہی کہا،

قنوج کا راجہ راجا پال جس کو سلطان محمود سے پالا پڑا، اسی نسل کا راجہ تھا، جس کو عقی نے غلطی سے

داسے جے چال لکھا ہے،

۱۵۰۷ء سے کچھ پہلے قنوج کے یہ گرج پر تھا راجہ ختم ہو گئے، اور گھڑ واڑ قبیلہ کے راجہ چند دیو نے قنوج

کو فتح کر کے نیا راج گھڑا کیا ۱۵۵۹ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے جس راجہ سے لڑا کہ قنوج چھینا تھا وہ

وہ اسی گھڑ واڑ خاندان کا تھا، اس کے بعد قنوج نے اپنی اہمیت ایسی کھوئی کہ نام کے سوا کچھ اور باقی نہیں رہا۔

اس سارے طول بیان کا نتیجہ یہ ہے کہ شہر قنوج ایک ہی تھا، جواب بھی ہے، اور جو ہندوستان کی

سب سے بڑی راجدھانی تھی، اور عربوں نے سندھ کی سمت میں جس قنوج یا بورہ کا ذکر کیا ہے، اوس سے مقصود

سلطنت قنوج کا آخری سرحدی مقام تھا، جس کو اسی لئے بھوج داسے بھی کہتے تھے، جیسے آج بھی سلطنت حیدر

آباد کے کسی مقام کو حیدر آباد یا نظام یا بڑودہ کے کسی سرحدی مقام کو بڑودہ یا لیکواڑ کہتے ہیں،

۱۵ ترجمہ ونسٹ اسٹیج، ص ۸، ۵،

خط و کتابت کے لئے

فردری اطلاع

معارف کے مضامین اور علمی استفسارات اور ان کے متعلق جملہ خط و کتابت شخصی نام کے بجائے صرف ایڈیٹر

معارف کے پتہ سے، اور معارف اور المصنفین کے انتظامات اور فرمایشات کے متعلق منبر صاحب دار المصنفین کے

نام سے کیجائے، ان تمام امور کے متعلق میرے نام خط لکھنے سے تعیل میں وقت ہوتی ہے، امید ہے کہ احباب مجھے نذر

سے بچانے کے لئے اس کا خاص طور سے خیال فرمائیں گے،

سید سلیمان ندوی

اسی طرح کرن کا جھنڈا تھا، اور اس کے پھریرے کا رنگ سفید تھا، ہتھم کے جھنڈے میں کجور کا دنت اور پانچ ستارے تھے، اور کرشن کے جھنڈے میں گرو یعنی عقاب کی تصویر تھی، گویا مختلف بہادر و ن کے مختلف جھنڈے تھے لیکن وہ کسی جماعت یا فوج کے لئے مخصوص نہ تھے،

اسلامی علم | اسلام سے پہلے عرب میں بھی اعلام کا رواج تھا، بدوی قبائل کے سردار مختلف رنگ کے علم رکھتے تھے، خود حجاز میں عقاب ایک منصب علم برداری کا تھا، جو خاندان بنی امیہ کو حاصل تھا، ان کا پھریرا عموماً مانیز میں باندھا جاتا تھا، جس کو علم بردار فر کے ساتھ اپنے ہاتھ میں اونچا کئے رہتا تھا،

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف اعلام اختیار فرمائے تھے، مشکوٰۃ میں اس بارہ میں بعض روایتیں ہیں، حدیث کی اور کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ ہے، ان میں چند روایتیں پیش کی جاتی ہیں،

عن ابن عباس قال كانت دایۃ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما
بنی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داء
بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ
ولواء ابيض (درا کا الترمذی)
دسٹو کا رایت سیاہ تھا، اور لواء
و این ماجہ)
سفید تھا،

و عن موسیٰ ابن عبیدۃ مولى
موسیٰ ابن عبیدہ روایت کرتے ہیں کہ کچھ کو

۱۔ کرنا پر و افضل ۱۱ شعر ۱۰ ہتھم پر و افضل ۴ شعر ۵ ڈرونا پر و افضل ۲۰ شعر ۲ چار لیس غلم (۲۲) ۲

۳۔ ۱۰۰۰ کا شاہی نشان، ہنری سوم (۱۰۵۰ء) کا عصاے حکومت اور ۱۰۰۰ میں موزن کا علم سب عقاب

کی تصویر کے حامل تھے، مغرب کے مختلف نشانوں کیلئے انساٹیکلو پیڈیا ریٹانیکا، جلد ۳، صفحہ ۳۱ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں،

۴۔ سیرۃ ابنی قیطع خور و جلد اول ص ۱۹، اور انساٹیکلو پیڈیا آف اسلام جلد اول ص ۲۴۸ ملاحظہ فرمائیں، دفی بلاجر

المقریزی لہاذکور تباہ لریاستہ فی الجاہلیۃ ذکوات العقاب فی الجاہلیۃ دایۃ تہون لرئیس الحب فباء الاسلام

وہی عذابی سفیان جاء الاسلام ولسدائۃ واللواء عند عثمان بن ابی طلحۃ بن ابی عبد اللہ الدارۃ رایت اور لور بحث
آگے آگے، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳

محمد بن القاسم قال بعثني محمد بن
 القاسم الى البراء بن عازب يسأله
 عن رواية رسول الله صلى الله عليه وسلم
 فقال كانت سواداء مرتجة من
 غمرة رداة احمد والترمذي و
 عن جابر ان النبي صلى الله عليه وسلم
 دخل مكة ولواة ابيض رداة
 الترمذي وابوداؤد وابن حبان
 محمد بن قاسم نے حضرت براء بن عازب
 رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کے روایت کا حال دریافت کرنے کو روانہ
 کیا، اونھوں نے فرمایا کہ وہ مرتبہ چادر کا
 سیاہ رنگ تھا،
 حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے
 ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ منظر
 میں داخل ہوئے تو ان کو لوار سفید تھا،

ان اعلام کے متعلق تفصیل ایک مخطوطہ رسالہ "الاولیہ" میں ملتی ہے جو ایک عالم جاہل اللہ یعنی نے مرتب کیا
 تھا اور جس کے ضروری اقتباسات کی نقل میرے محترم دوست مولانا مسعود عالم صاحب ندوی نے خدا بخش لاکر
 سے بھجوائی ہے، میں ان کا بہت ممنون ہوں، اور اجمالاً بعض تقریریں اپنے ناقص ترجمے کے ساتھ پیش کرتا ہوں
 اسی کے ساتھ علماء سے درخواست ہے کہ وہ میری اصلاح فرمائیں، اور اس سلسلے میں مزید مواد بھی بہم پہنچائیں

(۱) و ذکر صاحب الرسالة الزهراء
 فی جواز لبس العمامة الصفراء
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفع للزبیر بن
 العوام روایت صفراء و عمامہ بعمامة
 صفراء و انہ صلی اللہ علیہ وسلم
 كانت له عمامة صفراء،
 رسول اللہ نے زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو زبرد روایت
 عطا فرمایا اور زرد عمامہ اون کو باندھا
 اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 کے زرد عمامہ تھا،

(۲) و فی عبادۃ الرسالة الزهراء
 رسالہ زہراء کی عبارت کے الفاظ دوسری روایت

فی روایتِ أُخریٰ عند البخاری کان
صَلَّى اللہ علیہ وَسَلَّم یصنع ثیابہ
بالصفرة و نزلت الملائكة فی یوم
بدو علیہا ثیابٌ صفراء
صُفْرٌ وَ کانَ النبی صلی اللہ علیہ و
اللس الزبیر بن العواہ یوہر بدر
عمامة صفراء و اعطاہ راسیہ صفر
ف نزلت الملائكة لابسة للاصف
موافقة لفعله صلی اللہ علیہ و
وللزبیر بن العواہ

میں جو کہ بخاری میں ہے یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے کپڑے زرد رنگتے تھے، اور بدر
کے دن جو فرشتے آسمان سے اترے تھے ان
کے بھی زرد کپڑے اور عمامے تھے، اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن عوام رضی اللہ
عنه کو بدر کے دن زرد رنگ کا عمامہ پہنایا
تھا، اور زرد رنگ کا رایت عطا فرمایا تھا،
اور حضور کے فعل کی موافقت اور زبیر بن
عوام کی موافقت کے لئے فرشتے بھی زرد
لباس میں اترے تھے،

(۳) و عبادۃ الحبلى فی سیرتہ حمل
اللواء و کان ابیض فی غزوہ بدر
سعد بن ابی وقاص واللواء هو
العلم الذی یحمل فی الحرب یعرف
بہ موضع امیر الجیش و قد یحمل
فی مقدمۃ الجیش و اول من عقد
الاولیۃ ابراہیم الخلیل بلغه
ان قومًا اغاروا علی لوط ف عقد
لواء و سار الیہ و قال بعضهم

اور حبلی کی عبارت اس کی سیرت
میں یہ ہے کہ لواء کو جو سپید تھا
غزوہ بدر میں سعد بن ابی وقاص
اٹھائے ہوئے تھے، اور لواء اس علم کو کہتے
ہیں جو لڑائی میں امیر الجیش کے مقام کی
شناخت کے لئے اٹھایا جاتا ہے، اور کبھی یہ
مقدمۃ الجیش میں رکھا جاتا ہے، اور پہلے
شخص جنہوں نے لواء بلند کیا تھا، وہ ابراہیم
علیہ السلام تھے، انہیں خبر پہنچی تھی کہ ایک

| | |
|--|---|
| صرح جماعة من اهل اللغة بتواتر | قوم نے لوط علیہ السلام پر حملہ کیا تو اونھوں نے |
| الواء والراية اى فيه يطلق كل | لوار بلند کیا اور ان کی طرف گئے، اور بعضوں نے |
| اسم على الآخر عن ابن اسحاق و | کما کہ اہلِ نبت کی ایک جماعت نے تفریح |
| ابن سعد ان اسم الراية انما | کی ہے کہ لوار اور رایت دونوں مترادف ہیں |
| حدثني يوحنا بن جابر..... | اور ایک دوسرے پر اطلاق کئے جاتے ہیں، اور |
| | ابن اسحاق، اور ابن سعد سے روایت ہے کہ |
| (۴) وقد كان للنبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | اور حضور ﷺ کا لوار چھ غزوات میں سفید |
| لواء ابيض في ست غزوات و كان | تھا، یعنی ودان (صفر ۱۱۰ مطابق اگست ۱۱۰) |
| دبواط والعشيرة وبدل لاولي د | بواط دريغ الآخر ۱۱۰ مطابق اکتوبر ۱۱۰ |
| بدل العظمى وبنى قينقاع واما في | عشيرة (جمادی الاول ۱۱۰ - نومبر ۱۱۰) بد |
| غز و لا احد فكان له ثلث | الاولی (جمادی الآخر ۱۱۰ - دسمبر ۱۱۰) |
| الوية كما في السواهب و لحو | بدرا نعلی (رمضان ۱۱۰ - مارچ ۱۱۰) ۱ |
| يعين صفتها وكن الراية في | بنی قینقاع (شوال ۱۱۰ - اپریل ۱۱۰) |
| غز و لا ذي قر و خيبر و فتح مكة | میں، لیکن غزوہ احد (شوال ۱۱۰ - مارچ |
| و في غز و لا يقول امره صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | ۱۱۰) میں حضور کے تین لواتھے، جیسا کہ |
| بكن بطنين من الانصار والقبائل | المواہب میں ہے، اور اس کی کوئی صفت |
| العرب ان يتخذ اللواء وراية | معین نہیں کی، اسی طرح (سفید) حضور |
| كعنا في السواهب قال وصرح | کا رایت ذی قرد (۱۱۰ - خیر (محرم |

۱۱۰ میں نے ان غزوات کی تاریخیں ابن عسکون (ترجمہ احمد حسین صاحب) کتاب دوم، جلد سوم ۱۱۰ء ص ۲۴۲ وغیرہ سے لی ہیں،

جماعة بترادف اللواء والراية لكن

روى احمد والترمذى عن ابن

عباس كانت داية النبي صلى الله عليه وسلم

سوداء ولواءه ابيض - ومثله في

الطبرانی عن بریدة وابن عدى

عن ابی هريرة وزاد مكتوب فيه

لا إله إلا الله محمد رسول الله،

۱۰۰۰ مئی ۱۲۰۷ء اور فتح مکہ (رمضان ۱۲۰۸ء)

جنوری ۱۹۳۳ء میں بھی تھا، اور غزوہ تبوک (ذ

۵۹۔ نومبر ۱۹۶۲ء میں حفصہ نے حکم دیا تھا کہ

انصار کی ہر شاخ اور عرب کے قابل کو کہوہ ایسا

لوار اور رایت لے لین، جیسا کہ المواہب میں ہے۔

اور ایک جماعت نے لوہا اور راست کے مترادف

ہونے کی تصریح کی ہے، لیکن امام احمد اور ترمذی

نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضورؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کا رایت سیاہ تھا، اور لو

سُغِد تھَا، اِدرا سِی طَرَح طَرانی مِس بُریدہ

سے اور ابن عدی نے ابوہریرہؓ سے روایت

اور اب اسحاق نے ذکر کیا، اور اسی طرح ابوالا

نے خدمتِ عروہ بن زہرِ فاس سے کہہ دی ہے جو

رات ملنے کیا لگا وہ ختم کے دن تھا اور اس

سے پہلے لوگ صرف لواء کو جانتے تھے 'واللہ اعلم'

اور علامہ شیخ فایدا باری حنفی نے جو کچھ

لکھا ہے، اوس کے الفاظ یہ ہیں کہ تمام تعریف

اُس اللہ ہی کے لئے ہے جو صواب کی طرف

رہنمائی کرتا ہے یہی نفعی نہیں کہ حضور ﷺ

(۵) وذكروا لواسحاق وكذا لولاسو

عن عروة أن أول ما حملت الراهة

لو وحيد وما كان العرفون قس

ذلك الا لامة والله اعلم،

(۴) وكتب العلامة الشيخ فايد

الأبيادى الحنفى ما صورته الحمد

لله الهادي للصواب لا يخفى ان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا

اراد ان یبعث سریة عقد لہالو
 ودفعہ لامیر السریة، فن ذلک
 بعث حمزہؓ فی ثلاثین رجلاً
 من المهاجرین وعقد لہ لواء ابی
 دھوادل لواء عقد فی الاسلام
 وحملہ ابو مرشد خلف حمزہؓ و
 من ذلک اثنتہ بعث عبیدہؓ بن
 الحارث فی ستین او ثمانین راکباً
 من المهاجرین وعقد لہ لواء ابیض
 وحملہ الحقداد بن عمرو۔ واما فی
 الغزوات فکثیر نفی فتح مکہ کان لواء
 رسول اللہ ﷺ ابیض مکتوب
 فیہ بالاسود من بردی مانیۃ لا اللہ
 الا اللہ محمد رسول اللہ و فی فتح مکہ
 عقد الکلبیۃ ودفعہا للقبائل
 عقد الکلبی رواحۃ لواء ابیض

جب کسی سرِیۃ کے بھیجنے کا ارادہ فرماتے تو
 اوس کے لئے لواء بناتے، اور وہ لواء امیر السریۃ
 کو عطا فرماتے، چنانچہ ان میں سے ایک یہ ہے
 کہ جب حضورؐ نے اپنے چچا حمزہؓ کو تیس مہاجرین
 کے ساتھ بھیجا، تو سفید لواء تیار فرمایا، اور
 وہ پہلا لواء تھا جو اسلام میں تیار کیا گیا، اور
 اوس کو ابو مرشد حمزہؓ کے پیچھے اٹھائے ہوئے تھے،
 اور اسی طرح حضورؐ نے عبیدہ بن حارثؓ کو
 ساٹھ یا اسی مہاجرین کے ساتھ بھیجا تو
 ان کے لئے بھی سفید لواء تیار فرمایا، اور اُس کو
 مقداد بن عمروؓ اٹھائے ہوئے تھے، لیکن غزوات
 میں یہ بہت ہیں، چنانچہ فتح مکہ میں حضور ﷺ
 علیہ وسلم کا لواء سفید تھا جو مانی چادر کا
 تھا اور اس میں سیاہی سے کلمہ طیب لکھا ہوا
 تھا، اور فتح مکہ میں حضورؐ نے بہت سے لواء
 بنوائے جو قبائل کے حوالے کئے، اور اُسی موقع

۱۔ سر یہ خند آدمیوں کی وہ مختصر اور سبک جماعت ہے جو جنگ و صلح اور تبلیغ و تعلیم وغیرہ مختلف سلسلوں اور

ضرورتوں کے لئے بھیجی جاتی تھی ۲۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے سرِیۃ غالباً پہلے سال

ہجری ہی میں روانہ فرمائے تھے،

وَاَحْرَبَلَا اَنْ يَنَادِي مِنْ دَحْلِ تَحْتَ
 لَوَاءِ ابِي دَوَاحَةَ فَهَوَّأَ مِنْ وَعَقْدَ
 لِسَعْدِ لَوَاءِ شَوَّاحِرِ عَلِيٍّ اَنْ يَاخُذَ
 مِنْهُ وَيَدْفَعَهُ لَا بَنَدَ قَيْسٍ وَفِي
 غَزْوَةِ حَتِينِ عَقْدَ الْوَسِيَّةِ وَرَايَاتِ
 وَجَعَلَهَا بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَاعْطَى سَعْدُ
 ابْنَ ابِي وَقَاصٍ رَايَةً وَاعْطَى عُمَرُ بْنُ
 الْخَطَّابِ رَايَةً وَاعْطَى لَوَاءُ الْحَزْرَجِ
 لِلْحَبَابِ بْنِ الْمُنْذَرِ رَوَاءُ الْاَلَا وَاسِ
 لَا سَيْدِ بْنِ حَضِيرٍ وَفِي غَزْوَةِ بَنِي
 دَفْعِ لَوَاءِ الْعِظْمَاءِ لَبِي بَكْرٍ الصَّدِّيقِ
 وَرَايَتَهُ الْعُظْمَى لَا سَيْدِ بْنِ حَضِيرٍ وَ
 رَايَةَ الْحَزْرَجِ لِلْحَبَابِ بْنِ الْمُنْذَرِ
 وَدَفْعَ لِكُلِّ بَطْنٍ مِنَ الْاَنْصَارِ قَبَائِلَ
 الْعَرَبِ لَوَاءً وَرَايَةً،

حَضْرَةُ ابُو رَوَاحَهُ غُزُو سَفِيد لَوَا دِیَا، اُدْرُ حُکْم دِیَا
 بَدَلِ لُو کہ لوگوں میں اعلان کروں کہ جو شخص
 ابُو رَوَاحَهُ کے لواء کے نیچے چلا آئیگا وہ مامون ہے
 اور حضور نے سعد کے لئے جھنڈا بنوایا، پھر حکم
 دیا، حضرت علیؑ کو کہ وہ اُن سے لے کر اُن کے
 بیٹے قیسؑ کو دیدین، اور غزوہ حَتِین (شوال
 ۸ سنہ - جنوری ۶۲۷ء) میں حضور نے بہت
 سے لواء اور رایت بنوائے اور اُن کو مہاجرین میں
 تقسیم فرمایا، اور عطا کیا سعد بن ابی وقاصؓ
 کو ایک رایت اور عطا کیا حضرت عمرؓ بن خطابؓ
 کو ایک رایت اور عطا کیا خُزرج کا لواء حَبَابِ
 ابْنِ مُنْذَرِ کو اور اُس کا لواء، اسید بن حَضِیر کو،
 غزوہ بَنُوک میں حضور نے بڑا لواء حضرت ابوبکر
 صدیقؓ کو اور بڑا رایت اسید بن حَضِیرؓ کو اور
 خُزرج کا رایت حَبَابِ بن مُنْذَرِ کو دیا، اور
 اَنْصَار کی ہر شاخ اور قبائل عرب کو لواء
 حضور ﷺ کا لواء غزوہ وَاَنْ
 میں سفید تھا، اور وہ آپ کے چچا حضرت حمزہؓ
 کے ساتھ تھا، غزوہ بُوَاث میں بھی سفید تھا

حَضْرَةُ ابُو رَوَاحَهُ غُزُو سَفِيد لَوَا دِیَا، اُدْرُ حُکْم دِیَا

سعد بن ابی وقاص وفی غزوۃ
العشیرۃ کان لواءہ ابيض وکان
مع علی بن ابی طالب وفی غزوۃ
بدر الکبریٰ دفع صلی اللہ علیہ وسلم
الی مصعب بن عمیر وکان ابيض
وکان امامہ صلی اللہ علیہ وسلم
دایان سوداۃ ان احدہما مع علی
ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ائ
وینال لہما العقاب وکان تہرطا
لعلائشۃ،

وہ سعد بن ابی وقاص کے ساتھ تھا، غزوۃ بنی
میں بھی لواء سفید تھا، اور وہ حضرت علی بن ابی
طالب کے ساتھ تھا، غزوۃ بدر الکبریٰ میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر کو لواء
دیا، اور وہ سفید تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے سامنے دو رایت سیاہ تھے جن میں سے
ایک حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ
تھا، اور وہ عقاب کہلاتا تھا، اور حضرت
عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چادر
سے تیار ہوا تھا،

۴) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
انّ البتی صلی اللہ علیہ وسلم اعطی
علیاً کرم اللہ وجہہ الراۃ یوم
بدر وھو ابن عشرین سنۃ وفی
المہدی انّ لواء المہاجرین کان
مع مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ
ولواء الخرج مع الحباب بن المنذر
رضی اللہ عنہ ولواء الاوس کان
مع سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی
ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی
کرم اللہ وجہہ کو بدر میں رایت عطا فرمایا،
وہ بیس سال کے تھے، اور کتاب الہدیٰ میں
ہے کہ ناجرین کا لواء مصعب بن عمیر رضی اللہ
کے ساتھ تھا، اور خرج کا لواء حباب بن المنذر
رضی اللہ عنہ کے ساتھ، اور اوس کا لواء سعد بن
معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، اور الانشاع
میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین لواء

دفی الاجتماع عقد صلى الله عليه
 و سلم و هي ثلاث لواء يحملها مصعب
 ابن عمير و رايثان سودا و تان
 احداهما مع علي كرم الله وجهه
 و الآخرى مع رجل من الانصار
 وفيه اطلاق اللواء على الواية و
 تعدد ان جماعة من اهل اللغة
 جزوا بترادف اللواء و الراية
 انتهى من سيرته الحلبي -

لواء بنائے، جن کو مصعب بن عمیر لے ہوئے تھے
 اور دوسیاہ رایت تھے جن میں سے ایک علی
 کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھا، اور دوسرا ایک
 انصاری کے ساتھ، اور اس میں لواء کا اطلاق
 رایت پر کیا گیا، اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ
 اہل لغت کی ایک جماعت کے نزدیک لواء
 اور رایت دونوں مراد ہیں، یہ بیان سیرۃ
 الحلبی سے لیا گیا،

دفی غزوة قنيقاع كان لواء لا ابيض
 بيد عمه حمزة بن عبد المطلب رضي الله عنه
 (۹) دفی غزوة احد عقد صلى الله
 عليه و سلم ثلاثة الوية لواء
 الاوس وكان بيد امسید بن
 حضير و لواء المهاجرين و كان
 بيد علي بن ابي طالب كرم الله
 وجهه و قيل بيد مصعب بن عمير
 (۱۰) دفی غزوة حراء الاسد دفع
 صلى الله عليه و سلم اللواء و كان

اور غزوہ قنیقاع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لواء سفید تھا
 اور ان کے چچا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ
 اور غزوہ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 نے تین لواء بنائے، اوس کا لواء امسید بن حضير
 کے اور مهاجرین کا لواء علی بن ابی طالب کرم اللہ
 وجہہ کے ہاتھ میں تھا، اور بعض کہتے ہیں کہ
 مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں
 (مؤخر الذکر) تھا،

اور غزوہ حراء الاسد (۳۶۳ھ) میں حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لواء کو جو بنہا ہوا تھا

معقو والرحیل بعد احد لعلی بن ابی طالب و یقال لابی بکر الصّدیق
وفی غزوہ بنی النضیر حمل الرایۃ
علی وفی غزوہ بدر الموعد حمل
اللواء علی رضی اللہ عنہ وفی
غزوہ المریض دفع رایۃ المهاجر
الی ابی بکر وقیل لعمار بن یاسر و
رایۃ الانصار الی سعد بن عبادۃ
وفی غزوہ الخندق کان لدلواء
وفی غزوہ بنی قریظۃ کان
لدواء لا ید علی کسر اللہ وجہہ
وفی غزوہ قرد عقد صلی اللہ
علیہ وسلّو لدواء،
(۱۱) وعن سعید بن السّیب ان
رایۃ البنی صلی اللہ علیہ وسلّو
یوہا احد مرط اسود و رایۃ الانصار
یقال لہا العقاب ان الوباء
اور احد کے بعد سے نہیں لگا لایا گیا تھا حضرت
علیؑ کو دیا، اور کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ
کو دیا، اور غزوہ بنی النضیر دربع الاول ۳۳
اگست ۳۳ء میں حضرت علیؑ نے رایت اٹھایا
اور غزوہ بدر (رجب ۳۳ء - دسمبر ۳۳ء)
میں بھی حضرت علیؑ نے لوار اٹھایا، اور غزوہ
مریض (شعبان ۳۳ء - جنوری ۳۴ء) میں
ہماجرین کا رایت حضرت ابو بکرؓ کو عنایت
فرمایا اور بعض کہتے ہیں کہ عمار بن یاسرؓ کو
انصار کا رایت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو، اور
غزوہ خندق (ذی قعدہ ۳۳ء - مارچ
اپریل ۳۳ء) میں آپ کے دو دلوائے
غزوہ بنی قریظہ (ذی قعدہ ۳۳ء - اپریل
۳۴ء) میں حضورؐ کا لوار حضرت علیؑ کے
ہاتھ میں تھا، اور غزوہ قرد (۳۴ء -
اور سعید بن سبیبؓ سے روایت ہے کہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رایت احد میں سیا
چاؤ رکھا تھا، اور انصار کا رایت عقاب کھاتا
تھا، اور یہ کہ یہ رایت نہیں پہچانے گئے مگر

حرمین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور تقریر فرمائی،

لَعَرَعَرْتُ اَلَا يَوْمَ خَيْبَرَ وَاَمَّا تَسْمِيَةُ
 رَايَةِ اَلَا نَصَادِيُوهُرَ اَحَدًا بِالْعَقَابِ
 اِن رَايَةَ تَسْمِي الْعَقَابِ
 كَمَا اِن رَايَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْمِي بِذَلِكَ
 خَيْرِ كَرَمِ دُنْ اَوْرَ اَحَدِيْنَ اِنْفَارِ كَرَامَتِ
 كَانَامِ عَقَابِ تَهَا، اس
 رَايَتِ كَانَامِ عَقَابِ تَهَا جِيسَا كَهْ حَضْرَتِ
 اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَرَامَتِ رَايَتِ كَا بِي
 يَهِي نَامِ تَهَا،

جار اللہ تعالیٰ کے رسالہ الاولیٰ کے ان اقتباسات سے جن میں سے اکثر حدیثوں پر مبنی ہیں، اسلامی علم کے متعلق کافی معلومات حاصل ہوتی ہیں، ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل لغت کے نزدیک لوار اور رایت کے مترادف ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے، صاحب مظاہر حق (طبع کفکو۔ جلد سوم۔ ص ۵، ۳، ۴) کے نزدیک رایت بڑا علم ہے اور لوار چھوٹا، لیکن وہ حاشیے میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض کے نزدیک ان کے معنی برعکس ہیں لیکن اقتباس نمبر ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوار اس علم کو کہتے ہیں جو لڑائی میں سپہ سالار کے کیمپ میں کھڑا کیا جائے، اور کبھی یہ صفوں کے آگے بھی کھڑا کیا جاتا ہے، اور اقتباس نمبر ۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلا اسلامی لوار (پہلے سال، بحری میں) حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا گیا تھا جو امیر السیرت کی حیثیت سے تشریف لے گئے تھے، اسی طرح اقتباس نمبر ۷-۸-۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماجرین اور خزرج اور اُدُس کی جماعتوں کے لئے لوار تھے اس بنا پر میرا خیال ہے کہ لوار اس علم کو کہتے ہیں جو ایک جماعت کے لئے اور دوسرے اقتباسات سے یہ خیال ہوتا ہے کہ رایت وہ علم ہے جس کا تعلق کسی ایک شخصیت سے ہو، حال مجھے اپنے اس خیال پر اصرار نہیں، بلکہ علماء سے درخواست ہے کہ وہ ان معنوں پر کچھ روشنی ڈالیں،

اقتباس نمبر ۶ میں دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ فتح مکہ میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ابو دھرمی رضی اللہ عنہ کو ایک علم (سفید لوار) عنایت فرمایا، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ

سیرت النبی (تلیس خور) جلد اول صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰،

جو شخص اس علم کے نیچے آئے گا وہ مامون ہے، بہت ممکن ہے کہ میں سے دوسری اقوام نے سفید علم، صلح و اشتی کے لئے اختیار کیا ہو، کیونکہ اس کے پہلے سفید علم کا یہ مقصد کسی دوسری قوم میں معلوم نہیں ہوتا، اقتباس نمبر ۱ میں طرانی وغیرہ کے حوالے سے یہ بتایا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لوازمین کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا، اقتباس نمبر ۲ میں وضاحت ہے کہ فتح مکہ کے وقت لواحق نبوی پر جو سفید تھا، سیاہی سے کلمہ طیبہ لکھا ہوا تھا، یہ وہ موقع تھا جبکہ رمضان (۱۰ھ) کے پاک دنوں میں بیت اعرام کو ۳۶۰ بتوں سے پاک کیا گیا تھا، اور کالہ اللہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اعلان سے خدا کے علاوہ (باطل) مہبودوں سے جنگ، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں حفظہ دامن حاصل کرنے کا پیام دیا گیا تھا، رحمت اور محافطت کے اسی پیام کا مظاہرہ وہ سفید لوازم بھی تھا جس کا شقہ کلمہ طیبہ سے مرتب تھا،

(باقی)

حیات شبلی جلد اول

حیات شبلی جس کا مدتوں سے شائقین کو انتظار تھا، چھپ کر شائع ہوگئی ہے، یہ کتاب تنہا علامہ شبلی مرحوم کی سوانح عمری نہیں ہے، بلکہ اس میں ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، اصلاحی اور دوسری تحریکیوں، اور سرگرمیوں کی مفصل تاریخ آگئی ہے۔ کتاب کے شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت، اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ اور ضلعی اور تعلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ وادھ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علماء کے حالات بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہیں، اس کی ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہیں، اس کے علاوہ وارالمضیفین، نذرۃ العلماء، مدرستہ الاصلاح، سرنگر اور شبلی انٹر کالج کی عمارتوں کے تیرہ ہافٹ ٹون بلاک فوٹو بھی شامل ہیں، کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپیے،

مینجر

کلام اقبال کی دقتیں

ان کی تشریح کی ضرورت

از

جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ، لیکچرار یونیورسٹی اور نیٹل کالج لاہور

تفقدی مطالعہ کی ابتدا یورپ میں | علامہ اقبال کے انکار کا تنقیدی مطالعہ ان کی زندگی ہی میں شروع ہو چکا تھا،^{۱۹۱۵ء}

مین ڈاکٹر نکلسن نے ان کی مثنوی اسرار خودی کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جس کے ذریعہ غالباً پہلی مرتبہ مغربی دنیا اقبال کے فکر سے آگاہ ہوئی، اس کے بعد بہت سے انگریز اہل علم نے اقبال کی طرف توجہ کی، مثلاً دکنین

نیشن ویکی (The Nation weekly) میں اسرار خودی پر تبصرہ کیا، اسی طرح فارسٹر اور جی

فورسٹر (Forrester) نے رسالہ آئینیم (Alhencium) میں ریویو کرتے ہوئے فلسفہ اقبال کا تجزیہ کیا

علمائے مغرب کے مطالعہ اقبال کی اس کوشش سے ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک ہندی مشرقی فلسفی

کے خیالات و مقدمات حدود ہند سے نکل کر انگریزی جاننے والی دنیا میں پھیل گئے، اور ولایت کی تحسین و

اعتراف کی قدرت ہو جانے کی وجہ سے ہندوستان کے مغرب پسندوں کے لئے فکر اقبال کچھ پہلے سے

زیادہ جاذب توجہ ہونے لگا، مگر یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ علامہ اقبال نے ان مبصرین کی تشریح و توضیح

کو پسند نہیں کیا، چنانچہ انھوں نے ایک خط میں جو ڈاکٹر نکلسن کے نام تھا، ان تبصروں کا مدلل جواب دیا جس میں

اپنے نصب العین اور پیش نما کی توضیح اور تشریح کی کوشش کی تھی،

ہندوستان میں مطالعہ اقبال کی ابتداء | گو اقبال کو ابتدا ہی سے بے حد قبول عام حاصل ہو چکا تھا، اور ہندوستان کا ہر بڑھا لکھا فروغ دہندہ اقبال کی شیرینی اور پیام اقبال کے سوز و گداز کا دلدادہ اور معترف تھا، مگر افسوس ہے کہ مطالعہ اقبال کی حقیقی کوشش بہت دیر میں ظہور میں آئی، انجمن حمایت اسلام کے وہ عظیم الشان اجتماع کے یاد دہانے، جن میں علامہ اقبال اپنی قومی نظموں سے محبسوں کو گرگاتے، اور دلوں کو تڑپا یا کرتے تھے، وہ دن تکتے مبارک تھے، جب قوم کا شاعر اعظم اپنے عزت کدے سے نکل کر قومی انجمن کے ایلیج کو مشرف کیا کرتا تھا، یہ مجلسیں اتنی پر لطف اور پراثر ہوا کرتی تھیں کہ ہفتوں بلکہ مہینوں ان کے تذکرے ہا کرتے، مگر باوجود اس قبول عام کے جو اقبال کو نصیب ہوا، فکر اقبال کے گہرے اور تنقیدی مطالعے کی طرف پوری توجہ نہیں کی گئی، یہ صحیح ہے کہ اس صورت حال کے چند در چند اسباب تھے، لیکن اس واقعہ سے بطور واقعہ انکار نہیں کیا جاسکتا،

مطالعہ اقبال کی فضاء کوشش | غالباً ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء میں اہل ملک کو اس ضرورت کا کچھ احساس ہوا اس وقت تک علامہ کی بہت سی تصانیف شائع ہو چکی تھیں، تحریک خلافت کے ہنگامے سرد ہو چکے تھے، بیکار اور آویزش کے دوڑے مٹ چکے تھے، عدم تعاون اور ہندو مسلم اتحاد کی ناکامی نے سوچنے والے دماغوں اور محسوس کرنے والے دلوں کو سوچنے اور فکر کرنے پر مجبور کر دیا تھا، ہندو اور مسلمان اپنے اپنے مطمح نظر کے صواب و خطا پر غور کرنے لگے تھے، اس ذہنی خلفشار کے زمانے میں پیغام اقبال کی جانب کچھ تنجیدگی کے ساتھ توجہ ہونے لگی، چنانچہ تھوڑے عرصے میں کچھ کتابیں، کچھ رسالے، کچھ مضامین فکر اقبال کی تنقید میں شائع ہو گئے، پہلا یوم اقبال ۱۹۳۲ء میں لاہور میں منایا گیا، جس کی ایک تقریب میں خود علامہ نے بھی شرکت فرمائی، اس کے بعد اور ایک قابل قدر کتابیں شائع ہوئیں، جو علامہ کی نظر سے بھی گذریں،

آخری دور میں علامہ اقبال کی مایوسی | مگر علامہ کی زندگی میں ان کی حکمت کے مطالعہ کے سلسلے میں جو کچھ ہوا علامہ اس سے بالکل مطمئن نہ تھے، نوجوانانہ ملک سے انھیں جو توقعات تھیں، وہ پوری نہ ہوئیں، فکر اسلامی کے اجاے ثانی کے سلسلے میں ان کے جس قدر ارادے تھے، ایک ایک کر کے ناکام رہے، مسلمانوں کی فشا و فتنہ

کی آرزوئیں قوت سے نفل میں نہ آئیں، سب سے زیادہ یہ کہ علوم اسلامیہ کی تجدید کے متعلق ان کے سارے خیالات ہم باطن ہو کر رہ گئے، یہی وجہ ہے کہ ارمغانِ حجاز کی اکثر ذریعہ ایمان تنہائی کے احساس سے محروم نظر آتی ہیں، جن میں تبرہاں بہت عناصر کے شکوے ہیں، اور رفیقان کو تاہ پائے گئے، ہم نفسانِ خام کی کورہِ ذوق کا ماتم ہے، اور فلسفانِ شتر کی بے فوائی کا نوحہ، یہ نواسے در و کیس کیس اس درجہ غلغلین اور جگر گداز ہو گئی ہے، جس کو کُن کر یہ گمان یقین کے درجے تک پہنچ جاتا ہے کہ علامہ سچ پچ اپنے شن اور مقصدِ حیات کی ناکامی سے دل شکستہ ہو رہے ہیں، ارمغانِ صفحہ ۸۰ میں فرماتے ہیں :-

شریکِ درد و سوزِ لالہ بودم ضمیرِ زندگی را و انودم
ندامم با کہ گفتم نکتہٴ شوق کہ تنہا بودم و تنہا سرودم
ارمغان کی ایک اور رباعی ہے :-

غریبِ درمیانِ محفلِ خویش تو خود گو با کہ گویم مشکلِ خویش
اذنِ رسم کہ پناہم شود فاش غمِ خود را نہ گویم با دلِ خویش (مضامین)
ایک اور رباعی ملاحظہ ہو :- (ارمغان صفحہ ۸۰)

من اندر مشرق و مغرب غریبم کہ از یارانِ محرم بے نصیبم
غمِ خود را بگویم با دلِ خویش چہ معصومانہٴ غربتِ را فربہم

اس سلسلے میں سب سے زیادہ بصیرت افروز اور عبرت آموز رباعی یہ ہے :-

چو زبستِ خویش بر بستمِ اذینِ خاک ہمہ گفتند با ما آشنابود
ولیکن کس نہ است این سفر چہ گفت با کہ گفت و از کجا بود؟

اقبال کو سب سے زیادہ گھم ان ناشائستہ تحسین گزاردوں کا تھا جو انھیں محض غزل خوان اور ان کی حکمت کو نواسے

شاعری سمجھتے رہے، ان کے ماحول کی بے بصیرتی اور ان کی ناکامی کا گہرا اثر اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال

اپنے زمانہ اور اپنے ماحول سے مایوس ہو کر اپنے کو مستقبل کا پیام آور کہنے لگے، اور معان ۱۲۶ میں فرماتے ہیں:-

نخستین لالہ صبح بہار م پیالے سوزم اذ داغے کہ دارم
بچشم کم میں تنہا سیم را کہ من صد کاروان گل در کنارم

اس سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ علامہ مرحوم قوم میں جس قسم کا جذبیہ انقلاب پیدا کرنا چاہتے تھے اپنی زندگی میں اس کا دیکھنا ان کو نصیب نہ ہوا،

سنہ ۱۹۳۷ء میں جب علامہ اقبال کا انتقال ہو گیا، اس وقت آسودگی پسند قوم کو اس متاع گران مایہ کے لٹ جانے کا کچھ احساس ہوا، مادی جیسے بوسے، مرثیے لکھے گئے، اخبارات نے مادی ایڈیشن شائع کئے، رسالوں نے خاص نمبر نکالے، غرض ہر شخص نے اپنے اپنے ذوق اور اپنے اپنے طریقے سے اس حکیم الائنس کے اٹھ جانے پر اپنے دلی درد اور انسوس کا اظہار کیا، غم و اندوہ کی یہ فصاحتی لحاظ سے کسی حد تک مفید ثابت ہوئی، اد اشکبار آنکھوں نے دونوں اور دماغوں کو پیام اقبال پر گہری فکر و نظر کا اشارہ کیا، چنانچہ اس حادثے کے ذریعہ تین چار سال تک افکار اور کلام اقبال کی تنقید و تشریح کی طرف خاص توجہ ہوئی، گو اس تحریک میں سیاسی حالات بھی کسی حد تک مدد و معاون ثابت ہوئے، اور بعض صورتوں میں محض تجارتی اغراض نے بھی کار فرمائی کی، مگر بالعموم اس عرصے میں مطالعہ اقبال کی تحریک کو بہت فروغ ہوا اور اس کے متعلق بعض مفید اور وسیع نتائج لکھی گئیں،

گو کلام اقبال کے متعلق متفرق مضامین کی فہرست بظاہر طویل ہے، لیکن اس کی عظمت اور بلندی کی نسبت

اب بھی بہت تشنہ اور مختصر ہے، اگر ہم پیرچہ اقبال کو اپنی ذہنی تاریخ میں دہی درجہ دیتے ہیں، جو انگریزوں اور جنون نے شکسپیر اور گوٹے کو دے رکھا ہے، تو ہم ان کے ساتھ اپنی محبت اور ان کے اعتراف کے بارہ میں شرمندہ ہونے پر مجبور ہون گے، انگریزی اور مغربی ادب کے واقف کاروں سے وہ طویل و ضخیم اسما، الکتب،

۵۰/۶/۲۰۰۸ء (پوشیدہ مہینہ ہیں جن میں شکسپیر اور گوٹے کے متعلق کتابیں شامل ہیں)

مثال کے طور پر (Dr. Episck and Schucking) کی Bibliography

of Shakespeare - پر نظر ڈالئے، جو بڑے سائز کے تقریباً تین سو صفحات پر

مشتمل ہے، اس کے مندرجات پر غور فرمائیے اور بتلائیے کہ کیا شکسپیر کی زندگی، ذہن، کلام، آرٹ اور شخصیت کا کوئی ایسا گوشہ ہے جو اس کے مجنون کی غامض اور بصیرتوں سے ادھیل رہا ہو، اسٹرا فورڈ کی بستی کا وہ گھر جن شکسپیر رہا کرتا تھا، آج بھی ایک زیارت گاہ بنا ہوا ہے، بلکہ اس کا سامان نوشت و خواند اس کی دوات اور قلم اور اس کے قلم کے تراشے تک یادگار کے طور پر محفوظ و موجود ہیں،

| | |
|--------------------------|--------------------------|
| مطالعہ اقبال کی تحریک کی | مطالعہ اقبال کی تحریک کی |
| کمزوری کے اسباب | کمزوری کے اسباب |

بعض ارباب سیاست نے قدر دانی اور سرپرستی کے پردے میں فکر اقبال کو جن گم میں پیش کیا، اور ان کے فلسفہ و حکمت کو جس طرح اغراض خارجی کے لئے استعمال کیا، اس سے علامہ مرحوم کے مشن کو شدید نقصان پہنچا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انقلاب کا پیغام جو دکی دعوت بن کر رہ گیا، اور عل کا خروش جس نغمہ خواب اور شامت ہوا،

دقت اور دشواریاں | دوسرا سبب کلام اقبال کی دشواری اور دقت ہے، جس کی وجہ سے اس کا بڑا حصہ صرف

عوام بلکہ متوسط گروہ کے لئے بھی تقریباً ناقابل فہم ہے، غلام آباد ہند کی گلوگرنہ سیاسی فضا میں مرغانی چپی کیلئے آزادی کے گیت گانا مجید دشوار ہے، اُس پر مزہ یہ کہ اقبال جس گروہ کو مخاطب کرنا چاہتے تھے، اُس کی خاموشی اور پست ہمتی کا ان کو پورا اندازہ تھا، اس لئے وہ اپنے دل کی بات صاف صاف کہہ دینے کے بجائے رز و کتا کے پیرائے میں کہنے پر مجبور تھے، خود کہتے ہیں :-

وقتِ برہنہ گفتن است من بہ کن یہ گفتہ ام خود تو بگو گویا برم ہنفسان خام را

شعرا و پیغام | شعرا آرٹ کی خوبی بڑی حد تک اس کے ایجاز اور ایمائیت پر موقوف ہے، اس لئے شعور کے قالب میں وہ پیغام مشکل سے سما سکتا ہے، جو عوام اور متوسط طبقوں کے لئے ہونے کے باعث صراحت چاہتا

خصوصاً جب کہ شاعر کے ذہن و فکر پر دوسری خارجی پابندیاں بھی عائد ہوں، فلسفہ اور شعر علامہ کے خیال میں نو گریز کے بہانے ہیں جن کے ذریعہ شاعر واشگاف اظہار حقیقت سے بچنے کے لئے اشاروں اور کنایوں کو کام لیتا ہے۔

فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا حرفِ تمنا جسے کہ نہ سکیں روبرو

فارسی زبان ذریعہ اظہار خیال | چوتھا سبب یہ جو کہ علامہ اقبال نے اپنے فکر کے اظہار کے لئے بیشتر فارسی زبان کو استعمال کیا ہے، ہندوستان میں ادبیات فارسی کا ذوق اب اس درجہ کم ہو رہا ہے کہ لوگ آہستہ آہستہ فارسی شعر و شاعری کے حقیقی لطف سے محروم ہوتے جاتے رہے ہیں، لہٰذا بحسن کی ”دم بریدہ“ تعلیم فارسی ادب کا صحیح ذوق نہیں پیدا کر سکتی، اور وہ طلبہ بھی جو فارسی کے اچھے طالب علم سمجھے جاتے ہیں، فارسی شاعری کے اجڑا ترکیبی سے بے خبر ہونے کے باعث اپنے قدیم شعراء کو لٹوگو اور ان کی شاعری کو بیہودہ قرار دیتے ہیں، انہیں یہ گلدستے کہ رومی، حافظ، سعدی، ظہری اور غالب نے سنگِ پیر، بواؤنگ، شمس اور کیس کی طرح کیوں نہیں کہا؟ جو فارسی ادبیات کے ذوق سے ان کی محرومی کا نتیجہ ہے،

حکیمانہ اصطلاحات اور ترکیب | اقبال کی زبان حکیمانہ اصطلاحوں اور ترکیبوں سے پر ہے، عام خصوصیات کے اعتبار سے اقبال پر حافظ، غفائی، جلال اسیر، علی قلی سلیم، سالک یزدی، رضی دانش، ابو طالب کلیم، طالب دیگر کی زبان کا بڑا اثر ہے، لیکن حکیمانہ مضامین کے لئے ادھون نے دوئی خاقانی، بیدل اور غالب کی زبان استعمال کی ہے، غزل کی زبان شیریں ہے، لیکن حکیمانہ مضامین کے لئے جو الفاظ اور ترکیبیں ادھون نے استعمال کی ہیں، وہ بیشتر ترشحِ طلب اور دقیق ہیں، جس کی بنا پر متوسط درجے کے تعلیم یافتہ اشخاص کے لئے کلام اقبال بڑی حد تک ناقابلِ فہم ہو گیا ہے، میں نے شعراے فارسی اور علامہ اقبال کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا ہے جس میں اس قسم کے تمام مباحث پر مفصل تبصرہ کیا ہے، یہاں صرف اس قدر عرض کرنا کافی ہو گا کہ اقبال کا شعرا فارسی کے وارث اور مونیہ ادب کا سلام کے سلسلے کی ایک کڑی تھے، اس لئے ان کے کلام کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کے لئے فارسی زبان اور ادب سے کامل واقفیت کی ضرورت ہے،

مضمون اور مضمی کی دشواریاں | مطالعہ اقبال کے سلسلہ میں زبان اور الفاظ کی دشواریوں سے کہیں زیادہ مضمون اور معانی کی دقتیں ہیں، اقبال حکیم تھے، ساز سخن تو حرف آرزو کے اظہار کے لئے ایک بہانہ تھا، جو لوگ ان کی نواس پریشان کو محض شاعری سمجھتے ہیں، وہ کلام اقبال کی عظمت کے محرم نہیں، وہ محض غزل خوانی کے لئے نہیں پیدا کئے گئے تھے، بلکہ محرم رازِ درونِ مینا نہ تھے، قدرت نے انھیں تجدید اور انقلاب کے لئے پیدا کیا تھا۔ وہ مفکرین اسلام کے کاروانِ مقدس کے ایک ممتاز فرد تھے، ان کا کلام اسلام اور اسلامیات کے گہرے اور وسیع مطالعہ کا آئینہ دار ہے، ان کے اشعار میں کلام مجید احادیثِ نبوی، اسلامی فلسفہ، حکمت کے جواہر ریزے، تنقید اور کھل کے شہ پارے، صوفیہ اور ائمہ کے بلند خیالات، اہل عرفان اور آبابِ کشف کے مقامات و احوال کی طرف جابجا اشارے ہیں، گزشتہ تیرہ سو سال میں اسلام کے آغوش میں پنپنے والی مذہبی، علمی، سیاسی اور ذہنی تحریکوں کی تاریخ، اقوامِ عالم کے قدیم و جدید ہیجانات، ملل و مذاہبِ جدیدہ کا ارتقاء، خلافتِ سلطنت اور ملوکیت کا عروج و زوال، مغرب اور حکماءِ مغرب کے نظریے اور تصورات، غرض انسانی تہذیب و تمدن کے تمام اہم پہلوؤں پر فلسفیانہ تبصرے کلام اقبال میں ملنا و ملیجا موجود ہیں، جن سے واقفیت کلام اقبال کے حقیقی مقصود تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے، چونکہ مسلمان اب عموماً علومِ اسلامیہ اور تاریخِ اسلام سے بے خبر اور ناواقف ہو چکے ہیں، اس لئے اس شبہ کے پورے پورے امکانات موجود ہیں، اگر ہم ابھی تک علامہ اقبال کی تعلیمات کے عیسوی اور اصلی مفہوم سے شاید بہت دور ہیں، علامہ اقبال کا نام سن کر یا ان کا شعر چڑھ کر بہت سے لوگ سرد ہٹنے لگتے ہیں اور بعض پر تو وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو قابلِ مسرت اور لائقِ مبالغہ و ضرور ہے، لیکن یہ جذب و سرور اور قبولِ عام محض سیاسی قسم کا ہے، اس کی مذہبی اور علمی بنیاد بہت کمزور ہے، اور علامہ کے مقصد حیات کے ادراک و فہم سے شاید اسے دور کا واسطہ بھی نہیں اسی بے خبری کا ایک نتیجہ ہے کہ اس وقت ہماری قوم کے بعض تنگ نظروں کے نزدیک علامہ اقبال کی ساری تعلیم صرف ”خلفتِ وطنیت“ اور ”عنا و ملائیت“ سے عبارت ہے، حالانکہ تعلیماتِ اقبال کے وسیع سمندریں یہ دو امور قطرے کی

نسبت رکھتے ہیں، اور ان کا بھی وہ مفہوم و مقصد نہیں جو عام طور سے سمجھا جاتا ہے، ان کے علاوہ کلام اقبال میں نئی انمول موتی موجود ہیں جن کو نگاہیں رکھنے کے بعد اقبال کو محض وطن اور ملک کا قاتل قرار دینا مولانا شبلی کے اشعار کی یاد کو تازہ کرتا ہے،

تھیں دے دے کے ساری داستان میں یاد تو تھا کہ عالمگیر ہند و کش تھا ظالم تھا، شکر تھا

مطالعہ اقبال کی ان کمزوریوں کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی اقبال ابھی تک ایک راز سر پرست، جوان و تعلیم یافتہ حضرات کا مدعیانہ جوش و خروش محض بے بنیاد اور نمایشی ہے، میرے خیال میں کلام اقبال کے قدر دانوں کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ مطالعہ اقبال کی دشواریوں کو رفع کرنے کے لئے کوئی موثر قدم اٹھائیں اُ پیام اقبال کو سہل اور آسان تر بنا کر ہر بچے جو ان اور بوڑھے تک پہنچائیں، مطالعہ اقبال کے مہمات امور جن کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ ہیں،

(۱) فرہنگ مشکلات اقبال (۲) مبادی اقبال کی تشریح (۳) اقبال کے مآخذ اور اطراف کا مطالعہ اور تجزیہ

(۴) مسائل غیبیہ اقبال کی تشریح (۵) مطالعہ اقبال کی نہایت و غایات (۶) دائرۃ المعارف اقبال،

وہ امور جو میرے نزدیک مبادی اقبال کا درجہ رکھتے ہیں، یہ ہیں :-

(۱) اقبال کی شخصیتیں (۲) اقبال کی تعلیمات اور اصطلاحات علمی (۳) اقبال کی تصنیفیں (۴) اقبال کے استعارے، فرضی نام اور نشانہ است (۵) جزائی نام (۶) اقبال کے سرچشمہ ہائے فیض یا مآخذ (۷) اقبال کے اہم مسائل علمی کی تمہیدی واقفیت،

اقبال کی شخصیتیں | اقبال کے کلام میں عمدتہ قدیم اور مجدد جدید کی بہت سی شخصیتوں کا ذکر آتا ہے، ان میں بعض

علمی اور روحانی امور و ناموں کا تذکرہ مآخذ اقبال کے ذکر میں آئے گا، لیکن ان کے علاوہ اقبال کے ہیروز اور

بھی ہیں جن کی یاد کو اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعہ زندہ کرنے کی کوشش کی ہے، ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کی سیرت کی عظمت سے اقبال متاثر ہیں، اگر بعض ایسے بھی ہیں جن کی سیرت عبرت پذیر و نصیحت آموز

کے لئے ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے،

اقبال کی شخصیتوں کا دائرہ بہت وسیع ہے، ان میں انبیاءِ علیہم السلام بھی ہیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی، بادشاہ بھی ہیں اور سیاست دان بھی، ادب اور رزم بھی ہیں اور اصحابِ نرم بھی، مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی خدا بھی ہیں اور طاغوت پرست بھی، صلحا بھی ہیں اور فساق بھی، غرض قدیم و جدید تاریخِ عالم کی بیشتر نمایاں شخصیتیں کلامِ اقبال کے ضمن میں زیرِ بحث آئی ہیں، مطالعہ اقبال کے سلسلہ میں ان مشاہیر کا محلِ تعارف اذیس ضروری ہے، تاکہ عام مطالعہ کرنے والے حضرات ان نامور دن کے خاص اوصاف و خصوصیات پر غور کر سکیں جن کی خاطر اقبال نے ان کا تذکرہ اپنے اشعار میں کیا ہے۔

مثال کے طور پر جاوید نامہ کے بعض اشخاص کو لیجیے، مثلاً شرف النساء، صادق اور جعفر اور سید جمال الدین افغانی وغیرہ،

اقبال کی تفصیلات! اقبال کے کلام میں تفصیلات بھی بہ کثرت ہیں، ہانگ در، پیامِ مشرق، جاوید نامہ، ضربِ کلیم، زبورِ جم اور بالِ جبریل میں شعرا کے اشعار کی بہت سی تفصیلات ہیں، جن میں سے بعض مشہور و معروف ہونے کی وجہ سے محتاجِ تعارف نہیں، مگر بعض ایسی بھی ہیں، جن کا محلِ علمِ اقبال کے مطالعہ کرنے والے کے لئے بے حد ضروری ہے مثلاً ایسی شاملو، ملا عیسیٰ نقیعی، رضی دانش، ملک قلی، صائب، غنی، مرزا منہر جان، ان وغیرہ کی تفصیلات تفصیلات کے سلسلہ میں یہ بھی بتانا ضروری ہو گا کہ کسی خاص شاعر کو اقبال نے کیوں پسند کیا، اور جس شعر کو تفصیل کے لئے انتخاب کیا گیا ہے، اس میں کیا خاص خوبی ہے، یا اس کو ان کے موضوعِ بحث سے کیا تعلق ہے؟ میں نے اس بحث کو اپنے ایک مضمون اقبال کے محبوب فارسی شاعرین قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے، اس موقع پر میں صرف ایک مثال پر اکتفا کروں گا،

مندرجہ بالا فرست شعرا میں ایک شاعر رضی دانش بھی ہے، اقبال نے اس کے ایک شعر کی تفصیل کی ہے،
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کو رضی کے اس شعر کی شوخی سے دیکھی پیدا ہوئی،

تاک داسر سبز کن اے ابرنیاں دربار
قطرہ تائے تواند شہ چرا گو ہر شود

اس شعر کے جواب میں داراشکوہ نے یہ شعر لکھا تھا،

سلطنت سہل است خود را آشنائے قہر کن
قطرہ تا دریا تواند شہ چرا گو ہر شود

ان شعرا کے حالات معلوم ہونیکے بعد یہ سمجھنا نسبتاً آسان ہو جائے گا کہ ادن کی سیرت اور شاعری میں اقبال کے لئے کیا خاص وجہ تشریح تھی، ان تفسیروں کا جائزہ لینا اس اعتبار سے بھی ہمارے لئے مفید ہے کہ ہم ان ذریعہ اقبال کی محبوب کتابوں اور مطالعہ کتب کے سلسلے میں ان کے طریقوں سے بھی واقفیت حاصل کر سکتے ہیں، اقبال کی تعلیمات اور کتابوں کے حوالوں کی تشریح بھی اسی ضمن میں آتی ہے، تعلیمات کا ایک حصہ فرنگ اقبال میں شامل ہونا چاہئے، لیکن بعض تعلیمات ایسی بھی ہوں گی، جو اس میں شامل نہیں کیا جاسکتیں، ان کی تشریح کے لئے شارح کو الگ انتظام کرنا ہوگا، کلامِ اقبال میں بہت سی کتابوں کا ذکر آیا ہے، وہ بھی اسی قبیل سے ہیں، ایک عام مطالعہ کرنے والا بسا اوقات ان اجنبی اور نامانوس ناموں سے گھبرا اٹھتا ہے، اور اقبال سے شیفگی کے باجئے مطالعہ کلام کو ترک کر دیتا ہے،

اقبال کے پسندیدہ اکنہ و مقامات | عقائد و خیالات اگرچہ روحانی حقائق کا درجہ رکھتے ہیں، اور ان کو کسی خاص مکان اور مقام کے ساتھ محدود اور وابستہ نہیں کیا جاسکتا، تاہم اقوام کی تاریخ میں مکان اور مقام کو ہمیشہ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، قید مقام سے آزاد ہونے کے باوجود، اقوام اپنے ماضی کی محسوس یادگاروں کو زندہ رکھنا چاہتی ہیں، اور ان کے لئے اپنے دل میں اس درجہ محبت رکھتی ہیں کہ ان کا تذکرہ سوئی ہوئی عصیتوں کو جگا سکتا ہے اور وہ حیات کی بیداری کا ذریعہ بن جاتا ہے، اقبال کے کلام میں اسلامی دور کے بعض شہر کا تذکرہ بار بار آتا ہے، یہ وہ شہر ہیں جو کسی زمانہ میں اسلامی عظمت اور تہذیب کے مرکز تھے، ان کے در و دیوار سے علم اور تمدن کے سرچشمے جاری تھے، اور ان کے لگی کوچون میں شرفِ انسانیت کا نور برسا کرتا تھا، اقبال کی شاعری تہذیب اور ثقافت کے ان کھنڈروں کی مرثیہ خوان ہے، اگر ہم ان محبوب بتیوں کے سنا اقبال کی دلچسپی کے جو

سے واقف ہو جائیں گے، تو یقیناً ہم پنیام اقبال کی گہرائیوں تک پہنچ سکیں گے، جہاں آباد دہلی، کابل، تبریز، روم، قرطبہ، شیراز، رود کاوری، وادی الکبیر، وادی نولاب کی طرح کے بے شمار شہر اور مقام ہیں جن کی خصوصیات کا جاننا ہمارے ابتدائی فرائض میں سے ہے،

اقبال کے پسندیدہ استعارے | میں نے اپنے مضمون اقبال کے محبوب فارسی شاعرین اقبال کی فارسی زبان اور اقبال کے مجازات اور استعاروں سے مفصل بحث کی ہے، جس کے ضمن میں یہ مجازی الفاظ

بتایا ہے کہ اقبال اگرچہ اپنی زبان و بیان کے اعتبار سے فارسی کے شعراء متوسطین و متاخرین سے زیادہ قریب معلوم ہوتے ہیں، لیکن حافظ کی شاعری کے اثرات سے اتفاق نہ رکھنے کے باوجود وہ انکی زبان اور اسالیب سے بے حد متاثر ہیں، شہسوار کی زبان ان کی زبان ہے، مگر غزل میں حافظ اور ان کے بعد عمدہ مغلہ کے اکابر شہسوار، نغیر، غنی، طالب، کلیم، بیدل اور غالب کی زبان میں لکھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے استعارے اور مجازی الفاظ سب کے سب انہی شعراء کے کلام سے ماخوذ ہیں، با این ہمہ ہمیں اس فرق کو فراموش نہ کرنا چاہئے، کہ اقبال نے اپنے استعاروں اور کنایوں کا مفہوم بالکل بدل دیا ہے جس طرح آج سے چھ سات سو سال قبل ہمارے صوفی شاعروں نے خمر اور سُکر کی اصطلاحوں اور استعاروں کو حقیقت اور طریقت کے لباس میں ملبوس کر دیا تھا، بعینہ اقبال نے فارسی شاعری کے محبوب مجازی الفاظ کو نئے معانی اور نیا مفہوم بخشا ہے، میں اس موقع پر صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں، حافظ کی ایک مشہور غزل ہے، جس کا ایک شعر یہ ہے :-

شیر زارغ وزغن در بند قید و صید نیست

این سعادت قسمت شاہماز و شاہیں کردہ اند

اقبال حافظ کے شاہماز اور شاہیں سے بے حد متاثر ہیں، لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اقبال کا شاہیں حافظ کے شاہیں سے بالکل مختلف مفہوم رکھتا ہے، حافظ کا شاہیں زیادہ سے زیادہ ایک جلالی صفت قندار

لیکن اقبال لکشاہین ایک غور، قاہر اور خودی آشنا مومن ہے، اسی طرح فارسی شاعری کے بعض محبوبانِ الفاظ مثلاً حرم، شیخ، میکدہ، خاک، دانتہ، بیابان، نمناک، کبوتر، گوسفند، طاؤس، ناقر، ہمارا ساربان، حدی خوان وغیرہ اقبال کی شاعری میں یکسر نیا مفہوم اور معنی رکھتے ہیں، اس جدید مفہوم کی تشریح ہمارے مطالعہ کے مبادی سے تعلق رکھتی ہے،

فرہنی مقامات اور کردار جاوید نامہ اور دوسری کتابوں میں بعض فرضی نام اور مقام آتے ہیں ان کے تعین اور انتخاب کی وجہ کو جاننا بھی بے حد ضروری ہے، اور بتدیون کو ان کے متعلق کچھ نہ کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ یہ اصلی نام نہیں، مثلاً دادی طواسین یا وادیِ رغمد، شہرِ رغمدین، زندہ رود، بہان دوست اجل، ام دوخ، وڈیخو، محراب گل افغان وغیرہ، (باقی)

تاریخ اسلام جلد اول

(از آغاز اسلام تا حضرت حسن رضی اللہ عنہ)

اس کتاب میں عرب قبل از اسلام کے حالات، اور ظہور اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی اسلام کی مذہبی سیاسی اور تمدنی تاریخ ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی، حجم ۳۰۰ صفحہ قیمت سے

تاریخ اسلام جلد دوم

(بنی امیہ)

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب موجود نہیں تھی جس میں تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر اسلامی حکومتوں کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ کی تفصیل ہو، اسلئے دارالمصنفین نے تاریخ اسلام کا پورا سلسلہ مرتب کر لیا جو اس کے بعض حصے پہلے شائع ہو چکے ہیں، اس نئے حصہ میں اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے، قیمت سے

”منہجر“

جلد سوم (بنی عباس) زیر طبع ہے

انجمن ہائے قرضہ بے سودی

جناب ڈاکٹر محمد حید اللہ صاحب استاذ جامعہ عثمانیہ

”سود کی مذہبی حرمت سے قطع نظر خالص دنیاوی حیثیت سے بھی سودی قرضوں نے مسلمانوں کو جس نوبت تک پہنچا دیا، اس کے نتائج بالکل ظاہری بعض کو، مگر نظر مسلمانوں نے مسلمانوں کو تباہ کی سودی قرضوں سے روکنے کے بجائے شرعی حیثیت سے سود کے جواز اور اس کی ترویج کو مسلمانوں کے اقتصاد، ہی و اہل کا علاج تجویز کیا ہے، حالانکہ قوموں کی اقتصاد ہی ترقی کا مدار سود و خوری پر نہیں، بلکہ صنعت، تجارت کی اشاعت و ترقی پر ہے، گو بیشتر مسلمانوں کی تباہی کا سبب ان کا اسراف ہے، لیکن بعض حالات میں واقعی اور ناگزیر ضروریات نامہ اور مسلمانوں کو سودی قرض لینے پر مجبور کر دیتی ہیں، اس مجبور کی پیش نظر خلافتِ راشدہ کے دور میں بیت المال سے عاجز مسلمانوں کی امداد اور ان کے قرضوں کا نظام تھا، لیکن آج اس قسم کا کوئی اجتماعی نظام نہیں ہوا، بیت سے مسلمان ضروریات کے مواقع پر سودی قرض لینے کیلئے مجبور ہوجاتے ہیں، سب سے اول اس ضرورت کا احساس حیدرآباد میں کیا گیا، اور آج سے پچاس ساٹھ برس پیشتر وہاں بے سود کے قرض دینے والی انجمنیں قائم ہوئیں، یہ انجمنیں اتنی کامیاب ہوئیں کہ اب حکومت نے بھی ان کی جانب سرپرستی کا ہاتھ بڑھایا، ڈاکٹر محمد حید اللہ صاحب مدنی نے ان انجمنوں کی رد واد ہا سے پاس اشاعت کیلئے بھی ہرچیز اس کا تعلق عام مسلمانوں کے مفاد اور وقت کے ایک اہم مسئلہ سمجھا اور اس سے انجمنوں کے نظام اور ان کی کارگزاری پر روشنی پڑتی ہے اس لئے اس کو عام مسلمانوں کے سبق کیلئے شائع کیا جانا چاہئے،“ م

رسالہ معارف جہان علوم اسلامی کی بے بہا خدمت انجام دے رہا ہے، وہیں معاشرہ مسلمانان کی اصلاح میں بھی اسکی کارگزاری کچھ کم نہیں ہے، اسی آخر الذکر قسم کا ایک امراض نظرین سے عرض کرنا ہے، دنیا سے اسلام میں ہر جگہ اور مہند میں خاص طور پر مسلمان افلاس اور معقول خرچی میں شہرت رکھتے ہیں نتیجہ قرضداری ہے، وہ قرضداری جس سے مسلمان کم از کم پانچ دفعہ روزانہ نماز میں

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَآْثِرِ خَدَايَا۔ میں تیرے ہاں گنہ اور قرض سے

پناہ چاہتا ہوں،

وَالْمَخْرَجِ،

کے الفاظ میں اظہار بیزاری کرتا ہے، لیکن یہ اظہار بیزاری بھی صرف لفظی ہو گیا ہے، عمل سے کوسون دور ہے، انسانی معاشرے میں باہمی احتیاج قدیم سے ہے، اور انہی احتیاجوں میں سے ایک رقم کی عارضی ضرورت بھی ہے، کسی کے پاس فالتو رقم ہوتی ہے، اور کسی کو اس کی احتیاج عام حالتوں میں یہ معقول توجہ کہ فاضل رقم والا اپنی قرض دہی سے کچھ نفع حاصل کرے، لیکن انسانیت بھی کوئی چیز ہے، اخلاق فاضلہ کا بھی کچھ پاس ہونا چاہئے، اے بس و محتاج کی امداد اس کی تھیں انسان نہ کرے تو پھر مخلوقات میں کس سے اس رکھی جاسکتی ہے؟

یہی وجہ جو کہ قدیم سے ہر مذہب مذہب نے ہر جگہ سود و خوار کی ممانعت کی، اسلام نے تو اسے خدا و رسول سے اعلان جنگ کا لڑھ خیز نام دیا ہے،

یہ سب سہی لیکن دنیا میں جب تک انسان کو آزادی ہے اس کی کم توقع کی جاسکتی ہے کہ تکلیف دہ نیکی پر بطور اکثر عامل ہو، اپنا روپیہ چاہے فالتو ہی ہو، دوسرے کو بے سودی قرض دے دینا، اور اس طرح ایک جو حکم مول لینا واقعی ایک تکلیف دہ نیکی ہی ہے، حکومت کے سوا عوام میں ایسے شاذ ہی ملین گے، جو بے سودی قرض دے سکیں،

اور تمام تمدنوں نے سود کی ممانعت جس حد تک کی، ہو، لیکن اس کے اصل باعث پر توجہ نہ کی، اسلام ہی

وہ واحد تمدن ہے جس نے سود کی ممانعت کے ساتھ ساتھ اس کے استیصال کے وسائل مہیا کئے (اور جیسا کہ عرض ہوا، قرضہ دینا اور سود سے دست برداری گوارا کرنا صرف کسی حکومت ہی کے لئے علی العموم آسان ہی، افراد عوام کے لئے نہیں کچنانچہ قرآن مجید نے اسے حکومت کے فرائض میں داخل کیا، اور حکم دیا کہ سرکاری آمدنی کا ایک حصہ قرضداروں کی اعانت کے لئے اٹھا کر کھاجائے :-

انما الصدقات للفقراء والمساكين
والعالمین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم
وفی الرقاب والغارمین الآلۃ

بے شک زکوٰۃ وغیرہ کی سرکاری آمدنیاں
فقیروں مسکینوں، وصول کنندہ انسروں
مؤلفۃ القلوب، غلامی و قید سے رہائی اور

چونکہ آیت کے شروع ہی میں فقر و مساکین آچکے ہیں، اس لئے ان قرضداروں سے مراد مانا شدہ کی محتاج فقیر نہیں ہو سکتے، بلکہ وہی کھلے پتوں کو ہو سکتے ہیں جنہیں عارضی طور پر قرض کی شدید ضرورت ہو گئی ہو، یہ امر قابل غرض ہے کہ اس آیت میں زکوٰۃ کی جگہ صدقات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے جس کی تشریح و تفصیل یہاں شاید غیر ضروری ہوگی،

سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں سرکاری خزانہ سے اہل حاجت مسلمان قرض حاصل کیا کرتے تھے، خود خلیفۃ المسلمین ضرورت کے وقت بیت المال سے قرض لیتے تھے، اور جب سالانہ استمہا، تنخواہ دیوان سے ملتی تھی تو اس کو ادا کر دیتے تھے،

یہ سرکاری انتظام اگر جاری رکھا جاتا تو دنیا سے اسلام میں سود خواری باقی ہی نہیں رہتی، حالانکہ میں اس کی کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ حکومتیں اتنی رہایا پروری کریں،

مملکت اسلامیہ دکن صانہا اللہ عن الشہرہ والفتن سے حالیہ زمانہ میں جان متعہ و اصلاحی اقدام ہوئے ہیں، وہیں انجمن ہائے قرضہ بے سودی بھی ہیں، ان کی کچھ تفصیل یہاں پیش کرنے کی اجازت چاہی جاتی ہے،

ابھی برطانوی ہند میں کو اپریٹریو کی سودی انجنین قائم بھی نہ ہوئی تھیں کہ اس سے ایک نسل پہلے (اب سے پچھن ساٹھ سال قبل) شہر حیدرآباد کے ایک درمند شائع نے انجن مؤید الاخوان قائم کی جو بانی انجن کے لائق بیٹے مولانا سید محمد بادشاہ حسینی معتمد مجلس علمائے دکن کی توجہ سے اب تک جاری اور روز افزون ترقی کر رہی ہے اس انجن کا اصول یہ ہا کہ لوگ چرم قربانی اور دیگر خیراتی رقمیں اس ادارے کو دیدیا کریں چھوٹی ابتدا کے باوجود اس انجن نے اب دس ہزار کا سرمایہ جمع کر لیا ہے، اور اب تک پانچ چھ لاکھ روپیہ بے سودی قرض دے چکی ہے، یہ چھوٹی انجن ہے، لیکن والفضل للمقدم،

اس اثنا میں حکومت آصفیہ میں اور بھی درجنوں انجنین بے سودی قرض کے لئے دقتاً فوقتاً قائم ہوئیں جن میں متعدد اب بھی باقی ہیں،

انہی میں سے ایک کا تفصیلی ذکر کرنا مقصود ہے، محکمہ بند و بست و داخلہ حقوق اراضی (ٹل منٹ لینڈ رکارڈ) کی انجن امداد باہمی قرضہ بلا سودی نے چند ماہ ہوئے اپنا بیسواں سالانہ جلسہ کیا، اس میں بیان ہوا ہے کہ بیس سال میں اس نے ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ کا سرمایہ جمع کر لیا ہے جس سے اب ماہانہ پانچ چھ ہزار کے جدید قرضے دیئے جا رہے ہیں، اس کا اصول امداد باہمی ہے

ہوتا یوں ہے کہ مثلاً دس آدمیوں نے ایک انجن قائم کی، اور اس کا سو روپیہ کی مالیت کا ایک ایک حصہ خرید لیا، اور وعدہ کیا کہ ماہانہ ایک ایک روپیہ کی قسط ادا کی جائیگی، تاکہ سو آٹھ سال میں پوری رقم ادا ہو جائے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے بیسے میں دس شرکا سے دس روپے وصول ہوتے ہیں، جو ایک یا زائد شرکاء کو قرض میں دیئے جاتے ہیں، ادائی مثلاً بیس ماہ میں رکھی جائے تو ماہانہ آٹھ آنے قسط قرضہ میں وصول ہوتے، دوسرے ماہ میں دس روپیہ خرید رقم حصص میں اور آٹھ آنے قسط قرضہ میں وصول ہوتے ہیں، تیسرے ماہ علاوہ رقم حصص کا ساڑھے دس روپیہ کی قسط قرضہ آٹھ آنے سے کچھ زائد وصول ہوتی ہے، اور اس طرح ہر ماہ آمدنی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے سو آٹھ سال کے اختتام پر دس ہی غریب آدمیوں سے ہزار روپے جمع ہو جاتے ہیں جو شرکاء میں قرض کی

صورت میں پھیلے ہوئے اور گشت کرتے رہتے ہیں، اور محض اقساط قرضہ سے ماہ ماہ اتنی رقم جمع ہو جاتی ہے کہ ضرورت نہ شرکاء کی ضرورت پوری ہو جائے،

نئے شرکاء بڑھتے رہتے ہیں، وفات وغیرہ سے کچھ خارج بھی ہوتے اور اپنی زمین واپس بھی لیتے رہتے ہیں لیکن اگر کارکن دانت وادھون تو انجن کی ساکھ اور اس کا کاروبار پھیلتا جاتا ہے،

انجن کے لئے بھی کھاتوں اور کاغذ سیاہی وغیرہ کی ضرورت رہتی ہے، اس کی فراہمی کا انتظام یہ ہوتا ہے کہ شرکاء مثلاً ایک پائی ماہانہ مد محفوظ دھار کے لئے ادا کرتے ہیں، درخواست قرضہ پر بھی ایک آئینا مناسب محصول لگایا جاتا ہے، یہ رقم اتنی ہو جاتی ہے کہ کاروبار کے پھیلنے پر محاسب کی تنخواہ وغیرہ بھی ادا ہو سکتی ہے اور محفوظ ناقابل بازیافت رقموں کے لئے بھی کام دیتی ہے، مثلاً کسی کی وفات ہو گئی، اور اس کی جمع سے زیادہ قرض وصول طلب ہے، اور اس کی ضمانت بھی اتفاقاً ناکافی ہو گئی ہے وغیرہ،

ضمانت شخصی بھی ہوتی ہے اور مالی بھی، شخصی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک یا زائد اشخاص اقرار کرتے ہیں کہ قرض گنہگار رقم دان کرے تو وہ اپنی ذات بجا دے ادا کر دیں گے، مالی ضمانت میں زیور بجا دے وغیرہ منقولہ وغیرہ ہوتے ہیں اور عموماً قرض کی مقدار سے ڈیڑھ سے دو گنی مالیت کے سامان قبول کئے جاتے ہیں تاکہ قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے جو حکم نہ رہے،

قرض کی مقدار پر بھی پابندی مانع ہوتی ہیں، ایک حصہ لینے والا مثلاً زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو روپیہ تک قرض لے سکتا ہے اسی طرح ڈیڑھ سو کا حق ہونے کے باوجود کم آمدنی رکھنے والا چھپا چھپا ہونے کی صورت میں احتیاطاً اسکی مقدار گھٹا سکتی ہے وغیرہ اگر وقت وادھین بہت سے قرض خواہ ہو جاتے ہیں تو درخواست کے تقدم، ضرورت کی شدت اور گنجائش کا لحاظ کیا جاتا ہے، عموماً مجلس انتظامی ہر مہینہ جلسہ کر کے طے کرتی ہے کہ اس مہینہ میں کن کن لوگوں کو کتنا قرض دیا جائے اس میں اگر بے جا پاسداری نہ ہو تو سب خوش رہتے ہیں،

یہ اور دیگر انتظامی امور تجربے سے بھی معلوم ہو جاتے ہیں، تجربہ کار انجنوں کے قواعد سے بھی علم ہو سکتا ہے، دفتر بندوبست کی مذکورہ انجن میں اس وقت ایک ہزار شرکاء ہیں، ان میں مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی، انجن

اخراجات کے باوجود بچت کے ذرائع سے اب اس کا محفوظ سرمایہ تین ہزار روپے کا ہو گیا ہے،
اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص اپنا خرچ آمدنی سے زیادہ رکھے، اور کمی کی تلافی قرضے سے کرنا رہے تو
لعان کی حکمت بھی اس کی مدد نہیں کر سکے گی اور وہ جلد یا بدیر تباہ ہو جائے گا، انجمن ہائے قرضہ حسنہ کا مقصد صرف
ان لوگوں کی مدد ہے جن کے آمد و خرچ میں توازن ہو، لیکن اگر وقتی طور سے ان کو اتنی رقم کی ضرورت ہو جسے
جوان کی آمدنی سے فوری طور پر بچائی نہیں جاسکتی تو ان کو قرض دیا جائے،

مسلمان ہند سے اسراف کی عادت کو چھڑانے اور آمد و خرچ میں توازن پیدا کرنے کے لئے بہت سے ذیلی
ذیلی وسائل کی حاجت ہے، علاوہ انجمن ہائے قرضہ حسنہ کے، انفلوئرا سم کارک کرنا غیر ضروری مصارف میں
تخفیف بلکہ ان کا ختم کرنا، اور جیسا کہ مجلس علماء دکن نے تجویز کیا ہے اگر کوئی شخص اپنی سکت سے زیادہ محض دکھاؤ
کے لئے دھوم دھام سے کوئی تقریب کرے اور اس کے لئے سودی قرض چل کرے تو ایسی تقریب کا بایں کاٹ کر باخا
ہو سکے تو مجبوراً تعزیرات میں ترمیم کر کے سرفانہ مراسم انجام دینے والوں اور قرض لے کر بجا و غیر ضروری امور کی تکمیل
کرانے والوں کو قابل دست اندازی جرم کا مرتکب اور قابل سزا قرار دینا ہو گا۔

بہر حال انجمن ہائے امداد باہمی قرضہ بلا سودی نے حیدرآباد میں کافی مفید کام انجام دیا ہے اور اب وہ
روز افزوں وسعت حاصل کرتی جا رہی ہیں، ساٹھ سال کا طویل اور جہادی دور ختم ہو گیا ہے، اب حکومت بھی ان
کی سرپرستی کر رہی ہے، چنانچہ حکومت حیدرآباد نے حال میں لکھاؤ کو حکومت سرکار کا مالی بچسپی کے ساتھ محکمہ بندوبست کے
ملازمین کی انجمن کی ترقی کو نوٹ کرتی ہے اور اس انجمن کی خصوصیت یعنی کاروبار کے بے سودی ہونے کے متعلق دیگر
دفاتر کی انجمنوں کو بھی ترغیب دلاتی ہے، کیونکہ کسی انجمن قرضہ امداد باہمی کا صحیح مقصد یہی ہو کہ کفایت شعار
کی حوصلہ افزائی اور اپنے ارکان کی خدمت ہونے کے لئے اندرونی عمل میں لائی جائے۔

لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، مع ضمیمہ اضافہ جناب سعود عالم صاحب دہلی، جمعہ ۱۰ صفر ۱۳۸۱ھ، صفحہ ۱۰۲

طبِ فرشتہ

از

جناب سید عبدالقادر صاحب اعلم اے پرونیسہ سلامیہ کج لاہور

معارف بابت دسمبر ۱۳۳۷ء میں جناب مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں فاضل مضمون نگار نے تاریخ فرشتہ کے مصنف محمد قاسم المقلب بہ ہندو شاہ المشہور بہ فرشتہ کی طبی تصنیف دستورالطبا یا طبِ فرشتہ پر تبصرہ کیا ہے۔ اس مضمون کی ترتیب کے وقت جناب سید صاحب کے پیشِ نظر دستورالطبا کا ایک نامکمل ساقلی نسخہ تھا جو محض دو مقالوں پر مشتمل ہے، مضمون کے اخیر میں انھوں نے معارف کے ناظرین سے استدعا کی کہ اگر کسی صاحب کے پاس اس کتاب کا دوسرا یا بقیہ حصہ ہو تو انھیں مطلع کریں۔

اس کے بعد معارف بابت جنوری ۱۳۳۷ء میں نواب صدیرال جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شہروانی نے دستورالطبا کے ایک قلمی نسخہ کا ذکر کیا ہے جو خود ان کے کتب خانہ میں موجود ہے لیکن برقی سے یہ نسخہ بھی نامکمل ہے اس میں پہلے دو مقالے تو بدستور موجود ہیں، لیکن تیسرے مقالے میں ۱۰۰ کے بجائے صرف ۵۰ فصلیں ہیں، اخیر کی تین فصلیں بنیں ہیں، یہ نسخہ ۱۱۹۱ء سے کچھ عرصہ پہلے کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، میرے کتب خانہ میں دستورالطبا کا ایک بالکل مکمل مگر مطبوعہ نسخہ موجود ہے، جو ۱۳۱۹ء میں مطبع افغانی امرتسر میں بفرمایش و اہتمام حکیم مولوی نیاز علی خان شائع ہوا تھا، اور قریباً پندرہ برس کا عرصہ ہوا میں نے اس کو انہی حکیم صاحب خریدا تھا، قریباً دس سال ہوئے میکونیا علی خان کا انتقال ہو گیا، اور ان کی وفات کے بعد ان کا ذخیرہ کتب منتشر ہو گیا، جناب مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی کے مضمون کے شائع ہونے

کے بعد میں نے ایک عزیز کو جو امرتسر میں مدت سے مقیم ہیں، اور مستند حکیم بھی ہیں، لکھا کہ وہ دستورِ اطباء کے بقیۃ السیف نسخوں کی تلاش کریں، لیکن انھیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی، نیا نسخہ تو کیا انھیں کوئی مستعمل نسخہ بھی نہیں ملا، کیونکہ یہ کتاب مقبول عام نہیں ہوئی تھی، اور اس کی بہت کم جلدیں فروخت ہوئی تھیں، لیکن چونکہ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ مزید جستجو سے اس کی ایک دو جلدیں مل سکتی ہیں، مطبوعہ نسخہ کا عنوان حسب ذیل ہے:

دستورِ اطباء

تصنیف حکیم سید محمد قاسم آسر آبادی الملقب بہ ہندو شاہ فرشتہ در عہد سلطان محمد ابراہیم شاہ عادلؒ معلوم ہوتا ہے کہ حکیم صاحب مرحوم نے آسر آباد کو آسر آباد پڑھا، یا ممکن ہو کہ یہ کتابت کی غلطی ہو، سلطان محمد ابراہیم شاہ عادل سے مراد ابراہیم عادل شاہ ثانی ہے، جو ۱۰۳۹ ہجری سے ۱۰۳۹ھ تک بیجا پور کا فرمانروا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ حکیم نیاز علی خان صاحب بیجا پور کے عادل شاہی خاندان کی تاریخ سے ناواقف تھے، اس لئے انھوں نے ابراہیم عادل شاہ کے بے ربط اور بے جوڑ سے نام کو بامعنی بنانے کے لئے ابراہیم شاہ عادلؒ لکھ دیا، دستورِ العلاج کے اخیر میں نام نہ کرنے کی عبارت کا اضافہ کر دیا ہے۔

”مستطاب دستورِ اطباء مفید خاص و عام جامع مطالب طبابت ہندی و یونانی بطریقے کہ از توفیق زبان قلم قاصر است حکیم سید محمد قاسم جامع علوم معقول و منقول الملقب بہ ہندو شاہ فرشتہ کہ تاریخ فرشتہ تصنیف او بدین وجہ موسوم است، ساکن احمد نگر بلدہ بیجا پور در عہد سلطان محمد ابراہیم شاہ عادل در ۱۰۳۹ھ مقدس تصنیف نمودہ نایاب بود، از نسخہ صحیحہ قلمی مرتومہ ۱۰۳۹ھ نقل کردہ بموشش بلخ و خرچ کثیر در ۱۳۱۹ھ ہجری در مطبع افغانی شہر امرتسر..... مطبوعہ و مقبول خاص و عام گردید“

ساکن احمد نگر بلدہ بیجا پور کی ترکیب سے بھی حکیم صاحب مرحوم کی دکن کی تاریخ سے عدم واقفیت عیاں ہوتی ہے،

جناب مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ (دستور العلاج کا) دوسرا مقالہ کشتہ جات مفردہ و مرکبہ پر ختم ہو جاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب نے دوسرے مقالہ کا غائر نظر سے مطالعہ نہیں کیا یہ مقالہ پندرہ ابواب پر مشتمل ہے، اور ان میں سے صرف ایک باب (چرد ہوان باب) میں کشتہ جات پر بحث کی گئی ہے، اور باقی چودہ ابواب میں تفرعات، معجمات، جوارشات، قرصا، جوہرا، سفوفنا، سنوفنا اور مطبوعات وغیرہ بنائیں ترکیبیں درج ہیں، اور ان کے فوائد پر بحث ہے،

تیسرا مقالہ ایک سو ساٹھ فصول (یا ابواب) پر مشتمل ہے، اس میں عام اطباء کے دستور کے مطابق سرے لیکر پائونٹک تمام امراض کا مختصر ذکر کیا گیا ہے، اور ان کا علاج بھی بتلادیا گیا ہے، کتاب کے اخیر میں دو تفصیلیں در خواص و ائقہ ہائے آب و ہوا سے ربع مسکون شتمبر فصل، ہیں، لیکن یہ دو فصول صرف دو صفحوں میں ختم ہو جاتی ہیں، دستور العلاج بڑی قیطع کے ۲۴۸ صفحوں میں ختم ہوئی ہے، کتابت اچھی ہے، مگر کاغذ معمولی ہے،

دولت عثمانیہ جلد اول

(مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے رفیق دارالمصنفین)

یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ میں عثمان اول سے مصطفیٰ اربع تک پانچ صدیوں کے مفصل حالات ہیں، اردو میں اب تک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ مبسوط اور مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۹۰۶ صفحہ قیمت سے ۲۰

دولت عثمانیہ جلد دوم

سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ، اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل، از محمود ثانی

”مینجر“

۱۲۲۳ھ تا جنگ عظیم ۱۳۳۴ھ قیمت ص ۲۶۸، صفحہ ۱۹۲۹

اردو کی دو قدیم کتابیں

جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی

رسالہ معارف بابۃ جنوری ۱۹۴۴ء میں "نواح دہلی کی اردو کی دو قدیم کتابیں" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا ہے، اس کے متعلق چند امور قابل تذکرہ ہیں،
(۱) راقم کی کتاب "دکن میں اردو" کے حوالہ سے تحفہ عاشقان کا تذکرہ کر کے اس کے سنہ تصنیف کی صحت کی گئی ہے،

بیشک راقم نے "دکن میں اردو" کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں وجدی کی تحفہ عاشقان کو دکنی زبان کی پہلی کتاب قرار دیا تھا، لیکن اس کے بعد جو تحقیقات کی گئی، اس کے لحاظ سے طبع ثالث میں اصلاح کر دی گئی ہے،

دکنی نظم کی پہلی کتاب جو اب تک دریافت ہوئی ہے، وہ نظامی کی مثنوی ہے، جو ۱۸۶۵ء میں تصنیف ہوئی ہے، اس کے متعلق راقم کا مضمون "بہنی عہد حکومت کا ایک دکنی شاعر" کے عنوان سے رسالہ معارف بابۃ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا ہے،

اس کے علاوہ خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی متوفی ۱۸۶۵ء کی کتابیں جوثر میں لکھی گئی ہیں، موجود ہیں البتہ خواجہ صاحب کی نظم کے متعلق ہنوز پوری تحقیقات نہیں ہوئی ہے،

(۲) زیر بحث مضمون میں جو اسرخی کے حوالہ سے بتایا گیا ہے، "وہی پہلا شاعر تھا جس نے سب رس ۱۰۳۵ھ

میں لکھی ہے جو اہل سخن وین و جہی کی مثنوی قطب شہری کا تذکرہ ہے نہ کہ سب رس کا قطب شہری کی تصنیف مثنوی
میں ہوئی ہے،

۳۔ بجز التاریخ ادب اردو محمد قلی قطب شاہ کی وفات ۱۲۲۲ھ میں بتائی گئی ہے، یہ صحیح نہیں ہے تاریخ مذکور
میں قطب شاہ کا سنہ وفات ۱۲۶۵ھ لکھا گیا ہے، سلطان کی وفات دراصل ۱۲۲۲ھ میں ہوئی جو نہ کہ ۱۲۲۲ھ میں،
اس صحت کے بعد مجھے مضمون زیر بحث کی کتابوں کے متعلق بھی کچھ صراحت کرنی ہے،

اس میں دو کتابوں کا تذکرہ ہے، ایک مثنوی واقعات امامیہ ہے، اور دوسری کتاب دیوان منعم ہے
اول الذکر مثنوی کے متعلق لکھا گیا ہے کہ یہ ۱۲۹۳ھ میں مرتب ہوئی جو اردو ثانی الذکر کے متعلق بتایا گیا ہے کہ یہ بھی اسی دور کی تصنیف
صاحب مضمون نے واقعات کے محاط سے سنہ کی صراحت کی چونکہ تین کے ساتھ سنہ تصنیف کا حوالہ نہیں
دیا گیا ہے جو نہایت ضروری ہے مضمون زیر بحث میں اس امر کی وضاحت نہیں ہے کہ مثنوی واقعات امامیہ شا
غلام رسول برادر شاہ حافظ منور بایزید ثانی کی تصنیف ہونے کا کیا ثبوت ہے ؟

اس سے قطع نظر دیوان منعم کو ۱۲۹۳ھ یا اس زمانہ کا دیوان قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی
ہو سکتا ہے کہ محمد اشرف منعم تخلص رکھتے ہوں مگر کسی اور شخص کا تخلص منعم ہو نا خارج از قیاس نہیں ہو سکتا،
زبان کے محاط سے دیوان منعم کو ہرگز ۱۲۹۳ھ کی کتاب قرار نہیں دیا جاسکتا، ملاحظہ ہوں اشعار :-

دیکھ کر اس قدمزدن کو زہن شرم کے سقا گدگیا خاک میں سر و آج گلستان کے بیچ

شیخ اس پار کے رخسار کون دیکھ ہوئی فانوس میں جل کر کے روپوش

رواق نہیں ہے صفحہ کی جڈل بجز دیکھ ایسے ہی حسن کے تئیں وہ ہر بہار خطا

ابر ہے، سبزہ ہوا و خندان ہو گل گلشن کے بیچ حیف ہو اس وقت میں ساتی نہیں نیا ایلان

کونسا معشوق ہو جگ میں جلا عشق کے سقا اس قدر عاشق فوازی کوں تر و چھائی ہو شیخ

ان اشعار کی زبان اس قدر صاف ہے کہ اس کو ۱۲۹۳ھ کی زبان تصور کرنے میں شبہ کی کافی گنجائش ہے،

ایک بیگنا

موج کوثر

از

مولوی اقبال احمد خان صاحب تہیل ایم اے، ال ال بی (علیگ)

”مولوی اقبال احمد خان صاحب نے حال ہی میں یہ پاکیزہ نعت لکھی ہے جو کتابی صورت میں بھی شائع ہو گئی ہے، لیکن ابھی اس کی عام اشاعت نہیں ہوئی ہے، اور ناظرین معارف میں سے غالباً بہت کم اصحاب تک اس کے پہنچنے کی نوبت آئے، اس لئے ماہ مبارک کی تقریب میں یہ پاکیزہ تحفہ ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے، یہ نظم بہت طویل ہے اس لئے کل نین دیا رہی ہے،

”م“

| | |
|---|---|
| منظرِ اول، مرسل خاتم، صلی اللہ علیہ وسلم | احمد مرسل، فخرِ دو عالم، صلی اللہ علیہ وسلم |
| حسنِ سراپا، خیرِ مجسم، صلی اللہ علیہ وسلم | جسمِ مژگی، روحِ مصور، قلبِ قلبی، نورِ مقطر |
| خلقت جس کی سب پہ مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم | طینت جس کی سب سے مٹھ، بخت جس کی سب سے خوش |
| جس کے مبشرِ عیسیٰ مریم، صلی اللہ علیہ وسلم | جس کی ہر اولِ فوجِ سیماں جگے سنائی ہوئی ہو |
| سب کی زبان پر فردہ مقدم، صلی اللہ علیہ وسلم | برُقعِ فارس، قدس کے رہبانِ کشورِ بابل، ادوی کُنّا |

لہ پوری نظم چھوٹی قطع کے ۲۴ صفحوں میں ہے، ہر قیمت ہے،

کفر کی ظلمت جس نے مٹائی دین کی دولت جس نے
 باغِ جہان کا حارسِ نافی جس نے مٹائی تم غلامی
 بزمِ بلقیٰ نظم سے غالی، بکھرے ہووے حق کو لائی
 پکھڑے ہوئے کچھ کو ملایا اہلِ دوہن کا فرق مٹا
 دہم کی ہرزخیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
 فرد و جماعتِ امر و اطاعت کسبِ قیامت ٹھوٹھا
 ربط و تصادم طوع و تکم، نقر و تنم، عدل و رتم
 حفظ مراتبِ پاسِ اخوت، سہی و توکل رفیق و فتو
 اُلفتِ قربی قطعِ علائق، حبِ وطن اور حبِ خلق
 جس پہ تصدق وحی الٰہی لکریاں ہیں جی کو ہی
 خلقِ خدا کا راہی آخر، دینِ ہی کا داعی آخر
 ارض و سماں آیہ رحمت، اور جزا میں سایہ رحمت
 آمینہٗ الطافِ الٰہی، رحمت جس کی نامتا ہی
 راہ میں کانٹے جس نے بچھائے گالی دی پھر برسائے
 ستم کے عوض داؤد سے شفا دی پہن سزا و نیک دیا
 جس کا نام اچھالے داؤد، آپ نہ تھا لکڑ فرما کر
 صدقے جس کی خاکِ قدم پر تختِ فریدین بکثرت
 فقر و غنا و دونوں کا سلطان روحِ مجتہد و لو کا دل
 دین میں جس نے سلطان کی خاک میں جس جہاں کی

لہرایا توحید کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم
 پھر سے سنوارا گلشنِ آدم، صلی اللہ علیہ وسلم
 اُس نے کئے سب آکے نظم، صلی اللہ علیہ وسلم
 رہ نہ گیا کچھ تفسیرِ قرآن، صلی اللہ علیہ وسلم
 شرک کی محفل کر دی برہم، صلی اللہ علیہ وسلم
 حل کئے جو اسرار تھے بُہم، صلی اللہ علیہ وسلم
 سب کے حد و تباہی باہم، صلی اللہ علیہ وسلم
 تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ مینِ منعم، صلی اللہ علیہ وسلم
 کر دیئے سب توحید میں مدغم، صلی اللہ علیہ وسلم
 جس کا تقویٰ سب پُست، صلی اللہ علیہ وسلم
 جس کی دعوتِ اسلم، صلی اللہ علیہ وسلم
 اس کے واسے حمد کا پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم
 جس کی ہدایتِ ارحم، صلی اللہ علیہ وسلم
 اُس پر چھڑکی پیا ر کی شبہم، صلی اللہ علیہ وسلم
 زخم سے اور بخشا مہم، صلی اللہ علیہ وسلم
 بزمِ تہلی جس کا غمخیم، صلی اللہ علیہ وسلم
 سطوتِ کسریٰ شان کے، صلی اللہ علیہ وسلم
 دین کا اور دنیا کا سنگم، صلی اللہ علیہ وسلم
 زہد و سیاست کر دیئے توأم، صلی اللہ علیہ وسلم

لہو قدس تن بے سایہ جس کی برت خلق نے پایا
 اُسوہ اجل، دینِ فُضل، نطقِ مدلل، وحیِ نازل
 قبلہ ماہِ سجدہ گزارانِ شہلہ سینا جلوہ کارانِ
 عالمِ ناسوتی کا مجاہد، شاہدِ لاہوتی کا کُشا
 عمرِ سبر کی ان جوس پر سکھ چلایا چرخِ وزین
 وہ مصداقِ دنیٰ تَنَدَلٰی جس کی منزل شِی
 نظم میں جس کی نعتِ مَظَرِ اَنَا اَعْطٰی اَنَا لَکُو
 شرحِ اَلْوَشَرِّج وہ سینہ، برقِ تجلی کا گنجینہ
 جتنے فضائل، جتنے عمارتیں یہاں ہیں ہر کوئی ممکن
 علمِ لدنی، شانِ کرمی، خُلقِ خلیلی، نطقِ کلیمی
 زمرہ ہو داس کا فائدہ، نعمہ واؤ داس کا راز
 آپ اگر قصود نہ ہوتے، کون مکانِ مجنونہ ہوتے
 مقصدِ امکان، ضبطِ قرآنِ نبی، احسانِ ہر دور
 نوری تنِ مکمل میں چھپائے بادلِ مینِ بکلی لہر
 اَلْمَدَنِیُّ الْمُرْتَبِّیُّ ذاتِ اس کی کونین کا حاصل
 پردہ کشائے دیدہ عالمِ صلی اللہ علیہ وسلم
 بندہ اور خدا سے واصلِ خاکی اور نورِ حاصل
 اوجِ شرف کا بدر وہی ہُو زُہْم رُسل کا صدوی کو
 صدرِ ارحم، سلطانِ مدینہ وہ جس کی کفِ پائیکان

دینِ مکمل، خُلقِ تَسْتَمِمْ صلی اللہ علیہ وسلم
 شرعِ مُعَدَّل، سَلَمِ سَلَمِ صلی اللہ علیہ وسلم
 صبحِ بہاران جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
 شان میں ارفع، صبر میں اقوم، صلی اللہ علیہ وسلم
 فقر میں استغفار کا یہ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
 نکتہ، مآذِی کا محرم، صلی اللہ علیہ وسلم
 اللہ اللہ شانِ معظّم، صلی اللہ علیہ وسلم
 جَلگِ جَلگ، چَمِ چَمِ چَمِ چَمِ صلی اللہ علیہ وسلم
 حق نے کئے سب اس میں فراہم صلی اللہ علیہ وسلم
 زہدِ سیما، عفتِ مریم، صلی اللہ علیہ وسلم
 اس کا ثنا خوان صانعِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 اور سجدہ ہوتے آدم صلی اللہ علیہ وسلم
 روح کے درماں قلبِ مرہم، صلی اللہ علیہ وسلم
 نور کا مینہ بر سائے دمِ جہم، صلی اللہ علیہ وسلم
 خاک پہ سجدہ عرش پہ پرچم، صلی اللہ علیہ وسلم
 فوہ بھائے دودہ آدم، صلی اللہ علیہ وسلم
 اُمّی اور اسرار کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم
 بدرِ منور صدرِ مکرم، صلی اللہ علیہ وسلم
 گلگدہ فردوس کی شبنم، صلی اللہ علیہ وسلم

جن کا پیارا نام محمد فیض موبد، فوز محمد
 صلحہ اور یسین کا مورد، قبلہ ایمان جن کا مولد
 بعدِ جدِ ابراہیم سے فضل، اشرف اکل الیہ و اجل
 شائعِ محشر، ماحیِ غصیانِ عالی مضطرِ گمان
 سرِ سیادت، قامتِ رعنا صبحِ سہاوت، جلوہ سیا
 سیدِ بطحا، خیرِ صادق، عروہ و ثقی مصحفِ نطق
 ابرودِ افشان، سرورِ سائی بدِ درخشِ جہدِ گرامی
 باطن و ظاہرِ طیب، ظاہرِ خضر، قاہرِ کوبِ باہر
 کنزِ دقایقِ حصنِ حقائق، جاذبِ روحِ حقائق
 جس کا بذلِ عطاشاں جس کا فضلِ شفا جلال
 جس نے بسائی دل کی بستی جس کا مہوشِ بستی
 حُسنِ ازل کا جلوہ زکین، بحرِ قدیم کی موجِ نعتین

حسنِ مجرّد، نورِ مقدّم صلی اللہ علیہ وسلم
 دولتِ سرمد جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
 اَصْدَقُ وَاَعْدَلُ اُجود وَاکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 ساقیِ کوثر، وارثِ ذرّم صلی اللہ علیہ وسلم
 طاقِ عبادت، ابرو سے پر غم صلی اللہ علیہ وسلم
 برزخِ کبریٰ، آیہِ تحکم صلی اللہ علیہ وسلم
 حاذقِ دوران، چارہ گر غم صلی اللہ علیہ وسلم
 جانِ مظاہر، مرکزِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
 سب پر فائق، سب پر اقدم صلی اللہ علیہ وسلم
 جس کا حکم قضا سے مہر صلی اللہ علیہ وسلم
 تزیّنِ گیتی جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم
 اوجِ اید کا نیزِ انعام صلی اللہ علیہ وسلم

مہرِ رسالت، مہرِ طبابت، مینِ عدالت، خضرِ ولایت

اے بکالتِ ناطقہ اکرم، صلی اللہ علیہ وسلم

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى سَيِّدِ الْاَنَامِ

از

از جنابِ عیسیٰ اعظمی

سلام اُس پر ہوئی جس سے منورِ بزمِ امکانی
 سلام اس پر ہوئی جس سے منورِ بزمِ امکانی
 سلام اس پر لقبِ تھارِ حجتہ الدلائل جس کا
 سلام اس پر کہ خود اکِ نامِ نامی تھا جس کا

سلام اُس پر جو تھا ہمدردِ مخلص غمِ نصیبوں کا
 سلام اُس پر جو تھا غمِ خوارِ مسکینوں غیبوں کا
 سلام اُس پر جو تھیں کامیاب ہمیشہ جس نے غم کھایا
 سلام اُس پر کہ جس نے بیکسوں کی کاسازی کی
 سلام اُس پر کہ خودِ الفقرِ فخریٰ جس نے فرمایا
 سلام اُس پر دیا عدلِ داخوت کا سبق جس نے
 سلام اُس پر بعد ویر جس نے رفیقِ و لطفِ فنا
 سلام اُس پر جو بن کر ”رحمۃ للعالمین“ آیا
 سلام اُس پر دلِ عالم پہ جس نے بادشاہی کی
 سلام اُس پر جو تھا نوحِ بشر کا عمنِ عظم
 سلام اُس پر مٹایا جس نے فرقِ خواجہ و مولا
 سلام اُس پر پڑائے گنجِ ہائے سیمِ درج جس نے
 سلام اُس پر نقیرِ میں تھی جس کی شانِ سلطانی
 سلام اُس پر پہنچے حتیٰ کے لئے رنجِ وحی جس نے
 سلام اُس پر بچو نا تھا حصیرِ ویریا جس کا
 سلام اُس پر کہ بوسیدہ تھی پادشہِ ویریا جس کی
 سلام اُس پر کبھی آسودہ ہو کر جو نہ سوتا تھا
 سلام اُس پر تھی شاہِ بزمِ انجم جس کے یارب کی
 سلام اُس پر کہ سجدوں سے جبین جس کی منور تھی
 سلام اُس پر گیمِ افروز تھا جس کا تنِ نوری
 سلام اُس پر جو تھا غمِ خوارِ مسکینوں غیبوں کا
 سلام اُس پر جو تھا غمِ خوارِ مسکینوں غیبوں کا
 سلام اُس پر جو تھیں کامیاب ہمیشہ جس نے غم کھایا
 سلام اُس پر کہ جس نے بیکسوں کی کاسازی کی
 سلام اُس پر کہ خودِ الفقرِ فخریٰ جس نے فرمایا
 سلام اُس پر دیا عدلِ داخوت کا سبق جس نے
 سلام اُس پر بعد ویر جس نے رفیقِ و لطفِ فنا
 سلام اُس پر جو بن کر ”رحمۃ للعالمین“ آیا
 سلام اُس پر دلِ عالم پہ جس نے بادشاہی کی
 سلام اُس پر جو تھا نوحِ بشر کا عمنِ عظم
 سلام اُس پر مٹایا جس نے فرقِ خواجہ و مولا
 سلام اُس پر پڑائے گنجِ ہائے سیمِ درج جس نے
 سلام اُس پر نقیرِ میں تھی جس کی شانِ سلطانی
 سلام اُس پر پہنچے حتیٰ کے لئے رنجِ وحی جس نے
 سلام اُس پر بچو نا تھا حصیرِ ویریا جس کا
 سلام اُس پر کہ بوسیدہ تھی پادشہِ ویریا جس کی
 سلام اُس پر کبھی آسودہ ہو کر جو نہ سوتا تھا
 سلام اُس پر تھی شاہِ بزمِ انجم جس کے یارب کی
 سلام اُس پر کہ سجدوں سے جبین جس کی منور تھی
 سلام اُس پر گیمِ افروز تھا جس کا تنِ نوری

سلام اُس پر صفت "دانش" جس رو و انور کی
 سلام اُس پر کہ سیما جس کا تھا اُمیہ ایمان
 سلام اُس پر کہ تھا نورِ قدم کا پیکرِ آخر
 سلام اُس پر کہ فطرت جس کی تھی پرہیز گاری کی
 سلام اُس پر کہ تھا دینِ ہدیٰ کا قد و اکیل
 سلام اُس پر کہ تھا بغیرِ اُتی لقب جس کا
 سلام اُس پر خدا تھا صاحبِ عرش جس کا
 سلام اُس پر کہ تھی جس کی صفتِ منزلِ بسین
 سلام اُس پر رگِ فطرت کے بخشی زندگی جس نے
 سلام اُس پر کتابِ قدس ہو نتِ ثنیا جس کی
 سلام اُس پر ہین جس کی جلوہ گاہیں تیر و پلجا
 سلام اُس پر شہستانِ جہان جس نے منور کی
 سلام اُس پر کہ سینہ جس کا تھا گنجینہٴ عرفان
 سلام اُس پر کہ تھا حسنِ ازل کا منظرِ آخر
 سلام اُس پر تھی خوبی ختم جس پر صنمِ بادی کی
 سلام اُس پر کہ تھا خلقِ حسن کا اسوہٴ اہل
 سلام اُس پر کہ تھا فیضانِ ربانی ادب جس کا
 سلام اُس پر کہ مشاطہ تھا خود روح الامیں جس کا
 سلام اوس پر بتائے جس نے دین کے حکمتِ دین
 سلام اُس پر دُرخِ ہستی کو دی تابندگی جس نے
 سلام اُس پر زبانِ وحی ہے رمزِ آشنای جس کی
 سلام اُس پر کہ جس کی خواب گاہ ہے گنبدِ خضر

سلام اوس پر جو ارپاک جس کا رشکِ سینا ہو

سلام اوس پر دیا بر محترم جس کا مدینہ ہو



آثار علیہ

مولوی ریاض حسن خان صاحب خاں کا مکتوب

بناہ
نواب محمد اسحاق خان صاحب سکریٹری محمدن کالج علیگڑھ
(بہ سلسلہ ترتیب کلیات خسرو)

رسول پور ڈاک خانہ ہوا ضلع مظفر پور

۹ فروری ۱۹۰۷ء

جناب نواب صاحب مجددوم ومطاع محترم دامت معالیکم،
تسلیم :- بصرہ جدید بصیرت افزا ہوا، یاد آوری و مہر گسری کا شکر گزار ہوں، کلیات خسرو کی ترتیب
واشاعت کے متعلق جو کاوش و کوشش کیا رہی ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ممکن ہے خداوند تعالیٰ آپ کی کوشش
کو مشکور فرمائے،

اچھا ہوا کہ مطلع الاقوال کی تنفیذ نگاری مولوی اقصیٰ الدین صاحب کے حوالہ کی گئی، مولوی فرخا بد صاحب کی
تنفیذ کی عبادت روزمرہ کے خلاف اور طرز بیان نہایت پیچیدہ ہے،

مجھے بڑی ذمات ہے کہ تو اس سلسلہٴ علالت کے باعث تنفیذ مذکور کو آج سے پیشتر واپس نہ کر سکا، آؤ
بندوبست رجسٹرڈ پبلکٹ پوسٹ ارسال کرتا ہوں، اس پر جا بجا شرح و تفسیر ہے، نوٹ میں نے لکھ دیے ہیں، ملاحظہ

اُس تنقید میں زبان و طرز بیان کے علاوہ بعض مضامین بھی اصلاح طلب ہیں، تنقید ذریعہ تالیف میں اگر وہ مضامین کا تنقید سے لئے جائیں تو میرے نوٹ بھی پیش نظر ہیں،

مولوی فرجاد صاحب کی تحریر میں ایک نقص یہ بھی ہے کہ وہ بعض مقام میں تنقید کی حیثیت سے نکل کر تخریج اور کہیں بوجہ تخریج کی حد تک پہنچ گئی ہے، مصنف کی نکتہ جینی عیب نہیں مگر اُس کو نکتہ جینی کی حد سے خارج نہ ہونا چاہئے۔ اُس تنقید کے معائنہ کے زمانہ میں حضرت امیر خسرو کے بعض محاسن جو میرے خیال میں آئے اور ان کو اُس تنقید کے حاشیہ پر قلمبند کرنے کی نوبت نہیں آئی اب تنقید جدید کے ذریعہ تالیف ہونے کی خبر پا کر بعض کو اس عریضہ کے ذیل میں عرض کرتا ہوں :-

۱۔ بے شبہ حضرت نظامی کے قصہ کو جملہ شعرا کے قصوں پر بحیثیت مجموعی ترجیح ہے، مگر بعض مقام ایسے بھی ہیں جہاں حضرت امیر خسرو کے بیان کو فوقیت ہے، مثلاً حضرت نظامی نے جہاں عدل و انصاف اور حسن عمل کی ترغیب دی ہے، فرمایا ہے :-

آنکہ ترا خوش رہی دہر از تو کی خواہر و دہ می دہر

بہتر اذان مایہ ستانیت نیست سود کن آخر کہ زیانیت نیست

اسی مضمون کو حضرت امیر خسرو ادا سے زکوٰۃ کے متعلقیوں فرماتے ہیں :-

آنکہ زیک وہ دہرت بیشکے کمتر اذان کش دہی از چل یکے؟

خواستہ، ناخواستہ، اداوت خدا و اسے کہ تو خواستہ نذر ہیش ادا!

ز انجہ نصاب ست نصیب بدہ مزد و اسے بطیب بدہ

من جاء بالحسنۃ فله عشر مثانہا کی تلخ و دون صاحبوں نے کی ہے، مگر کسی کام کی تحریک و ترغیب کے

دو عنوان ہوتے ہیں، ایک تو یہ کہ مخاطب کو اُس فعل میں اُس کا ذاتی نفع بتایا جائے کہ وہ اس نفع کے لالچ سے اس

کام کو کرے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ فعل اخلاقی حیثیت سے اُس کا فرض ثابت کیا جائے حضرت نظامی نے پہلا طریقہ

اختیار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ خدا جو تمہیں زاوراہ دیتا ہے وہ ایک چاہتا ہے، اور اُس کا بدلہ دس دیتا ہے، ایسا اچھا کام نہ ملے گا، اُس کے ساتھ سودا کرنے میں تمہارا نفع ہی نفع ہے، لگھاٹا نہیں ہے۔ اور حضرت امیر خسرو نے نہ صرف نفع کے خیال سے اس کام کی ترغیب دی ہے، بلکہ اس فعل کو غیرت کا مقصد اٹھرایا ہے، اور اخلاقی فرض بتایا ہے، یہ کہتے ہیں کہ: جو کوئی ایک کا عوض دس بڑھا کر دیتا ہے، کیا وہ اتنے کا بھی مستحق نہیں کہ چالیس حصوں سے ایک حصہ پائے؟ خدا نے تم کو، بے طلب، مال و متاع دیا ہے، کیا غیرت کا یہی تقاضا ہے کہ تم اُس کو مانگنے پر بھی نہ دو؟ جس کی بدولت تم صاحبِ نصاب ہوئے، اُس کو ایک نصیبہ دیدو، طبیب کی دوا سے تندرستی دے تو انائی حاصل کر کے اپنی نعمتوں کی فرد حاصل کرتے ہو، تو دوا کی فرد نہ بھولو۔

اسی مضمون کو حضرت مولانا جامی نے بھی لکھا ہے :

حق چو ترا داد نہ دینا رعبیت بخل بیک نیمہ دینا رعبیت ؟
ریخت ز در ہم کنارت دولت پنج چو خواہد کنارہ با ست،

مولانا جامی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب تم کو بیس اشرفیان دی ہیں، تم صرف آدھی اشرفی کے دینے میں بخل کیا کرتے ہو؟ اُس نے پانچ سو درہمن سے تمہارا دامن بھر دیا، وہ پانچ درم جو مانگتا ہو، الگ ہٹ کر پیچھا نہ چھڑاؤ، ظاہر ہے کہ امیر خسرو کا بیان اس سے کہیں زیادہ مدلل اور بلیغ ہے، مولانا نے صرف ایک ہی دلیل دی کہ اُس نے تم کو زیادہ دیا ہے، تم کم دینے میں مضائقہ نہ کرو، اور امیر خسرو نے تین دلیلیں بیان فرمائی ہیں،

۱۔ ایک تو وہی جس سے مولانا نے بھی استدلال کیا ہے،

۲۔ وہ ایک کا بدلہ دس دیتا ہے، اس میں لطافت یہ ہے کہ وہ چالیسواں حصہ بھی جو تم دو گئے

رائگان نہ جائے گا، اوس ایک کے عوض دس ملین گئے،

۳۔ اوس نے بے طلب دیا، تم طلب پر تو دو،

امیر خسرو کے بیان کی ترجیح کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اوغون نے "خواستہ" کا لفظ لکھا ہے، اور مولانا جامی "چو خواہد" لکھتے ہیں، فرائض مقرر ہو چکے ہیں، اس نے "خواستہ" کو "چو خواہد" پر ترجیح ہے،
 "بخل بیک نیمہ دینار حسیست" سے کمتر اذان کش دہی از چل کیے، "بھی زیادہ تر موثر ہے، غرض لفظاً و معنی
 ہر طرح حضرت امیر خسرو کے یہ اشعار افضل ہیں،

۲۔ معراج کے بیان میں بھی جہان امیر خسرو نے میمان غزنی کی آمد عالم بالا میں استقبال کی تیاری
 اور غلو یوں کے دلولہ و شوق اور بے قرار سی انتظار کا ذکر کیا ہے، وہ کیا باعتبار شکوہ و نفاذ اور کی بحیثیت اظہار
 جذبات حضرت نظامی کے کلام سے زیبا تر ہے،

مطلع الانوار

مخزن الاسرار

- | | | | |
|---|-----------------------------|---|-----------------------------|
| ۱ | نیم شبے کان مہ گردن غلام | ۱ | نیم شبان کان ملک نیروز |
| | کرد بد دولت سو گردوں خرام | | کرد دروان شعل گیتی فردز |
| ۲ | دولہ در عالم بالا گرفت | ۲ | خود فلک از دیدہ عمارش کرد |
| | غفلہ در گنبد والا گرفت | | زہرہ و مد مشعلہ و ایش کرد |
| ۳ | نتیق و ہفت صنم جاسند | ۳ | کرد رہا در حرم کائنات |
| | ہفت و نہ خویش بیا راستند | | ہفت خط و چارہ و شوش جہا |
| ۴ | ثبات دستیار درین انتظار | ۴ | پردہ بر انداختہ یعنی ملک |
| | ماند زبیر و ن و درون بقیراہ | | خرقہ در انداختہ یعنی فلک |
| ۵ | خازن جنت نزل بے سکون | ۵ | چون دو جہان دیدہ برو داشتند |
| | گاہ بروں آمد و گاہے درون | | سر زپے سجدہ فرو داشتند |
| ۶ | روضہ ہر آ اور دغبار بخور | | |

مطلع الانوار

نثر ان اسرار

۱. ساختہ جادو ب زگیسوے حور
۲. حور برہ داشتہ چشم سیاہ
۳. گشتہ زویدہ درم افشان بر
۴. سدرہ و طوبیٰ سو بدرے چنان
۵. سجدہ کنان در شب قدر و چنان
۶. در ہمد رہ کا قدم کارزد
۷. مرغِ فلک بوسہ بنفاززد
۸. بیلِ طوبیٰ کو نواز دہلند
۹. رقص در ادریس و میسا فگند
۱۰. خاستہ طاؤس ملائک بکار
۱۱. پایچہ بالا زده طاؤس دار

حضرت امیر خسرو کے شعر نمبر ۲ میں آمادہ کی دھوم، شعر نمبر ۳، نمبر ۱۶ اور نمبر ۱۷ میں جو استقبال کا سامان اہتمام، شعر نمبر ۱۱ میں سرگرمی و مستعدی شعر نمبر ۱۰ میں جوش مسرت، اور شعر نمبر ۱۶ و ۱۷ میں جو انتظار کی بقراری ہے، وہ حضرت نغانی کے ہاں مفقود ہے،

۳۔ حضرت امیر خسرو کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ شوق و بے قراری کی تصویر جب ادبِ جہان کھینچتے ہیں، خال و خط سے کامل ہوتی ہے، معراج کے بیان میں اہل آسمان کے دلولہ و شوق کا سماں ابھی نظر سے گزر چکا ہو، اب وہ کیفیت ملاحظہ ہو، جب اپنے پیر و مرشد کے حضور میں حاضر ہوئے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ شوق و بے قراری میں سر و پا کی فکر نہیں ہوتی، اپنی آپ خبر نہیں رہتی، ہستی و بلندی یکساں نظر آتی ہے، وہ ٹھوکرین کھا کر کبھی چمکتا

کبھی گرتا ہے، کانٹے چبھتے ہیں، مگر اپنی دھن میں بڑھا جاتا ہے ان سب جزئیات کو کس صراحت و خوبی سے بیان کیا ہے :

گرم برون جسم ازان روضہ گاہ نے خرم از سرو نے از کلاہ
پایے نہادم برہ آشفۃ وار کوہ غم برون و من بے قرار
نے غم ہستی کہ بہ پستی کشد شربتے شوتے کہ بستی کشد
خار قدم دوز بہ پیر انہم سوزن عیسیٰ شدہ درد انہم
من شدہ چون رشتہ مریم تباب کردہ گزرا ز سر سوزن شتاب
روح چو مستے ز رکوع و سجود وجد مصور شدہ نقش وجود
زین نطا آلودہ بشوق و نیاز در نظر خواہد رسیدم فراز

۴۔ حضرت امیر خسرو کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ قرآن و احادیث اور اقوال مشہورہ کی تبلیغ

اور اقتباس، بے تکلف نہایت صفائی اور روانی کے ساتھ، بکثرت کرتے ہیں، چند مثالیں یہ ہیں :-

اِنَّ السَّائِقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَنَهْرٍ فِيْ مَقْعَدٍ صَدَقَ عَنْْدَ مَلِيْكَ مَقْعَدًا
در چن روضۂ قدس خرام بر شرف مقعد صدقش مقام
وان من شئٍ اَلا بِسَبْحِ مُحَمَّدٍ وَ لٰكِنْ لَا تَقْعَهُوْنَ تَسْبِيْحُوْهُ
جسم و جامدے کہ بکوبہ و در اند ہم بربانے بہ تقالی اللہ اند
سنگ و گیاہے کہ تو بینی خوش غفل شان بہت فلک انگوش

و ما خلقت الجن والانس الا ليعبدن

ہر چہ بد ہر آدمی است پُری نیت مگر بہر پستش گری

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا

آنکہ زیک دہ و دہت بیشکے کمتر ازان کش وہی از پیل یکے

مثل الذین حملوا التوراة ثم لم يحملوها کمثل الحیاء کمل استغفار

کارشنا سے کہ رخ از کار تافت داغ جین کھیل اسفار یافت

ان الینا یا بصر

یافتہ از در کہ تو فتح باب بار کہ ان الینا یا ب

وَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَاقِلَهَا

راند چو بر صفہ ہستی قلم عایہا سا فلہا زو ر قسم

تعب در بند کانتک ترا کا اور لا صلوا کا لا یحضوا العلب

دور زہد سے کہ بیازی بود (ق) شو بہ نماز سے کہ نیازی بود

گم مشوا از حضرت جاد ابین دل بہ حضور آرد خدا را بہین

کل اچ مرھون با و تاتہ

گر چہ ہی خواست سخن کام خویش لیک گرد بود بہنگام خویش

لخولف فوالصائم اطیب عند اللہ من ریح المستنک

طرہ ظلمت ز نسیم بہار مشک فشان شد چوب زہرہ آ

۵۔ اخیر شعر اس بات کا بھی شاہد ہے کہ حضرت امیر خسرو پر مذہبی اثر اتنا غالب ہے کہ وہ استعارہ

و تشبیہ میں بھی معتقدات مذہبی سے کام لیتے ہیں، اس شعر کے علاوہ اور جگہ بھی اس قسم کی تشبیہ ان کے

کلام میں پائی جاتی ہے مثلاً

روز بقا چوں بزوال افقاد از پس آن تن بہ طلال افقاد

چون ہمہ روزت بندہ اعمال تو سجدہ مکروہ بود در غروب

آخری عمر کی عبادت کو سجدہ وقت غروب سے تشبیہ دیا ہے،
 اب یہ عریضہ بہت طویل ہوا جاتا ہے، اس لئے اور خصوصیات کے بیان کو دوسرے موقع کیلئے اٹھا رکھا
 تھوئی مخزنِ یسلی قسم دوم میرے پاس پہنچ چکی ہے، جس کتابت جس تصحیح اور حسن طبع کل محاسن اس
 میں موجود ہیں، مگر جلد صفائی کی محتاج ہے، طلائی کام صاف نہیں، ”سلسلہ کلیات خسرو“ اور علیگڑھ انسٹیٹیوٹ
 پریس ان دونوں ٹیمپون کے اکثر طلائی حروف اس جلد میں مٹے ہوئے ہیں، جلد ساز کو ہدایت کیجائے کہ آیندہ
 یہ تقاضے نہ ہونے پائیں،

تھوئی امینہ اسکندری اور تھوئی دل رانی خضر خان کے طیارہ جانا کے خبر علی گڑھ اور مولوی
 مقداد خان صاحب شردانی کے خط سے معلوم ہوئی، ان دونوں تھوئیوں کی ایک ایک جلد قسم دوم بذریعہ دیوبند
 ایبل پوسٹ روانہ فرمائی جائے، امید ہے کہ ان کی جلد میں صاف ہون لگی، اور طلائی کام، اور طلائی حروف
 کین سے مٹے ہوئے نہ ہوں گے،

اور کیا عرض کروں عوانی مزاج عالی کا طالب ہوں، فقط والتسلیم

خاکسار

محمد ریاض حسن عفی عنہ

مکاتیبِ شبلی حصہ اول و دوم

مولانا مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولانا کے قومی خیالات اور
 علمی تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے،
 قیمت: جلد اول، عار، جلد دوم، بیرون مکمل سٹ سے

منیجر

مطبوعات جدیدہ

خلافت و سلطنت { (انگریزی) (از جناب ڈاکٹر امیر حسن صاحب مدنی،
ایران میں ازمنہ وسطیٰ میں { نفاذ : ۵۵، صفحہ ۱، قیمت مجلد : لکھ، پتہ : شیخ
محمد اشرف تاجر کتب لاہور،

مصنف نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے یہ مقالہ لکھا تھا جسے شیخ محمد اشرف صاحب ماشر و تاجر کتب لاہور نے کتابی صورت میں شائع کر دیا جو، اس کا موضوع ازمنہ وسطیٰ میں ایران میں خلافت و سلطنت کے تعلقات کی تاریخ ہے، عباسی خلافت اگرچہ پانچ سو سال سے زیادہ قائم رہی، لیکن اس کے عروج کا زمانہ متصم (۲۱۸ء) سے ۲۲۷ء) پر تمام ہو گیا تھا، اور ترکوں کے عروج و اقتدار نے خلفاء کی عظمت بالکل ختم کر دی تھی، اور ان کا عزل و نصب ان کے ہاتھوں میں آ گیا تھا، اس دور زوال سے عباسی قلمرو میں خلافت بغداد کے ماتحت نیم آزاد اور خود حکومتوں اور سلطنتوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہوا، اور اس کے زوال کے ساتھ ساتھ برابر بڑھتا گیا، تا آنکہ آخری زمانہ میں خلافت صرف بغداد اور اس کے نواح میں محدود ہو کر رہ گئی تھی، اور اس میں بھی خلفاء کے اختیارات بہت کم رہ گئے تھے، مغرب بینی مقرر و شام اور شمالی افریقہ میں جو حکومتیں قائم ہوئیں، ان میں بعض آزاد تھیں، بعض کا خلافت بغداد سے برائے نام تعلق رہا، مشرق میں یا ملہ یا آل بویہ کے سوا جو شیعوں کو باقی سب حکومتیں مذہبی عقیدہ کی بنا پر خلافت عباسیہ کی عظمت کرتی تھیں، اس کی سیادت مانتی تھیں، اور اپنے کو اس کا خادم تصور کرتی تھیں، آل بویہ جن کو عباسیوں سے کوئی عقیدت نہ تھی، یا جن سنی حکومتوں میں بھی خلافت کی سیادت سے آزاد یا

کا جذبہ پیدا ہوا، وہ بھی سیاسی مصاح کی بنا پر اس سے تعلق قائم رکھنے اور کم از کم زبان سے اس کی سیادت کے اقرار اور اس کا ظاہری احترام قائم رکھنے پر مجبور تھیں، اس لئے کہ عباسیہ کی دینی مرکزی حیثیت ہر دور میں قائم رہی اور اس کی تصدیق اور اجازت کے بغیر کوئی حکومت باقاعدہ حکومت تسلیم نہ کی جاتی تھی، اور اس کی حیثیت خاصیت زیادہ تصور نہ کی جاتی تھی، اس لئے عباسیوں کے دور میں وسط ایشیائین طاہری، سمانی، صفاری، غزنوی، دیلی سلجوقی، خوارزمی جتنی حکومتیں قائم ہوئیں، ہر دور میں عباسی خلافت کے ساتھ ان کا نہایت گہرا اندازہ اور سیاسی رابطہ رہا، بلکہ دیلی اور سلجوقی تو خلافت بغداد کے متولی تھے، گو خلافت بغداد اور ان حکومتوں کے سیاسی حالات و مصاح، اور ان کے ضعف و قوت کے اعتبار سے مختلف دوروں میں ان کے تعلقات کی نوعیت بدلتی رہی، لیکن ان کا تعلق ہر حال میں خلافت بغداد کے ساتھ قائم رہا اور خلافت عباسیہ کے دوزوال کی پوری تاریخ حقیقت اس کے اور ان حکومتوں کے تعلقات کے مدوجز اور اس کے نتائج سے عبارت ہے لائق مکتف نے اس کتاب میں ان تعلقات، اس کے عہد بعد کے تیزرات، اور اس کے نتائج پر تفصلاً اور جامع تبصرہ کیا ہے، اس تبصرہ میں عباسیہ کے دوزوال اور ان کی حکومتوں کی تقریباً پوری سیاسی تاریخ آگئی ہے اس ضمن میں خلافت اسلامیہ کے صحیح تصور اور اصلی منصب اور ان سلطنتوں کے قیام کے بعد سیاسی حالات کی بنا پر، اس کے فقہی و قانونی تیزرات کا تذکرہ بھی آگیا ہے کتاب تلاش و محنت سے لکھی گئی ہے، اور تاریخ اسلام کے طالب علموں کے مطالعہ کے لائق ہے،

دستور الفصاحت، مرتبہ جناب مولوی امتیاز علی خان صاحب عربی ناظم کتب خانہ راجپور،

تقطیع بڑی نجات، ۲۶۶ صفحے، کاغذ بہتر، نایب صاف و روشن قیمت مرقوم تین ایتہ مصنف سے ملے گی،

اردو زبان کے قواعد پر قدما نے بہت کم کتابیں لکھیں، اور جو دو چار لکھی بھی گئیں، ان میں انشا اللہ کی دریاے لطافت کے علاوہ اور کسی کو شہرت اور قبولِ عام حاصل نہ ہوا، چنانچہ اسی زمانہ میں حکیم احمد علی خان یکتا لکھنوی نے اس موضوع پر دستور الفصاحت لکھی، جو افادی حیثیت سے دریاے لطافت سے کم نہیں، اور

اپنی قدامت کی وجہ سے اہم کتاب ہے لیکن اس کے نام تک سے لوگ ناواقف ہیں، اور اس کے قلمی نسخے بھی نمایاں ہیں چند سال ہوئے، اس کا ایک نادر نسخہ کتب خانہ رامپور کے لئے خرید لیا گیا تھا، دستور الفصاحت میں اردو کے قواعد کے ساتھ شعرا کے تذکرہ کا بھی ایک حصہ ہے، اس میں تیر و سؤ کے عہد سے لیکر کتاب کی تصنیف کے زمانہ یعنی تیرہویں صدی کے وسط تک ہر دور کے بارہ بارہ اساتذہ کا مختصر تذکرہ اور ان کے کلام کا نمونہ دیا ہوا اس سے ان شعرا کے حالات کے متعلق بعض نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں، جناب امتیاز علی خان صاحب غرضی نے کتاب کے مقدمہ کو جو اردو زبان کے متعلق بعض مفید معلومات پر مشتمل ہے، اور تذکرۃ الشعرا کے حصہ کو بسوٹا مقدمہ اور تصحیح و تحشیہ کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا ہے، اور اصل کتاب یعنی قواعد کے مباحث کی مفصل فہرست نیز تذکرہ میں جن شعرا کا ذکر ہے، ان کے حالات اور جن مطبوعہ قلمی تذکروں میں ہیں، حاشیہ میں ان سب کا حوالہ دیدیا ہوا بعض قلمی تذکروں کی عبارتیں نقل کر دی ہیں، کتاب کے شروع میں لائق مرتب کے قلم سے مصنف کتاب کے مختصر حالات اور کتاب کے قلمی نسخہ کی مفصل کیفیت ہے، مرتب کا مقدمہ بجائے خود ایک مستقل اور تحقیقانہ تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں ان ساٹھ بیسیہ قلمی مطبوعہ تذکروں اور کتابوں کے حالات ہیں جن کے دستور الفصاحت کی ترتیب و تحشیہ میں مدد لی گئی ہے، اور ان کے متعلق مفید معلومات جمع کر دی گئے ہیں، اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ شائقین کو بعض نادر قلمی تذکروں کا حال معلوم ہو گیا اور اس موضوع پر آئندہ کام کرنے والوں کے لئے نشانِ راہ مل گیا، اس کتاب کا سب سے مفید اور پُر از معلومات حصہ فاضل مرتب کا مقدمہ ہے اس کو انھوں نے جس محنت اور تلاش و تحقیق سے لکھا ہے، اس کا اندازہ صرف اس کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، کتاب کے آخر میں اشخاص اور کتب کے اسماء اور اعلام کا اندکس بھی دیدیا ہے، کتاب میں طباعت کی جو خفیف فروگزاشتیں رہ گئی ہیں، آخر میں ان کا صحت نامہ لگا دیا گیا ہے، اس کتاب کی اشاعت سے ایک قلمی دنیا بابت تذکرہ کی اشاعت سے بھی بڑھکر یہ فائدہ یہ ہوا کہ اردو میں قلمی کتابوں کی ترتیب و تہذیب اور تصحیح و تحشیہ کا ایک اعلیٰ نمونہ سامنے آ گیا،

مدراوات بہ جناب علامہ احمد صاحب فرقت لاکھنؤی قلیطیح چھوٹی فصاحت ۱۲ صفحے کا نثر، کتابت و طباعت بہتر قیمت جلد للہ ریہ مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ،

ترقی پسند ادب کے نام سے نوجوانوں میں عریان نویسی اور فحش نگاری کی جو وبا پھیل رہی ہے اور اردو زبان میں جس قسم کا پست اور مخرب اخلاق لٹریچر پیدا ہو رہا ہے، اس کی مضر توں کو ہر سنجیدہ طبقہ نے محسوس کیا اور بلا تفریق قدیم و جدید تعلیم یافتہ و دونوں جماعتوں کے سنجیدہ اصحاب علم و ادب بآوازِ قلم نے اس کے خلاف آواز بلند کیا، اور اس کی اصلاح کے لئے مضامین لکھے، نوکروہ بالا کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک مفید اصلاحی کوشش ہے، ترقی پسند ادب کا شاہکار وہ معرشی شاعری ہے، جو بحر و اوزان اور توانی کی آزادی کے ساتھ معنی و مفہوم کے لحاظ سے بھی عموماً آزاد اور محض پراگندہ اور بے ربط خیالات بے معنی فقر و نادرے ربط جملوں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے، کہ موضوع الفاظ کا مہمل مجموعہ ہوتی ہے، خوش مذاق مرتبے ان نظموں کا نہایت عجیب خاکہ اڑایا ہے، اور اس کے جواب میں انہی کے ہمزنگ نظمیں لکھی ہیں، نیز نظمیں اتنی کامیاب ہیں، کہ اگر ان کے نقل ہونے کا علم نہ ہو تو ان میں اور ترقی پسند شاعری میں امتیاز کڑا ناممکن ہے، ان نظموں کے ساتھ ان سنجیدہ معانی کو بھی جو ہندوستان کے مختلف اصحاب علم و ادب نے ترقی پسند ادب کی اصلاح کے سلسلہ میں لکھے ہیں، اور اس کے متعلق مشہور ادیبوں اور اہل قلم کی رایوں کو جمع کر دیا ہے، ان میں پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی سید مسعود صاحب رضوی نواب جعفر علی خان آثر لکھنؤی، ڈاکٹر عبدلیب شادانی خواجہ محمد شفیع دہلوی پروفیسر علی عباس صاحب حسینی، نیاز صاحب فتحپوری، اختر علی صاحب تھری کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سے اصحاب قلم کی راین ہیں، ان ناموں سے ترقی پسند ادب کے متعلق ہندوستان کے صاحب نظر ادیبوں اور اہل قلم اصحاب کے خیالات کا اندازہ ہو سکتا ہے، ترقی پسند ادب کی بے راہ روی اس سے ظاہر ہے کہ لوگ بھی جو خود ایک زمانہ میں اپنے دور کے ترقی پسند ادب کے علمبردار رہ چکے ہیں، موجودہ ترقی پسند ادب کی غلط روی محسوس کرنے پر مجبور ہو گئے، اور نئے ترقی پسند ادیبوں کی گرم رمدی کے مقابلہ میں پسپا ہونا پڑا،

یہ مضامین محض مخالفانہ نہیں ہیں، بلکہ ان میں علمی ادبی حیثیت، ترقی پسند ادب کے نقائص اور مفاسد پر سنجیدہ نگاہ ڈالی گئی ہے، یہ کتاب اس لائق ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس کی اشاعت کی جائے،

گروش از جناب مخون گورکھپور تھاقیٹھ اوسط حجم ۱۱ صفحے کاغذ کتابت طباعت بہتریت مجلد پتہ: رکت خانیہ علم و ادبی

کئی سال ہوئے مصنف نے یہ افسانہ اپنے سالانہ گورکھپور میں لکھا تھا کتنا علم و ادب نے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، یہ افسانہ مصنف کے دوسرے افسانوں کی طرح رومانی و قنوطی اور خزن و طرح کے مخلوط جذبات کا آئینہ ہے، اس کا مرکزی تصور یہ ہے کہ انسان کی تقدیر اس کے اعمال و کردار میں، اور وہ اپنے اعمال و کردار کے اچھے بُرے نتائج کا خود ذمہ دار ہے، پورا افسانہ اسی مرکزی خیال کی دھچک اور سبق آموز تفسیر ہے، خیالات تحریر میں مصنف کی پختگی نمایاں ہے، لیکن اس میں جذبات کی وہ بے ساختگی اور دلکشی نہیں، جو ان کے بیشتر افسانوں میں پائی جاتی تھی، عمر کی رفتار کے ساتھ ساتھ عموماً ان میں تو زیادہ پختگی آ جاتی ہے، لیکن نظری جوئے اور دلکشی کم ہو جاتی ہے، مصنف ایک خوش مذاق صاحبِ قلم ہیں، کتاب کے انتساب میں معلوم نہیں انھوں نے اس خوش ذاتی پر کیوں غلغلہ کیا،

نغمہ آئینش مرتبہ جناب صباح الدین عمر صاحب تھاقیٹھ بڑی ضخامت ۱۰ صفحے کاغذ کتابت طباعت

بہتر، جلد خوبصورت، قیمت مرقوم نہیں، پتہ: محلہ اطلاعات صوبہ متحدہ لکھنؤ،

موجودہ جنگ اگرچہ براہِ راست ہندوستان کا کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن اس کے عالمگیر اثرات نے بھی محسوس نہیں، بلکہ اپنی عزت و محکوم کی وجہ سے وہ سب سے زیادہ دکھنا سکارا، اور اس کا ہر طبقہ اس کے نتائج سے متاثر ہے، یہاں کے شعراء نے بھی اس کے متعلق اپنے تاثرات ظاہر کئے ہیں، مرتب کتاب نے ان ناولوں کو نغمہ آئینش کے نام سے جمع کر دیا ہے، بعض پرانی نظموں کا رُخ بڑی خوبصورتی کے ساتھ موجودہ جنگ کی طرف پھیرا گیا ہے، اس مجموعہ میں ہر مسلک خیال کے شعراء کی نظمیں ہیں، جس سے جنگ کے متعلق مختلف طبقوں کے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے، اکثر شعراء کے فوٹو بھی دیئے گئے ہیں، ان میں دو مسلمان خواتین بھی براگندہ نقاب اپنے اسلحہ سے مسلح ہیں،

وزم میں صفت آرا نظر آتی ہیں،

” م ”

جلد ۵۳ ماہِ بیج الثانی ۳۶۳ مطابِق ماہِ اپریل ۱۹۴۴ء عدد ۴

مضامین

- شذرات، شہین الدین احمد ندوی، ۲۴۱-۲۴۴
- اسلامی معاشیات کے چند فقہی اور قانونی ابواب، جناب لٹاؤید مناظر حسن صلی اللہ علیہ وسلم دینا جامعہ، ۲۴۵-۲۴۶
- کلامِ اقبال کی دقتیں اور ان کی تشریح کی ضرورت، جناب اکبر سید عبداللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ، لکچرار، ۲۶۸-۲۶۹
- یونیورسٹی اور نیشنل کالج لاہور،
- اسلامی اور غزنوی علم، جناب غلام مصطفیٰ خاں صاحب ایم اے ایل ایل، ۲۸۰-۲۸۹
- بی (علیگ) لکچرار ایڈورڈ کالج امرتوتی (برار)
- تھیو فلکرا، جناب اکبر سید الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی فلسفہ جامعہ، ۲۹۰-۲۹۵
- عہدِ مغلیہ کے دو پڑانے، جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی حیدر آباد دکن، ۲۹۶-۲۹۸
- فنِ تصوف اور محدثین و صوفیہ میں تطبیق کی راہ، "س" ۲۹۹-۳۰۶
- عہدِ اسلامی میں تعلیمِ نسوان کی درسگاہیں، "س" ۳۰۷-۳۰۸
- رجب علی سرور اور اسکی ایک عرضداشت، "ر" ۳۰۹-۳۱۱
- وفاتِ عیسیٰ، "س" ۳۱۲-۳۱۳
- ساحل و طوفان، جناب روش صدیقی، ۳۱۴
- خبرِ جذبات، جناب ابو محمد صاحب ناٹب کانپوری، "
- غزل، جناب شیدا کاشمیری، ۳۱۵
- مطبوعات، "م" ۳۱۶-۳۲۰

مشقِ شمس

زمانہ کے عام اقتصادی حالات اور بعض مستقل آمدنیوں کے رُک جانے کی وجہ سے ادھر کچھ دنوں سے دارالعلوم ندوہ کی مالی حالت بہت ناقابلِ اطمینان ہو گئی تھی، بڑی مشکل سے اخراجات چلتے تھے، ندوہ کے دوسرے صیغوں کی مدد سے کئی ہزار کا قرض دارالعلوم پر ہو گیا تھا، ان حالات میں اس کی دستگیری کے لئے کارکنوں کی نگاہ اسی اسلامی ریاست کی طرف اٹھی جو ہندوستان کے تمام اسلامی اوروں کا لجا دما دمی ہے، اور جیسا کہ اس سرکار کی علم نوازی سے توقع تھی، بارگاہِ سلطانی سے ندوہ کی سابق تین سو ماہانہ امداد میں مزید تین سو ماہوار کا اضافہ منظور ہوا، اور متفرق قرضوں کی ادائیگی کے لئے پندرہ ہزار نقد کی اُمید دلائی گئی یقین ہے کہ عام مسلمان اور تمام وابستگانِ ندوہ اعلیٰ حضرت سلطانِ علوم خردکنِ خداوند ملک کی اس دین پروری اور علم نوازی کے منت پذیر و سپاس گذار ہوں گے، اس شاہانہ امداد کے علاوہ حیدرآباد کے اصحاب خیر سے آٹھ ہزار نقد چنڈ وصول ہوا، اور بھی کچھ وعدے ہیں جن کے انشاء اللہ جلد پورے ہونے کی توقع ہے، اللہ تعالیٰ ان محنین کو اس کار خیر کا صلہ عطا فرمائے، اس گرانقدر امداد سے ندوہ کو فی الجملہ بڑی تقویت حاصل ہوگئی



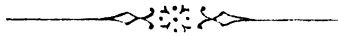
چند دن ہوئے علی گڑھ میں ”اسلامی جماعت“ کے نام سے ایک نئی مجلس کا قیام عمل میں آیا ہے، جس کا تذکرہ ان صفحات میں آچکا ہے، اس مجلس کا مقصد مسلمانوں میں صحیح اسلامی روح اور اسلامی شعائر کی پابندی کی تبلیغ اور اسلامی تعلیمات کا اجاڑ حال میں مجلس کے کارکنوں کی جانب سے اس کے اغراض و مقاصد اور اس کا نظام عمل شائع ہوا ہے، اس سے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اب کارکنوں نے علی قدم اٹھایا ہے اور وہ ہر صوبہ میں مجلس کی شاخیں قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں یہ ارادہ انتہائی

مبارک ہو لیکن اس قسم کی تحریکیں عموماً آل انڈیا بننے کے بعد بے نتیجہ ہو جاتی ہیں، ایسا نہ ہو کہ اس تحریک کا بھی یہی انجام ہو، اس لئے اگر مجلس مذکور اس وسیع دائرہ عمل میں اپنی زیادہ توجہ مسلم یونیورسٹی پر صرف کرے تو یہ سارے ہندوستان میں تبلیغ و اشاعت سے کم مفید نہ ہوگا، یونیورسٹی مسلمانوں کا مرکز تعلیمی ادارہ ہے جس میں ہندوستان کے ہر حصہ کے نوجوان طلبہ اہل علم و صاحب دماغ فضلا کا اجتماع ہے، اگر اس کے اساتذہ اور طلبہ میں صحیح اسلامی روح پیدا ہو جائے اور وہ یہاں سے مذہبی اثرات لے کر نکلیں تو ان کے ذریعہ خود بخود یہ چیز سارے ہندوستان میں پھیل جائے گی، لیکن اصلی سوال عملی کوشش کا ہے، اس قسم کی مجالس کے قیام سے اتنا تو بہر حال اندازہ ہوتا ہے کہ اب ہوا کا رخ بدل گیا ہے اور جتنی تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی مسلمانوں کی اصلی اور صحیح اصلاح کا احساس پیدا ہو گیا ہے جو امید ہے کہ آئندہ چل کر کوئی مفید صورت بھی اختیار کرے،

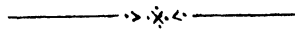
آل انڈیا مسلم ہسٹری کانگریس کا پہلا اجلاس گذشتہ سال لاہور میں منعقد ہوا تھا، دوسرا اجلاس ۸-۹-۱۰ اپریل کو اسلام آباد کالج پشاور میں منعقد ہو رہا ہے، امید ہے کہ یہ اجلاس کامیاب ہوگا اور ہندوستان کے اہل علم اور فضلا، اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر مقالات پڑھیں گے، اس اجلاس میں ترکوں کی تاریخ کی ترتیب کے مسئلہ پر بھی غور ہوگا، گو اس کانفرنس کا دائرہ عمل وسیع ہے اور اس میں ہندو کے علاوہ دوسرے اسلامی ملکوں کی بھی تاریخ آجاتی ہے، لیکن سب سے مقدم کام ہندوستان کی تاریخ کی ترویج ہے، ترکوں کی تاریخ کی ترویج کا فرض کفایہ ایک حد تک دارالمصنفین نے ادا کر دیا ہے اور دولت عثمانیہ کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں ترکی کی تاریخ یہاں سے شائع ہو چکی ہے، جدید ترکی پر تیسری جلد زیر ترتیب ہے

حال میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے حدیث کی دو اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں، ایک

حافظ یعقوب بن اسحاق المعروف بہ ابی عوانہ المتوفی ۳۱۶ھ کی مشہور مسند کا پہلا حصہ دوسری حافظ ابوبکر محمد بن حسن المعروف بہ ابن فورک المتوفی ۳۴۶ھ کی ”کتاب منہل“ حدیث دبیانہ“ مسند کا یہ حصہ کتاب الصلوٰۃ تک ہے، حافظ ابن فورک بہ یک واسطہ امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد اور چوتھی صدی کے نامور اصولی فقیہ اور اشعری مستحکم تھے، اس کتاب میں اشعری نقطہ نظر سے ان احادیث کی تاویل و تشریح کی گئی ہے جن کے ظاہری الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق تشبیہ و تحمیل کا گمان ہو سکتا ہے، اس پہلو سے یہ کتاب اہم ہے،



اجنات میں یہ خبر پڑے کہ مسرت ہوئی کہ اردو انسائیکلو پیڈیا کی پہلی جلد جو حیدرآباد میں زیر ترتیب تھی، پریس میں چلی گئی، اس اہم کام کی توقع حیدرآباد ہی سے ہو سکتی تھی، حیدرآباد کے اہل علم نے اردو بولنے والوں کی جانب سے یہ بڑا فرض ادا کیا، لیکن اصل چیز انسائیکلو پیڈیا کی معنوی حیثیت ہے، دیکھنا یہ ہے کہ وہ علمی معیار پر کہاں تک پوری اترتی ہے، اس کے فاضل مرتبوں سے توقع اسی کی ہے کہ معلومات اور تحقیق دونوں کا معیار بلند ہوگا،



مشہور انگریز مستشرق پروفیسر فلپ کے ہٹی کی قابل قدر تالیف ”ہسٹری آف دی عربز“ تاریخ اسلام پر جامع اور محققانہ کتاب ہے، عام یورپین مورخین کے برعکس مصنف نے اس کتاب میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کو بڑی حد تک صحیح نقطہ نظر سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے، اور ان کے علمی و کلامی کاموں پر عالمانہ تبصرہ کیا ہے، یہ کتاب اپنی جامعیت اور وسعت معلومات کے لحاظ سے اردو میں ترجمہ کے لائق تھی، ہم کو خواجہ عبدالوحید صاحب سکریٹری اسلامک سیرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور کے خط سے معلوم ہوا کہ انسٹی ٹیوٹ لاہور نے اس کام کو انجام دیا ہے، ترجمہ پورا ہو چکا ہے، امید ہے کہ جلد ہی شائع ہوگا، اسکی اشاعت سے تاریخ اسلام متعلق اردو میں یکایک کمال کا اضافہ ہوگا۔

مقالہ

اسلامی معاشیات

کے چند فقہی اور قانونی ابواب

از

مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی اتا ذونیات جامعہ عثمانیہ

”مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کے مفید اور پُر از معلومات مضمون اسلامی معاشیات کا جو سلسلہ

معارف میں نکلا تھا، اس کے بعض ضروری اجزاء باقی رہ گئے تھے،

یہ مضمون رسالہ سیاست حیدرآباد میں شائع ہو چکا ہے، لیکن یہ اس سلسلہ کی ایک

ضروری کڑی ہے، نیز اس کی افادہ حیثیت اس کی متقاضی ہے کہ اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت

کی جائے، اس لئے اس کو رسالہ سیاست سے نقل کیا جاتا ہے۔“

” م “

مجلہ تحقیقاتِ علمیہ ”سلسلہ“ میں حکومت کی آمدنی کے عنوان سے خاکسار کا جو مقالہ شائع ہو چکا ہے،

میری جس کتاب کا وہ ایک حصہ تھا، اسی کے بعض دوسرے حصے کو اب ”سیاست میں ڈاکٹر یوسف حسین خان صاحب“


پروفیسر تاج محل جامعہ عثمانیہ کی فرمائش پر شائع ہونے کے لئے دے رہا ہوں، مجلہ میں جو حصہ شائع ہوا ہے، اس کے متعلق

یہی میں نے لکھا تھا اور پھر اسی کو ویرانا چاہتا ہوں کہ دراصل میری چند یادداشتوں کا یہ مجموعہ ہے، کامل استیعاب اور احاطہ کی کوشش نہیں کی گئی، جو مقصود صرف یہ ہے کہ اسلامی معاشیات کے متعلق جو حضرات کام کرنا چاہتے ہیں ان کے سامنے نقد کی کتابوں میں جو مواد پایا جاتا ہے، وہ پیش کر دیا جائے، جیسے جیسے موقع ملتا چلا جائے گا، اور فرصت ہمدست ہوگی، بتدریج دوسری چیزیں بھی آپ کے سامنے آتی رہیں گی،

اس موقع پر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اسلامی معاشیات اور مسلمانوں کے معاشیات میں جو فرق ہے، کام کرنے والوں کو چاہئے کہ اس فرق کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں، اس قسم کی توین جن کے پاس اپنے مذہبی و ثنائی کا کوئی مکمل اور غیر مشتبہ ذخیرہ نہیں ہے، وہ تو مجبور ہیں کہ اپنے ہم مذہب مفکرین کے خیالات و آراء کو بھی اپنے مذہب ہی کی طرف منسوب کر کے پیش کریں، لیکن مسلمانوں کو ہمیں فرق کرنا چاہئے، اسلام نے جو نظام زندگی پیش کیا ہے اس کا سرچشمہ کتاب و سنت اجماع ہے فقہی مسائل اسلام کے ان ہی اساسی مستندات سے اخذ ہیں، باقی تیرہ سو سال میں دنیا کے مختلف حصوں میں بجائے خود مسلمان مفکرین نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق جو کچھ سوچا سمجھا، یا اپنی کتابوں میں انھیں درج کیا ہے، وہ مسلمانوں کی چیز تو کہلا سکتی ہے لیکن غلط بیانی ہوگی اگر ان کو اسلام کی طرف منسوب کیا جائے، اس وقت جو چیز آپ کے سامنے پیش ہو رہی ہے، اس کا براہ راست تعلق اسلام سے ہے، مسلمان مفکرین کے آراء و نظریات کو میں نے الگ جمع کیا ہے، جو اس سے بالکل جداگانہ چیز ہے،

(مناظر احسن گیلانی)

صحاح کی مشہور حدیث ہے کہ بندے قیامت کے دن اُس وقت تک اپنی ٹانگوں پر کھڑے رہیں گے جب تک کہ چار باتوں کے جواب سے فارغ نہ ہوں، ان ہی چار گانہ سوالات میں ایک بڑا اہم سوال یہ بھی ہو گا کہ

عن مالک بن ابن الکثیر دیمق  آدمی سے پوچھا جائے گا اپنے مال کو میں اس مال

انفقہ، کو کن ذرائع سے حاصل کیا اور کن اہل بڑے

پچ پوچھے تو معاشیات کے قانونی یا فقہی مسائل کا تعلق ان ہی دو باتوں سے ہے، دوسرے نقطوں میں یوں خیال کیجئے کہ دولت کے دخل و خرچ کے متعلق اسلام نے مسلمانوں کو جو عملی ضابطہ دیا ہے، اب آپ کے سامنے اسی کی تفصیل پیش ہوگی، دولت عباسیہ کے پہلے قاضی القضاۃ قاضی ابو یوسف نے بھی اپنی مشہور سیاسی و معاشی کتاب کتاب الخراج جو خلیفہ ہارون الرشید کی فرمائش سے لکھی گئی ہے، اس میں بھی قاضی صاحب نے تمہید کلام میں اسی حدیث کو اسلامی معاشیات کی بنیاد قرار دیا ہے،

اس معاشی ضابطہ کے اساسی قوانین کو پیش نظر رکھ کر فقہ اسلام رحمہ اللہ اجماع میں نے جزئیات کے متعلق دفتر کے دفتر جو تیار کر دیئے ہیں، ظاہر ہے کہ اس مختصر سی کتاب میں ان سب کا احاطہ ناممکن ہے، تاہم بین کوشش کروں گا کہ ایک خاص ترتیب سے اس سلسلہ کے اہم مسائل کو اپنی اپنی جگہ پر درج کر دوں، ہو سکتا ہے کہ راہ بن جانے کے بعد آئندہ کام کرنے والے اس پر اور اضافہ کریں،

معاشیات کے دو اسکول

پہلا اسکول | واقعہ یہ ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ کے سوا خود قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے نامعلوم زمانے سے بنی آدم میں ایک طبقہ ان لوگوں کا پایا گیا ہے، جو مالیات یا تحصیل دولت و صرفہ دولت دونوں کو ہر قسم کی اخلاقی و مذہبی پابندیوں سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے، لکنا چاہئے خواہ کسی ذریعہ سے ہو، ادا نا چاہئے خواہ خرچ کی جو راہیں بھی ہوں،

اس سلسلہ میں بیان تک یہ کچھ لکھا گیا ہے اور اب بھی دیکھا جاتا ہے کہ جن کی زندگی بظاہر دینی اور شرعی ہوتی ہے یعنی نماز، روزہ، درود و وظائف، حج و قربانی، ان تمام امور کے وہ پابند ہوتے ہیں، لیکن یہی لوگ جو اس قسم کی مذہبی پابندیوں کو اپنے لئے لازم سمجھتے ہیں، مالیات کے مسئلہ میں ہر قسم کی پبندیوں کا دیدہ و دیری سے ارتکاب کرتے ہیں، اس مکتب خیال یا مسلک عمل کا تذکرہ قرآن نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے ذکر میں کیا ہے یعنی حضرت شعیبؑ جب ان پر معاشی قوانین کی پابندیوں کو عائد کرنا چاہا تو ان کو جواب دیا گیا کہ

قالوا یا شعیب اصلواتک تا حرکت اونھوں نے کہا، شعیب کیا تمھاری نمازیں

ان نذرات مایعید آبا و اوان یہ بھی حکم کرتی ہیں کہ جن معبودوں کو ہمارے

نفع فی اموالنا مانشاء، باپ دادا پوجتے تھے، انھیں ہم چھوڑ بیٹھیں

اور یہ کہ ہم اپنے اموال (دولت) کے متعلق

جو چاہیں کریں (اس میں وہ رکاوٹ پیدا

صرف یہی نہیں بلکہ قوم شعیب کے معاشی ماہرین نے ان کے طرز عمل پر اٹھارے تعجب کیا، اور ان کی عقل و فہم جس کا

انھیں ایک مدت سے تجربہ تھا، اس کو بیش نظر رکھتے ہوئے ان روشن خیالوں نے طرز کے لہجہ میں کہا کہ

انک انت الحیلہ الرشید تم تو بڑے بھاری بھر کم با ذقار سوچو بوجھ کے آدمی ہو،

بہر حال معاشیات کا یہ تو ایک آزاد مکتب خیال ہے تحصیل دولت کے ذرائع پر بغا ہر ان کے نزدیک کسی قسم

کی قید کا ذکر ماسوجہ عقل و دماغی کے خلاف ہے، بلکہ جس کو جس وقت جس ذریعہ سے بھی معمول دولت کا موقع

ملے، بد عقلی ہوگی کہ اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے، یا روپیہ رہتے ہوئے اپنی خواہش خواہ جس بات کی ہو، آدمی پوری

نکرے، قرآن نے جن افغانا میں ان کے اس معاشی نظریہ کا ذکر کیا ہے، اس سے ضمایہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذہب

جو عموماً لوگوں کے خیال میں پوجا پاٹ یا صلاۃ میں منحصر ہے، معاشی کاروبار میں اس کی دخل اندازیوں کو وہ باز نہ

کرتے تھے، اسی لئے اونھوں نے کہا کہ تمھاری نمازیں کیا اس بھی روکتی ہیں کہ ہم اپنے اموال کے متعلق جو چاہیں

دوسرا مکتب خیال | اسی کے مقابلہ میں معاشیات ہی کا ایک دوسرا اسکول بھی ہے جو دوسرے پہلوؤں کی طرح

انسانی زندگی کے معاشی پہلو کو بھی چند خاص حدود میں رکھنا چاہتا ہے یعنی وہی بات جو حدیث میں آئی، کہ

من این الکسبہ و فیما انفقہ کما سے کیا اور کس راہ میں خرچ کیا،

دونوں پر گرائی قائم کرنا چاہتا ہے، تقریباً ہر زمانے میں اس طبقہ کی بھی کمی نہیں رہی، عملی طور پر خواہ اس اصول

کے ماننے والوں کی تعداد کتنی ہی تھوڑی ہو لیکن نفری حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو اکثریت کم از کم زبان سے اس

نگرانی کی ہمیشہ حامی رہی ہے، اسی لئے چورسی، ڈاکہ، رشوت، خیانت، دھوکا وغیرہ ذرائع کسب کو اچھی سوسائٹیوں میں ہمیشہ بُری نظروں سے دیکھا گیا ہے، غالباً اسی بنا پر دنیا کی ہر قوم اور ہر ملک میں حد بندی عائد کرنے والے معاشی قوانین پاسے جاتے ہیں، اسلام کا تعلق بھی تلافی انداز طبقہ سے ہے، اور اس وقت میں انہی پابندیوں کی کلی حیثیت سے تفصیل کرنا چاہتا ہوں، جو ان دونوں امور یعنی ”این اکتسبہ“ یا ”در سرے لفظوں میں“ ”دخل اور فیہ انفعلة“ یا ”خارج پر اسلام نے عائد کئے ہیں، دونوں سوالوں پر دو مستقل عنوانوں کے نیچے بحث کی جائے گی،

دخل

دخل یعنی مال و دولت کے کمانے اور ان سے استفادہ کے ذرائع پر اسلام نے جو قواعد عاید کئے ہیں، اسکی تفصیل کے سمجھنے کے لئے چاہئے کہ اجمالاً پہلے دنیا کی چیزوں کی اس تقسیم کو سمجھ لیا جائے جو معاشی حیثیت پر اسلام میں اختیار کی گئی، اسلام میں اشیا کی معاشی تقسیم اوتقہ یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں اگرچہ مالی مسائل کو مختلف ابواب کے ذیل میں مندرج کر کے بیان کیا گیا ہے لیکن تمام ابواب کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر منطقی طریقہ سے چاہیں تو ہم ان کو یوں تقسیم کر سکتے ہیں یعنی ان چیزوں کا بنی آدم میں کوئی مالک ہے یا نہیں، اگر مالک نہیں ہے، تو قبضہ کرنے کے بعد بھی آدمی ان کا مالک ہو سکتا ہے یا نہیں، اسی طرح جن چیزوں کا کوئی مالک ہے، ان کی بھی دو صورتیں ہیں، مالک کی مرضی کے بغیر اسلام ان پر دوسرے کو قبضہ کرنے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں، اگر دیتا ہے تو اس کی کتنی صورتیں ہیں، اور نہیں دیتا ہے، تو پھر ان چیزوں کے مالک ہونے کے قانونی ذرائع کیا ہیں، اور اسلام ان قانونی پابندیوں کو ان چیزوں کے مالک ہونے کے لئے کیوں ضروری قرار دیتا ہے، چونکہ ان تمام منطقی مشقوں کے نیچے کچھ نہ کچھ چیزیں داخل ہیں، اس لئے میں ہر ایک پر الگ الگ بحث کرتا ہوں،

ایسی چیزیں جن کا اسلامی نقطہ نظر سے کوئی مالک نہیں، اور ہر ایسا یہ ہے :-

الا نفع بماء البحر كالنفع بالنبس سمندر و دریا کے پانی سے استفادہ کی نوعیت ہے
والقصر والهواء جو آفتاب، مانتاب اور ہوا سے استفادہ کا حکم ہے

(کتاب الشرب، ج ۴)

(یعنی ہر شخص کو ان سے استفادہ کا عام حق حاصل ہو)

جس سے معلوم ہوا کہ سمندر دریا وغیرہ اور ان کا پانی اور آفتاب و مہتاب وغیرہ اور ان کی روشنی اسی طرح ہوا و زلزا کا کوئی مالک نہیں ہے، اسی طرح ہوا کے پرندے جنگل کے جانور اور سمندر کے حیوانات ان سب کا بھی کوئی مالک نہیں ہے، اور یہی حال جنگل، پہاڑ وغیرہ کے درختوں اور دیگر نباتات کا ہے کہ نہ ان کا کوئی مالک ہو، اور نہ ان کے پھولوں کا، بلکہ ہر شخص کے لئے وہ شرفاً مباح اور جائز ہیں، تافضی ابو یوسف کتاب الخراج میں اخروٹ، بادام وغیرہ کے خود درختوں اور شہد وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھے ہیں،

اذا كان في المعادن والجبال على الاشجار

ادنى الكهوت فلا شئ فيه و هو

بمذلة انما تكون في الجبال ولا ذلة

ان کا حال ان پھولوں کا ہے جو پہاڑوں اور

باقی اراضی یعنی زمین کی بھی اسلام میں چند قسمیں ہیں، صاحب برائے نے ان اقسام کو اس طرح بیان کیا ہے،

والارض في الاصل نوعان مملوكة و

الارض مباحة غير مملوكة والمملوكة

نوعان عامرة و خراب والمباحة

ايضا نوعان نوع هو من مرائق

البلد لا و محتطبا تصد و حرمى موا

و نوع ليس من مرائقها و هو المسعى

بالصوات،

وہ جس کا شمار ارفی سہولت آفرین خطے نہ ہو

یہاں سے لے کر

جس سے معلوم ہوا کہ زمین کی بعض قسمیں غیر ملوک بھی ہوتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ جب ان پر کسی کا قبضہ نہیں تو ان کے ملوک ہونے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں، سوال اس کے بعد ہوتا ہے کہ ان چیزوں کی تملیک کی کیا شکل ہے؟ ظہور سے ان چیزوں کے مالک ہونے کا طریقہ اسلام نے بھی وہی اختیار کیا ہے، جو عموماً دنیا میں مروج ہے ابو داؤد میں سرور کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے مروی ہے،

من سبق الی مالہ یسبق الیہ مسلم
جس پر کسی مسلمان کا پہلے قبضہ ہو پھر پہلی دفعہ
فَہُوَ اَحَقُّ بِہٖ،
قبضہ کرے گا وہی اس کا زیادہ حق دار ہے،

فقہاء نے اس حدیث کی بنا پر یہ قانون پیدا کیا، جیسا کہ ہدایہ میں ہے،

مَنْ سَبَقَتْ يَدُ يَہٗ اِلَیْہِ فِی
یعنی پہلی دفعہ جس کا قبضہ اس پر ہو گا وہی اس
مملکہ،
کا مالک ہو جاتا ہے،

مثلاً کہتے ہیں کہ

مَنْ اَحْطَبَ فِی مَعَارَۃِ فُہُولَہٗ وَن
جنگل میں جو لکڑی کاٹ لے اور شکار کر جو شکار
اصطاد صیداً فُہُولَہٗ
کرے وہ اُسی کا ہو گا،

لیکن باوجود اس عام قانون کے چند چیزیں ایسی ہیں جن کو اسلام میں بعض خاص شرائط کے ساتھ اس قانون سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ ایسی چیزیں جن پر کسی کا قبضہ ہی نہیں ہو سکتا، ادران کو وہ اپنی حفاظت میں نہیں لے سکتا، مثلاً آفتاب و ماہتاب ہوا وغیرہ ان کا تو ظاہر ہی ہے کہ آدمی مالک نہیں ہو سکتا، ہدایہ میں ہے کہ

الانتفاع بالشمس والقمر والهواء
آفتاب و ماہتاب ہوا سے فائدہ اٹھانے سے کوئی
فلا یمنع من الانتفاع بہ علی امتی
روکاو نہیں جاسکتا، جس طرح چاہے ان سے
وجہ شفاء،
استفادہ کر سکتا ہے،

اسی بنا پر فقہاء کا یہ مسئلہ ہے کہ دو منزل مکان کی پختی منزل کا کوئی اگر مالک ہو اور پورا والی منزل کا کوئی اور، پھر اوپر والی منزل گر جائے تو اس فضا یا ہوا کو جس میں یہ اوپر والی منزل تھی، اس کو کوئی بیع نہیں سکتا، اب تمام نے اس کی وجہ سے القدرین یہ لکھی ہے کہ مکان کو بلند کرنے کا جو حق اس کو حاصل تھا وہ

حق متعلق بالہواء و لیس الہواء ایک ایسا حق ہے جو ہوا کے ساتھ قائم ہے، او

ملا گیا ع (۲۰۴ مطبوعہ مصر ج ۵) ہوا کوئی مال نہیں ہے، جسے بیچا جائے،

لیکن علاوہ ان چیزوں کے اور بھی چند امور ہیں جن پر خواہ کسی کا قبضہ ہی کیوں نہ ہو جائے اشتراک سرمایہ پانی، آگ، گھاس لیکن عام مفاد کے لئے اسلام نے یہ قرار دیا ہے کہ انفرادی طور پر قانوناً کوئی ان کا مالک نہیں ہو سکتا، بلکہ انھیں عام پبلک پراپرٹی قرار دینا چاہتا ہے، اس سلسلہ میں عواماً کتابوں میں اگرچہ تین ہی چیزوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے یعنی مشہور حدیث ہے،

الناس شراکاء فی الماء والکلاء لوگ تین چیزوں میں ایک دوسرے کے ساتھی

والتار اور شریک ہیں، یعنی الماء (پانی)، الکلاء (گھاس)

التار (آگ)، ہیں، (صحاح)

اسی حدیث کی بنا پر پانی، گھاس، آگ میں الناس یعنی عام پبلک شریک بھی جاتی ہے، اشتراک اسلئے کے طہات لیکن صرف ان ہی تین چیزوں تک اشتراک کے قانون کو محدود سمجھنا صحیح نہیں ہے بلکہ

اس ذیل میں اور بھی ایسی چیزیں ہیں جن کو انفرادی ملک قرار دینے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ

ان ملکہ احد بالاحتیاج مملکت منعه اگر احاطہ بندی کر کے کوئی اس کا مالک ہو جائے

فضات علی الناس فان اخذ العوض تو کوئی کو اس سے روکے گا اور عوام مضرت پگی

منه اعلا لا یرفع عن الموضع میں مبتلا ہو جائیں گے، اور اگر اس کا معاوضہ

الذرحی و ضعه الله من تعمير و دوا لمرایع لے گا تو اسے گران کر دیجھا جس کا نتیجہ ہوگا کہ

من غیر کلفۃ المغنی، حق تعالیٰ نے جس غرض کے لئے اس چیز کو جو

مقام عطا کیا تھا، وہاں سے وہ چیز ہٹ جائیگی (ص ۱۵۷-ج ۶)

یعنی عام حاجت مند کی ضرورت بغیر کسی

دشقت کے پوری ہو یہ بات جاتی رہے گی،

اسی لئے علامہ ابن خلدون نے اس سلسلہ میں حسب ذیل چیزوں کا اضافہ کیا ہے،

المعادن الظاہرۃ وھی اللقی یوصل ظاہری معادن ان کو کتھے ہیں جن تک بغیر کسی

ما فیہا من غیر موصوفۃ یتابعا الناس محنت و دشقت کے رسائی حاصل ہو سکے لوگوں

وینفقون بہا کالمح والماء و کی اس پر آمد و رفت جاری ہو، اور لوگ اس

الکبریت والقیور والمویماء و نفط سے نفع اٹھاتے ہوں مثلاً نمک گندھک پچ

والکل والیا قوت ومقاطع الطین (ڈاٹر) مومیا، نفط (مٹی کا تیل) سرمہ یا قوت

واشباہ ذلک، یا مٹی کانے کی جگہ ہو،

علامہ لکھتے ہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے یہ چیزیں

لا تملک بالاحیاء ولا یجوز اقطاعها آباد کرنے اور حکومت سے جاگیر بننے کی وجہ سے

لاحد من الناس ولا یجوز اقطاعها ان امور کا کوئی مالک ہوتا ہے، اور نہ یہ جائز ہے

المسلمین لان فیہ ضرر بالمسلمین کہ عام مسلمانوں پر اس سے استفادہ کی راہ بند

وتضیق علیہم؛ کی جائے، کیونکہ اس سے مسلمانوں کو نقصان

پہونچے گا، اور ان پر تنگی ہوگی،

فقہاء نے اس قانون کو رسول اکرم ﷺ کی مشہور حدیث سے مستنبط کیا ہے، جو ابو داؤد و ترمذی

وغیر میں پائی جاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ ربیع بن حمال نامی صحابی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست باز

(میں) کے ایک کھادی چشمہ کو بطور جاگیر کے عطا فرما دیا، لیکن سندے کے جب وہ روانہ ہوئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضورؐ نے خیال نہیں فرمایا کہ اس شخص کو جاگیر میں کیا چیز عطا فرمادی گئی، وہ تو ایک زخم ہونے والا جاری چشمہ ہے، حضورؐ اگر مصلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر ارشاد فرمایا فلا اذن یعنی جب وہ ایسا چشمہ ہے تو پھر وہ جاگیر میں نہیں دیا جاسکتا اسی نے فقہانے یہ طے کر دیا، جو کہ حکومت اس قسم کی چیزیں کسی کو جاگیر میں بھی دے، جب بھی وہ کسی کی جاگیر میں بنے گی، اور وہ ہر حال میں پبلک جائیداد ہی رہے گی،

علاوہ ان مواد کے فقہانے انھیں مصالح کی بنا پر لکھا ہے کہ

لیس لامار ان یقطع مالا غنی للسلابین
ایسی چیزیں جن سے عوام مسلمان بے نیاز نہیں
عندہ یعنی اذا كانت اجماعہ او غنیضۃ
ہوسکتا، یعنی ان کی عام ضرورت کی چیزیں ہوں
او تحب لشر بون منہ او مملکتہ لاهل
تو حکومت کو حق نہیں ہے کہ کسی خاص آدمی کی
بلد لا فلیس لامار ان یقطع ذلک
جاگیر میں ان کو دے دے مثلاً کوئی اجہ (آبی
لاحد،
نیشان) ہو یا جگل ہو، یا دریا ہو جس سے پانی
پیتے ہوں یا نمک بنانے کی جگہ کسی خاص آبادی
کی ہو، جائز نہ ہو گا کہ امام کسی کو یہ چیزیں جاگیر

(دعا یہ بر حاشیہ ہدایہ ج ۴ ص ۲۸۲) کی ہو، جائز نہ ہو گا کہ امام کسی کو یہ چیزیں جاگیر
اسی طرح آبادی کی چراگاہیں یا ارد گرد کی جھاڑیاں جن سے لوگ ایندھن کا کام لیتے ہیں یا آبادی کے
اطراف کی ایسی زمینیں جن پر کھلیان وغیرہ لگاتے ہیں، اور ان کا کوئی مالک نہ ہو تو فقہانے لکھا ہے،

ماکان خارج البلد لا من مرقعھا
و محتطباً لاهلھا او حرعی لھم
لا یكون مواتاً حتی لا یملك الامار
اقتطاعھا،
آبادی سے باہر جو سہولت کی چیزیں ہوں اور باشند
کو لکڑی حاصل کرنے کی جگہ جو تو یہ ساری چیزیں نہ موات
یعنی ایسی زمین نہیں ہوسکتی ہیں جنہیں آباد کر کے کوئی
ان کو ذاتی ملک بنا سکتا ہو اور نہ امام (حکومت)

ذیل میں نے اس دفعہ کو نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہے :-

فَاءَ الْعَامِرِ فَيَنْتَفِعُونَ بِهِ لَا نَهْوُ ۖ
آبادی کے اطراف و اکناف کی زمین کا بھی یہی
محتاجون الیہ لیسری مواشیدھو و
حکم ہے، کہ عام لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہیں
طرح حصائد ہوں فلسرین، انتھام
لوگ اپنی مویشیوں کے چرانے کے لئے اور کھلیاں
منقطعاً عنده ظاہراً فلا ینکون مواتاً
لگانے کے لئے اس کے محتاج ہیں، اور اس جو
سے استفادہ کا جو حق ہے، وہ اس قسم کی زمینوں
سے منقطع نہیں ہو سکتا، اس لئے اس کا
الموات (آباد کر کے آدمی جس کا مالک ہو سکتا ہو)

(ذیلی برہانہ ج ۴ ص ۲۸۰) اس میں شمار نہیں ہو سکتا،

اسلام نے جب ان چیزوں میں انفرادی ملک کو ناجائز ٹھہرایا ہے، تو ظاہر ہے کہ شاہراہ عام یا عام رشتہ
کے ذرائع جن میں یون بھی پبلک کی ملک خیال کیا جاتا ہے، ان میں انفرادی ملک کو کس طرح جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟
نقد کی کتابوں میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے کہ جس طرح مندرجہ بالا امور کو حکومت کسی کی انفرادی ملک نہیں
قرار دے سکتی اسی طرح

لا اقطاعاً کمشارع الماء وطرقاً
جائز نہ ہو گا کہ پانی کے خزانوں اور مسلمانوں
المسلمین، کی عام شاہراہوں کو حکومت کسی کی جاگیر

(ابن قدامہ ج ۶ ص ۱۵۸) میں دیکھئے،

نہ حکومت دے سکتی ہے، اور نہ آبادی کے باشندے ان پر قبضہ کر کے اپنی ملک بنا سکتے ہیں، کفایہ شہرج

ہر ایہ میں ہے :-

ولکن لا یجوز احیاء ما تعلق بہ حق
یون ہی آباد کر کے قبضہ کرنے کی اجازت ان

العامة كما في النهس والطريق، چیزوں کے متعلق بھی نہیں دیا جاسکتی جن کے

ساتھ عوام کا تعلق ہو، مثلاً نہراوہ

داستہ کا جو حکم ہے،

(ج ۴ ص ۳۸۲)

خلاصہ یہ ہے کہ پانی، لگ، گھاس اور ایسے معاون جن کی پیداوار کے حاصل کرنے میں کسی محنت و مشقت، جدوجہد اور مصارف کی ضرورت نہیں ہوتی، اور عام لوگوں کی ضرورت کی چیزیں ان سے برآمد ہوتی ہوں، آبادی کی چرائیاں، جنگل جھاڑ، جن کا کوئی مالک نہ ہو، آبادی کے اطراف کی وہ زمین جس میں آباد کار اپنی ندی کا رُبا کرتے ہوں، مثلاً کھلیان وغیرہ لگاتے ہوں، یا شوارع عام (عام راستے) یا آبپاشی کے عام خزانے وغیرہ ایسی چیزیں نہ حکومت کسی کو انفرادی طور پر ان کا مالک بنا سکتی ہے، اور نہ قبضہ کر کے خود کوئی ان کو اپنی انفرادی ملکیت بنا کر کوئی قبضہ بھی کرے گا تو قانوناً غلط ہوگا، اور ہمیشہ یہ پبلک جائداد ہی سمجھی جائے گی، گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام ان امور کے متعلق اپنا نقطہ نظر شریعت کی رکھتا ہے، اجمالی طور پر تو ان امور کا یہی حال ہے لیکن فقہاء نے ان کی مختلف قسموں پر غور کیا ہے، اور بعض چیزوں کو اشتراک کے اس حکم سے مستثنیٰ بھی کیا ہے، مثلاً پانی کی اونھوں نے چار قسمیں قرار دی ہیں 'صاحب برائے لکھتے ہیں،

پانی کی مختلف قسمیں اور ان کے مختلف احکام | صاحب برائے لکھتے ہیں :-

| | |
|---------------------------------------|---|
| السياء اربعة انواع الاول | پانی کی چار قسمیں ہیں، پہلی قسم پانی کی وہ ہے |
| الماء الذي يكون في الارواني | جو برتنوں اور ظروف میں ہو، دوسری قسم وہ |
| والظرف الذي يكون | ہے جو کوئی اور حضور اور شہنشاہ میں ہو |
| في الابار والحياض والعيون | تیسری قسم وہ ہے جو ان چھوٹے دریاؤں اور |
| الثالث ماء الانهار الصغار التي | ندیوں میں ہو جن کا تعلق خاص خاص قوموں |
| تكون لا قواد مخصوصين والاربع ما لانها | سے ہو، چوتھی قسم وہ ہے جو بڑے بڑے دریا، |

العظام کی حیون و سیحون و درجلہ و القرآت جیون اور حیون، و جلد و مرآت و غیرہ سی ہو،

بڑے بڑے دریا کا پانی | پانی کے ان چار اقسام کے متعلق بالاتفاق سب کا یہ مذہب ہے، کہ جو پانی بڑے بڑے دریا مثلاً جیون، سیحون یا ہندوستان میں گنگا جمنہ، کرشنا گوداوری کا ہے، یہ ملک کے تمام باشندوں کا پانی ہے، ہر شخص کو اس سے خود پینے کا، یا نوروں کو پلانے کا اور کھیتوں باغوں کے سیرجے کا قانونی حق ہے، صاحب بدائع کہتے

الا نھار العظام کی سیحون و جیون بڑے بڑے دریا مثلاً سیحون اور جیون و جلد و مرآت

و درجلہ و القرآت و نحوھا فلا اور اسی قسم کے جو دریا ہیں، یہ کسی کی ذاتی ملک

ملک لا احد فیھا ولا فی رقبۃ نہیں بن سکتے، نہ ان کے پانی کا کوئی ذاتی مالک

المنہر ولا احد حق خاص فیھا ہو سکتا ہے، اور نہ اس رقبہ زمین کا جس میں ان

ولا فی الشرب بل هو حق عامۃ دریاؤں کا پانی بتاتا ہے، اور نہ کسی خاص شخص

المسلمین۔ فلکل احد ان ینتفع کا ان کے ساتھ کوئی ذاتی حق متعلق ہو سکتا ہے،

بھنڈ لا الا نھار بالشفۃ والسقی، نہ آبپاشی کا ذاتی حق ان دریاؤں کے متعلق کسی

خاص شخص کو حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ یہ عام

مسلمانوں کا حق ہے، اسی لئے ہر شخص کو حق حاصل

ہے کہ ان دریاؤں سے وہ نوشیدنی اور بیہی

درون قسم کے منافع اٹھا سکتا ہے،

بڑے دریاؤں سے نہر نکالنا | صرف یہی نہیں بلکہ ان دریاؤں سے نہر کاٹ کر اگر کوئی اپنی زمین میں لائے اور کسی

دوسرے کی زمین اس کے اس فعل سے برباد نہ ہوتی، ہو یا باشندگان ملک کو اور کسی قسم کا نقصان نہ پہنچتا ہو تو کسی کو کوئی حق نہیں ہے کہ نہر کھودنے سے اس کو روکے حتیٰ کہ حکومت بھی یہ نہیں کر سکتی،

بدائع میں ہے :-

العامة كما في النهسر والطريق، چیزوں کے متعلق بھی نہیں دیکھا سکتی، جن کے

ساتھ عوام کا حتی متعلق ہو، مثلاً نہراؤد

داستہ کا جو حکم ہے،

(ج ۴ ص ۳۸۲)

خلاصہ یہ ہے کہ پانی، لگ، لگھاس، اور ایسے معاؤن جن کی پیداوار کے حاصل کرنے میں کسی محنت و مشقت، جدوجہد اور مصارف کی ضرورت نہیں ہوتی، اور عام لوگوں کی ضرورت کی چیزیں ان سے برآمد ہوتی ہوں، آبادی کی چراگاہیں، جنگل جھاڑ، جن کا کوئی مالک نہ ہو، آبادی کے اطراف کی وہ زمین جس میں آباد کار اپنا زراعتی کاروبار کرتے ہوں، مثلاً لکھیان وغیرہ لگاتے ہوں، یا شوارع عام (عام راستے) یا آبپاشی کے عام خزانے وغیرہ ایسی چیزیں نہ حکومت کسی کو انفرادی طور پر ان کا مالک بنا سکتی ہے، اور نہ قبضہ کر کے خود کو ان کو اپنی انفرادی ملک بنا سکتا اگر کوئی قبضہ بھی کر لے گا تو قانوناً غلط ہوگا، اور ہمیشہ یہ سبک جا آمدنی بھی جائے گی، گویا یہ سمجھنا چاہئے کہ اسلام ان امور کے متعلق اپنا نقطہ نظر شریعت کی رکھتا ہے، اجمالی طور پر تو ان امور کا یہی حال ہے لیکن فقہاء نے ان کی مختلف قسموں پر غور کیا ہے، اور بعض چیزوں کو اشتراک کے اس حکم سے مستثنیٰ بھی کیا ہے، مثلاً پانی کی اونھوں چار قسمیں قرار دی ہیں 'صاحب بدائع لکھتے ہیں،

یا فی کی مختلف قسمیں اور ان کے مختلف احکام | صاحب بدائع لکھتے ہیں :-

| | |
|---|---|
| المیاء اربعۃ انواع الاکل | پانی کی چار قسمیں ہیں، پہلی قسم پانی کی وہ ہے |
| الماء الذی یکون فی الارانی | جو برتنوں اور ظروف میں ہو، دوسری قسم وہ |
| والظلمۃ والثانی الذی یکون | ہے جو کوئل اور حوضوں اور چشموں میں ہو |
| فی الاربار والحیاض والعیون | تیسری قسم وہ ہے جو ان چھوٹے دریاؤں اور |
| الثالث ماء الانہار الصغار واللقی | نہروں میں ہو جن کا تعلق خاص خاص قوموں |
| تکون لا توارمخصو صین والرابع ما لا انہا | سے ہو، چوتھی قسم وہ ہے جو بڑے بڑے دریا، |

العظام کسبون و سیحون و دجلہ والقرات | جیون اور سیحون، و جلد و ذرات وغیرہ میں ہو،

بڑے بڑے دریا کا پانی | پانی کے ان چار اقسام کے متعلق بالاتفاق سب کا یہ مذہب ہے، کہ جو پانی بڑے بڑے دریا مثلاً جیون، سیحون یا ہندوستان میں لگا کر جتا، کرشنا گوداوری کا ہے، یہ ملک کے تمام باشندوں کا پانی ہے ہر شخص کو اس سے خود پینے کا بجا نوروں کو پلانے کا اور کھیتوں باغوں کے سیچنے کا قانونی حق ہے، صاحب بدائع کا بیان

الانہاد العظام کسبون و جیون | بڑے بڑے دریا مثلاً سیحون اور جیون و جلد و ذرات

و دجلۃ والقرات و نحوھا فلا | اور اسی قسم کے جو دریا ہیں، یہ کسی کی ذاتی ملک

مملکت لا احد فیھا ولا فی رقبتہ | نہیں بن سکتے، نہ ان کے پانی کا کوئی ذاتی مالک

المنہر ولا احد حق خاص فیھا | ہو سکتا ہے، اور نہ اس رقبہ زمین کا جس میں ان

ولا فی الشرب بل هو حق عامۃ | دریاؤں کا پانی بتاتا ہے، اور نہ کسی خاص شخص

المسلمین۔ فلکل احد ان ینتفع | کان کے ساتھ کوئی ذاتی حق متعلق ہو سکتا ہے،

بھڈ لا الانہاد بالشفعة والسقی، | نہ آبپاشی کا ذاتی حق ان دریاؤں کے متعلق کسی

خاص شخص کو حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ یہ عام

مسلمانوں کا حق ہے، اسی لئے ہر شخص کو حق حاصل

ہے کہ ان دریاؤں سے وہ نوشیدنی اور لڑائی

دو دونوں قسم کے منافع اٹھا سکتا ہے،

بڑے دریاؤں سے نہر نکالنا | صرف یہی نہیں بلکہ ان دریاؤں سے نہر کاٹ کر اگر کوئی اپنی زمین میں لائے اور کسی

دوسرے کی زمین اس کے اس فعل سے برباد نہ ہوتی، عویا باشد کان ملک کو اگر کسی قسم کا نقصان نہ پہنچتا ہو تو کسی

کو کوئی حق نہیں ہے کہ نہر کھودنے سے اس کو روکے حتیٰ کہ حکومت بھی یہ نہیں کر سکتی،

بدائع میں ہے :-

لے ان یشق الیہا نہی من ہذا
اس کا بھی ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اپنی زمین
الانہار و لیس اللامہ و لا لاحد
ملک ان دریاؤں سے نہ رکاوٹ کر لیجائے، اور نہ
متعدہ غنہ یضر بہ و لعلیضر،
امام (حکومت) ہی کو اس کا حق ہے، اور نہ کسی
اور کو کہ اس نعل سے اس کو روکے بشرطیکہ اس
نہر کی وجہ سے کسی کو ضرر نہ پہنچے،

ان دریاؤں کے پانی کی قوت ہے چکی وغیرہ | اسی طرح ہر باشندہ ملک کو اس کا بھی حق ہے کہ اس قسم کے دریاؤں
چلانا یا موٹ چرس ان پر قائم کرنا | اور نہ دیون پر،

ان ینصب علیہ ریح و دالید و
کہ ان پر چن چکی اور رہٹ موٹ وغیرہ
سامیۃ (ہدایہ) قائم کرے،

البتہ حکومت اور پبلک دونوں کو اس کا حق ہے کہ اس کے ان افعال سے خود نہریا دریا کو کوئی نقصان نہ پہنچے
اس کی نگرانی کریں، بدلتے ہی مین ہے :-

فکان کل واحد بسبیل من الانقاع
اگر ہر شخص کو نفع گیری کا حق حاصل ہے بشرطیکہ
لاکن بشریطۃ عدو الضرس
اس کی نہر کی وجہ سے کسی کا کچھ نقصان نہ پہنچے
بالنہر کا الانقاع بطریق العامۃ
وہی حکم اس کا بھی ہے جو عام شاہرہوں کا ہے
وان اضر بالنہر فکل واحد من
لیکن اگر اس کی نہر سے نقصان پہنچتا ہو تو ہر
المسلحین منعہ،
مسلمان کو حق ہے کہ اس نعل سے اس کو روک دے

دریاؤں کے سوا پانی کے اقسام | اسی طرح پانی کی دوسری اور تیسری قسم یعنی مخصوص افراد کی زمین میں جو نہر بنی ہوئی
ہیں یا محلو کہ زمینوں کے مآلات اور کنوؤں کا پانی اس کے متعلق حکم یہ ہو کہ

حق المشغۃ ثابت،
نوشیدنی کا حق پبلک کے ہر فرد کو اس میں حاصل ہے

یعنی خود پینے یا اپنے جانوروں کو پانی پلانے کا حق تو اب بھی عام پبلک کو حاصل ہے، البتہ چونکہ مملوکہ زمینوں سے اس پانی کو تعلق ہے، اس لئے زمین کے مالکوں کی اجازت کے بغیر دوسروں کو اس پانی سے باغون یا کھیتوں کے سینچنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، ہدایہ میں ہے،

فان اداد رجل ان یسقی بذاک
اگر کوئی اپنی آباد کردہ زمین کو اس قسم کے پانی
ارضاً احیاها کان لاهل النهر
سے سینچنا چاہے، تو نہرو والوں کو حق ہے کہ اس
يمنعوا عنه اضربوا ولویض (درایہ جلد ۲)
کو روک دیں، خواہ نقصان ہو یا نہ ہو،

نہروں کنوؤں تالابوں | مگر بایں ہمہ اس قسم کے پانی کے بیچنے یا اجارہ کی بھی اجازت نہیں ہے، فقہار اس باب میں
پانی کے فروخت کا حکم اور | ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ کنوؤں
عن بیع بئج البئر
کے سوت کے پانی کو کوئی فروخت کرے،

تبع البئر کا ترجمہ صاحب برائے نے فضل مائتھا یعنی کنوؤں کا زائد از ضرورت پانی کیا ہے، بہر حال
اس حدیث کی وجہ سے پینے پلانے سے تو کسی کو کوئی روک نہیں سکتا، لیکن اگر ہر شخص کو ایسی نہروں یا تالابوں یا باغیچوں
سے آبپاشی کی عام اجازت دے دی جائے گی، تو جیسا کہ صاحب برائے لکھتے ہیں،

کل احد یبدا بالیہ فیسقی منہ
ہر شخص پیش قدمی کر کے اس پانی سے نفع اٹھانا
زرعہ و اشجارہ فیبطل حقہ
چاہے گا، اور اس سے اپنے کھیت اور باغ کو
سیراب کرے گا، بس نہرو والوں کا حق مارا جائیگا
اصلاً،

خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کے پانی میں اشتراکیت کا نظریہ صرف حق الشفعۃ یعنی نوشیدنی تک محدود ہے پھر
فقہاء نے اس کی مختلف شکلوں کے احکام بھی لکھے ہیں، مثلاً اگر کنوؤں یا تالاب کا مالک پبلک کو اپنی زمین سے آنے
سے روکے، اور کہے کہ تو اپنی پرتھرا را حق ہے، لیکن میری مملوکہ زمین کے احاطہ میں داخل ہونے کی تو اجازت نہیں

تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا اگر نشیدنی کی ضرورت سپلاک کسی اور ذریعہ سے پوری کر سکتی ہے، تو بھگڑنے کی حاجت نہیں لیکن اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر کنوؤں کے مالک کو مجبور کیا جائے گا، کہ یا تو وہ لوگوں کو اپنے کنوئیں سے پانی لینے دے ورنہ کوئی نظم کرے کہ لوگوں تک ان کا قانونی حق پہنچ جائے یعنی ادن کے اور ان کے جافروں تک پانی پہنچ جائے اس حق پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ دونوں باتوں میں سے کسی پر راضی نہ ہو تو سپلاک کو حق ہے کہ باضابطہ مسلح ہو کر اس جنگ کرے اور اپنا حق حاصل کرے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسی قسم کی ایک صورت پیش آئی تو اپنے فرمایا،

هلا وضعتم فيه السلاح (بدائع) تم نے لوگوں کے درمیان ہتھیار کو کیوں نہ ڈالا

پانی کی وہ قسم جو بک سکتی ہے | یعنی پانی کی چوتھی قسم یعنی جب برتنوں یا مشکوں میں پانی بھر لیا گیا ہو تو اس قسم کے پانی میں انفرادی ملکیت پیدا ہو جاتی ہے، صاحب بدائع لکھتے ہیں کہ اب اس پانی کی حیثیت ایسی ہو گئی کہ

كما استولى على الخطب والحنش كوني رجلكي لكرتون اور گھاس اور شکار والصيد، پرتا ہوا پائے (تو وہ اس کی ملک بن جاتا ہے)

کہ ان چیزوں سے استفادہ کا حق اگرچہ سپلاک کے ہر فرد کو حاصل ہے لیکن جب ان پر کسی کا قبضہ ہو گیا تو قبضہ کرنے والے کی وہ ملک ہو جاتی ہیں اسی طرح برتن اور مشک کا پانی بھی ملک ہو جاتا ہے،

فيجوز بيعه، اور ایسی صورت میں (مشک و برتن وغیرہ) کے پانی کا فروخت کرنا بھی جائز ہے

اس قسم کے پانی کی بیع و فروخت کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ

السَّعَادُونَ يَبِيعُونَ الْمَيَاءَ لَا الْمَجْرَىٰ
برتنوں میں جس پانی کو محفوظ کر لیا گیا ہو، اس کو
في الظرف بعد جرت العادة في
بشتیوں کی جامعہ ہمیشہ بچتی رہی ہے تمام
الامصار في سائر الاعصار من
شہروں اور ملکوں میں اس کا عام رواج ہے
غير نكس، (بدائع) کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا،

اس نے اس پانی کے متعلق حکم ہے کہ

فلو یحیل لاحد ان یتأخذ منه فی شرب
من غیر اذنه، کوئی اس کو لے اور پیئے،
جائز نہ ہو گا کہ پانی کے مالک کی اجازت کے بغیر

البتہ ایسی صورت میں کہ پیاس سے کس کی جان پر بن آئے اور دوسرے کے برتن میں زائد از ضرورت پانی
تو غیر مسلح لڑائی کر کے پانی زبردستی چھین کر پی سکتا ہے،

شدید ضرورتوں کی چیزوں میں اشتراکیت کا نقطہ نظر | اور یہ حکم کچھ پانی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہلاکت کے اندیشہ کی صورت میں زائد
از ضرورت چیز دوسرے سے آدمی زبردستی چھین کر استعمال کر سکتا ہے، خواہ کھانا
یا اسی قسم کی دوسری چیز، ہر ایسے میں ہے کہ

وکن اطعموا عند اصلہ المخصۃ (جلد ۳) یعنی یہی حکم کھانے کا بھی ہے شدت بھوک میں

ملکہ پانی میں بھی اشتراکیت کا اثر | لیکن پانی برتن ہی والا کیون نہ ہو، حدیث میں چونکہ (المار) مطلق پانی میں عام
لوگوں کو شریک قرار دیا گیا ہے، اس لئے فقہاء اسلام نے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ بلا ضرورت اگر کسی کی مشک یا برتن
سے آدمی پانی چُر لے تو چوری کی شرعی سزا قطعید کا حکم اس پر نہ لگایا جائے گا، خواہ اس پانی کی قیمت اسی قدر کیون
نہ ہو، جس کے چُرانے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے، ہر ایسے میں ہے،

لو سرقہ انسان موضع یعنی وجود لا اگر کسی ایسے مقام میں جہاں پانی شکل سے میسر

دھو لیا دی نصاً بالحق قطعید لا آتا ہو اور اگر کوئی برتن (یا) پانی چُر لے تو چور

کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا، خواہ پانی کی قیمت آتا

(کتاب الشرب جلد ۴، صفحہ ۳) قدر کیون نہ ہو جس پر ہاتھ کٹتا ہو،

کیونکہ بہر حال ایک گونہ شرکت کا شبہ اس میں پیدا ہو گیا ہے، اور شبہ سے اس قسم کی سزائیں

مُل جاتی ہیں،

مچھلیوں کا حکم | پانی ہی کو ذیل میں مچھلیوں کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ جس طرح ہوا کے پرندوں کا کوئی مالک نہیں ہے، اور جو ان پر قبضہ کر لے گا، وہی مالک ہو جاتا ہے، محض اس لئے کہ کسی کے تالاب یا باغ یا تہ میں یہ پرندے چرتے چلے ہین، یا رہتے ہین، یا آتے جاتے ہین، کوئی ان کو فروخت نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ حکومت کو بھی اس کا اختیار نہیں ہے، کہ اس قسم کی خشکی یا تری کے جانوروں کو کسی کی انفرادی ملکیت قرار دے، غنایہ شرح ہدایہ میں ہے،

الامام لا یملک ان یخص واحدٌ امام (حکومت) کو اس کا اختیار حاصل نہیں
دون واحد بذلک حتی لو امر احدٌ ہے، کہ کسی خاص شخص کو ان کی خصوصی ملکیت
ان یأخذ شیئاً..... عطا کرے تا آنکہ اگر کسی کو امام حکم دے کہ فلا
..... صید البعیدہ خاص شکار کو پکڑے، خواہ خشکی کا ہو یا دریا کا،
من بد او یجری لا یصلح السامور قبل تو جسے حکم دیا گیا ہے وہ شکار پکڑنے سے پہلے
الاخذ الاصطیاد (ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۴۴۸) اس شکار کا مالک نہیں ہو سکتا،

سوال ہوتا ہے کہ جب ہوا کے جانوروں کا یہ حکم ہے تو مچھلیاں جن کی حیثیت پانی میں وہی ہے جو ان وحشی پرندوں کی ہوا میں ہے، ان کو بھی کوئی بیچ سکتا ہے یا نہیں، قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج میں ایک خاص باب اس مسئلہ میں باندھا ہے، خود ان کا اور امام ابو حنیفہ وغیرہ کا خیال یہی ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں، مگر لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے، کہ یہ غیر ملوک شو کی بیچ ہے، بلکہ ممانعت کا سبب یہ بتایا گیا ہے، کہ خریدار کے متعلق دھوکہ لکھا جانے کا اندیشہ ہے کہ پانی کے اندر کا حال اس کو کیوں معلوم ہو سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فتویٰ قاضی صاحب نے نقل کیا ہے کہ

لا یبتایعوا السمک فی المساء فاقنہ مچھلی کو پانی کے اندر نہ بیچ کر دے کہ اس میں
غمر دھوکہ ہے،

اسی قسم کے الفاظ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہیں، لیکن اسی کے مقابلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی کتاب الخراج میں یہ بھی مروی ہے کہ رس نامی مقام میں جو تین میں واقع ہے،

اللہ وضع علی اجمۃ برس اربعۃ رس نامی مقام کے اجمہ (آبی نشان) پر حضرت

آلاف درہم و کتب لہم کتابانی علی کرم اللہ وجہہ نے چار ہزار درہم شخص فرمایا

قطعہ ادا اور چڑے کے ایک ٹکڑے پر ان کو اس کا پٹہ لکھ کر

(کتاب الخراج ص ۹۵) دیا، (اجمہ کے لفظ کی تحقیق آگے آرہی ہے)

صرف یہی نہیں کہ حکومت نے اس خزانہ کو چار ہزار درہم میں بند دست کیا، بلکہ حضرت عمرؓ

عبدالغزی سے بھی اس کتاب میں یہ مروی ہے کہ عبدالحمید بن عبدالرحمن نے جو ان کے صوبہ دار تھے انھوں نے

یسئلہ عن بیع صید الاجاہر آجام (آبی نشان) کے شکار کے متعلق دریافت

کیا کہ کیا ان کو فروخت کیا جائے،

جواب میں عمرؓ نے فرمان بھیجا،

ان لا باس بہ و سماہ الحبس اس کے فروخت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں جو

(کتاب الخراج ص ۱۰۰) اور اس کا نام انھوں نے "حبس" رکھا،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تالاب کی مچھلیوں کے متعلق ابتداء سے کچھ اختلاف چلا آتا ہے، خود قاضی ابویوسفؒ

نے بھی لکھا ہے، کہ اگر کسی ایسے گڑھے میں مچھلی ہو جو بغیر شکاری تدبیروں کے ہاتھ آجائے تو اس کے نیچے میں حرج

نہیں بلکہ آگے بڑھ کر ان کے الفاظ یہ بھی ہیں،

ومثلہ اذا کان یوخذ بغیر صید اور یہی حال ان مچھلیوں کا ہے، جو بغیر شکاری

کمثل سمک فی الحب تدبیروں کے پکڑی جاتی ہوں، جیسا کہ ان

(کتاب الخراج ص ۱۰۰) مچھلیوں کا بیچنا جائز ہے، جو کوئین میں ہوں

ان تمام اقوال کے دیکھنے سے فیصلہ کی صورت یہی معلوم ہوتی ہے، کہ سمندرون، دریائون، ندیوں وغیرہ کی پھیلیں جو بند اور محدود پانی میں نہیں رہتی ہیں، ان کو نہ حکومت بیچ سکتی ہے، اور نہ شکار کرنے سے پہلے کوئی اوزیچ سکتا ہے، بلکہ وہ عام پبلک کی چیز ہے، ملک کے ہر باشندہ کو ان کے شکار اور ان سے استفادہ کا حق ہوتا ہے البتہ اگر محدود اور بند پانی مثلاً تالابون وغیرہ میں ہوں تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے مطابق ان کے فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں، خصوصاً ایسی پھیلیں جنہیں اس زمانہ میں لوگ اپنے مخصوص تالابون میں خرید کر پالتے ہیں، یعنی ان کے بچے جنہیں زیرہ کہتے ہیں، خرید کر تالابون میں چھوڑ دیتے ہیں جو مکہ قبضہ کرنے اور ملک بنانے کے بعد ان کو تالابون میں چھوڑا جاتا ہے، بظاہر ان کے فروخت میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن آبادیوں کے اطراف و جوانب کے تالابون یا جوہڑوں میں جو قدرتی خورد زائیدہ پھیلیں پائی جاتی ہیں، اگر زمیندار اور جاگیر دار ان کو گاؤں کے عام باشندوں کو شکار کر لینے کے بغیر کسی معاوضہ کی اجازت دیدیا کرتے تو کم از کم خفی مذہب کے دوسرے اسلام نے عوام کا جو معاشی حق قائم کیا ہے، اس سے محروم کرنے کے وہ مجرم نہ بنیں گے۔

پھیلیوں کے سوا دوسری پھیلیوں کے ساتھ سمندر، دریا، ندی وغیرہ کی دوسری پیداواروں کا بھی سوال اسلامی فقہ میں اٹھایا گیا ہے، ہمارے امام ابوحنیفہ کا تو کھلا ہوا فیصلہ ہے کہ خواہ

پھیلیوں کے سوا دوسری
آبی پیداواروں کا حکم

جس قسم کی چیز بھی ہو اس کی کتنی ہی قیمت ہو مثلاً عنبر ہو یا موتی ہو، یا اس کے سوا کوئی اور چیز ہو، سب کا حکم وہی ہو جو پھیلیوں کا ہے، یعنی ملک کے عام باشندوں کا وہ مشترک سرمایہ ہے جس کا جی چاہے انہیں نکال سکتا ہے اور فائدہ اٹھا سکتا ہے حکومت تک کو اس سے کسی قسم کے محصول لینے کا حق نہیں ہے، تا فاضی ابو یوسف نے اس کا بھی کتاب الخراج میں ایک مستقل باب باندھا ہے، اور لکھا ہے کہ

قد کان ابو حنیفۃ ابن ابی لیلیٰ
یقول لا یس فی شیء من
ذ اللہ شیء لانتہ بمنزلۃ
ابو حنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ دونوں کا خیال تھا
کہ سمندری پیداواروں (مثلاً عنبر موتی وغیرہ)
میں سے کسی پر کوئی محصول یا ان کی قیمت نہیں

المجو الخمس (کتاب الخراج) ان میں خمس (پانچواں حصہ) حکومت کا حق ہے،

اس فرمان کے راوی ابن عباسؓ ہیں، خود بھی فرماتے ہیں:-

وذلك رائي، اور میری بھی رائے ہے،

بہر حال یہ سارے مباحث تو امار (یعنی پانی) کے تھے، جس میں آنحضرتؐ نے ملک کے عام باشندوں کو شریک قرار دیا ہے، گزشتہ بالا مسائل گویا اسی اشتراک کی نظر سے کی تفصیل تھی،

ستال معدنیات کے احکام | پانی اور پانی کے خزانوں اور چشموں کے ذیل میں چونکہ بعض ستیال معدن کو فقہائے اسلام نے اسی ذیل میں شمار کیا ہے، حتیٰ کہ قاضی ابویوسفؒ نے تو کتاب الخراج میں صاف طور پر لکھ دیا ہے کہ

ليس في النفط والقيور والزيئق و جمان تک میں جانتا ہوں مٹی کے تیل (نفط)

العمياء ان كان لشيئ من ذلك اور قیر (تار کول) مومیائی میں کچھ نہیں ہے

عين في الارض شيئ تعلمه كان بشرطیکہ زمین سے ان کا کوئی چشمہ اُبتا ہو

في ارض عشر اذ في ارض خواج خواہ یہ چشمے عشری زمین میں ہوں یا

(کتاب الخراج ص ۹۲) خراجی زمین میں،

لیکن یہ ایک اجمالی بیان ہے ورنہ جیسے پانی کے مختلف اقسام کے مختلف احکام تھے، ان معدنی چیزوں کا بھی یہی حال ہے گنجائش کی حد تک ضروری مسائل درج کئے جاتے ہیں، اس مسئلہ کا پہلے بھی کچھ ذکر آچکا ہے لیکن اس وقت ہم اس کو شرح الکبیر للفتیحؒ کے متن سے نقل کرتے ہیں، اس میں ہے:-

لا تملك المعادن الظاهرة ایسے معدن جنہیں معادن ظاہرہ کہتے ہیں،

كالصالح والقادر واللحل والجس مثلاً نیک اور قادر (تار کول) سرسبز گچ (نفط) مٹی

والنفط بالاحياء وليس للاحمار کاتیل، وغیرہ کے بعد معدنوں کا کوئی شخص

اقطاعه (۶ ج) ذاتی طور پر مالک نہیں ہو سکتا، نہ اجازت اور نہ آباد

کے ان کو اپنی ملک بنا سکتا ہے اور نہ حکومت
کوتی ہے، کہ کسی خاص شخص کی شخصی جاگیر میں

یہ تو قن کی عبارت ہے شرح اس کی یہ کی گئی ہے کہ

| | |
|---|---|
| المَعَادِن الظَاهِرَةُ وَهِيَ الْقِي | ایسے معادن جو ظاہری معادن کہلاتے ہیں |
| يُوصَلُ إِلَى مَا فِيهَا مِنْ غَيْرِ | جن کی تعریف یہ ہے کہ عدا ان ملک بغیر کسی |
| مَوْسِمَةٍ يَتَابَعُهَا النَّاسُ وَيَتَقَوَّنَ | محنت و مشقت کے رسائی ہوتی، موائے کو کو |
| بِهَا كَالصَّالِحِ وَالْكَبِيرِ وَالْقِيَرِ | کی اس پر آمد و رفت جاری ہوئے اور اس سے |
| وَالصُّومِيَا وَالنَّفْطُ وَالْكَحْلُ الْيَاقُوتُ | عام لوگ نفع اٹھاتے ہوں، مثلاً نمک لہہ جھک |
| وَمُقَاطِعُ الطِّينِ وَاشْتِبَاذُ الْكَثِ | قیر، (تارکول) مومیائی، نفع (مٹی کا تیل)، |
| لَا يَكْمَلُ بِالْأَحْيَاءِ وَلَا يَحْجُزُ | غیر مرہ، یا قوت، مٹی لکانے کی جگہ (سنگور) ا |
| لَا أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ وَلَا أَحْتِجَازُ | اسی قسم کی چیزیں آباد کر کے بھی کوئی ان کا مالک |
| دُونَ الْمُسْلِمِينَ لَا فِيهِ ضَرَرٌ | ہیں، ہو سکتا، اور نہ کسی کے لئے ایسا کر اجازت |
| الْمُسْلِمِينَ وَتَقْيِينًا عَلَيْهِمْ | ہے، اور نہ یہ درست ہے کہ عام مسلمانوں |
| | کو ان سے استفادہ سے روکا جائے کیونکہ |
| | مسلمانوں کا نقصان ہے، اور ان پر تنگی و |
| (المنفى لابن قدامح ص ۱۵۷) | ضیق عائد کرنا ہے، (باقی) |

تاریخ فقہ اسلامی

معمری عالم حضری کی تہذیب الشریعہ الاسلامی کا ترجمہ جن میں ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے،

جس کو مدینہ فقہ کی ترتیب میں مدو مل سکتی ہے، حجم ۲۰۰ صفحے قیمت سے

مینبر

کلام اقبال کی وقین

ان کی تشریح کی ضرورت

از

جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ لکچرار یونیورسٹی، اورنٹل کالج، لاہور

(۲)

اقبال کے اہم علمی مسائل کی تشریح | مطالعہ اقبال سے پہلے بطور تسبیہ و تمجید یا دیباچے کی صورت میں ان اہم علمی مسائل کا مختصر اور ساوہ تجزیہ ہونا چاہیے، جن سے پیامِ مشرق، زبورِ عجم، جاوید نامہ بلکہ سب کتابیں بھرپور حکماءِ مشرق کی طرح اقبال نے حکماءِ مغرب سے بھی بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، اس لئے کلام اقبال میں جا بجا مشرق اور مغرب کی حکمت کے بعض مسائل کی طرف اشارات ہیں، بعض اشعار میں کسی اسلامی یا مغربی حکیم کی پوری حکمت کا خلاصہ بیان ہوا ہے، کہیں کہیں خاص خاص علمی اصطلاحات ہیں، عام مطالعہ کرنے والے عموماً صرف لطفِ زبان سے لذت گیر ہو کر آگے چلے جاتے ہیں، اور شعر کے اصلی مفہوم سے ناواقف رہتے ہیں، اس لئے اس قسم کی علمی اصطلاحوں اور فلسفہ و حکمت کے مسائل و نکات کی آسان تشریح ابتدائی لوازم میں سے ہے، اس کی تشریح کے لئے دو نمایاں پیش کیجاتی ہیں، اقبال نے پیامِ مشرق کے باب ”نقشِ فرنگ“ میں صحبتِ رفقاء کے عنوان سے ایک مکالمہ لکھا ہے جس میں بعض حکماءِ جدید و قدیم نے اپنے اپنے مسائل کا تذکرہ ایک ایک دو شعروں میں کیا ہے ان میں سے پہلے ”ماشاے“ پھر ”کارل مارکس“، پھر ”ہیگل“، پھر ”فروڈ“ اور اس کے بعد کوکین، لب کشا ہو کر اپنا

اپنا فلسفہ بیان کرتے ہیں، پہلے کت ہے۔

جلوہ دہد باغ و زاغ معنی مستورا عین حقیقت نگہ خنفل و انگور را
فطرت اضداد خیز لذت پرکار داد خوابہ و مزدور را آمرو مامور را
ان اشعار کے ساتھ پہلے کے مخصوص فلسفہ جدل و پیکار کی شرح کس قدر ضروری ہو جاتی ہے،
اگر طرح ذیل کے اشعار میں برگسان کی حکمت کا جو خلاصہ موجود ہے، اس کو نمایاں اور متعین کرنے کی ضرورت
پیغام برگسان کے عنوان سے یہ اشعار پیغام مشرق میں ہیں،

تا بہ تو آشکار شود راز زندگی خود را جدا ز شعلہ شمالِ شرمین
بہر نظارہ جز نگہ آشنا میار در مرز و بوم خود چو غریبانِ دین

نقشہ کہ بستہ ہمہ ادہام باطل است

عقلے بہم رسان کہ او بجہ و ذل است

آخری مصرع میں برگسان کا فلسفہ الہام و تجلی بیان ہوا ہے، اس کے سمجھنے کے لئے برگسان کے
خیالات کا ایک خلاصہ کتاب میں ہونا ضروری ہے، پیغام مشرق میں ایک دوسرے مقام پر حکماء مغرب کی
حکمت کا بیان ایک ایک شعر میں ہوا ہے :-

لاک | ساغش داسحر اذ بادہ خوشید فروخت در نہ در محفلِ گلِ لالہ می جام آمد

کانٹ | فطرتش ذوق سے آئینہ خائے آورد از شبستانِ ازل کو کب جائے آورد

برگسان | نہ سے ازل آورد، نہ قائم آورد لالہ ازل داغ جگر سوز دوائے آورد

اس کے بعد بعض شعراء کے پیغام کی خصوصیت ان اشعار میں بیان ہوئی ہے :

بودنگ | بے پشت بود بادہ ہر جوشِ زندگی آب از خضر بگیرم و در ساغر انگلم

باہرن | از منتِ خضر نتوان کرد سینہ داغ آب از جگر بگیرم و در ساغر انگلم

غالب | تابادہ تلخ تر شود و سینه ریش تر بگدازم آگینہ و در ساغر انگنم
ردیف | آمیزشے کجا گر پاک او کجا از تاک بادہ گیرم در ساغر انگنم

ان اشعار میں ہر شاعر کی شاعری کا لب لباب موجود ہے جس کو مبتدی رہنمائی کے بغیر سمجھنے سے قاصر رہیں گے۔
اس کے علاوہ حکمت، فلسفہ، فقر، سیاست، اجتماعیات، مذہب اور روحانیت سے متعلق بیسیوں اشعار
کلام اقبال میں اس انداز سے آجاتے ہیں کہ ان کی ماہیت معلوم کئے بغیر مطالعہ کرنے والا آگے نہیں بڑھ سکتا
مثلاً خودی کا سرسری مفہوم چھاد کر کش مکش کا ابتدائی تصور، فقر اور اس کی عارفانہ تشریح، عشقِ جمال اور
جلال کی تعبیر، تقدیر اور توحید کے معانی، جمہوریت، آمریت اور اشتراکیت کی محل تعریف، فلاسفہِ یورپ کے
خیالات کا خلاصہ، ان تمام امور مسائل کے تمہیدی پہلوؤں سے واقف ہونا ضروری ہے، ورنہ اصحابِ علم
نظر کے علاوہ عام مطالعہ کرنے والوں کے بشیر طبقات کلام اقبال کے متعلق غلط فہمیاں میں مبتلا ہو سکتے ہیں
اس لئے کہ فکرِ اقبال درحقیقت خواص اور علماء کے غور و فکر کے لئے ہے، عوام تشریح و تبصیر کے بغیر اس سے
تمتع نہیں ہو سکتے،

میں اس سلسلے میں ناظرینِ کرام کو خودی کے تصور کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، تصوف نے ہر شک
”خود“ کو مٹانے اور خودی کو فنا کرنے کی یقین کی ہے، حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں،

بما برسیہ نشین و باخود نشین

لسان الغیب حافظ فرماتے ہیں :-

میان عاشق و معشوق پہنچ حاصلِ نیت

تو خود و حجابِ خودی حافظ از میان برخیز

ہمام تبریزی بھی اس قسم کا خیال ظاہر کرتے ہیں :-

در میانِ من و محبوب حجاب است ہمام باشد آن روز کہ آن ہم از میان برخیزد

نفی خودی تصوف کا بنیادی عقیدہ ہے، کیونکہ خودی کا احساس صوفیہ کے نزدیک ایک گناہ ہے،

وَجُودُكَ ذَنْبٌ لَا يَهْدِيكَ إِلَّا هَذَا ذَنْبٌ

اس عقیدے کی بنیاد اس خیال پر قائم ہے کہ انسان دراصل گلشنِ قدس کا ایک پھول تھا، اور ذاتِ باری کا جز و قدر خداوند تعالیٰ کے شوقِ نکلور نے دنیا کو پیدا کیا، اور انسان کو اس نئی بستی کا حاکم اور مالک بنایا، گویا گل نے جزو کو عارضی طور پر اپنے آپ سے الگ کر دیا، اب یہ جزو کل سے منے کے لئے مقرر ہے، جب حجابِ جسمانی موجود ہے، یہ جزو کل سے ہم کنار نہیں ہو سکتا، لہذا صوفیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خود کو مٹانا ہی تمام مصرتوں کا سرچشمہ اور احقن کا منہتا ہے، اس خیال کو تمام صوفی شعراء بڑی قوت اور بڑے جوش کے ساتھ ظاہر کرتے آئے ہیں،

خواجہ حافظ فرماتے ہیں :-

من ملک بودم و فردوس بریں جاہم بُو اُدم آرد و دریں دیر خراب آبا دم

نظیری کی پہلی نزل بھی اسی مضمون کی حامل ہے،

وَرَأَنَ گلشن ہوا بودم کہ مستی زاد اذ گرگی در ایں مجلس صفا بودم کہ عشق زخم شیدا

برحمت اقبال اقتدا چو پیوندے برید اذ ہم کہ برصمت قطرہ دریائی شود چوں قطرہ تندریا

دوبئی کی شبنوی کے ابتدائی اشعار کا مضمون بھی یہی ہے،

از نیستان تا مرا بہریدہ اند از فیضِ مردم دوزن نالیدہ اند

سینہ دارم شرمِ شرمہ از فراق من چہ گویم شرح دردِ اشتیاق

تصوف کے اس عقیدے کا اثر اس قدر گہرا اور ہمہ گیر ہے کہ خود علامہ اقبال نے اپنی ابتدائی نظموں

میں یہ رنگ قبول کیا، اور یہی صوفیانہ نئے کمالی، چنانچہ ایک نظم میں فرماتے ہیں،

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ وجود کی شامِ فراقِ صبح تھی میری نمود کی

وہ دن گئے کہ قید سے مین آشنا نہ تھا زب درخت طور میرا شیانہ تھا وغیرہ
اس سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ خود کو جو کل و جزو میں تفریق کا سبب ہو مٹانا تصوف کے مسائلِ ممتہ
میں سے ہے، اس کے برعکس اقبال نے خودی اور بخودی کا ایک نیا تصور ہمارے سامنے رکھا ہے جس کا
مفہوم معاشیاتی، نفسیاتی، سیاسی یا عمرانی ہے، اسرارِ خودی سے لیکر ادمخانِ جازمک سب کتابوں میں
یہ تصور روحِ روان کا درجہ رکھتا ہے جس طرح گوشت کو ناخن سے جدا نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح تصورِ خودی
کو اقبال کے نظامِ فکر سے الگ نہیں کیا جاسکتا، خودی کا یہ تصور بظاہر تصوف کے عقیدہ خودی کے بالکل ضد
ہے، اگر کوئی خود کو مثلاً کمال کی معراج پر پہنچے اور پہنچانے کا مدعی ہے، تو اقبال خود کی تربیت کے ذریعے سر
ایمانیت کو اعلیٰ مدارج سے روشناس کرانے کا دعوے دار، ایک کے نزدیک خودی کی موت میں حیات ہے
اور دوسرے کے نزدیک خودی کی تربیت میں زندگی اور اس کی موت میں ملامت ہے، یہ ایک تضاد ہے، ا
بہت بڑا تضاد جو جس کو رفع اور دوں مسائل کا ابتدائی تجزیہ کرنا مطالعہ اقبال کی تسہیل کے لئے ضروری
مبادی میں سے ہے،

مندرجہ بالا تصریحات سے ایک اور ضروری سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ اقبال تصوف کو کس
نظر سے دیکھتے ہیں، کلام اقبال کے ناقص مطالعہ کی وجہ سے ایک خیال عام طور پر پھیل چکا ہے کہ اقبال تصوف
کے مخالف تھے، لیکن کیا یہ خیال صحیح ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ مزید تصوف کے بعض بھار اور ناقص پہلوؤں
قطع نظر ہماری تہذیب اور ہمارے علوم بہت بڑی حد تک صوفیوں کے اثراتِ حسنہ کے رہیں منت ہیں
یہاں تک کہ علامہ طاہر نے مذہب اور دین کی جتنی خدمت کی جو صوفیہ کے کرام نے کسی طرح اس سے کم خدمت
انجام نہیں دی، انھوں نے لوگوں کو ایمان و ایقان کی دولت سے بہرہ ور کیا ہے، یہ ایک دلچسپ واقعہ
کہ امام ابن تیمیہ جو تصوف کے بڑے مخالف خیال کئے جاتے ہیں وہ بھی علامہ ابن قیم کے بقول تصوف کی روح
کے منکر نہ تھے، (ملاحظہ ہو انما تہی اللہ فان اور مدارج السالکین)

پھر کیا علامہ اقبال اس تصوف کے مخالف ہو سکتے ہیں؟ میرے خیال میں اقبال کے متعلق یہ رائے قائم کر لینا کسی طرح بھی درست نہیں، لیکن مسائل اقبال کی تنقیدی تشریح کے بغیر اس قسم کی بسیوں غلط فہمیوں کے پیدا ہونے کا امکان ہے،

علامہ اقبال تمام برگزیدہ صوفیوں کے مداح تھے، اور ان میں بعضوں کی خدمت میں مذراۃ عقیدت بھی پیش کیا ہے جو ان کے کلام میں موجود ہے، لیکن آخری عمر میں منصور حلاج کی نسبت اُن کا جذبہ تحقیر بہت بڑھ گیا تھا، اس کی کتاب کتاب الطواسین اقبال کی محبوب کتابوں میں سے تھی، یہ امر بھی دوسروں سے مختلف مسائل کی طرح قابل تشریح ہے، کہ اقبال اپنی شخصیتوں میں منصور کو اتنا اہم درجہ کیوں دیتے ہیں؟

میں نے اقبال کے مسائل نعمت کی تشریح کے سوال کو اس لئے زیادہ اہمیت دی ہے، کہ ان کے صحیح اُردو معین تصور کے بغیر فکر اقبال مبہم ہو کر رہ جاتا ہے، اور مطالعہ کرنے والے سب کچھ پڑھ چکنے کے بعد بھی کہتے ہیں:

ع حیرت اندر حیرت است و شکل اندر شکل است

اقبال کے سرچشمہ ہائے فیض | علامہ اقبال نے جن مآخذ سے فائدہ اٹھایا ہے، ان کی فہرست طویل ہے، ان مآخذ میں کلام اللہ اور سنت رسول اللہ کے علاوہ بہت سے قدیم و جدید اسلامی و مغربی مفکرین کی کتابیں بھی شامل ہیں، مگر اس وسیع استفادے کے باوجود یہ کہنا غلط نہ ہوگا، کہ اقبال نے اپنی حکمت کی اساس اسلام کے عقائد اصولیہ اور حکماء اسلام کی حکمت عالیہ پر رکھی ہے، Humphrey Tarnelzyan نے اپنی کتاب "Dopabax Background to Goethes Hellenism" میں گوئے کے متعلق لکھا ہے:-

"For good or ill, Goethe could not get away from the Greeks" (Introduction, ix)

حقیقت یہ ہے کہ گوئے کو حکماء یونان سے جو وابستگی تھی، اس سے ہزاروں درجہ زیادہ وابستگی اقبال کو

فکرِ اسلامی سے تھی، انھوں نے ۱۹۲۶ء میں علومِ اسلامیہ کے نصاب کے متعلق صاحبزادہ آفتاب احمد خان مرحوم کے نام جو خط لکھا تھا، اس سے ایک طرف ان کی اس محبت اور شفیق کاپہ چلتا ہے، جو انہیں علومِ اسلامیہ سے تھی، اور دوسری طرف اس ذہنی اور مذہبی نصب العین کی تعین ہوتی ہے، جو علامہ کے پیش نظر تھا 'وہ چاہتے تھے کہ اسلامی تمدن اور موجودہ علوم کے درمیان حیاتِ دماغی کے تسلسل کو قائم رکھا جائے، دماغی اور ذہنی کا ویش کو ایک نئی وادی کی طرف ہمیں کیا جائے، اور ایک نئے دنیات و کلام اور حرکت کی تعمیر و تشکیل میں اس کو برسرِ کار لایا جائے، اس غرض کے لئے انھوں نے جن جن شعبوں کے قیام کی تجویز پیش کی جو اور جن جن کتابوں کے نام گئے ہیں، ان سے علامہ کی پسند و ناپسند کا بخوبی پتہ چلتا ہے، علامہ کے خیال میں ان علوم کے بغیر نہ ملت کی روحانی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں نہ نئی نسلوں کا ذہنی اور روحانی مطمح نظر ہی ممکن ہو سکتا ہے، اور نہ کسی خالص اسلامی تہذیب اور نظامِ فکر کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے، علامہ نے اپنی زندگی میں اس نصب العین کو حاصل کرنے کی پوری کوشش کی، ان کے فکر اور کلام میں علومِ اسلامیہ کا بہترین خلاصہ موجود ہے جو شعائرِ زبان میں ہونے کی وجہ سے اگرچہ تعلیمی اور ایمانی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اربابِ فکر ان اشارات و کنایات کو کسی قدر کوشش کے ساتھ پوری طرح پھیلا سکتے ہیں، میری رائے میں ان علوم سے ابتدائی واقفیت کے علاوہ ہمارے لئے ان حکماءِ اسلام اور صوفیاءِ کرام کے عقائد کا جاننا بھی ضروری ہے، جن کے سرخیمہ فیض سے فکرِ اقبال سیراب ہوتا رہا۔

رومی | ان میں سب پہلا نام مولانا روم کا ہے، فکرِ اقبال کے ناقدین رومی کو سنگِ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے۔ اقبال رومی کو اپنا ہادی اور پیشوا خیال کرتے ہیں، اور بار بار اعلان کرتے ہیں، کہ میرے میکے کی شراب وصلِ پیر روم کے خستہ کی مائل کردہ ہے، اقبالِ زندگی کے امراء کی نقاب کشائی کرتے ہیں، گلشنِ انکشات کا سہرا اپنے مرشد رومی کے سر باندھتے ہیں، یہی رومی جاوید نامہ کے زندہ رود کے لئے خضر راہ بننے اور اُسے آسمانی دنیا کی طلسماتی فضا کی سیر کراتے ہیں، اور جب حکیم مشرقِ زندگی کے کام کی تکمیل کر چکنے کے بعد اقوامِ مشرق کو آخری

پیغام دیتا ہے تو اس وقت اسی حکیم کی روح ندائے سرودش بن کر زوہ انقلاب لاتی ہے، یہ مولانا جلال الدین اودوی ہی ہیں، جو اقبال کی نظر میں حکیم بھی ہیں اور حکیم بھی، مجتہد بھی ہیں اور متعلم بھی، شاعر بھی ہیں اور ساحر بھی، ولی بھی ہیں اور مجتہد بھی، طریقت کے دشوار گزار راستوں کے راہ بر بھی ہیں، اور حقیقت کے مہلکوں کے ہادی بھی، شریعت کے غوامض کے عقدہ کن بھی ہیں، اور حکمت کے دقائق کے شارح بھی، غرض اقبال کے نزدیک ہماری موجودہ کرم خوردہ ملت کے تمام روحانی اور ذہنی امراض کو شفا بخشنے والا اودوی ہے جس کی تعلیمات کو اقبال نے اپنے افکار میں دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ استغراق اس درجہ ہے کہ اقبال اپنے آپ کو شیش رومی قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک عہد قدیم میں رومی ملت کے لئے پیغام حیات لائے تھے، اور اس پر آشوب دور حاضر میں وہ خود اس کے مبلغ اور داعی ہیں،

اقبال کے نزدیک رومی کی زندگی اور ان کی حکمت کو جو اہمیت حاصل ہے، اس کے پیش نظر فکر رومی کی تدوین اور تشریح کرنا ہمارے لئے حد درجہ ضروری ہے، تاکہ اقبال کا مطالعہ کرنے والوں کو رومی کی صحیح عظمت کا احساس ہو سکے، رومی کے فلسفے کی تمام خصوصیات سے دنیا کو روشناس کرائیں، ان کے امتیازات اور خصوصیات پر اس کے اثرات دکھانے کی کوشش کریں، اس سلسلہ میں سب سے پہلے رومی کے ان اشعار کی تشریح کی ضرورت ہے جو علامہ کی تصنیفات میں بڑی کثرت کے ساتھ آئے ہیں، تاکہ علامہ کے خیال کا سیاق و سباق سمجھ میں آ سکے، متبیون کے لئے اگرچہ اتنا ہی کافی ہے، لیکن اہل علم کا کام اس پر ختم نہیں ہو جاتا، اس سے رومی کے عمیق مطالعہ کی وسیع شاہراہیں ہمارے سامنے کھلتی ہیں، جو مطالعہ اقبال کی نہایت میں سے ہے، خود علامہ نے بار بار ہمیں فکر رومی کی گہرائیوں میں ڈوب جانے کی ترغیب دی ہے :-

گستہ تار ہے تری خودی کا راز اب تک

کہ تو ہے غمخوار رومی سے بے نیاز اب تک

اب تک جس قدر معانی لکھے جا چکے ہیں، ان میں اقبال اور رومی کے مشترک خیالات پر بہت کم روشنی

ڈالی گئی ہے، جہاں تک مجھے معلوم ہے، شاید ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ہی ایک ایسے شخص ہیں جنہوں نے اپنے مضمون "دلی نظریے اور اقبال" میں واضح طور پر ان خاص تصورات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، جو اقبال نے رومی سے اخذ کئے ہیں۔ اسی طرح چند اور بزرگوں نے بھی اشارۃً اور ضمناً اس بنیادی مسئلے کی طرف توجہ کی ہے، لیکن اس مہتمم بانسان بحث کے متعلق یہ اختصار بالکل ناگافی ہے، کیونکہ فکرِ رومی کی تجدید و ترمیم ہی علامہ اقبال کے مقاصد زندگی میں تھی۔ ایسی حالت میں کیا شارحین اقبال کا سب سے ضروری فریضہ نہیں کہ وہ فکرِ اقبال کے طالبین کو حکمتِ رومی کے اقتیاداً سے روشناس کریں، تاکہ وہ اس کی روشنی میں علامہ اقبال کے افکار سے پوری طور سے آگاہ ہو سکیں، مشرق میں مولانا سے روم کی شنوائی کو ابتدا سے اس قدر تقدس حاصل رہا ہے کہ عصیت مندوں نے اُسے قرآن و زبانِ پہلوی کا خطاب دے کر آنکھوں اور دلوں میں جگہ دی، ایران، ترکی، عرب، اور ہندوستان میں شہرہ کی بیسیوں شہرین لکھی گئیں، علی الخصوص ہندوستان میں مطالعہ رومی کی طرف جتنی توجہ ہوئی، اس کے مقابلہ میں شاید ہی کسی اور کتاب کو پیش کیا جاسکے، عبداللطیف عباسی کی لطائف المثنوی، نواب سکندر اللہ خان خاکسا کی شریعت، ملا ایوب پادرسلاہوری، ملا سعید، محمد عابد اور مولانا محمد افضل الدہلوی کی شہرہ آفاق بالآخر ملا بحر العلوم کی تفسیرِ مثنوی اُن چند ممتاز شروحوں میں سے ہیں، جو مثنوی رومی کے مطالعہ کے سلسلہ میں تحریر ہوئی، مثنوی رومی کے مطالعہ کی طرف سب سے زیادہ توجہ ہندوستان میں اورنگزیب عالمگیر نے زمانے میں ہوئی، نواب عاقل خان راندھی میر عسکری کو امراہ مثنوی کے صل کرنے میں خاص مہارت حاصل تھی، اس امیر کے زیر اثر مطالعہ رومی کے شوق و ذوق کو بڑی ترقی ہوئی، عہدِ عالمگیری جیسا کہ باخبر حضرات سے پوشیدہ نہیں، شدید سیاسی کشمکش کا زمانہ تھا جس میں ہندوستانیوں کے طبائعِ شورش اور روحانی آشوب کی مخالف قوتوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے کسی نوشہہ ارد کی جستجو میں تھے، یہاں واضعاً کے (نایام میں شاید مطاعاً رومی ہی وہ نوشہہ ارد تھا، جس کے استعمال سے عہدِ عالمگیری کے لوگ اعلیٰان قلب حاصل کرتے تھے، پس علامہ اقبال نے ارشاد و ہدایت کے لئے جس برگزیدہ مہتمی کو منتخب کیا ہے، وہ اس امر کا بجا

استحقاق رکھتی ہے، کہ عالم انسانیت، آفات و فتن کے اس نئے دور میں بھی اس کے تجویز کردہ نسخہ شفا سے اپنے روحانی عوارض کا علاج کرے، موجودہ دور اپنے نتائج کے اعتبار سے ملت اسلامی اور مسلمانوں کے حق میں تباہی دور سے کسی طرح کم نہیں، جس کی دشواریوں اور پرتعیش شکلات سے عمدہ برآ ہونے کے لئے علامہ اقبال نے مژدہ دہی کے دامن سے متشک کرنے کی ضرورت محسوس کی، رومی کی حکمت "عقلیت" کی دشمن ہے، اور ادبستانِ دل کی طرٹ رہنمائی کرتی ہے، مانا کہ ہم کو رومی کے صفحات میں تجاذب اجسام اور تجدد و امثال جیسے دقیق مسائل و مشکلات بھی ملتے ہیں، لیکن اہل کشف و شہود کی بارگاہ میں ان ادنیٰ تحقیقوں کا علم کوئی خاص پائین نہیں رکھتا، رومی کا سب سے بڑا امتیاز عشق کا جذب و سرور پیدا کرنا ہے، اور دورِ حاضر کے لئے سب سے زیادہ اسی کی ضرورت ہے، رومی کے متعلق بہت کچھ کہ چکا اس سے زیادہ اس بحث کو طول دینے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، آخر میں پھر اسی کا اعادہ کروں گا کہ اقبال کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے رومی کو نہ صرف سمجھنا چاہئے، بلکہ اس کو مقبول بنانا چاہئے، اور حکمتِ رومی کے ایسے دبستان قائم کرنے چاہئیں، جن میں اسلامی حکمت و تصوف کے باہرین فکر و دی کے قلم زمخدار کی غواہی کریں اور جو کچھ اس تلاش و جستجو سے حاصل ہو اُسے دنیا کے سامنے پیش کریں،

سنائی اور عطار | اقبال نے عطار اور سنائی سے بھی استفادہ کیا ہے، سنائی سے زیادہ اور عطار سے کم ہاں جبریل یں وہ قطعاً آپ کی نظر سے گذرا ہوگا، جو حکیم سنائی غزنوی کے فراد پر لکھا گیا تھا، اور جو حکیم علیہ الرحمۃ کے ایک قصیدہ کے تحت میں ہے، اس قطعے میں کتنا جوش، کتنا سرور اور کتنا سوز ہے، ہر ہر شعر سے جذبات کے طوفان اُٹھ رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر مشرق جب حکیم سنائی کے فراد پر پہنچا ہے تو سنائی کی عظمت اور کس پہنارے قلب پر چھا جاتی ہے اور رومی کا یہ مصرعہ بیباختہ انکی زبان پر جاری ہو جاتا ہے، کہ

حما ز پئے سنائی د عطار ا مدیم

مسافر میں بھی وہ نظم موجود ہے، جس میں حکیم موصوف سے استصواب کرتے ہیں :-

حکیم سنائی سے علامہ اقبال کی عقیدت کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ حکیم علیہ الرحمۃ بھی سلسلہ رومی

سے تعلق رکھتے ہیں، یہ وہ بزرگ ہیں جن سے کسب فیض کا رومی کو خود اعتراف ہی، بلکہ ان کے ہم سلسلہ ہونے پر فخر کا اظہار کیا ہی، حکیم سنائی کی زندگی کے واقعات نغمات الانس و غیرہ میں تفصیل موجود ہیں، جن سے حکیم علیہ الرحمۃ کے صاحبِ عرفان ہونے کا پورا پورا پتہ چلتا ہے، ان کی کتابین حدیقہ احقیقہ اور طریقہ احقیقہ فارسی کی صوفیانہ شاعری کے لئے Ceasars اور بنیادی کتابوں کا درجہ رکھتی ہیں، خود شیخ عطار اور مولانا روم ان سے بے حد متاثر ہوئے، مجھے یونیورسٹی لائبریری کی سابق ملازمت کے سلسلہ میں اس کا پورا علم ہے کہ علامہ اقبال اکثر حدیقہ اور اس کی شرحوں سے استفادہ کیا کرتے تھے، بلکہ ان کا ارشاد تھا کہ حدیقہ کی تعلیم کو ہمارے نظام تربیت میں خاص جگہ ملنی چاہئے،

حدیقہ کیا ہے؟ اس میں کیا خاص اہم علمی و حکمی مسائل زیر بحث آئے ہیں؟ اور وہ کون سے نکات ہیں، جو جدید علوم کی توسیع کے بعد حدیقہ کے ذریعہ زیادہ روشن اور واضح ہو سکتے ہیں؟ علامہ اقبال کو سنائی سے کیوں اس قدر دلچسپی تھی؟ یہ وہ باتیں ہیں جن کا جاننا ہر محب اقبال کے لئے ضروری ہے،

سنائی کی طرح علامہ کو عطار سے بھی دلچسپی ہے، لیکن بہت زیادہ نہیں، جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ عطار کی تصانیف بے شمار ہیں، اور کسی حد تک غیر دلچسپ، یونیورسٹی لائبریری میں ثنویات عطار کا جو قدیم نسخہ ہے، اس میں ان کی کم و بیش چوبیس تصانیف نظم موجود ہیں، اس نسخے کی ضخامت سات سو صفحات کے قریب ہے، مزید یہ کہ بہت سی ثنویان عطار کی طرٹ غلط طور پر منسوب ہیں، اس کے علاوہ یہ سبب بھی ہے کہ سنائی اور عطار دونوں رومی کے سلسلہ ساکنہ ہیں، اور ان کے خیالات کا بیشتر حصہ رومی نے اپنی ثنوی میں لے لیا ہے،

”اہم عطار چونکہ اقبال کے اساتذہ روحانی میں سے ہیں، اس لئے ان کی سوانح حیات تصانیف اور افکار سے واقف ہونا خالی از فائدہ نہیں،

سید الدین محمد شبستری از بورج عم کا ”گلشنِ راز جدید شبستری کے گلشنِ راز کے جواب میں لکھا گیا ہے،

شیخ شبتری تاملی انقلاب کے زمانہ کے بزرگ ہیں، اس دور میں خاکِ ایران نے جو بلند پایہ ہستیوں پیدا کیے، ان میں سے ایک صاحبِ گلشنِ راز بھی ہیں۔ گلشنِ راز تصوف کی وقتِ کتابوں میں سے ہے، علامہ نے اس کا بڑا گہرا مطالعہ کیا ہے، پھر اس کے پیغام کو نئے لباس میں ملبوس کرتے ہوئے گلشنِ راز جدید کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔ اقبال اور شبتری کے فکر کے مقاماتِ اتصال کیا ہیں؟ اور وجوہ اختلاف کون سے ہیں؟ اقبال اور شبتری دونوں کا مطمح نظر کیا ہے؟ اور ان میں سے ہر ایک کس نئے انقلاب کا مدعی ہے؟ ان سب سوالات کا جواب مطالعہ اقبال کے سلسلے میں ضروری ہے، میں نے اپنے ایک مضمون "اقبال اور شعراے فارسی" میں ان سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی ہے، لیکن مجھے اعتراض ہے کہ میں گلشنِ راز کے بہتے سائل سمجھنے سے قاصر ہوں۔ میں نے اس مضمون میں اختصار کے ساتھ اقبال کے اسلامی مآخذ کا ذکر کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ بحث اس درجہ دقیق اور پر از مسائل ہے کہ اس مختصر مضمون میں اس کے مبادی تک کا بھی تذکرہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اس سے اتنا واضح ہو گیا ہوگا کہ حکمتِ اقبال کے اجزائے ترکیبی میں مسلمان صوفیوں اور حکماء کی حکمت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے پس اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنے دور کے حکیم اور عارف اقبال کی حکمت کا صحیح تجزیہ کر سکیں تو ہمیں علوم اسلامیہ اور خاص کر اُس چمنِ فکر کی سیر کرنی چاہئے جس کے گہما گہماے دنگازنگ سے گلشنِ اقبال کو یہ رونق حاصل ہوئی،

حکماء مشرق کی طرح اقبال نے حکماء مغرب سے بھی بے حد استفادہ کیا ہو، مطالعہ اقبال کے اس پہلو کے متعلق کچھ کام ہو چکا ہے، لیکن ابھی وہ نا کافی ہے، اس کے لئے فلسفہ جدید سے عمومی واقفیت اور بعض بڑے بڑے فلسفیدان کے خصوصی اور نمایاں پہلوؤں سے واقف ہونا ضروری ہے، مثلاً نطشہ برگان ولیم ملیک، کانٹ، الیگزینڈر، میک ٹیگرٹ وغیرہ،

امید ہے کہ اقبال کے شیدائی، مطالعہ اقبال کی تہیہ و تشریح کے لئے کوئی موثر اقدام کریں گے،



اسلامی اور غزنوی علم

از

جناب غلام مصطفیٰ خان صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) پکڑک لنگ ایڈورڈ کالج امرادتی (برادر)

(۲)

اس تفصیل کے بعد غزنوی علم کے متعلق کچھ نئی چیزیں پیش کی جاتی ہیں، اس سلسلہ میں اس عہد سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے مختلف اعلام کا تذکرہ کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، اور ہیسٹنگز کی انسائیکلو پیڈیا آف ریجن اینڈ ایٹھس (جلد دوازدہم، صفحہ ۱۴۵) میں سے کچھ مفید معلومات کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے :-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کے بعد مسلمان حکمرانوں نے اپنے لیے مختلف نشان اور علم مقرر کئے، خلفائے بنی امیہ نے سفید علم اور بنی عباس نے سیاہ علم اختیار کیا، جو خدائے ذکر نے سفید علم پر سفید حروف میں کلمہ طیبہ بھی لکھوایا، علویوں نے سبز علم اختیار کیا، اور زنگی (۲۵۵ھ تا ۲۵۹ھ) نے ریشمی پیرے پر قرآن پاک کی کوئی آیت سُرخ اور سبز حروف میں لکھوائی، مصر کے فاطمی خلفاء (۲۹۶ھ تا ۵۵۵ھ) نے اپنے علم میں ہلال لگایا، اور سرخ و زرد حریر کا ایک شیر بھی اُس میں بنوایا، اندلس کے الموحدین (۱۱۵۹ء) نے بھی اپنے علم میں ہلال لگایا، لیکن ہلال مسلمانوں نے سب سے پہلے اختیار نہیں کیا، بلکہ ان سے پہلے روم کے عیسائی حکمرانوں کے یہاں ہلال موجود تھا اور عثماني بادشاہ کے لئے مستعمل تھا اس کے ساتھ پانچ ستارے بھی زیب و زینت کے لئے بنائے جاتے تھے، مشہور ہے کہ چاندیوی کی ایک لڑکی (۱۶۰۰ء) تھی جس نے ہلال اختیار کیا تھا، اوجھ نے رومی سلطنت کی

بنیاد ڈالی تھی، لیکن ادھام پرستی کی ان خیالی داستانوں سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو اتنا ضرور صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ہلال زیمائش کے لئے بھی اختیار کیا جاتا تھا، جتنا (میں) کی ایک مسجد کے مینار پر ۲۰۰۰ میں ہلال نصب کیا ہو دیکھا گیا، ترکوں نے جو اپنے علم کے لئے ہلال اختیار کیا ہے، اس کے متعلق انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا (طبع یازدہم، جلد دہم) میں یہ بیان ملتا ہے :-

”ترکی ہلال اور ستارہ (غالباً ۱۵۵۳ء قسطنطنیہ کی فتح پر بطور یادگار کے اختیار کیا تھا، کیونکہ یہ نشان وہاں پہلے بھی تھا، بلکہ وہاں کی ردوی حکومت کے اثر سے تو روسی گرجاؤں میں اب تک صلیب کے ساتھ ہلال دیکھا جاتا ہے، اس کی ابتداء یوں ہوئی، کہ سکندر اعظم کے والد فیلیپ (۱۵۵۳ء ق م) نے ایک شب قسطنطنیہ کے قلعہ کو دیواریں گرائی چاہیں، تو چاند نمودار ہو گیا، اور محصورین کو تپہ چل گیا، چنانچہ انھوں نے اسے نیک فال سمجھ کر اپنی ملکہ ڈائنہ (Diana) کے لئے شاہی نشان بنالیا، اور پورے چاند کے بجائے ہلال کو اختیار کیا جو غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ بڑھتے اور بھرنے پر دلالت کرتا ہے، بہر حال ترکوں نے اسے بطور یادگار کے قائم کر لیا اور ان کا شاہی علم سرخ رنگ کا ہے جس میں خلیفہ وقت کی تصویر بھی ہوتی تھی۔“

ہسٹنگز کی انسائیکلو پیڈیا (تجوارید کو رد ہالا) میں ترکوں کے علم کے متعلق اس خیال کی تردید کی گئی ہے، اور کہا گیا ہے کہ سلطان مراد اول (۱۳۹۹ء) کے زمانہ میں جان شاد جماعت نے سرخ علم اختیار کیا تھا، اور اس ہلال (غیر ستارہ کے) بھی بنا ہوا تھا، یہی علم سلطنتی ترکوں نے بھی اختیار کر لیا، اور اس زمانے سے ترکی سلطنت قائم ہوئی۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں سے پہلے ہلال ضرور شاہی نشان میں جگہ پائے ہوئے تھا، ایران

میں اسلام سے پہلے یزدجرد اور خسرو پرویز وغیرہ کے سکون میں بھی ہلال اور ستارے منقوش تھے، اور وہاں جب

صلح عہد جو امین نے کسی تاریخ میں پڑھا تھا کہ قسطنطنیہ کی فتح کے وقت قلعہ میں ایک ٹوپی پڑی ہوئی تھی جس کو بطور یادگار کے

ترکوں نے اختیار کیا، اور وہ ترکی ٹوپی کہلائی، ردیم کی اس شاندار فتح کی خوشی ترکوں کو کیوں نہ ہوتی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس کی بناوت دی تھی، ملاحظہ ہو مشکوٰۃ، باب آلات الجہاد، فصل اول حدیث نمبر ۳۶۸۱۔

مین اور ملک شاہ سلوٹی (م ۴۲۹-۴۳۰) کے عہد میں کیا تھا، اُس کے چند اشعار یہ ہیں، جو ساسانی عہد کے اعلام کی ضرورت کا اطلاع دیتے ہیں :-

چو سر وستان شدہ دست از درفشنا
چو دیباے درفشان مہ درخشان
فسر انر ہر یکے ز دین یکے مرغ
عقاب و باز با طاؤس و سیرغ
بزیر ماہ در شیر آگون رنگ
تو گفتی شیر دار دماہ در چنگ

ہخامنشی عہد (۵۵۰-۳۳۰ ق۔ م) میں خود س و مرغ ز دین کی تصویر علم پر تھی، لیکن ساسانی عہد

(۲۲۶ء-۶۳۲ء) میں ضرور شیر اور ماہ رہے ہوں گے، یہ نہیں ہو سکتا کہ شاعر نے ان اشعار میں اپنے عہد کے اعلام دیکھ کر اُس زمانے کے اعلام کا تخیل باندھا ہو، کیونکہ اُس کے ہم عصر سلجوقیوں نے تو بال اختیار کر لیا تھا، اسی طرح نظامی گنجوی کی تنوی لیلی و مخنوم جو ۵۵۰ھ میں لکھی گئی اور افغان بن منوچہر کے نام مفعول کی گئی، ان مفید اشعار کی حامل ہے جو فخر اور قبیلہ لیلی کی جنگ کے متعلق ہیں :-

خودشید درفشِ دہ زبانہ
چون صبح دمیدہ دم نشانہ
گشتہ ز می از درم چو دریا
سنگ ابلہ و تر از ثریا (؟)
ہر شیر سیاہ کا ستادہ
چون مار سیاہ دہان کشادہ
شیران سیاہ و دریدن
دیوان سپید و درویدن

ان اشعار میں شیر و اے علم کے متعلق اشارہ ضرور ملتا ہے، اور یہ یقین ہے کہ یہ اشارہ اُس خیالی جنگ کے متعلق نہیں ہوگا بلکہ خود شاعر کے سامنے اپنے زمانہ کے علم کی تصویر ہوگی،

اُن کے اہل کرمضون محمد اکتا ہے کہ شیر کا تعلق آفتاب سے بھی ہے، کیونکہ وہ برجِ اسد میں ہے، اُس نے ان دونوں کو ایک ساتھ جگہ دی گئی ہے، اور یہ اُسی طرح ہے جس طرح کہ شاہِ ہلاک صفوی نے اپنے سکون شیر اور میش کو محض اس لئے ساتھ کندہ کرایا تھا کہ اس کی پیدائش کے وقت (چهار شنبہ ۲۶ رزی ۱۰۹۱ھ)

(۲۸ جنوری ۱۳۵۷ھ) آفتاب بُرج محل میں تھا، پھر وہ مختصر تاریخِ دول کا تذکرہ کرتا ہے جس کا مصنف ایشا کوچک کے سلجوقی حکمران غیاث الدین گنجم (بن غزالدین کیاؤس) کے بعد ہی ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) میں گذرا ہے، وہ لکھتا ہے کہ یہ حکمران گرجستان کی ایک عیسائی حینہ پر عاشق ہوا، اور اس کے ساتھ شادی بھی کر لی، لیکن اُس کی شیفگی بہت بڑھی ہوئی تھی، اور وہ چاہتا تھا کہ اُس کی تصویر اپنے سکون میں بنوائے لیکن ادرا نے اس کی موافقت نہ کی، اُس وقت اوس نے مجبور ہو کر اپنی محبوبہ کے آفتابی رخسار کی مناسبت سے مہرِ برج شیر کے ساتھ آفتاب کا اضافہ کر دیا، چنانچہ اوس وقت سے یہ دونوں شیلین ساتھ ساتھ سکون میں کندہ ہونے لگیں، اور اس تسم کا کوئی سکہ ایسا نہیں ملا، جو اس سے زیادہ قدیم زمانے کا ہو،

پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب 'ایران کی جدید شاعری اور طباعت' میں سب سے قدیم روزنامہ خلاصۃ الخواہ مرتبہ آقا محمد باقر خان کے پہلے صفحے کا عکس دیا ہے، جس میں ایک شیر کی تصویر ہے جس کے داہنے ہاتھ میں تلوار شیر کے اوپر سورج اور اس کے اوپر تاج ہے، یہ روزنامہ ۱۳۱۶ھ سے ۱۳۲۱ھ تک جاری رہا،

غزوی علم

ہسٹینگز کی کتاب (بحوالہ مذکور صفحہ ۱۴۶) سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمود غزوی (۴۴۱ھ) نے ہندوستان میں غلبہ ظاہر کرنے کے لئے ہلال اختیار کیا تھا، جو یہاں کے علم میں بھی ضرور قائم کیا ہوگا، چونکہ محمود اور اس کے جانشینوں کو عباسی خلفاء سے خاص عقیدت تھی، اس لئے ظاہر ہے، کہ یہ علم بھی ان کے علم کی طرح سیاہ ہی ہوگا، اس کے متعلق ثبوت پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں، کہ بغداد سے علم بھی ملتے تھے، چنانچہ سومنات کی فتح پر خلیفہ القادر باللہ (۴۲۲ھ) نے محمود کو القاب کے ساتھ علم بھی روانہ کیا جس سے یہ مراد تھی، کہ اُس علم کے متعلق جو مالک ہیں، اُن میں محمود کی حکمرانی خلیفہ کو منظور ہے، فرشتہ لکھتا ہے :-

..... درین سال کہ سلطان از سفر سومنات برگشت خلیفہ القادر باللہ عباسی القاب نامہ بسطان محمود

خلاصۃ الخواہ (خزانہ میر) درق ۲۱ (الف) حبیب گنج، شاہ طہاسپ صفوی کا انتقال ۹۸۴ھ میں ہوا،

نوشتہ واسے خراسان و ہندوستان و نیمروز و خوارزم فرستاد و سلطان و فرزند ان و برادران
اور از نامرلقہا نماندہ سلطان را کعت الدولہ و الاسلام و امیر سجود را شہاب الدولہ و جمال الملّہ
و امیر محمد را جلال الدولہ و جلال الملّہ و امیر یوسف ما عضہ الدولہ و مؤید الملّہ خواندہ و دیگر نوشت کہ
ہر کرد و بی عہد گردانی مانیہ آن کس را قبول داریم۔۔۔۔۔

ظاہر ہے کہ جب خلیفہ کا علم سیاہ ہوگا، تو اسکا بخشنا ہوا علم بھی اُسی رنگ کا ہوگا،
محمود غزنوی کے درباری شاعر فرخنی (م ۴۲۵ھ) نے اوس کے بھائی یوسف (پہ سالار ہند) کی
مرح کے ایک قصیدہ میں کہا ہے :-

چتر سیاہ و رایت تو سیاہ نکلندہ ست در ہند بہر جاے کہ صف و حصاریت
اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمودی چتر سیاہ تھا، اور سیاہ کی صفت اغلب ہے کہ رایت کے
ساتھ بھی ہو، کیونکہ محمود یقیناً عباسی خلیفہ کے زیر اثر تھا، جس کا علم سیاہ تھا،
جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا کہ محمود کے بنیرہ سلطان ابراہیم (م ۴۹۲ھ) کے علم میں شیر کی تصویر تھی،
اس سے خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے، عصر سی (م ۴۳۱ھ) نے اسی شیر کے متعلق محمود کی مرح کے ان اشعار

۱۔ آریخ فرشتہ، طبع لکھنؤ ۳۵۷ عباسی خلفا، سیاہ خلعت روانہ کرتے تھے، جیسا کہ علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب خلافت
اور ہندوستان کے صفحہ ۲۲۱ وغیرہ سے بھی معلوم ہوتا ہے، عباسی خلیفہ کا بودج بھی سیاہ ہوتا تھا، جیسا کہ خاقانی کے ابا
شرعے معلوم ہوتا ہے: وان بودج خلیفہ متوج بہما و زبہ چون شب کز آفتاب نمی تاج بر سرش ۳۵۷ انتخاب فرخنی
لاہور ۱۳۵۵ء ص ۲۵ سفر بخوتی کا چتر بھی سیاہ تھا، جیسا کہ اس شعر میں ہرچون چتر بخوتی بختم سیاہ: بانو کہ بودجوس ملک
ماں یوحنا میں نے مفاد التوازیج ذکر ۳۵۷ء میں لکھا کہ یہ شعر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۶۱ھ) کا ہوا یہ
بات صحیح معلوم ہوتی ہو کیونکہ سنہ ۵۵۶ھ) ان کا ہم عصر تھا لیکن حمید یہ لاہوری بھوپال کے انتخاب شعراے متقدمین
(نمبر ۳- رقی ۳۴۲ ب) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شعر عراقی (م ۶۸۵ھ) کا تھا،

اور جس طرح کہ محمود کا علم سیاہ تھا، بہرام شاہ کا علم بھی سیاہ تھا، چنانچہ وہی شاعر کہتا ہے :-

اے رفتہ زمینِ راستِ او دیدہ بھارتِ سیاہی

بہرام شاہ و شاہ کز ازلتِ شہرنگ در کو کبہ چون لبِ تانِ ماہِ گزنی

غزنی کے کلام سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ محمود کا چتر سیاہ تھا، سید حسن غزنوی کے ذیل کے اشعار بتاتے ہیں کہ بہرام شاہ کا چتر بھی سیاہ تھا، اور اس کا تاج سفید تھا :-

مگر ز چتر تو شاہِ سیاہ گردونِ خواست چو فرتاج تو صبح سپید کا رگفت

دببت چتر سیاہتِ چیتِ مرغِ روز کو لاجرم تاشد بہرِ خیش سپید از انتظام

روزے کہ بر نی تو تاجِ سپیدہ دم گیر و کننِ سایہ چتر سیاہ را

ملک دگر وار امید زان کہ بدادتِ نوید صبح ز تاجِ سپید، شام ز چتر سیاہ

از تاجِ تَتِ عکسِ صبحِ سفید پوش دز چتر تَتِ خائے شامِ سیاہ وار

(بقیہ حاشیہ ص ۲۸۴) گائے کی تصویر اور اس کے اوپر ہندی خط میں شری سمیت دیو کذہ تھا، میں نے تانبے کے یہ سکے قفا محمود شیرانی صاحب کے بیان لاہور میں دیکھے ہیں، یہ سیلانون کی روداداری کی شاندار مثال ہے ۱۵ انڈیا آفس خطوط ۹۳۱ ورق ۱۱ (ب) تقریباً بھی غزنوی سلاطین کے سکون میں (خصوصاً وہ جو غزنین وغیرہ میں رائج تھے) غلیفِ وقت کا نام بھی کندہ ہوتا تھا ۱۵ خطوط مذکورہ - ورق ۲۰ (دب) ۲۲ (الف) ۱۱۳ (دب) ۱۱۴ (الف) اور پیرس کا خطوط پبلیمنٹ نمبر ۹، ورق ۱۰ (دب) - مترتباً، بہرام شاہ کے بھائی ملک ارسلان کی تاریخِ سمارت رنومبر، دسمبر ۱۹۴۱ء میں پیش کر چکا ہوں اس کا چتر بھی سیاہ تھا، جیسا کہ مسؤسیہ سکلاں (دیوان صفحہ ۶۶۴-۶۶۵) نے کہا ہے،

گو یہ سپہر یا شد دولت سپید رو تا بہت چتر ملک ملک ارسلان سیاہ

روے دولت سپید و تھر سپید اور دشمن سیاہ و چتر سیاہ

سفید تاج کے متعلق بھی اشارہ ملتا ہے،

آدابِ احرب (لاہور بمبئی ۱۹۳۷ء صفحہ ۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ بہرام شاہ کے والد مسعود سوم کے چتر پر بار تھا،

مسعود سعد سلمان نے بھی بہرام شاہ کے سیاہ چتر کا تذکرہ کیا ہے :-

آن خنجر ز دوش دولت فراے گشت روے عدوے اوشدہ چون چتر اوسیاہ^{۱۵}

یہ ہے غزنوی چتر اور علم وغیرہ کی تفصیل، اگر دوسرے مسلمان حکمرانوں کے شاہی لوازمات کی تفصیل دیکھیں تو توذیل کے حاشیے کی کتابیں بھی بہت کچھ معلومات بہم پہنچائیں گی،

(نقیبہ حاشیہ ص ۲۰) ہم پچھلے حاشیہ پر دیکھ چکے ہیں، کہ سخر کا چتر سیاہ تھا، انوری (تکلیات، لکھنؤ، سنہ ۱۱۰۳ھ) نے سخر کے چتر کے باز کا تذکرہ کیا ہے۔

سلطان سلاطین کے باز چترش در معرکہ سلطان شکار باشد

لیکن حمید اللہ لائبریری کے انتخاب شعراے متقدین نمبر ۲ ورق ۳۵ (ب) میں اس شعر میں باز چترش کے بجائے شیر چترش^{۱۶} ملے۔ بدایونی مکتبہ ۱۸۶۶ء جلد اول صفحہ ۴۳۱ مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی کے کرم سے اور معارف کی علم نوازی کی بدولت مختلف مسلمان حکمرانوں کے تخت، چتر، تاج و علم وغیرہ کے متعلق معلومات صبح الاغشی ج ۳ (ص ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹) ج ۴ (ص ۸۰۶-۸۰۷) ج ۵ (ص ۲۲۱، ۲۲۲) میں سے اور مقدمہ ابن خلدون (ص ۲۸۴-۲۸۵) اور خطبہ معرقتقری جلد ۳ (ص ۳۴۰-۳۴۲) وغیرہ سے معلوم ہوں گی، صبح الاغشی سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن تغلق کے سر پر سیاہ علم ہوتے تھے جن کے درمیان ایک سنہری اژدہا بنا ہوتا تھا، اور اس کے میسرہ میں سرخ علم ہوتے تھے، جن میں دوسنہری اژدہ بنے ہوئے تھے، جنگ میں سلطان پر سات چتر ہوتے تھے، امیر خسرو کی مثنوی مفتاح الفتوح (اورٹیل کالج میگزین، اگست ۱۹۳۶ء ص ۲۹، ۱۱۲) وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ جلال الدین فیروز شاہ کا چتر سیاہ تھا، اور علم میں ہلال تھا،

القضا فی الاسلام

اس میں طریقہ شہادت اور انصاف، مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کردہ اسلامی

اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ عید مفید ہے ضخامت ۲۲ صفحہ قیمت ۱۰ روپے

تصحیح فکر

از

جناب میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی استاد فلسفہ جامعہ عثمانیہ

”اس محقق مقالہ سے میرا مقصود فکر کی اہمیت کو واضح کرنا ہے، جو فلسفہ کا آلہ ہے بتایا گیا ہے کہ افکار ہی سے اعمال و افکار کا تعین ہوتا ہے، اور افکار ہی اعمال کے ذریعہ ہماری قسمتوں کا تعین کرتے ہیں فلسفہ جو تصحیح فکر کا دوسرا نام ہے، قسمتوں کے ڈھانسنے کا ایک زبردست آلہ ہے، ایسے اہم اور مفید مضمون کا مطالعہ ہر اس شخص کیلئے ضروری ہے جو اپنی فکر کو پختہ کر کے اپنی قسمت کا آپ سوار بننا چاہتا ہو، اور اپنی فکر کو خام رکھ کر انسان کو حیوان بنائین چاہتا ہو، جیسا کہ اقبال نے کہا تھا ہے

آزادی افکار سے ہے ان کی تباہی رکھتے نہیں جو فکر و تدبیر کا سلیقہ

ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ“

اے برادر تو ہمیں اندیشہ مابقی استخوان و ریشہ

گر گل است اندیشہ تو گلشنی در بود خار سے تو ہمہ گلشنی (رومی)

افکار و خیالات ہی سے مقاصد و غایات کا تعین ہوتا ہے، مقاصد کردار، افعال و اعمال میں ظہور پذیر ہوتے ہیں، افعال ہی کی تکرار سے عادت قائم ہوتی ہے، عادات کی تنظیم و ترتیب سے سیرت تشکیل پاتی ہے، اور سیرت ہی ہماری قسمت کا تعین کرتی ہے، جیسی سیرت ویسی قسمت۔ لہذا جیسے خیالات ویسی کائنات انما عند ظن عبدي لی

لہذا یہ مقالہ ”تہذیب فلسفہ“ کی کرسی نشینی کے موقع پر سنایا گیا جو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے شعبہ فلسفہ کی بزم مباحثہ ہے،

یہ قانون ذہن کے دائرہ میں وہی صداقت و اہمیت رکھتا ہے جو قانونِ تجاذب دائرہِ قسرت میں قطعاً قطعی ہے۔ جب سیرت اور قسمت کی تشکیل و تعیین میں افکار و خیالات ہی کی کار فرمائی ہے، تو ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لئے اپنے افکار و خیالات کی اصلاح اس کا اپنا نہایت اہم فریضہ ہے، قوم سازی اور فرد کی روح کی تکمیل اصلاحِ خیال پر منحصر ہے،

حکیم تغتہ دماغ می باید کرد

مقاصد و غایات کا دائرہ ذہن انسانی ہے، انسان کا کوئی فعل مصلحت و غایت سے خالی نہیں ہوتا۔ مقاصد کا تین غور و فکر سوچ اور بچاؤ پر منحصر ہے فکر ہی کائنات کی سب سے زیادہ عظیم الشان قوت ہے، اور یہی ان دونوں انسان میں سب سے زیادہ غیر تربیت یافتہ قوت ہے، اس کی تربیت ہی کے متعلق مجھے ہاں کچھ کہنا ہے، فرض کیجئے کہ آپ کو ایک باغ لگانا ہو، اس کے لئے آپ کو چند قوانین پر عمل کرنا ہوگا، جن کو باغبانی کے قوانین سے تعبیر کیا جاتا ہے، سب سے پہلی چیز تو یہ دریافت کرنی ہے کہ باغ لگایا کہاں جائے، پھر اس جگہ کو مسطح اور خوش و خاشاک سے پاک کرنا ہوگا، یہ چیز سب سے زیادہ اہم ہے، پھر یہیں پھولوں یا ترکاریوں کے بیج ڈالنا انتخاب کرنا چاہئے، اور اس عمدگی سے تیار کی ہوئی زمین میں انھیں بونا چاہئے، یہیں اس امر کا بھی خیال رہے کہ بیج عمدہ ہیں، ناقص نہیں، پھر موسم گرما میں ان بیجوں کو پانی دینا پڑتا ہے تاکہ شدتِ تمازت انھیں جلانہ ڈالے اب ہم انتظار کرنا پڑتا ہے، کہ وقتِ مقررہ گزر جائے اور بالآخر گلِ زرد نہائی کرے، اگر بے صبری سے ہم بیجوں کو کھود کر دیکھنا چاہیں، کہ یہ جل تو نہیں گئے، تو پھر ان بیجوں کو نشوونما کا موقع نہیں ملے گا، بعض دفعہ ہمیں کچھ زیادہ دن انتظار کرنا پڑتا ہے، لیکن اگر ہم نے زمین کو خوش و خاشاک سے اچھی طرح پاک کیا ہے، بیجوں کے انتخاب میں غلطی نہیں کی، آیامی کی ہے، تو ہم یقین ہے کہ ایک دن زندگی دامنِ زمین چیر کر پودوں کی شکل میں جلوہ افروز ہوگی، اسی زمانہ میں ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ بادِ باران، آفتاب و حرارت بیجوں کے نشوونما کے لئے ضروری ہے، طوفان تک انھیں نقصان نہیں پہنچا سکتے، عناصر ان کے دشمن نہیں، ساری کائنات اور کائنات کی ساری قوتیں ان کے ساتھ اشتراکِ عمل کر رہی ہیں!

فرض کرو کہ انتظار کی مدت بھگواند گز گئی، باریک بچوں نے خوش رنگ و دلفریب لالہ دیا سن کی شکل اختیار کی، نظرت کا زبردست لیکن مانوس مجرہ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش ہوا، شروع ہی سے ہم جانتے ہیں، اور یہ علم تمہیں یقین تک پہنچا ہے کہ جس پھول کا بیج ہم نے بویا ہے، وہی پھول والا پودا رونما ہوتا ہے، اور ہزاروں باریکیوں کے ساتھ اپنے اندران تمام چیزوں کا اعادہ کرتا ہے، جو اس پودے میں پائی جاتی ہیں جس کا یہ بیج ہے، کیا اس بیج کو اصلی پھول کی نہ بھولنے والی صورت یاد دہتی ہے؟

پھول کی غایت تخلیق سے تو ہم واقف نہیں لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ یہ ہمارے دل کا سرور آنکھوں کو فور ہے، کسی کے پاکیزہ الفاظ میں ہم اس کو ذبیح قلبی، نور بصری، جلا خنی، ذہاب عقی کہہ سکتے ہیں،

باغبانی کے یہ قواعد تو آپ سب جانتے ہی ہیں، کوئی بات نئی نہیں، لیکن میری دانست میں نئی بات جو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ بالکل انہی قواعد و قوانین کے استعمال و پابندی سے آپ دنیا کی تمام حسین و خوشگوار چیزوں کو حاصل کر سکتے ہیں، جو زندگی کے بیج میں مستور ہے وہی ہم میں سے ہر ایک میں موجود ہے، ان چیزوں کے حصول کے لئے ہمیں زندگی کی ایسی ہی خدمت کرنی پڑتی ہے جیسی کہ ان پھولوں کے بیجوں کی ہم نے کی تھی،

دلفریب پھولوں کے لئے آپ نے خارج (عالم اکبر) میں باغ لگایا تھا، شادمانی و مسرت کے حصول کے لئے آپ کو باطن (عالم اصغر) میں باغ کے لئے زمین تیار کرنی ہے، شاید آپ کو علم نہیں کہ اس کا محل وقوع ٹھیک کہاں ہے؟ یہ باغ آپ کو اپنے میدان فکر میں لگانا ہے، کیا آپ کو یہ معلوم ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے ہاں ایک عظیم انسان میدان فکر موجود ہے، جس کی دست کو ارض و سما نہیں پاسکتے، صرف ہمارا دل ہی اسکو ساسکتا ہے افسوس ہو کہ یہ میدان خس و خاشاک سے پٹا پڑا ہے، جانتے ہو کہ یہ خس و خاشاک ہے کیا؟ وہی سبلی افکار و خیالات جن کو مختصر طور پر شرانگیز، بخل و خیالات کہنا کافی ہوگا، و اتفاقاً راز کا اصرار ہے کہ میری ہمارے تمام مصائب و آفات کا سرخیز ہیں، ان سے ذہن و قلب کو پاک و صاف کرنا چاہئے، اس راز کو سمجھنے کے لئے اس نفسیاتی قانون

پر غور کرو جس کا ہم نے ابتدا ہی میں ذکر کیا ہے، افکار و خیالات ہی سے ہم زندگی کے مقاصد کا تعین کرتے ہیں، ایت مقاصد ہی محرک بن کر ہمیں عمل پر آمادہ کرتے ہیں، اعمال کی تکرار عادات و اسخ کے قیام کا باعث ہوتی ہے، اور سیرت سوا سے ان عادات، اسخ کے منظم مجموعہ کے کوئی اور چیز نہیں اور ہماری سیرت ہی ہماری قیمت کا دوسرا نام ہے! بسلی خیالات فاسد مقاصد کا تعین کرتے ہیں، ان ہی سے تو شر کا صدور ہوتا ہے، شر کا ارتکاب عادت بن کر سیرت بد کی تشکیل کرتا ہے، اب میکائلی طور پر بغیر غور و فکر کے شر ہی کا صدور ہونے لگتا ہے، اور شر کے نتائج و ثمرات سے ہم سب واقف ہیں: درد و رنج، غم، الم، حزن و یاس!

میدانِ فکر کا بسلی خیالات کے خس و خاشاک سے پاک ہونا ضروری ہے، اور نیک خیالات کی تخم ریزی لازمی، بسلی خیالات کو دور کرنے کا طریقہ ان سے جنگ کرنا نہیں، ان کا زور مرد افکن ہوتا ہے، جب ہم ان سے مقابلہ کرتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ ہماری ساری توجہ ان ہی کی طرف لگی ہوتی ہے، اب حیات (یا چند حیات) کا بہاد توجہ کی طرف ہوتا ہے، بالفاظِ دیگر، اگر ہم کسی گناہ یا شر کی جانب توجہ کریں، اس کے استیصال کی خاطر سہی، تو زندگی کی تمام قوتیں اس کی جانب رُخ کرتی ہیں، اس طرح اس کی طاقت میں اور اضافہ ہوتا ہے مثلاً اگر ہمیں بے خوابی کا مرض ہے تو ہم جس قدر اس کے متعلق فکر کریں گے، اور اس کو دور کرنا چاہیں گے، بالفاظِ دیگر اس کا مقابلہ کریں گے اسی قدر یہ کیفیت زیادہ ہوتی جائے گی، اس کے برخلاف اگر ہم اس کو بالکل بھول جائیں تو ہم ٹھنڈی نیند سو جائیں گے اسی طرح شر کے مقابلہ سے اس کی طرف توجہ ہوتی ہے، اور توجہ سے اس کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے،

شر کا مقابلہ پھر سے کرنا چاہئے غلط کا مقابلہ نور سے، غلط کو دور کرنا ہو تو نور کو داخل کرنا چاہئے غلط کا مقابلہ غلط سے کرنا، غلطات فوق غلطات کا مصداق بنتا ہے، اگر تمہیں نفرت کو دور کرنا ہو تو محبت کا تصور کرو

لے احادیث میں خطرات و وساوس کو دور کرنے کے لئے بعض اذکار یا مطلق ذکر کی ترغیب دی گئی ہے، اور جو علاج پیش کر رہے ہیں، اس کا استنباط ان ہی احادیث سے کیا گیا ہے، جو عیب الاثر نفسی طریقہ ہے،

خوف کو دور کرنا ہو تو شجاعت و ہمت پر نظر جماد، خود غرضی کے بجائے ایثار و نفس کا خیال رکھو، اسی طرح تھیں غصہ کے بجائے حلم و بیاداری کو بجائے صحت، کچھ خلقی کو بجائے خوش خلقی، شکایت کو بجائے صبر و شکر، خلق کی جیوسائی کے بجائے رازقی و ملحق کا خیال اپنے ذہن میں جمانا چاہئے، تمہارا معدوم فکر جو ہو گا، رفتہ رفتہ وہی تم بھی بن جاؤ گی یہی معنی میں جانی سائی کے اس قول لینے کے ہے

گرد و دل تو گل گرد گل باشی در ببل بے قرار ببل باشی !
تو جزوی و حق کل است گرد و جز اندیشہ کل پیشہ کنی کل باشی !

اسی فکر کے ایک دوسرے اعتبار پر غور کرو، دنیا میں وہی چیز بڑی ہے جس کو ہم بڑا سمجھتے ہیں، اگر ہم اس کو بڑا نہ سمجھیں تو ممکن ہے کہ وہ ہمارے جسم کو آزار پہنچائے، لیکن وہ ہمارے قلب کو چھین سکتی، یاد رکھو دنیا میں ہر چیز کی قیمت اسے پر منحصر ہے، اور اسے تمہارے اختیار میں ہے، جب چاہو اسے کو ترک کر دو، پھر اس صلاح کی طرح جس اپنے جواز کو سمندری پہاڑیوں سے بچا نکالنا ہو تھیں ہر طرف سکون نظر آئے گا، اگر تم اپنی رائے کو ترک کر دو تو پھر یہ شکایت باقی نہ رہے گی، کہ اسے مجھے نقصان پہنچا، اس شکایت کو ترک کر دو کہ اسے مجھے نقصان پہنچا تو نقصان خود باقی نہ رہے گا، اسی لئے کہا گیا ہے کہ عظیم لذت آدمی کی خوش قسمتی یہ ہے کہ وہ کسی خوش قسمتی کا محتاج نہیں۔

خیالات کا ماحول پر اثر تا قبل انکار ہے، خیالات کی بھنگی اور قوت انسان کی روح کو سخت جسمانی تکلیف میں بھی مطمئن اور قوی رکھ سکتی ہے، ارادہ نتیجہ ہے، توجہ کا یعنی خیال و فکر کا، جن خیالات کا اظہار انسان عمل میں کرنا چاہتا ہے، ان ہی پر توجہ کو مرکوز کرتا ہے، انہی کو ذہن میں دہراتا ہے، اٹھتا ہے پڑھتا ہے، ان ہی اس کے ذہن کی نشاں ملو جاتی ہے، اور یہی خیالات عالم آثار میں عمل کی صورت اختیار کرتے ہیں، خیال حقیقت ہے، عمل اس کا نمود ہے، ولیم جیمز نے یہ سچ کہا ہے ”زندگی کا سارا ڈرامہ ایک ذہنی ڈرامہ ہے ساری شکل ذہنی شکل ہے۔“

میدان فکر کو خوش و غم شاک سے پاک کر کے نیک خیالات کی تفریزی کرنا باغبانی کے بیجوں کی طرح خیالات کے انتخاب میں بھی حزم و احتیاط ضروری ہے، اور جس طرح بیج کو پودے کی شکل میں نمایاں ہونے کو عرصہ لگاتا تھا

اور تعین انشاء کرنا پڑا تھا اسی طرح خیالات کو قلب میں تغیر پیدا کرنے اور ہر نیک عمل میں ظاہر ہوتے دیر لگتی ہے تعین پست بہت نہ ہونا چاہئے اور نہ رغبت اگر تم نے اپنا کام قلم سے کے موافق کیا ہے اس وقت خاک کو صاف کیا ہے نیک خیالات کے ہونے میں احتیاط برتی ہے، تو شادمانی و مسرت، طمانیت و بروقلبی سرور و کیف دہ گھٹا شاداب ہیں جو نتیجہ کے طور پر تعین حاصل ہوں گے،

ان حقائق سے واقف ہونے کی وجہ سے عقلمند جانتا ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی دشمن نہیں، اگر اس کا کوئی دشمن ہے تو خود اس کا نفس ہے، اَلْاَدَىٰ حَىِّ عَدُوٌّ وَلَوْ لَفَسَّكَ اَلَّذِیْ یَبِیْنُ جَبِیْنُکَ (الہیبتی میں حدیث ابن عباسؓ) اس لئے نہ وہ کسی پر ملامت کرتا ہے، اور نہ کسی کی مذمت، برو قلبی کے ساتھ محاسبہ نفس کرتا ہے، صبر و کمالات کے ساتھ اپنا اخلاقی فرض ادا کرتا ہے، صبر ہی نہیں کرتا بلکہ کسی مزید قرض میں مبتلا ہونے سے پرہیز کرتا ہے وہ اپنے خیالات پر نظر رکھتا ہے، قلب کا دربان بن جاتا ہے، بد یا بلی خیال کو داخل ہونے نہیں دیتا، داخل ہو جائے تو فوراً نیک یا ایجابی خیال کو اس کی جگہ لے آتا ہے، اپنے افعال کو بے عیب بناتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ حال نتیجہ ہے ماضی کا قسمت نتیجہ ہے خیالات کا !

کامل گوید جهان تمام و اہل است ناقص گوید کہ کوتاہ است و اہل است

شترنج ہمان حصہ ہمان رخت ہمان این بردن و باطن ز علم جبل است

(سجالی استر آبادی)

اسلامی قانون فوجداری

مولانا سلامت خان المعروف بہ خداقت خان کی کتاب الاعتیاد کا ترجمہ جس میں تمام تعزیرات و جرائم کے متعلق پندرہ ابواب میں اسلامی قانون فوجداری کی تمام دفعات فقہ کی مستند کتابوں کے حوالے سے جمع کی گئی ہیں قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید اور ضروری ہے، قیمت ۴۵۲ مصلی قیمت ۳۰۰

منہج

عہد مغلیہ کے دو پروانے

از

جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی حیدر آباد

رسالہ معارف ماہ دسمبر ۱۹۴۳ء میں عنوان مندرجہ بالا کے تحت جو جواب معارف کی جانب سے شائع

ہوا ہے، سطور ذیل میں اس کے متعلق بعض امور واضح کئے جاتے ہیں،

واضح ہو کہ سلطنتِ آصفیہ میں گذشتہ ڈیڑھ صدی تک جو آئین دیاست اور نظم و نسق رائج تھا، وہ مغلیہ اصول کے مطابق تھا، معاشون کی عطاؤں کی بجائی اور ضابطی اور طریقہ کار روائی سب کے سب بالکل عہد مغلیہ اصول کے پابند تھے، اس لئے انہی امور کی روشنی میں زیر بحث پروانوں پر مزید غور کیا جائے تو نامناسب نہیں ہوگا،

اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ دور مغلیہ میں معاشون کی عطا بندیہ فرمان یا پروانہ ہوتی تھی، سند یا تصدیقی نامہ کے ذریعہ معاش عطا نہیں کی جاتی تھی، پروانچہ کے نام سے بھی مغلیہ عہد کے کاغذات موجود ہیں پروانچہ، پروانہ کی تصریح ہے، اور بلحاظ وجاہت شخصی پروانہ اور پروانچہ کا اجرا ہوتا تھا،

جو عطا یا بادشاہ یا دیوان کے حکم سے ہوتی تھی، وہ عطیہ سلطانی سے موسوم ہوتی، اور زیادہ موثق

اور دیرپا تصور کی جاتی، جاگیردار یا بعض صوبہ دار جو معاش اپنی جاگیر یا اپنے علاقہ میں عطا کرتے تھے، تو وہ

اس کی سند خود دیتے تھے، لیکن بعد میں اکثر اس کی توثیق شاہی بھی ہو جاتی تھی، اور اب یہ عطیہ سلطانی

لے دفتر دیوان حیدر آباد میں مغلیہ عہد کے کاغذات بھی موجود ہیں،

ہو جاتی، جو وقفہ اس عطا کار جاری ہوتا، اس کی عبارت میں اس امر کا بھی اظہار کر دیا جاتا کہ معاشِ اولاً کن کی عطا کردہ تھی،

اگر عطا کے وقفہ (فرمان، پروانہ، سند) میں نسلاً بعد نسل یا دوام کے الفاظ درج نہ ہوتے تو عموماً مسئلہ کے مرنے کے بعد معاش ضبط ہو جاتی تھی، اور اس کے بعد دوبارہ اس کے فرزند اکبر یا وارث کے نام تجدید ہوتی اور یہ تجدید پھر ذریعہ فرمان، پروانہ یا سند ہوتی تھی، گویا معاش کی تحقیقات ہو کر دوبارہ بجائی ہوتی، اراضی معاش کے لئے ایک مرتبہ عطا ہو جانا کافی ہوتا تھا، لیکن نقدی معاش یعنی یومیہ، سالیانہ معمول کے لئے ہر سال دفتر دیوان سے جدید احکام کی ضرورت ہوا کرتی تھی، ہر سال اس قسم کی معاش کے لئے کسری حکم نافذ ہوتا تھا،

اس وضاحت کے بعد اب اگر فرمانِ نصرت جنگ کے متعلق غور کریں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ قاضی شاہ بدالدین کو کاکڑ خان اور محمد شفیع خان نے جو معاش عطا کی تھی، اس کی توثیق عطیہ سلطانی کی حیثیت سے ہوتی تھی اس فرمان کے باعث ان کی عطشا ہی عطا ہو جاتی ہے، یہ تصدیق نامہ نہیں، بلکہ دراصل فرمان یا پروانہ ہی ہے، اسی طرح دوسرا پروانہ ایک احکام یا سرکاری مراسلہ کی حیثیت رکھتا ہے، چار فلوس یومیہ سجد کے تیل کے اخراجات کے لئے جاری ہوا ہے،

اس تفصیل سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس قسم کے پروانے یا احکام ایک اصولی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے معارف کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ

”ان تصدیق ناموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تعلقہ کے عمال حکومت قاضی صاحب موصوف کو بامداد پریشان کرتے رہتے تھے، اس لئے قدیم عطایا کی تصدیق دوبارہ کرائی گئی، چنانچہ اسی تصدیق کے لئے عبدالمگیرمی میں وہ پروانہ صادر ہوا، پھر امتداد زمانہ سے جب عمال نے دوبارہ چھڑ چھاڑ کی تو عبد محمد شاہی بن جدید تصدیق نامہ جاری ہوا۔“

چنانچہ خود اس امر سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ ہر سال سندِ مجدد نہ طلب کرنے کا تذکرہ آخری پروانہ میں کر دیا گیا ہے، یعنی اس پروانہ کے بعد دوبارہ اس کی تجدید کی ضرورت نہیں رہی،

معارف، لفظ تصدیق نامہ بطور اصطلاح استعمال نہیں کیا گیا تھا، بلکہ بطور مفہوم تھا کہ اس فرمان یا پروانہ شاہی سے سابق عطا کردہ پروانہ کی توثیق و تصدیق ہی مقصود تھی، انہیں فرمان کے بجائے تصدیق نامہ سے خاص طور پر اس لیے تعبیر کیا گیا کہ مستفسر کی خدمت میں یہ اشارہ کیا جاسکے کہ ان کے ان مراسلہ فرامین کے ذریعہ قاضی بدرالدین کو اراضی معاش پہلی مرتبہ عطا نہیں کی گئی تھی، بلکہ وہ فرامین جو ان سے پہلے کے ہیں، ان جنہیں مستفسر نے ارسال نہیں کیا تھا، دراصل ابتداء انہی کے ذریعہ اراضی عطا ہوئی تھی، اس لئے آخر میں کہا گیا کہ اب اگر اصل پر وہ انہی آپ ارسال کریں تو اس کو صحیح تاریخ متین کہا جاسکتی ہے۔

ورنہ ظاہر ہے کہ عطیات کے لئے فرامین ہی جاری ہوتے تھے، اور وہ اصطلاحاً فرمان ہی کہے جائیں گے،

”س“

عرب کی موجودہ حکومتیں

جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق و عقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانوں کو نجد و حجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصوں اور حکومتوں کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے، اس لئے اس کتاب میں عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتوں نجد و حجاز، عسیر و یمن، کچ، نواتی، سد، بحرین، کویت اور فلسطین و شام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہیں،

صفحات ۱۰۰، صفحہ قیمت: پندرہ

نہجہ دار المصنفین

استفسار

فن تصوف

محدثین و صوفیہ میں تطبیق کی راہ!

جناب عبدالرحمن صاحب متعلم }
پرنس آف ویلز کالج جتوں (کشمیر)
محرمی جناب سید صاحب مد فیوضہ
(السلام علیک)

جب آپ کی ذات گرامی سے غائبانہ تعارف ہوا ہے اسی وقت سے یہ شوق دامگیر رہا ہے کہ
خط و کتابت ہی کے ذریعہ آپ سے کچھ استفادہ کیا جائے،

اپنے دینی شعور کی ابتداء ہی سے میں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر مسئلہ میں کتاب و سنت
ہی کو معیار حق اور دلیل راہ بنایا ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ نفعی مسائل میں مسلمانوں میں جو اختلاف پایا
جاتا جو اس کی نوعیت کو کسی حد تک سمجھ سکتا ہوں، اور ان مسائل میں ہل پہل ظاہر اور اصحاب رائے کے
بین میں کی راہ معنی فقہاء محدثین یا اصحاب حدیث کے مسلک کی ترجیح کا قائل ہوں، لیکن جو اختلاف
محدثین اور صوفیہ کے کرام میں پایا جاتا ہے، اس کی حقیقت کے سمجھنے میں ابھی تک پریشان ہوں،
اس اکھن سے نکلنے کے لئے سیرت نگار رسول ہی کی راہ نمائی کی ضرورت ہو، اور وہ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی اور روحانی زندگی کے حالات و کیفیات کے بیان کرنے میں محدثین عظام

صوفیاء کرام میں کس کی ترجمانی زیادہ صحیح ہے اور آپ کی پاک زندگی کے اس شعبہ کے علم و عمل کے جاننے میں کون سا گروہ حقیقت کے زیادہ قریب پہنچ سکا ہے، اور ان میں سے کس جماعت کا راستہ حق کا راستہ ہے؟ اور اگر یہ دونوں گروہ ہی افراط و تفریط سے نہیں بچ سکے، تو اہل حق کون ہیں، اصحابِ اعتدال کا طریق کیا ہے، اور اس مسلک کے ائمہ کون کون بزرگ ہیں؟ اسی سوال سے متعلق چند ایک سوالات ہیں جنہیں تہرہ وار درج کرتا ہوں !

- ۱۔ الاحسان (الاحسان ان تعبد اللہ کانک ثوابا) الحدیث کی غایت کیا ہے؟
- ۲۔ کتاب اللہ کی تعلیم اور اسوہ حسنہ رسول اللہ میں الاحسان کے حصول کا طریق کیا ہے؟
- ۳۔ کیا الاحسان کے حصول کے لئے بیعت کرنا لازم ہے، اور اس کے بغیر الاحسان کا حصول ممکن نہیں؟
- ۴۔ زمانہ نزولِ قرآن کی عربی زبان قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ میں بیعت کا مفہوم کیا ہے؟ غلط بیعت میں اس کی غرض و غایت کیا تھی، اور پھر اسلام میں کیا ہوئی؟

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افرادِ صحابہ سے الگ الگ مختلف اوقات میں جو بیعت لی، اُس کا اقرار اور غرض و غایت کیا تھی؟ اور جو پوری جماعت صحابہ سو مختلف اوقات میں لی اُس کے اقرار کے الفاظ اور غرض و غایت کیا تھی؟ کتب حدیث میں ان کے نام اور اقرار کے الفاظ ہیں، کیا ہیں؟ عبدِ غلفاء راشدین میں اس انفرادی اور جماعتی بیعت کا کیا حال؟

۶۔ صوفیاء کرام جو بیعت لیتے ہیں، کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ کیا اس کی نظیر مُنت میں ملتی ہے، اور کیا یہ عبدِ رسالت میں عبدِ خلافتِ راشدہ سے ہی رائج چلی آتی ہے؟ رسالت کے بعد کے دور میں اس کی کیا حالت رہی؟

میں اگرچہ ”صحابہ“ حدیث کے مسلک کو رائج سمجھتا ہوں لیکن ”اہل حدیث“ کے نام سے ملک میں جو جماعت پائی جاتی ہے، وہ ایک طرف تو کلاسِ دھوکہ کی بنیادی اور مرکزی دعوت کی علم بردار نظر نہیں آتی، اور صرف فقہ کے چند اختلافی مسائل ہی اس کی دعوت کا مرکز ہیں، جن کی طرف وہ سب

ہلاتی ہے، اور دوسری طرف یہ کہ جن بزرگوں کی طرف اپنی نسبت کرتی ہے، جہاں ان کی زندگی کا حقیقی مقصد اور ان کی دعوت کا مرکز نقطہ اوس کی نظر سے اوجھن ہو گیا ہے، وہاں ان بزرگوں کی زندگی کا ایک پہلو تو خاص طور پر نظر انداز کر لیا گیا ہو اور وہ ان کی زندگی کا روحانی حصہ اور نبوت کی وراثت کا باطنی پہلو ہے، اور یہ شاید اس لئے لکھ گیا ہوں کہ میرے سامنے ہمیشہ اسی کی تقاب کشائی کی جاتی رہی ہے، کیونکہ میں نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، اس میں فقہ کے اخلاقی مسائل کا اتنا چرچا تو نہ تھا، البتہ سید احمد بریلویؒ اور مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ سے لیکر مولانا غلام رسولؒ (ساکن قلعہ مہمان علیہ ضلع گوجران والا پنجاب)ؒ العادت باللہ مولانا عبداللہ غزنویؒ اور ان کے صاحبین فرزندہ و نونک کی کرامات، تزکیہ نفس، روحانی بلندی، اور انابت الی اللہ کی حکایات، ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر ضرور تھیں،

اگرچہ میں نے اپنے بچپن میں اپنے ہی خاندان کے وہ بزرگ جو ان بزرگوں سے مستفیض تھے دیکھے، مگر میرے ہوش سنبھالنے تک وہ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے، اور اب صرف ان کی زبانی حکایتیں سناؤا ہے، باقی رہ گئے تھے، جو فرسے لے کر بزرگوں کی کمانیاں سناتے تھے، تاہم اس کا اثر یہ ہوا کہ بچپن میں مجھے حضرت امیر المومنین سید احمد شہید اور مولانا شہید سے عقیدت ہو گئی، اور پھر انہی کی عقیدت نے میرے دل میں مولانا عبداللہ غزنویؒ اور ان کے خاندان سے محبت کا ایک خاص جذبہ پیدا کر دیا،

میں نے عربی اس لئے پڑھنی شروع کی تھی کہ مجھے قرآن مجید کا فہم نصیب ہو، لیکن افسوس کہ جب انٹرمیڈیٹ تک پڑھ کر بھی قرآن کی زبان نہ آئی، تو قرآن مجید کیونکر سمجھ میں آئے، قرآن مجید سے مجھے جو دلچسپی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن فہمی اور مطالب قرآن کو حاصل کرنے کے لئے بھی آپسے ہدایت اور مشورہ چاہیے کروں،

قرآن فہمی کے لئے سامان پیدا کرنے کی ذمہ داری سب سے پہلے دارالضعیفین پر عائد ہوتی ہے بلکہ جہاں تک ممکن ہو ملکی طور پر مددۃ العالیہ میں اس طریق پر قرآن مجید پڑھانی کا انتظام کیا جائے کہ قرآن فہمی کی راہ آسان بن جائے

معارف:

مکرم زادکم اللہ علیٰ دعلما

اسلام علیکم، آپ کا خطا پا کر مجھے بڑی خوشی ہوئی، کیونکہ ایک مدت کے بعد مجھے ایسے کسی خوش خیال نوجوان سے مکاتبت کا اتفاق ہوا، آپ جس راہ پر ہیں، وہ بالکل ٹھیک ہے، بشرطیکہ اس راہ اور اسے کے مطابق آپ کو عقیدہ اور عمل کی سادت بھی حاصل ہو، اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، بجز اللہ کہ آپ نے فقہاء اور محدثین کے درمیان قلعہ بندی کی راہ پائی ہے، تو اب محدثین اور صوفیہ کے درمیان ماہِ پانا بھی مشکل نہ ہوگا۔

محدثین میں بھی صوفیہ گز رہے ہیں، امام ابن جنبل، عبد اللہ بن مبارک، امام بخاری و مسلم ترمذی سب ہی صوفی حقیقی تھے، اور اصطلاحاً محدثین میں امام قشیری صاحب رسالہ تیسریہ، ابو نعیم صنفی صاحب علیہ الاولیاء، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی طریق قادریہ کے بانی صنفی المشرّب اور محدثہ محدث تھے، اودن کی کتاب غنیۃ الطالبین چھپی ہوئی ہے، اور آپ پڑھ سکے ہیں، حافظ ابن قیم کی صوفیت پر ان کی کتاب منازل السائرین و مدارج السالکین گواہ ہے، اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی ہیں، ان کے مکتوبات کا مطالعہ آپ کر سکتے ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ، اور ان کے اخلاف صدق محدثین دہلی بھی صوفی تھے، اودن کی تصانیف موجود ہیں، مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سلوک کو صراطِ مستقیم نام کتاب میں مرتب کیا، جو طبع ہو کر بادشاہ شائع ہوئی ہے، اُس کو بھی آپ پڑھ سکتے ہیں،

لیکن بات یہ ہے کہ حضرات محدثین رحمۃ اللہ پر محبتِ محدث ہونے کے صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے حالات و کمالات کے جاننے، اور دوسروں کو سنانے کا فرض عائد ہو سکتا ہے، ان کا یہ فرض نہیں کہ وہ بیابانِ کمال کی حالت و کمالات کی حقیقت کیا ہے، اور ان کے حصول کی تدابیر کیا ہیں، کیونکہ یہ بھی ایک فن ہو گیا ہے، جس طرح فقہاء کلام اور فرائض و تفسیر و حدیث ایک ایک متعلّق فن ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کی اصطلاحیں ہیں، اور علمی و فطری مشکلات ہیں، جن کے سمجھانے کے لئے فقہاء، مفسرین، محدثین، اور متکلمین کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح

فنِ سلوک کے لئے سالیکن کا مین کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس فن کی علمی و عملی دقتوں کو دفع کریں،
یہ فنِ نظری سے زیادہ عملی ہے، اس کے لئے ایسے کا مین کی ضرورت ہو جو اپنے حسن اعتقاد اور عمل کے لحاظ
سے اسوۂ نبوی ہوں، جو اپنے اعمال، آداب، اخلاق، عادات اور اتباعِ ادا و امر و نہی میں نبی ﷺ کا
نمونہ ہوں، جن کی صحبت میں پر تو نبوی کا اثر ہو، اور جن کا سلسلہ صحبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صحبت تک منتهی
جس کا اصطلاحی نام شجرہ ہے، جس طرح فنِ روایت میں اس کا نام سلسلہ ہے،

اسی مفہوم کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ علم حدیث جس طرح
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کا سلسلہ ہے، یہ سلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا سلسلہ ہے، صحابہ کرام رضی اللہ
عنہم کا سارا فیض صحبتِ نبوی کی تاثیر کا نتیجہ تھا، ان کے بعد صحابہ کے فیض سے تابعین اٹھے، اور تابعین کے فیض
سب سے تبع تابعین کا ظہور ہوا، یہ تین دور ایسے ہیں جن میں پچھلی جماعت اگلی جماعت سے بحیثیت جماعت کے متاثر ہو
مگر ہر دور میں جماعت کم اور کیفیت یعنی تعداد اور حالت میں کم ہوتی گئی، تبع تابعین کے بعد جب فقہوں کا ظہور ہوا،
تو تعداد اور بھی کم ہو گئی، اب جماعت کی صحبت جماعت سے جاتی رہی، اب اشخاص کا مین کی صحبت سے اشخاص
باستعداد کے پیدا ہونے کا سلسلہ ہوا، جس کا نام متاخرین نے ارادت یا پیری و مریدی رکھ دیا ہے، ورنہ قدما
اور سلف صاحبین کی اصطلاح صحبت ہی کی تھی، مرید کو صاحب یعنی صحبت یافتہ کہتے تھے، جیسے امام محمد اور
قاضی ابویوسف کو صاحبِ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں، اسی طرح حضرت شبلی و جنید کے مرید بھی صحبت یافتہ کہلاتے
تھے، جسے یوں کہتے تھے کہ فلان شخص نے شبلی کی صحبت اوٹھائی ہے، یا جنید کی صحبت اوٹھائی ہے، یہی رسمیت جو ایک مرتبہ
سے رواج پذیر ہے، یہ محض رسم و عادت ہے، اور جس کا مقصد یہ ہے کہ پیر و مرید کا باہمی معاہدہ ہے، کہ پیر اپنے علم کے
مطابق تعلیم و تربیت اور غیر خدائی میں کی نہ کرے گا، اور مرید اس کی تعمیل میں کوتاہی نہ کرے گا، اور اس کی اصل حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں ہے، کہ آپ کبھی خاص خاص صحابہ سے اور کبھی حاضر مجلس صحابہ سے امور خیر پر مسرت
لیتے تھے، تاکہ جن سے مسرت یا بائے، ان میں اس معاہدہ کی اہمیت ہو اور وہ اس کی تعمیل میں پوری ہمت صرف کرتے

اگر ان کو یہ خیال رہے کہ میں نے اس بات کا معاہدہ کیا ہے، اس کے خلاف کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو، اور چونکہ جس کے ہاتھ پر یہ معاہدہ کیا جاتا ہے، اس سے عقیدت اور محبت ہوتی ہے، اور یہی عقیدت و محبت اس کے ہاتھ پر معاہدہ کئے ہوئے احمد کی تعمیل پر آمادہ کرتی رہتی ہے، یہی اس بہت کا حاصل ہے شیخ اپنے سلسلہ کے ارادہ مند کو احمد خیر کی تعلیم دیتا ہے، ان کے حقائق سے باخبر کرتا ہے، ان کی تعمیل کا طریقہ بتاتا ہے، اور سالک کے ذہنی اور عملی مشکلات کو حل کرتا رہتا ہے، مثلاً غرور بری چیز ہے، اب یہ امر کہ غرور کی حقیقت کیا ہے، اور غرور کتے کس کو ہیں اور اس سے بچنے کی تدبیر کیا ہے، اور ایسا ہمارا فلان کام غرور کی حد میں داخل ہے کہ نہیں، اس کا جواب نہ خاص محدث دے سکتا ہے، اور نہ خشک فقیہ ان کو حل کر سکتا ہے، نہ مفسر بتا سکتا ہے، اور نہ متکلم ان کی عقدہ کشائی کر سکتا ہے، اب ان سوالات کا جواب جو بھی دے سکتا ہے، وہ شیخ طریقت ہے، جو ممکن ہے کہ محدث بھی فقہ بھی ہو، مفسر بھی ہو یا نہ ہو، ہو تو بہتر ہے، نہ ہو تو حرج نہیں مگر تیج ضرور ہو، جس نے اپنے بزرگوں سے ان کو سیکھا اور بانا ہے، یا اس نے خود کتاب و سنت سے ان امور کی واقفیت پیدا کی ہے، اور عمل کر کے اس دستہ پر پہنچا ہو کہ غرور و تکبر سے اپنی استعداد کے مطابق پاک و صاف ہو گیا ہے، اور دوسروں کو بھی اپنی تعلیم و صحبت سے ایسا ہی بنا سکتا ہے،

اسی تقریر کو ایک اور منہج سے ذہن نشین کرتا ہوں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں دو صفتیں **نِعْلَمُھُمُ الْکِتَابُ الْمَحْکَمَۃَ** یعنی آپ لوگوں کو کتاب الہی اور سنت نبوی کی تعلیم دیتے ہیں اور **نَعْرِضُھُمُ الرِّیَاضَۃَ** یعنی آپ لوگوں کو عملاً بھی پاک و صاف بنا دیتے ہیں، ان کے ذہن کو دور کر کے ان کو فضائل سے آراستہ کرتے ہیں، ذات پاک میں یہ دونوں صفتیں یکجا تھیں، صحابہ میں بھی عموماً یہ دونوں صفتیں یکجا رہیں، تابعین میں کچھ کی کچھ یہی تھا، ہم ان میں بھی خاصی کجائی رہی، تبع تابعین میں اگر یہ کجائی ایک محد و دھلقہ میں رہ گئی، اس کے بعد سے یہ کجائی صرف اشخاص میں ہونے لگی، ورنہ عام طور پر حال یہ ہو گیا، کہ **نِعْلَمُھُمُ** یعنی زبانِ تعلیم کی صفت تو علماء اور فقہاء نے اختیار کر لی، اور **نَعْرِضُھُمُ** یعنی تزکیہ کو صوفیہ نے اپنا کام بنالیا، پہلی چیز درسہ میں چلی گئی، اور دوسری خانقاہوں میں، مگر ہر دور میں محمد اللہ تعالیٰ ایسے کالمین ضرور

ہوتے گئے، جو ان دونوں صفوں کے جامع اور حامل تھے، اور وہی درحقیقت وارثِ نبوت تھے، مثلاً ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان ان دونوں کا جامع تھا، ان کے جانشینوں میں بھی یہی جامعیت تھی آج کل یہ ہو گیا ہے کہ ٹیٹلمنٹھو یعنی تعلیم نبوی کی خدمت علماء کا شغل ہے، اور بڑیکھن یعنی تزکیہ کا شغل صوفیہ کا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں صفین یکجا ہوں،

ہمارے اس بیان میں صوفیہ سے مقصود رسمی نہیں ہے، درحقیقت دکا ندادین، بلکہ وہ متبعین سنت مراد ہیں، جنھوں نے علماء و علماء راہ کا کمال حاصل کیا ہے، اور منزل مقصود تک پہنچتے ہیں، صوفی اور تصوف کے لفظ سے بھی بعض لوگوں کو جھڑک ہوتی ہے، سو یہ اصطلاحی نام ہے، جو لفظی بدعت ہے، جس طرح تفسیر اور مفسر، حدیث اور محدث، فقہ و فقیہ کی اصطلاحیں ان کے خاص جدید معنوں میں صحابہ کے عہد میں مروج نہ تھیں، یہ لفظ اوس زمانہ میں اگر چلنے لگے ہیں، اور یہ عربی زبان کے لفظ بھی ہیں، مگر ان کے اصطلاحی معنی اُن سے مختلف ہیں، یہی حال تصوف اور صوفی کا ہے، خواہ یہ لفظ صوف سے نکلا ہو، یعنی پشمینہ پوشی سے جو ہر کی علامت تھی، یا فلسفہ کے لفظ کی طرح یہ یونانی تھیسا سونی سے آیا ہو، لفظ کی بحث نہیں، تاہم یہ لفظ بے شبہ بدعت ہے، یعنی بنا ہے، اور باہر سے آیا ہے، مگر اُس کی حقیقت بدعت نہیں ہے، قرآن پاک کی اصطلاحیں اُس کو اخلاص کہنے، رحدیث کہہ کر دے اُس کو احسان کا نام دیجئے، اور کام کے لحاظ سے اس کو اخلاص فی الدین اور تقویٰ کے حصول کا فن کہئے، دلائل مشاحہ فی الاصلاح،

یہ امر بے شبہ صحیح ہے کہ جس طرح دوسرے فنون میں غیر مگھوں سے چیزیں اکراشاں ہوتی ہیں، مثلاً فقہ کے لئے اصول فقہ تیار ہو گیا، اور تیس نے ایک فنی صورت اختیار کر لی، علم کلام و عقائد میں فلسفہ داخل ہو گیا اور منطقی و فلسفی دلائل و دبیح و براہین کا شیوع ہوا، اسی طرح اس علم احسان و اخلاص میں بھی بعض باتیں باہر سے آگئی ہیں، جن کو خواہ تاہمیر کے درجہ میں لا کر مان لیا جائے، یا اُن سے بھی احتیاطاً پرہیز کرنا چاہئے، دونوں پہلو ہو سکتے ہیں، مگر اس سے اصل فن پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا، اس فن کی جو اصطلاحیں نئی ہیں، وہ نام و توہم کی سموت کی

فاطر اختیار کی گئی ہیں، اور ان سے بھرپور حماقت ہے، جب کوئی چیز فن بن جاتی ہے، تو اصطلاحات سے چارہ نہیں ہو

اب اس فن کے مسائل پر آئے، مسائل اولین یہ ہیں ۱۔

مذائل کیا ہیں، ان مذائل کی حقیقت اندر سے قرآن و حدیث کیا ہے، اور ان مذائل کی بچائی کیونکر ہو

ان کے بالمقابل فضاں کیا ہیں، ان کی حقیقت کیا ہے، اور ان کے حصول کی تدابیر کیا ہیں، ہم غیبت سے کیونکر بچیں، ریاضے کیونکر محفوظ رہیں، بھوٹ بون کیونکر ہم سے چھوٹ جائے، اور اس کے بالمقابل صدق مقال اور اخلاص عمل کیسے پیدا ہو، توکل صبر و شکر، استقامت کیسے حاصل ہو، ہمارے قلب سے دنیا کی محبت کیسے نکلے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت اس میں کیسے بیٹھے،

وَتَبْتَئِلْ لِمَا يَنْبَغِي (خدا کی طرف سے کٹ جا)، اور دَجَلًا لِّتَلْهِيَهُمْ تِجَارَةً دَلَّاهُ بَيْعِ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

دایے لوگ جن کو بیع و فروخت وغیرہ دنیا کے اشتغال خدا کی یاد سے غافل بنین کرتے، یہ حالت ہم کو کیسے حاصل ہو اور ان فرائض قلبی کے ادا کرنے کا طریق کیا ہے، غازیں قنوت یعنی خوف و خشوع کیونکر پیدا ہو، اہل حلال کیا ہے، تقویٰ کیسے ہو، ایمان باللہ تعالیٰ کیونکر قوی ہو، دوام ذکر کیسے حاصل ہو وغیرہ،

یہاں تک تو میں نے نفسِ فن کی حقیقت کا ذکر کیا ہے، اور ان غلطیوں کو دور کرنا چاہا ہے جو اس کے متعلق عام لوگوں میں شائع ہیں، اب آپ کا سوال یہ ہے کہ اب یہ کہاں ہے، سو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح ہر علم و عمل کے باہر عہد بعد کم ہوتے جاتے ہیں، اسی طرح اس کے بھی بہت کم ہیں، علمائے غزوہ امرتسر کی تعریف میں نے بھی سنی ہے، جو محدث اور صوفی ایک ساتھ تھے، پہلے علمائے اہل حدیث میں بھی ایسے لوگ تھے، اور اب بھی ہونگے، میرے علم میں سیالکوٹ کے مولانا ابراہیم صاحب کو فردان امور سے مناسبت ہے، گو مدت سے اُن سے ملاقات نہیں ہوئی، علمائے اخلاص میں بھی بھلا اللہ لوگ ہیں،

قرآن پاک کے متعلق جو کچھ آپ نے کہا ہے، وہ صحیح ہے، دارالعلوم ندوہ اور دارالمصنفین و نونین اس کو تسلیم ہیں

عہدِ اسلامی میں تعلیمِ نسوان کی درگاہیں

جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی

ممتاز مینشن خیرت آباد احیدر آباد دکن

۱۔ تاریخوں سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں دنیا سے اسلام کے مساجد میں در سے قائم ہو گئے تھے، اور ان میں ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم ہوتی تھی، پانچویں صدی ہجری سے عظیمہ درگاہیں اور جامعات تعمیر ہونے لگے، چنانچہ علامہ شبلیؒ اور مولوی ابوالحسنات صاحب ندوی کے مقالہ سے اسلامی عالمک اور مہندستان کے مدرسوں کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے، لیکن ان میں کسی نسوانی در سے کا نام شریک نہیں ہے، یہ تو نہیں ہو سکتا کہ نسوانی مدارس موجود ہوں، اور ان کا ذکر ہمارے تاریخ اسلام کی کتابوں میں نہ ہو، لامحالہ یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ دنیا سے اسلام میں عظیمہ مدارس نسوان نہیں تھے،

۲۔ جب مدارس نسوان قائم نہیں تھے، تو دنیا سے اسلام میں تعلیم نسوان کا کیا طریقہ تھا، ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کس طرح ہوتی تھی، یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اسلام میں عورتوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کی، کیونکہ تاریخ اسلام میں بیسیوں خواتین کے نام ملتے ہیں جنہوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم پائی، اور حتیٰ کہ بعض شیوخ وقت کے اساتذہ میں خواتین کے نام شامل ہیں،

۳۔ شیخ سعدی کی گفتگو کے ساتویں باب کی چوتھی حکایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مدرسوں میں لڑکے اور لڑکیاں (جن میں بانج بھی شامل تھے) ایک ساتھ درس دیا کرتے تھے، نیز اہل بیت کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ

اس وقت لڑکے اور لڑکیاں ایک ساتھ تعلیم دیا کرتی تھیں تو کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ ابتدائی تعلیم جو موجودہ زمانہ میں تعلیم قرار دیا جاسکتی ہے، اسلامی مدارس میں ملحوظ ہوتی تھی،

۴۔ غالباً ہندوستان میں شروع سے اس طرح کی مخلوط تعلیم نہیں تھی، بلکہ اکثر قلعوں میں شرفاء کے مکانات میں مدرسہ نسوان قائم ہوتے تھے،

غالباً ان کا بیج تقریباً وہی تھا، جس کو مولانا ذریعہ احمد نے اپنی کتاب میں اصغری خانم کے مدرسے کا حال لکھا ہے، نقطہ،

معارف: جو ابا عرض ہے:-

جہان مک میری نظر پہ چھوٹی لڑکیوں کی تعلیم کے لئے گھر سے باہر کوئی چار دیواری مسلمانوں نے نہیں بنائی،^۱ نہ مساجد میں اور نہ کتاب بینی مکاتب میں لڑکوں کے ساتھ وہ نظائرین، صرف سواصل ہند میں ایک سادھی شہر تھا جہاں ابن بطوطہ کو لڑکیوں کے مکاتب نظر آئے، اس کا بیان ہے کہ سواصل ہند میں ہنود کے مقام میں ۱۳ مکتب لڑکیوں کے تھے (جلد ۳ ص ۱۳۳، مصر)

علمی تواتر سے جو واقعہ ثابت ہوتا ہے، وہ وہی ہے جو اصغری خانم کے مدرسے کا ہے، یا یہ کہ امرا اپنی لڑکیوں کے لئے کوئی محل یا مستند وثقہ و معر معلّم باہر بند پروردہ مقرر کرتے تھے، جیسا کہ مسلمانین منہل کی خواتین ذیب النساء وغیرہ کے احوال میں ہے،

بہ نسبتہ اعلیٰ تعلیم جیسے علم حدیث وغیرہ میں یہ طریقہ بھی مذکور ہے، کہ مساجد و محافل میں کسی استاد یا محدث کے املا میں عورتیں بھی حاضر ہو کر سنتی تھیں، اور روایت کرتی تھیں، بلکہ وہ بھی مجلس میں ہٹھکھلا سے حدیث کرتی تھیں، اور مرد و ملائذ و سامعین ان کو سنتے تھے، لیکن پہلی صورت میں عورتوں کا انتظام نشست الگ تھا اختلا نہ ہوتا تھا، جیسا کہ احادیث میں ہے، کہ عورتوں کے لئے الگ انتظام ہوتا تھا، اور دوسری صورت میں بیچ میں پردہ حائل ہوتا تھا، جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے احوال میں ہے، یا اگر وہ بہت بڑھی ہوئی تھیں تو کشتہ و جہ بھی کرتی ہون لگی، مگر تفریح میری نظریں نہیں ہے،

یہ بھی تھا کہ باپ اور بھائی اپنی عزیز بیٹیوں اور بہنوں کو خود اعلیٰ تعلیم دیتے تھے، اور ادس کی مثالیں

بکثرت ہندوستان میں پہلے بھی تھیں، اور اب بھی ہیں، اور بعض نقیحات اسلام کے تذکرہ میں بھی ہے، بعض اپنے شوہروں سے حاصل کرتی تھیں،

”سس“

رجب علی سرور اس کی ایک عرصہ

جناب خواجہ احمد صاحب فاروقی ایم

قائم مقام پرنسپل اسلامیہ کالج بریلی

۱۔ رجب علی سرور کے مفصل حالات کمان ملین گے؟

۲۔ ”انشائے سرور“ میں ایک عرصہ داشت ہے جس کی نقل درج ذیل ہے :-

”عرصہ داشت حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمٰنی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ عرصہ ہوا خانہ زاد نے خوفناک
عجائب پیشکش کیا تھا، گدیہ ہوندا تو ان پیش میمان زمانہ در نظر گذار کے سلطان جہان کو حقیقت نہیں کہتی مگر نگاہ پر
شاہنشاہ زمانہ شل خورشید درخشان گل خار پر کیساں جوتی ہے، اس امید پر عہد حق و چشم و گوش مبتلا
کار ہا، لیکن ناسازی بخت نے محروم رکھا، اب جمعیت پریشانی اور سامان بے سامانی سے گھبرا کر عرض سماج
کہ اگر سلک کفش برداروں اور زمرہ جان نثاروں میں آبرو پاؤں تو سر خاک فنا دہ سے مکر خیدہ فلک تر
چھو آؤں، بقدر لیاقت خانہ زاد کو جو کچھ فرمان بندگان دارادریان، بجا آوری اس کو فقر و سداوت
جان کر جان ملک درینہ بین، الٰہی کو سجد و سخی و غلغلہ کشورستانی و شہرہ جہان بینی بلند آواز دہ
گلشن سلطنت شاداب تر و تازہ باد،

الٰہی در جہان باشی باقبال جوآن بخت و جوآن دولت جولان سال (ص ۱)

خیال ہے کہ یہ عرصہ داشت ۱۸۷۲ء اور ۱۸۷۳ء کے درمیان لکھی گئی، اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں

۱۸۷۲ء میں فساد عجائب ختم ہوئی،

اس عرضداشت کے مخاطب غالباً واجد علی شاہ ہیں، اس لئے کہ وہ ۱۲۴۲ھ میں تخت نشین ہوئے اور ۱۲۴۳ھ میں ہی منہر کو قلعہ ہو گیا، عرصہ ہوا خانہ زاد نے نسخہ فسانہ عجائب پیش کش کیا تھا، اس جملہ سے اس قیاس کی تائید ہوتی ہے اگر اس عرضداشت کو واجد علی شاہ کی طرف منسوب کیا جائے، تو تذکرہ بالآخرہ متصل ہو جاتا ہے، اس لئے قیاس ہے کہ یہ عرضداشت نصیر الدین حیدر کو لکھی گئی، لیکن پھر محمد علی شاہ ابدی واجد علی شاہ کو کیوں چھوڑا جائے؟ ان دونوں کو ادب خاص لگاؤ تھا؟ کیا یہ قیاسات صحیح ہیں؟

۳- تذکرہ خندہ گل میں رفات جعفر زلی کا ذکر ہے، یہ رفات تیشاں اور فرض بین یا اصلی اور حقیقی؟

معارف : محترمی زاد لطفکم

السلام علیکم :- آپ کے دونوں گرامی نامے موصول ہوئے، جواباً گزارش ہے :-

۱- رجب علی سرور کے حالات محض جستہ جستہ حسب ذیل مآخذ میں ملتے ہیں تذکرہ ذکا واسپرنگر، گلشن بیجار شیفہ (ص ۱۴۵)، سخن شمع ارناخ (ص ۲۱۳)، گلستان سخن قادر بخش (ص ۲۶۵)، موجودہ دور کی تصنیفات میں سیر المصنفین تنہا حصہ اول (ص ۱۴۹)، مقدمہ انتخاب فسانہ عجائب محمود اکبر آبادی، جواہر سخن (مہندستانی اکاڈمی)، تاریخ ادب اردو سکینہ، وغیرہ میں ذکر آیا ہے،

۲- فسانہ عجائب کی تاریخ اختتام تصنیف اپنے ۱۲۴۲ھ لکان سے متعین کی ہے؟ اس کی تاریخ تو خود مصنف نے خانہ تصنیف میں لکھی ہے،

جس نے کہ سنا اوس کو جی میں یہ لگا کئے یارب یہ فسانہ ہے یا سحر ہے بابل کا

تاریخ سہرور اس کی منظوم ہوئی جسم بے ساختہ جی بولانشر ہے، گول کا

۱۲۴۰ھ

۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۲ء

رجب علی سرور کے سوانح میں آپ کی نظر سے گزرا ہوگا، کہ غازی الدین حیدر کی شان میں اوس نے

ایک قصیدہ اس امید میں لکھا کہ شاید وطن کی واپسی کی اجازت مل جائے، پھر نصیر الدین حیدر کے زمانہ میں

وہ فسانہ عجائب کا مسودہ اور تصدیق دیکر لکھنو واپس آیا،

اس واقعہ سے آپ کی اس رائے کو تقویت پہنچتی ہے، کہ انشاء و سرور سے جو عرضداشت اپنے نقل کی ہو، وہ واجد علی شاہ کے بجائے نصیر الدین حیدر ہی کے نام ہو، غالباً جو تصدیق وہ لکھ لایا تھا، اس کو اور فسانہ عجائب کو اس نے اس کے سامنے پیش کیا ہو، اور کوئی پذیرائی نہ ہونے پر یہ عریضہ بطور یاد دہانی پیش کیا ہو، اور صبر ہوا سے اشارہ اسی پہلی درخواست کی طرف ہو،

نصیر الدین کے نام اس عرضداشت کے ہونے میں یہ تیس بھی کام آسکتا ہے، کہ تصنیف کے خاتمہ کے بعد ہی مصنف نے اس سے فائدہ اٹھانے اور اس کو اپنی زندگی خوشگوار بنانے کا ایک ذریعہ بنانے کی کوشش کی ہو، محمد علی شاہ اور امجد علی شاہ کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے، اور وہ کتاب کے عمدہ تصنیف سے دور پڑ جاتا ہو، ۲۔ تذکرہ خندہ گل ہمارے یہاں موجود نہیں، کہ آپ کے اس سوال کا مقصود سمجھ سکوں، اگر ماہِ محرم ۱۲۰۳ کے رسالہ اخبار دربار معلیٰ سے ہے، تو اس میں فرضی تشبیلی و قانع بیان کئے گئے ہیں، شیرانی کی کتاب ”عجائب میں اردو“ میں اس کا مفصل ذکر آیا ہے، نیز اردو شہ پارے میں بھی تذکرہ ہے، مراجعہ فرمائیں،

”س“

دولت عثمانیہ جلد اول

(مرتبہ مولوی محمد عزیز صاحب ایم اے رفیق دارالفین)

یہ مسلمانوں کی زندہ حکومت ترکی کے عروج و زوال اور جمہوریہ ترکی کی مفصل تاریخ ہے، پہلے حصہ میں عثمانیہ اول سے مصطفیٰ دابن تک پانچ صدیوں کے مفصل حالات ہیں، اردو میں اب تک ترکی حکومت کی اس سے زیادہ مبسوط اور مستند تاریخ نہیں لکھی گئی، حجم ۹۰۰ صفحہ، قیمت ۵ روپے

منہج

وفیات

وفاتِ عیسیٰ

حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ صاحب الدہلوی نے جو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اولین خلفائین تھے ۲۵ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۱ مارچ ۱۹۴۲ء کی سہ پہر کو جو پنورین جہان وہ بغرض علاج آئے تھے ۶۳ برس کی عمر میں داعیِ اہل کو لبیک کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ خیال تھا کہ مرشد کے بعد ان کی ذات مرجعِ انام ہوگی مگر اللہ تعالیٰ اپنی مصطفیٰ کو آپ جانتا ہے، اون کا وطن محی الدین پو ضلع الدہلوی تھا، نسباً ساداتِ کرام میں سے اور گھر کے خوشحال زمیندار تھے، غالباً ۱۳۱۵ھ کی پیدائش ہوگی، بچپن ہی سے وہ زاہد و متقی تھے، باپ کے حکم سے انگریزی شروء کی، اور بی اسے تک پڑھ کر چھوڑ دیا، اور ایک اسکول میں انگریزی کے ماسٹر، اور آخرین گورنمنٹ کالج الدہلوی میں عربی کے پروفیسر ہو گئے،

نوجوان ہی تھے کہ والدہ کا دوکانپنورین حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظِ سننے کا اتفاق ہوا جو بات سنی وہ دل میں گھر کر تی چلی گئی، اور روز بروز یہ نشہ تیز سے تیز تر ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ بیعت و ارادت سے شرف ہو کر مجاہدہ ریاضت میں مصروف ہو کر آخر تکیل طریق کے بعد خلافتِ اجازت سے سرفراز ہوئے،

اللہ تعالیٰ کی شان بندہ فوازی نظراتی ہو کہ ایک انڈیا گریجویٹ میں جس نے صرف انگریزی ہی کی تعلیم پائی تھی چند روز میں یہ انقلاب پیدا ہوا کہ اس نے اس عمر میں اگر سرکاری ملازمت کے ساتھ عربی تعلیم پوری کی، اور قرآن و حدیث کا علم حاصل کیا، اور ساتھ ہی قرآن پاک حفظ کیا، اور سیرت و صورت میں یہ رنگ پیدا کیا، کہ کوئی دیکھ کر یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ

وہ انگریزی کا ایک حرف بھی جانتا ہے،

سلوک و طریقت، مسلک و مشرب صورت و سیرت حتیٰ کہ نشست و برخاست اور خط و کتابت اور گفتگو میں

اپنے مرشد کامل سے اس درجہ مشابہت حاصل کر لی تھی کہ ان کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا تھا ع

تاکس نہ گوید بعد ازین من دیگرم تو دیگر می

وہ نہایت ہی زاہد، عابد، متبع سنت، اور مرشد کے اصولوں کے سختی سے پابند تھے، اطراف میں حلقہ ارشاد بھی قائم

تھا، اپنے مرشد کی متعدد دکتوں کے خلاصے اور شرح شائع کئے جن میں سے اہم **انفاسِ عیسیٰ** ہے جو سلوکِ اشرافی

کی معتبر ترین کتابوں میں ہے، مردوں کے لئے بہشتی زیور کا خلاصہ بہشتی ثمر کے نام سے کیا، جو کتابتیں رائج ہوئی، تفسیر

بیان القرآن کا خلاصہ ترجمہ قرآن کے حواشی کے طور پر کیا، حوالہ اباہیں زیر طبع تھا، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب

امدادیہ کے طرز پر انھوں نے کمالاتب اشرافیہ لکھی جو فنِ سلوک و معرفت کے متعلق ان کی استعداد و صلاحیت کی اُمینہ وار ہے

صاحب مقامات، مستجابِ اندعات، اور دارِ ادب صحیحہ سے سر فراز تھے، کالج سے نشن لینے کے بعد اپنے گاؤں میں

مقیم ہو گئے تھے، اور طالبین کو اپنے رشد و ہدایت سے سیراب کرتے تھے، اسی عالم میں دو برس ہوئے کہ ایک شب تجدد کیلئے

اٹھے، تو فوج کا حملہ ہوا، اس کے بعد احوال دوسرا حملہ ہوا جس کے بعد علاج کے لئے جو پورہ لائے، جہاں اراک

کو تیسرا حملہ زبان پر ہوا، اور زبان بند ہو گئی، وفات کے آخری لمحہ میں آخری بار زبان کھلی، اور تین دفعہ بلند آواز سے اللہ

اللہ کہا اور جانِ جانِ آفرین کے سپرد کر دی،

غیب بات یہ ہے کہ جو پورہ میں وہ بالکل مسافر نہ دارو تھے لیکن حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ کے متعدد

مجازین اور صحبت یافتہ بغیر کسی ظاہری داعیہ کے عین وقت پر پہنچ گئے، ادنیٰ میں سے ایک نے یسین پڑھی، ایک نے

غسل دیا، ایک نے نمازِ جا زہ پڑھائی اور سب نے پڑھی، اور دو نے قبر میں آمار، جو پورہ ہی میں محلہ رضوی خان کی ایک

اکبری مسجد کے عقب میں ۲ بجے رات کو تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ تعالیٰ،

اگر تیرا

ساحل و طوفان

از جناب روش صدیقی

بوئے گل و وفا کو پریشان نہ کر سکے معذرت تھے کہ چاک گریبان نہ کر سکے
 دشوار اس قدر تو نہ تھی منزلِ حیات یہ ادب بات ہے کہ ہم آسان نہ کر سکے
 وہ راز اوس نے میرے خون کو عطا کیا تمکینِ ناز بھی بے پنہان نہ کر سکے
 ہر انقلاب میں غم ہستی کی تھی نمود ہم اعتبارِ گردشِ دوران نہ کر سکے
 اس درجہ ہم کو غم کی نزاکت کا پاس تھا در مان تو کیا تصورِ در مان نہ کر سکے
 ایسی ہی ایک لہر کو کتے میں زندگی جو امتیازِ ساحل و طوفان نہ کر سکے
 شبِ ہم ہے لالہ چمنِ عشق کے لئے وہ آرزو جو تجھ کو پیشمان نہ کر سکے

منون یک خیال رہی زندگی و روش!

کیا خواب تھا کہ جس کو پریشان نہ کر سکے

حشر جذبات

از جناب مولوی سید ابو محمد صاحب ثاقب کاپڑی

بیتاب سی اک زندگی، عشق بسر کی اشد رسی اشارت تری در دیدہ نظر کی
 ہر جلوہ رنگین میں تجھے دیکھا، عین نے کھاتا ہوں قسم دلکشی شام و سحر کی

میں اپنی تمتِ دُن کا حاصل اُس سچون
 جس سجدے سے روشن تھا کبھی خانہ بہتی
 بوسے لیے اُس حُسنِ مکمل کے نظر سے
 سینے پہ مرے رکھ دیا کیا ہاتھ کسی نے
 میں اپنی ہی تنہائیں میں کر لیتا ہوں سجدے
 اُنھی نہ مری سمت کبھی بزمِ طرب میں
 اب کیا کمون وہ قصۂ فرسودہ بے کیف
 بے بہرہ ہے تو آگئی کیفیتِ اجل سے
 تھی عشق میں ثاقبِ غم کو نین کا حاصل
 وہ شرم اگر رکھ لے مرے دیدہ ترکی
 پھر مجھ کو تمنا ہے اُسی سجدہ و رکی
 کرنی نہ تھی جرأت مجھے نخل میں مگر کی
 اب دل کی خبر ہے نہ مجھے دردِ جگر کی
 تصویر ہے آنکھوں میں تری راہ گداز کی
 ہاں مجھ کو شکایت ہے ترے حُسنِ نظر کی
 جس طرح قفس میں ترے اکِ عربِ سر کی
 تقلید تو کر زندگی 'برق و شہر' کی
 وہ رات جو فرقت میں کبھی میں نے بسر کی

غزل

از جناب شید اکاشمیری

چین میں جب بھی نظر منظرِ بہار آیا
 نہ وہ زمانہ نہ وہ موسم بہار آیا
 جو ابتدا سے محبت میں ایک بار آیا
 "میرے بغیر تجھے کس طرح قرار آیا"
 وہ لطف جو مجھے ہنگامِ انتفاہ آیا
 وہ جس کو بھولے سے ہم پر نہ اعتبار آیا
 جو چلتے چلتے کیس نقشِ پاپے یا ر آیا
 چین میں سے مجھے مرثوہ بہار آیا
 تو اُس کے لب پہ ترانامِ بار بار آیا
 کہیں جو تیرے تصور میں کھو گیا شیدا

مطبوعات جدید

ادبیات فارسی میں { از جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب ایم اے ڈی لٹ لکچرار پنجاب یونیورسٹی
ہندوؤں کا حصہ } اور نیل کا بیج لاہور تقطیع بڑی ضخامت، ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت

بہتر قیمت جلد للہ ر غیر مجلد سے، پتہ انجمن ترقی اردو دہلی، دریا گنج دہلی،

مسلمانوں کی بے تعلقی اور علم دوستی کا یہ ناقابل تردید کارنامہ جو کہ اپنے دور حکومت میں انھوں نے ہمارے
قوم و مذہب، ہندوستان میں تعلیم کی عام اشاعت کی، اور اپنی کل محکوم قوموں کو ترقی کے یکساں مواقع عطا کئے،
یہ انہی کی علم دوستی کا نتیجہ تھا، کہ یہاں علم ایک خاص محدود طبقہ کی میراث سے نکل کر کل باشندوں کی مشترک ملک بنا
اور مختلف طبقوں میں ادیب کمال پیدا ہوئے، جو علم کی مسند سے لیکر ایوان حکومت تک مسلمانوں کے شریک و ہم سفر
اس مضمون پر سب سے اول حضرات الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی نے معارف میں 'ہندوؤں کی علمی و تعلیمی ترقی میں
مسلمانوں کی کوشش' کے عنوان سے ایک مفصل مضمون لکھا، جو آج تک اس موضوع پر لکھنے والوں کے لئے رہنمائی کا
کام دیتا ہے، مذکور بالا کتاب بھی اسی موضوع پر ایک مفید اور قابل قدر اضافہ ہے، لائق مولف نے ڈی لٹ
کی ڈگری کیلئے انگریزی میں یہ مقالہ لکھا تھا، اسی کا انھوں نے محض ترجمہ کر دیا ہے، مسلمانوں کے دور حکومت
میں حکومت کی زبان فارسی تھی، اور اہل علم و اصحاب قلم اسی زبان میں اپنے کمالات کا اظہار کرتے تھے، لائق
مولف نے فارسی زبان میں ہندوؤں کی علمی و ادبی خدمات کو دکھایا ہے، کتاب پانچ ابواب میں تقسیم ہے، پہلا
باب مغلوں سے قبل کے حالات میں ہے لیکن یہ محض فارسی سے ہندوؤں کے تعلق کے آغاز پر مشتمل ہے، ان کی اصلی
علمی تعلیمی تاریخ مغلوں کے عہد سے شروع ہوتی ہے، چنانچہ دوسرے باب میں عبدالکبری، تیسرے میں جہانگیر سے

فرخ سیرک چوتھے میں شاہ عالم اول سے تہا عالم مانی تک مغلوں کے دورِ انحطاط کے پانچویں میں ان کے آخری دور سے لیکر موجودہ زمانہ تک ہندوؤں کی فارسی تعلیم، ہندو ادب و شعر، ہندی مصنفین و مترجمین اور ان کی تصانیف و تراجم کا تذکرہ اور بعض اہم مصنفات پر تبصرہ ہے، ان کی خطاطی کے بھی چند نمونے دیئے ہیں، چھٹے باب میں گزشتہ پانچوں ابواب پر جامع تبصرہ ہے، کتاب کے آخر میں مولوی محمد شفیع صاحب سابق پرنسپل اور نیشنل کالج لاہور کے تین مضامین گورنمنٹ کی فارسی تعلیم، شہنوی سیم ہیراگی اور بدائع و فائز اندرام مخلص جو انڈین نیشنل کالج گیزٹ میں نکل چکے ہیں، بطور ضمیمہ کے شامل کر دیئے گئے ہیں، ناخوند کی فرست اور اشخاص و کتب کا اندکس بھی دیدیا جا رہا ہے ایک ایسا موضوع ہے جس کا کامل استیعاب بہت مشکل ہے، تاہم مصنف نے جہاں تک ممکن تھا محنت و تلاش سے کافی مواد جمع کر دیا ہے، اور ان کی کامیابی مبارکباد کے لائق ہے۔

مردوں کی میسجائی از مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی تقطیع اوسطاً ضخامت ۴، ۳ صفحے، کاغذ

کتبت، طباعت بہتر، قیمت مجلد درجہ اول للحد درجہ دوم ہے، ادارہ اشاعت اردو عابدہ و حدیاد، دکن

مذکورہ بالا کتاب سیرۃ نبوی اور اس کے متعلقات پر مولانا عبد الماجد صاحب کے سترہ مضامین کا مجموعہ ہے، مردوں کی میسجائی، تیمم کا راجح، تیمم کی حجت، دوراستے، ذکر رسول کی بلند سیرت نبوی اور علی اسے فرنگ، محبوبت خطاب، فقر محمدی، صابر رسول، خطبہ نکاح، مسئلہ طلاق، عتاب محبوب، میلادی روایات، ناک کا داغ، اعداد رسول کی جوا، اُسوۂ حسنہ، تقدیس رسول، ان میں سے بیشتر مضامین مستقل اور بعض کسی شبہ یا استفسار کا جواب ہیں، خطبہ نکاح اور مسئلہ طلاق کا تعلق گہراہ راست سیرت نبوی سے نہیں ہے لیکن ان دونوں امور پر اُسوۂ رسول اور سنت رسول کے نقطہ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے اس لئے بے تعلق بھی نہیں ہیں، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کثرت سے مضامین بلکہ مستقل کتابیں لکھی جا چکی ہیں، کہ اگر کسی دوسرے موضوع پر اس کا عشرت بھی لکھا جاتا، تو اس میں کوئی نیا پہلو پیش کرنا مشکل تھا، لیکن ع

اس لئے آج بھی اس موضوع کی تازگی کا وہی عالم ہے، اور عقیدت مندوں کو سیرت پاک میں ہدایت و رہنمائی کے نئے نئے گوشے ملتے جاتے ہیں، چنانچہ مذکورہ بالا کتاب میں مصنف کی شان امتیاز قائم ہے، اس میں عرب جاہلی کی ظلمت فضالت، عربوں کی بد اخلاقیوں اور بد کرداریوں، ان کے تہذیب و سرکشی کے واقعات، ظہور اسلام، اور تبلیغی سفر کے حالات اور اسلامی تعلیمات کے انقلاب انگیز اثرات اور اس کے نتائج اور خلق نبوی واسوہ نبوی کے مختلف سبق آموز پہلوؤں کو اس موثر اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے، کہ سیرت نبوی کی روح نبوت کی عظمت و جلالت اسلام کی حقانیت و صداقت حق و باطل کی کشمکش، اور حق کی فتح و پیروزی کی تصویر سامنے آجاتی ہے، یوں تو پورا مجموعہ پڑھنے کے لائق ہے، لیکن ذکر رسول کی سر بلندی، سیرت نبوی اور علمائے فرنگ، اور صحابہ رسول خاص طور سے مفید مضامین ہیں، یہ مضامین نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ درس اخلاق اور تشکیل سیرت کی حیثیت سے غیر مسلموں کے بھی پڑھنے کے لائق ہیں، مولانا کی انشاء کے متعلق کچھ کن تھیل حاصل ہے، ان کی انشاء پر داری سادے خطوط میں رنگ بھر دیتی ہے، اور یہ تو موضوع، یہ سادہ لایہ زہری کہ قلم میں خود کفیت تو اجدید پیدا ہو جاتا ہے، البتہ اس کتاب کا نام کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتا ہو،

نقش حق از جناب پروفیسر محمد اکبر صاحب منیر تقطیع بڑی، ضخیم، کاغذ کتابت و طباعت

بہتر قیمت، ار پی پی۔۔۔ در ستہ البساتین جالندھر،

اسلام کی بنیاد و تہذیب اور اس کے رسول کی محبت پر ہے، اور اس کی آخری منزل تقصوف تو سر اس عشق و محبت ہے، اور اکثر صوفیائے کرام نے اس محبت کو عشق سے تعبیر کیا ہے، لیکن بعض محققان بزرگ باری تعالیٰ کے ساتھ عشق کی اصطلاح کا انتساب اس کی عظمت و تقدس کے خلاف تصور کرتے ہیں، لائق موصوف نے اس کتاب میں اسی عشق و محبت کی تشریح کی ہے، اور کلام مجید اجماعیہ نبوی ائمہ اسلام اور اکابر صوفیہ کے اقوال و صاحب دِل شعرا کے کلام کی روشنی میں عشق و ایمان کی حقیقت، اس کے عناصر اور لوازم و شرائط، اسلام و ایمان اور نفاق کی تعریف و مومن اور منافقوں کے اوصاف و خصوصیات پر بحث کر کے دکھایا ہے کہ ایمان نام ہے یقین و اذعان اور محبت خدا

در رسول کا اسی کو صوفیائے کرام نے عشق سے تعبیر کیا ہے، اور عشق یا محبت کا یہ درجہ صرف احکام الہی کی پابندی اور سنت رسول کی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے، ہر بحث نہایت لطیف و دلنشین ہے، اور موضوع کی نزاکت کے باوجود قلم جادہ، متیقم و مینن ہٹنے پایا ہے، اس مقالہ میں اسلام کی اعلیٰ روح بیان کر دی گئی ہے جو اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

چند جو اہر ریزے از جناب خواجہ عبد الحمید صاحب ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور تقطیع

چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحہ کاغذ کتابت طبعات بہتر، پتہ اقبال اکیڈمی تاجپورہ نطفہ منزل لاہور،

خواجہ عبد الحمید صاحب سر اقبال مرحوم کے حلقہ نشینوں میں ہیں، ان کو اکثر ان کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوتا تھا، انھوں نے مختلف محبتوں میں علامہ مرحوم کی زبان سے جو ملی نکات و لطافت، ان کے سفر اور قیام یورپ کے متفرق حالات اور مختلف قسم کے جو مفید و دلچسپ واقعات سنے تھے، ان کو کئی سال ہوئے معارف میں چند جو اہر ریزے کے نام سے مضمون کی شکل میں شائع کیا تھا، اب اقبال اکیڈمی نے اس کو کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے، یہ مختصر جو اہر ریزے اقبال مرحوم کے عقیدت مندوں کے کو تبرک کی حیثیت رکھتے ہیں،

میلاد شمس، از شمس عباد الرحمن صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحہ، کاغذ کتابت طبعات بہتر

قیمت ہر پیو۔ مکتبہ جامعہ دہلی،

عام طور سے جو پرانے طرز کے میلاد نامے رائج ہیں ان میں عموماً غیر معتبر و عین زیادہ ہوتی ہیں، جس سے

ذکر رسول کا صحیح فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے زمانہ مجلسوں میں پڑھنے کے لئے مصنف نے یہ میلاد نامہ لکھا ہے، گو یہ میلاد نامہ بہت مختصر ہے، لیکن اس میں روایات کی صحت کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے، زبان صاف اور سلیس ہے، زمانہ مجلسوں میں پڑھنے کے لئے اچھی کتاب ہے

پودوں کی کہانی از جناب سعید الدین صاحب صدر شعبہ نباتات عثمانیہ یونیورسٹی تقطیع چھوٹی،

ضخامت ۴۴ صفحہ کاغذ کتابت طبعات بہتر قیمت ۱۰ روپے سب سے کتاب گھر ذریعہ منزل خیریت آباد لاہور،

اس لئے آج بھی اس موضوع کی تازگی کا وہی عالم ہے، اور عقیدت مندوں کو سیرت پاک میں ہدایت و رہنمائی کے نئے نئے گوتے ملتے جاتے ہیں، چنانچہ مذکورہ بالا کتاب میں مصنف کی شان امتیاز قائم ہے، اس میں عرب جاہلی کی فطرت و فطالت، عربوں کی بد اخلاقیوں اور بد کرداریوں، ان کے تمدن و سرکشی کے واقعات، ظہور اسلام، اور تبلیغی سفر کے حالات اور اسلامی تعلیمات کے انقلاب انگیز اثرات اور اس کے نتائج اور خلق نبوی واسوہ نبوی کے مختلف سبق آموز پہلوؤں کو اس موثر اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے، کہ سیرت نبوی کی روح نبوت کی عظمت و جلالت اسلام کی حقانیت و صداقت و باطل کی کشمکش، اور حق کی فحشدی و سرلمبندی کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے، یوں تو پورا مجموعہ پڑھنے کے لائق ہے لیکن ذکر رسول کی سرلمبندی، سیرت نبوی اور علمائے فرنگ، اور صابر رسول خاص طور سے مفید مضامین ہیں، یہ مضامین نہ صرف مسلمانوں کے بلکہ درس اخلاق، اور تشکیل سیرت کی حیثیت سے غیر مسلموں کے بھی پڑھنے کے لائق ہیں، مولانا کی انشاء کے متعلق کچھ کن تحصیل حاصل ہے، ان کی انشا پر داری سادے خطوط میں رنگ بھرتی ہے اور یہ تو موضوع ایسا دلاویز ہے کہ قلم میں خود کفیت تو اجدید راہو جاتا ہے، البتہ اس کتاب کا نام کچھ نوزوں نہیں معلوم ہوتا ہے،

نقش حق از جناب پروفیسر محمد اکبر صاحب میز تقطیع بڑی، صفحات ۴۴، صفحہ کاغذ کتابت و طباعت

بہتر قیمت ۱۰ روپیہ :- مدرسہ النبات جالندھر،

اسلام کی بنیاد تمام تر خدا اور اس کے رسول کی محبت پر ہے، اور اس کی آخری منزل تصوف تو سر اس عشق و محبت ہے، اور اکثر صوفیائے کرام نے اس محبت کو عشق سے تعبیر کیا ہے، لیکن بعض مقامات بزرگ باری تعالیٰ کے ساتھ عشق کی اصطلاح کا انتخاب اسکی عظمت و تقدس کے خافی تصور کرتے ہیں، لائق ملاحظہ ہے اس کتاب میں اسی عشق و محبت کی تشریح کی ہے، اور کلام مجید احادیث نبوی ائمہ اسلام اور اکابر صوفیہ کے اقوال و صاحب دِل شعرا کے کلام کی روشنی میں عشق و ایمان کی حقیقت، اس کے عناصر اور لوازم و شرائط، اسلام و ایمان اور نفاق کی تعریف و مومن اور منافقوں کے اوصاف و خصوصیات پر بحث کر کے دکھایا ہے کہ ایمان نام ہے یقین و ایمان اور محبت خدا

اور رسول کا اسی کو صوفیائے کرام نے عشق سے تعبیر کیا ہے، اور عشق یا محبت کا یہ درجہ صرف احکامِ الہی کی پابندی اور سنتِ رسول کی پیروی سے حاصل ہو سکتا ہے، ہر بحث نہایت لطیف و دلنشین ہے، اور موضوع کی نزاکت کے باوجود قلم جادہ متیقم سے نہیں ہٹنے پایا، جو اس مقالہ میں اسلام کی اعلیٰ روح بیان کر دی گئی ہے جو اصحابِ ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

چند خواہر دینے کے از جناب خواجہ عبد الحمید صاحب ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور تقطیع

چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ کتابت طباعت بہتر، پیر اقبال اکیڈمی تاجپورہ نفلہ نزل لاہور،

خواجہ عبد الحمید صاحب سر اقبال مرحوم کے حلقہ نشینوں میں ہیں، ان کو اکثر ان کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوتا تھا، انھوں نے مختلف محبتوں میں علامہ مرحوم کی زبان سے جو علمی نکات و لطائف، ان کے سفر اور قیام اور پیکے متفرق حالات اور مختلف قسم کے جو مفید و دلچسپ واقعات سنے تھے، ان کو کئی سال ہوئے معارف میں چند خواہر دینے کے نام سے مضمون کی شکل میں شائع کیا تھا، اب اقبال اکیڈمی نے اس کو کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے، یہ مختصر خواہر دینے کے اقبال مرحوم کے عقیدت مندوں کے کو تبرک کی حیثیت رکھتے ہیں،

میلا دشمی، از شمس عباد الرحمن صاحبہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر

قیمت ہر تپہ، مکتبہ جامعہ دہلی،

عام طور سے جو پرانے طرز کے میلاد نامے رائج ہیں ان میں عموماً غیر معتبر و یتیم زیادہ ہوتی ہیں، جس سے ذکرِ رسول کا صحیح فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اس لئے زمانہ مجلسوں میں پڑھنے کے لئے مصنف نے یہ میلاد نامہ لکھا ہے، گو یہ میلاد نامہ بہت مختصر ہے، لیکن اس میں روایات کی صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے، زبان صاف اور شستہ ہے، زمانہ مجلسوں میں پڑھنے کے لئے اچھی کتاب ہے،

پودوں کی کہانی از جناب سید الدین صاحب صدر شعبہ نباتات عثمانیہ یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی،

ضخامت ۴۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۰ روپے سب سے کتاب گھر ذلت نزل خیر آباد لاہور،

یہ مختصر رسالہ فنِ نباتات پر ہے، اس میں نباتات کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر علمی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہے، اور نباتات کی عام خصوصیات غذا اور توانائی حاصل کرنے کے طریقوں، انٹر وین کے قدرتی فکڑوں اور اس کے حصول اور نباتات کی افزائش نسل کے قدرتی نظام کو عام فہم اور سادہ طریقہ سے بیان کیا گیا ہے، اخلاص مشرق از جناب شیخ جو پوری تقی علی چھوٹی ضخامت ۲۴ صفحے کا نذر کتابت و طباعت مولوی،

تیت، پتہ: ۱۔ مصنف دفتر نظام ادب جو پورہ،

جناب شیخ جو پوری نواح مشرق کے مشہور شاعر ہیں، ان کے کلام کے بعض مجموعے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں، اخلاص مشرق ان کے قصائد حمد و نعت و منقبت اور دوسری بہی نظموں کا مجموعہ ہے، مصنف گوئے دور کے شاعر ہیں، لیکن فن سے باخبر اور شعروادب کے صحیح ذوق شناس ہیں، اس لئے ان کی شاعری قدیم و جدید کے امتزاج کا لطیف نمونہ ہے، زبان کی صحت و صفائی اور حلاوت و شیرینی ان کے کلام کا نمایاں وصف ہے، یہ تمام نظموں خیالات کی بندی و پاکیزگی اور لطفت زبان کے اعتبار سے پڑھنے کے لائق ہیں، کاغذ اور کتابت و طباعت اتنی خراب ہو کہ اس لطیف شرب کے جام سنالین سے نگاہ کو تکلیف پہنچتی ہے، تعجب ہو کہ مصنف کی شعرت نے اس کو کیونکر گوارا کیا، کلام حرمان از جناب حرمان خیر آبادی تقی علی چھوٹی ضخامت ۲۴ صفحے کا نذر کتابت و طباعت بہتر تیت

پتہ: ۲۔ دفتر مجلس اور دوسرہ، جی بلاک ماڈل ٹاؤن لاہور،

جیسا کہ نام سے ظاہر ہو گا، کتاب مصنف کے کلام کا مجموعہ ہے اس کا بیشتر حصہ غزلوں پر مشتمل ہے، چند نظمیں اور اعیان ہیں، شاعر کو اس سرزمین سے نسبت ہے جس نے ریاض اور قنطر کو پیدا کیا، اس نسبت کا اثر ان کے کلام میں ظاہر ہے، مصنف میں شاعری کی پوری صلاحیت ہے، اور جذبات و خیالات اور زبان و طرز ادا کے لحاظ سے کلام خاص ہے، لیکن ابھی نوشقی کی وجہ سے جا بجا نمایاں نظر آتی ہیں جن کا ہونا تعجب انگیز نہیں، جو امید ہے کہ مشق و دھار سے دور ہو جائیگی،

جلد ۵۳ ماہ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ماہی ۱۹۴۲ء عدد ۵

مضامین

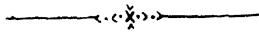
| | | |
|---------|---|---|
| ۳۲۲-۳۲۴ | شاہ معین الدین احمد ندوی | شذرات ، |
| ۳۳۹-۳۴۵ | سید سلیمان ندوی ، | خطبہ صدارت مجوزہ اردو کا نفرس بنگال ، |
| ۳۵۴-۳۶۰ | جناب مولانا طفر احمد صاحب عثمانی | سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمت حدیث ، |
| | استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی ، | |
| ۳۶۲-۳۵۵ | جناب مولانا سید مناظر حسن صاحب گیلانی | اسلامی مناسبات کے چند فقہی اور قانونی ابواب |
| | استاذ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن | |
| ۳۸۱-۳۶۳ | ڈاکٹر سید عبدالرشید صاحب ایم اے ڈی ٹ | آل انڈیا اسلامک ہسٹری کانفرنس کے اجلاس پیشہ |
| | پکرا اور نیشنل کالج لاہور یونیورسٹی ، | کی روداد ، |
| ۳۸۸-۳۸۲ | ”س“ | لفظ اللہ کے معنی اور اسم اعظم کا تخیل ، |
| ۳۹۲-۳۸۹ | ”ر“ | بوہرے ، |
| ۳۹۳ | جناب نگہت شاہجہاں پوری ، | پیام اقبال ، |
| ۳۹۴ | جناب روش صدیقی ، | سرشار و خراب ، |
| ” | جناب شفیق جون پوری ، | غزل ، |
| ۳۹۵-۳۹۰ | ”م“ | مطبوعات جدیدہ ، |

شش سال

مسلمان طلبہ کی امداد کے لئے ڈاکٹر حامد علی صاحب جید رابادی کے گرانقدر عطیہ کی خبر جس کی مقدار تیرہ لاکھ ہے، اخبارات میں شائع ہو چکی ہے، ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی ادوار العزمی اور ایسی عظیم الشان فیاضی کی یہ پہلی مثال ہے جس کی شکر گزاری ساری قوم پر فرض ہے، غیر معطلی کے حالات اور اس عطیہ کی تاریخ معلوم ہونے کے بعد اس کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، وہ کوئی مورد ثنی و تہنید اور بڑے سرمایہ دار نہیں بلکہ اپنے حق بازوسے ترقی کر کے انھوں نے یہ دولت پیدا کی، موصوف ڈاکٹر ہیں اور جید رابادیں معمولی تنخواہ سے پندرہ سو ماہانہ تک ترقی کی لیکن اتنے بڑے عطیہ کے لئے پندرہ سو ماہانہ کی کوئی بساط نہیں، موصوف کے دل میں شروع سے ہونہار اور حاجت مند مسلمان طلبہ کی امداد کے انتظام کی لگن تھی، اس مقصد کے لئے وہ طالب علمی کے زمانہ سے انتہائی سادگی اور کفایت شعار کی زندگی بسر کر کے روپیہ بچاتے، اور اس کو بڑھانے کے لئے مختلف کاروبار میں لگا رہے، انکی نیت کی برکت سے اسکی تعداد تیرہ لاکھ تک پہنچ گئی اور عمر بھر کی یہ ساری کمائی انھوں نے اک مشت قوم کے نوجوانوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دی،

کسی مورد ثنی امیر کبیر کا قومی کام کے لئے اپنے سمور خزانہ کا کوئی حیرتہ دیدنیا کوئی بڑی قیمت نہیں رکھتا، لیکن اپنی قوت بازوسے حاصل کیا ہوا ساری عمر کا سرمایہ جو تکلیف اٹھا کر جمع کیا گیا ہو اس طرح قوم کی نذر کردینا اثار و قربانی کا وہ نمونہ ہے جس کی نظیر مسلمانوں کی تاریخ میں منسل سے ملے گی

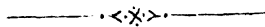
قومی فیاضی کا یہ نمونہ ہماری پوری قوم خصوصاً صاحب ثروت طبقہ کے لئے سبق آموز ہی، اللہ تعالیٰ اسکو اس کی تقلید کی توفیق اور بخیر محسن قوم کو اس کا رخصت کا صلہ عطا فرمائے،



ترقی پسند ادب کی عزایاں نویسی اور فحش نگاری کے متعلق معارف میں بھی لکھا جا چکا ہے اور ہندوستان کے بہت سے سنجیدہ اصحاب علم اور اہل قلم حضرات نے بھی اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں لیکن یہ باب اب بھڑکتی جاتی ہے، اس سہست اور مخرب اخلاق لٹریچر کی اشاعت میں پنجاب کے بعض ادبی رسالوں کا قدم سب سے آگے ہے اور انھوں نے ادب لطیف کے پردہ میں ادب کثیف کی اشاعت کو مستقل مقصد بنایا ہے جس کو کوئی سنجیدہ انسان پڑھ نہیں سکتا،

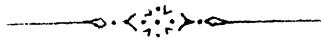


پنجاب خصوصاً لاہور ہندوستان میں اردو ادب کی اشاعت کا سب سے بڑا مرکز ہے لیکن انہوں نے وہاں کے برعکس نام نہند ترقی پسند ادیب، اپنی ناظمی سے اسے امتیاز کو داغدار بنا رہے ہیں، انصاف آبادی کے زردحام میں جہاں وبا کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے، حفظان صحت کے اہتمام کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے، اس لئے پنجاب کی ادبی پیداوار کی نگرانی کی بڑی ضرورت ہے اور یہ فرض سب سے زیادہ وہاں کے سنجیدہ اصحاب قلم پر عائد ہوتا ہے جن کی لاہور میں کمی نہیں وہاں زمین شرب ادب کے زمیندار بھی ہیں، آسمان صحافت کے تھر بھی ہیں، راہ ادب کے سالک بھی ہیں، کن فتون کی تطہیر کے لئے زمرم و کوثر بھی موجود ہیں، ان کی موجودگی میں یہ ادبی گمراہی حیرت انگیز ہے، ان کی نوک قلم میں تو بڑے بڑے ناسمادوں کو خارج کر دینے کی قوت ہے، یہ ادبی فساد تو ان کی ادنیٰ توجہ سے دور ہو سکتا ہے،



گذشتہ مینڈا سلامک ہٹری کا نفرنس کا دوسرا اجلاس اسلامیہ کالج پشاور میں منعقد ہوا، اس کے

قائم مقام سکریٹری جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے اس کی روداد ہمارے پاس اشاعت کے لئے بھیجی ہے، جو اسی پرچہ میں شائع کیا جا رہی ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر عربی، انگریزی اور اردو میں مقالات پڑھ گئے اور اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و فنون اور فارسی اور ترکی زبانوں کی اشاعت و ترقی ناڈ و کلکی ہوئی کی فرست سازی اور اسلامی آثار قدیمہ کے تحفظ کے متعلق بہت سی مفید تجویزیں منظور ہوئیں، ابھی کانفرنس کی عمر دو تین سال سے زیادہ نہیں ہے، اس نے پابندی کے ساتھ اس کے اجلاس ہوتے رہنا بھی غنیمت ہے، لیکن آئندہ ہم کو اس کے فاضل کارکنوں سے اس سے زیادہ محسوس کام کی توقع ہے، اگر کانفرنس کی جانب سے اس کا مجوزہ رٹا نکل جائے تو یہ ایک مستقل اور مفید کام ہوگا، اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و فنون کے سنجیدہ علمی رسائل کی تعداد انگریزی اور اردو ملا کر دو چار سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے ایسے رسائل کی بڑی ضرورت جو



حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کی صحت کچھ عرصہ سے برا پر خراب رہتی ہے، گذشتہ مہینہ مزاج زیادہ ناساز ہو گیا تھا، اب بفضلہ تعالیٰ افاقہ ہے، لیکن ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق کچھ دنوں تک مکمل آرام کی ضرورت ہے، اور زیادہ خط و کتابت کی بھی اجازت نہیں، گرمی کی شدت کی وجہ سے مئی، جون دو مہینے دارالمصنفین میں قیام بھی نہ رہے گا، اس لئے ناظر معارف اور دوسرے تعلق رکھنے والے اصحاب سے گزارش ہے کہ وہ موصوفت کی صحت کے خیال سے کچھ دنوں تک غیر ضروری خط و کتابت خصوصاً ایسے خطوط سے احتراز فرمائیں، جن کے جواب میں دماغی بار پڑنے کا احتمال ہو، باقی ضروری خطوط کا جواب ملتا رہے گا،



مقالہ

خطبہ صدارت مجوزہ اردو کانفرنس بنگال

”ادارہ خیریتہ یا شریعتیہ عین بنگال میں اردو کانفرنس بڑے پیمانہ پر منعقد ہونے والی تھی اوس کی صدارت کی خدمت حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے سپرد ہوئی تھی، مگر کسی وقتی مجبوری سے یہ مجوزہ کانفرنس منعقد نہ ہو سکی، اس کانفرنس کے لئے جو خطبہ صدارت لکھا گیا تھا اس میں اردو ہندی کے مسئلہ کے بعض پہلوؤں اور بعض ایسے نظریوں اور دلیلوں پر غور کیا گیا تھا جو آج کل بھی ہندی کے بعض ممتاز حامیوں کے قلم و زبان پر ہیں، اتفاق سے اس وقت کاغذات میں اس خطبہ کا مسودہ مل گیا جس کو ذیل میں شائع کیا جاتا ہے، کہ ان مسائل پر صحیح نقطہ نظر بھی سامنے آجائے، اسی طرح خطبہ کے آخر میں بنگال کے مسلمانوں سے جو کچھ خطاب کیا گیا تھا، وہ آج بھی اُن توجہ کا طالب ہے۔“

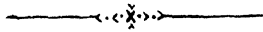
ہم زبانوں! ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی محض کی صدارت کی عزت و کرامت اپنی زبان کی خدمت کا ایک اہم موقع عنایت فرمایا آج کل نہ صرف دنیا ایک نازک دور سے گزر رہی ہے، بلکہ خود ہمارا ملک بھی ایک ایسے پرخطر دور سے گزر رہا ہے کہ اگر مسلمانوں نے تھوڑی سی غفلت برتی تو پھر اس نقصان کی تلافی صدیوں میں بھی نہیں ہو سکتی، ہم آپس میں سیاست میں کتنے ہی تھکتے ہوں، مگر اس بارہ میں ہم میں سے ایک کو بھی اختلاف نہیں کہ ہم کو اس ہندوستان میں مسلمان ہو کر رہنا اور مسلمان ہی ہو کر رہنا ہی، البتہ یہ خیال ہمارے ساتھ ہے کہ ہم ہندوستانی مسلمان ہیں، اس لئے ہم پُر

ششہ سال

مسلمان طلبہ کی امداد کے لئے ڈاکٹر حامد علی صاحب جید رابادی کے گرانقدر عطیہ کی خبر جس کی مقدار تیرہ لاکھ ہے، اخبارات میں شائع ہو چکی ہے، ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ میں ایسی ادوار العزمی اور ایسی عظیم الشان فیاضی کی یہ پہلی مثال ہے جس کی شکر گزاری ساری قوم پر فرض ہے، مخیر معطلی کے حالات اور اس عطیہ کی تاریخ معلوم ہونے کے بعد اس کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، وہ کوئی مورد فی دولت مند اور بڑے سرمایہ دار نہیں بلکہ اپنی قوت بازو سے ترقی کر کے انھوں نے یہ دولت پیدا کی، موصوف ڈاکٹر ہیں اور جید راباد میں معمولی تنخواہ سے پندرہ سو ماہانہ تک ترقی کی لیکن اتنے بڑے عطیہ کے لئے پندرہ سو ماہانہ کی کوئی بساط نہیں، موصوف کے دل میں شروع سے ہونہار اور حاجت مند مسلمان طلبہ کی امداد کے انتظام کی لگن تھی، اس مقصد کے لئے وہ طالب علی کے زمانہ سے انتہائی سادگی اور کفایت شعار کی زندگی بسر کر کے روپیہ بچاتے، اور اس کو بڑھانے کے لئے مختلف کاروبار میں لگا رہے، انکی نیت کی برکت سے اسکی تعداد تیرہ لاکھ تک پہنچ گئی اور عمر بھر کی یہ ساری کمائی انھوں نے اک مشت قوم کے نوجوانوں کی تعلیم کے لئے وقف کر دی،

کسی موردی امیر کبیر کا قومی کام کے لئے اپنے سمور خزانہ کا کوئی حقیر حصہ دیدینا کوئی بڑی قیمت نہیں رکھتا، لیکن اپنی قوت بازو سے حاصل کیا ہوا ساری عمر کا سرمایہ جو تکلیف اٹھا کر جمع کیا گیا ہو اس طرح قوم کی نذر کر دینا ایسا روبرو تباہی کا وہ نمونہ ہے جس کی نظیر مسلمانوں کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی،

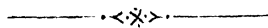
قومی فیاضی کا یہ نمونہ ہماری پوری قوم خصوصاً صاحب ثروت طبقہ کے لئے سبق آموز ہے، اللہ تعالیٰ اسکو اس کی تقلید کی توفیق اور فیض بخش قوم کو اس کا ریشہ کا صلہ عطا فرمائے،



ترقی پسند ادب کی عریاں نویسی اور فحش نگاری کے متعلق معارف میں بھی لکھا جا چکا ہے اور ہندوستان کے بہت سے سنجیدہ اصحاب علم اور اہل قلم حضرات نے بھی اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں لیکن یہ ویاہر ہستی جاتی ہے، اس پست اور مخرب اخلاق لٹریچر کی اشاعت میں پنجاب کے بعض ادبی رسالوں کا قدم سب سے آگے ہے، اور انہوں نے ادب لطیف کے پردہ میں ادب کثیف کی اشاعت کو مستقل مقصد بنالیا ہے جس کو کوئی سنجیدہ انسان پڑھ نہیں سکتا،

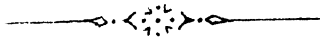


پنجاب خصوصاً لاہور ہندوستان میں اردو ادب کی اشاعت کا سب سے بڑا مرکز ہے، لیکن اس وہاں کے برعکس نام نہند ترقی پسند ادیب، اپنی ناغفی سے اسے اتیار کو داغدار بنا رہے ہیں، نا صاف آبادی کے زوحام میں جہاں وبا کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے، حفظان صحت کے اہتمام کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے، اس لئے پنجاب کی ادبی پیداوار کی نگرانی کی بڑی ضرورت ہے اور یہ فرض سب سے زیادہ وہاں کے سنجیدہ اصحاب قلم پر عائد ہوتا ہے، جن کی لاہور میں کمی نہیں وہاں زمین شعل و لب کے زمیندار بھی ہیں، آسمان صحافت کے قمر بھی ہیں، راہ ادب کے سالک بھی ہیں، کثافتوں کی تطہیر کے لئے زمرم و کوثر بھی موجود ہیں، ان کی موجودگی میں یہ ادبی گمراہی حیرت انگیز ہے، ان کی نوک قلم میں تو بڑے بڑے فاسد مادوں کو فاجح کر دینے کی قوت ہے، یہ ادبی فساد تو ان کی ادنیٰ توجہ سے دور ہو سکتا ہے،



گذشتہ مینا اسلامک ہنری کانفرنس کا دوسرا اجلاس اسلامیہ کالج پشاور میں منعقد ہوا، اس کے

قائم مقام سکریٹری جناب ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے اس کی روداد ہمارے پاس اشاعت کے لئے بھیجی ہے، جو اسی پرچہ میں شائع کیا رہی ہے، اس سے معلوم ہو گا کہ اسلامی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر عربی، انگریزی اور اردو میں مقالات پڑھے گئے اور اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و فنون اور فارسی اور ترکی زبانوں کی اشاعت و ترقی ناڈ و قلمی کتابوں کی فرست سازی اور اسلامی آثار قدیمہ کے تحفظ کے متعلق بہت سی مفید تجویزیں منظور ہوئیں، ابھی کانفرنس کی عمر دو تین سال سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے پابندی کے ساتھ اس کے اجلاس ہوتے رہنا بھی غنیمت ہے، لیکن آئندہ ہم کو اس کے فاضل کارکنوں سے اس سے زیادہ محسوس کام کی توقع ہے، اگر کانفرنس کی جانب سے اس کا مجوزہ رٹا نکل جائے تو یہ ایک مستقل اور مفید کام ہو گا، اسلامی تاریخ اور اسلامی علوم و فنون کے سنجیدہ علمی رسائل کی تعداد انگریزی اور اردو ملا کر دو چار سے زیادہ نہیں ہے، اس لئے ایسے رسائل کی بڑی ضرورت ہے۔



حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کی صحت کچھ عرصہ سے برا پر خراب رہتی ہے، گذشتہ مہینہ مزاج زیادہ ناساز ہو گیا تھا، اب بفضلہ تعالیٰ آفاقہ ہے، لیکن ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق کچھ دنوں تک مکمل آرام کی ضرورت ہے، اور زیادہ خط و کتابت کی بھی اجازت نہیں، گرمی کی شدت کی وجہ سے مئی جون دو مہینے دارالمصنفین میں قیام بھی نہ رہے گا، اس لئے ناظر معارف اور دوسرے تعلق رکھنے والے اصحاب سے گزارش ہے کہ وہ موصوفت کی صحت کے خیال سے کچھ دنوں تک غیر ضروری خط و کتابت خصوصاً ایسے خطوط سے احتراز فرمائیں جن کے جواب میں دماغی بار پڑنے کا احتمال ہو، باقی ضروری خطوط کا جواب ملتا رہے گا،

مقالہ

خطبہ صدارت مجوزہ اردو کانفرنس بنگال

”ادھر ۳۹^{۳۰} سنہ یا شروع سترہمین بنگال میں اردو کانفرنس بڑے پیمانہ پر منعقد ہونے والی تھی اوس کی صدارت کی خدمت حضرت الہا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے سپرد ہوئی تھی، مگر کسی وقتی مجبوری سے یہ مجوزہ کانفرنس منعقد نہ ہو سکی، اس کانفرنس کے لئے جو خطبہ صدارت لکھا گیا تھا اس میں اردو ہندی کے مسئلہ کے بعض پہلوؤں اور بعض ایسے نظریوں اور دلیلوں پر غور کیا گیا تھا جو آج کل بھی ہندی کے بعض ممتاز جاسیوں کے قلم و زبان پر ہیں، اتفاق سے اس وقت کاغذات میں اس خطبہ کا مسودہ مل گیا، جس کو ذیل میں شائع کیا جاتا ہے کہ ان مسائل پر صحیح نقطہ نظر بھی سامنے آجائے، اسی طرح خطبہ کے آخر میں بنگال کے مسلمانوں سے جو کچھ خطاب کیا گیا تھا، وہ آج بھی اُن توجہ کا طالب ہے۔“

ہم زبانو! ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی پختل کی صدارت کی عزت و کبر اپنی زبان کی خدمت کا ایک اہم موقع عنایت فرمایا آج کل نہ صرف دنیا ایک زک دور سے گزر رہی ہے، بلکہ خود ہمارا ملک بھی ایک ایسے پرخطر دور کو گزر رہا ہے کہ اگر مسلمانوں نے تھوڑی سی غفلت برتی تو پھر اس نقصان کی تلافی صدیوں میں بھی ہو سکتی، ہم آپس میں سیاست میں کتنے ہی مختلف ہوں، مگر اس بارہ میں ہم میں سے ایک کو بھی اختلاف نہیں کہ ہم کو اس ہندوستان میں مسلمان ہو کر جینا اور مسلمان ہی ہو کر مرنا ہے، البتہ یہ خیال ہمارے ساتھ ہے کہ ہم ہندوستان میں مسلمان ہیں، اس لئے ہم پُر

جس طرح بحیثیت مسلمان ہونے کے فرائض ہیں، بحیثیت ہندوستانی ہونے کے بھی ہم پر کچھ حقوق ہیں، اور جہاں تک ہو سکے ان فرائض اور حقوق کے دوسرے بوجھ کو اٹھا کر ہی آگے کو چلنا ہے، اور ایسی کوشش کرنا ہے کہ ان دونوں میں تصادم اور ایسی ٹکرن نہ ہو جو دونوں کو پاش پاش کر دے،

ہم نے اس شکل کو اسی دن سمجھ لیا تھا جس دن اس سرزمین پر پہلی مرتبہ پائون کھاتہ ہی اسی رواداری اور صلح جوئی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان اس ملک میں خواہ عرب سے آئے، ترکستان اور خراسان سے آئے، ایران سے آئے، افغانستان سے آئے، مگر یہاں آکر نہ وہ عرب رہے، نہ ترک رہے، نہ ایرانی رہے، اور نہ افغانی، خالص ہندوستانی ہو گئے۔ عربوں نے عربی، ترکوں نے ترکی، ایرانیوں نے فارسی اور افغانوں نے پشتو چھوڑ کر اسی دیس کی بولی، اپنی بولی بنائی، اور ایسی بنائی کہ وہ اس زبان میں شاعری اور انشا پردازی کرنے لگے، اور تذکرہ کی کتابیں میسر ہوئیں، ایسے شاعرین گئے جن کے حال میں لکھ ہو گا کہ ان کے باپ دادا، عرب، ایران اور ترکستان کو آؤ مگر وہ خود اسی ملک کی زبان بولنے اور اس میں داد سخن دینے لگے،

آج ہمارے دیس کی جو بولی ہے، اور جس کو آج سب ہندو مسلمان بول رہے ہیں، وہ اسی دیس کی پیداوار ہے۔ وہ عرب، ایران، ترکستان سے نہیں آئی، فرق اتنا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی زبانوں کے کچھ لفظ بھی اس میں ملا دیئے اور ایسا ہونا ضروری تھا، زبان بولنے والوں کی ضرورتوں کا امینہ ہوتی ہے، اس نے مختلف قوموں کے درمیان ان قوموں کی مختلف ضرورتوں کی بنا پر اختلاف ہونا ضروری ہے، ایسے اختلاف سے ایک زبان دو نہیں بن جاتی۔ مسلمانوں کا ایمان ایمان ہی ہے، اور ہندوؤں کا دھرم دھرم ہی رہے گا، ہمارا مذہب ہی مآقود روزہ کھائے گا، اور ان کا برت، ہم حج اور زیارت کرتے ہیں، اور وہ تیرتھ، ہمارا مردہ جنازہ جوتا ہے، اور ان کا ارتھی، ہم کر جنت جاتے ہیں، اور وہ سیکھتے، لیکن اس اختلاف کو اتنا بڑھا کہ ہم پانی پیئیں، اور وہ جل، ہم اور کیں، اور وہ تتھا، اور ایسے ہی اختلافوں کو اور بڑھا بڑھا کر ایک بولی کو دو بنانے کی کوشش کرنا ہمارے نزدیک مسلمانوں کا جرم عظیم اور ہندوؤں کا ناپااپ ہے،

یہ زبان جس کو ہم ہندوستان آج بول رہے ہیں، یہ آج نہیں ایک ہزار برس میں بنی ہے، اس کے بنانے میں ہندو مسلمان بزرگوں کی ایک ہزار برس کی عمر بیتی ہے، یہ ہندوستان میں ہندو مسلمان سمجھوتہ کی سب سے بڑی یادگار ہے جو لوگ اس زبان کو مٹانا چاہتے ہیں، وہ ہندو مسلمانوں کے تعلقات کو نئے سرے سے پھر اچھا بنا چاہتے ہیں، ایک ہی ملک بلکہ ایک ہی صوبہ، بلکہ ایک ہی شہر، بلکہ ایک ہی گاؤں میں ایسی برابری کو میں پیدا کرنا ہے جو ایک دوسرے کی نہ سمجھ سکیں، اور جب ایک دوسرے کی زبان نہ ملے گی، تو دل کیا ملے گا،

ہندو بھائیوں کے ایک طبقہ میں اس زبان کے خلاف جو جذبہ کام کر رہا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ بدیسی ہے، قومیت پروری کا اقتضایہ ہے کہ ہم اپنے دیس کی بولی بولیں، اور بدیسی بولی کو چھوڑ دیں، حالانکہ ہندوستان کی کوئی زبان چند بدیسی عربی اور فارسی لفظوں کے مل جانے سے عربی اور فارسی نہیں بن جائیگی، جیسے چند انگریزی لفظوں کے ملنے سے انگریزی نہیں بن جاتی، اگر ہم کو بدیسی سے ایسی ہی چڑھے تو پیسے میان سے مسلمانوں، عیسائیوں اور پارسیوں کو ٹھکانا چاہو، انگریزی علوم اور تمام یورپین ایجادات اور وہاں کی مصنوعات سے ملک کو خالی کر دینا چاہئے، بلکہ خود منسکرت کو میان سے خارج کیجئے، کہ وہ بھی منٹرل انیشیے آئی ہے، اور ہمنوں کو بھی کالنے کے وہ بھی باہر سے آئے ہیں،

صاحبو! رہیں دو ہیں، ایک یہ کہ ہم یہ سمجھیں کہ ہندوستان خالص ہندو دون کا ملک ہے، اس میں جو کچھ وہ خالص ہندو دانی ہو، زبان وہی ہو، لباس وہی ہو، تعمیر وہی ہو، مذاق وہی ہو، علم و فن وہی ہوں، اور جو کچھ ملک کی چٹار دیواری کے اندر رہے، وہ اسی کا حکوم ہو کر رہے، یہ راہِ حیدر خطرناک اور مشکوک سے بھری ہوئی ہے اور اس راہ کی کامیابی میں بہت کچھ شک کیا جاسکتا ہے، دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ ہندوستان ایک مکملہ ہے جس میں طرح طرح کے پھول کھلے ہیں، اے

ہر گلے را رنگ و بو سے دیگر است

لیکن رنگ و بو کے اس اختلاف کے باوجود وطنِ خواہی کے دھاگے نے ان سب کو لیک جگہ بانڈھ کر ایک

بنادیا ہے، یہ وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی قوم زندہ رہ سکتی ہے، اور کل کا جزیرہ کل کی طاقت کا باعث ہو سکتی ہے،

میرے نزدیک کسی ہندو طبقہ کا قومیت و وطنیت کے مفہوم کو اتنا تنگ سمجھنا کہ خود اس ملک کے مختلف رہنے والے بھی وہاں کے اعلیٰ رہنے والے ثابت ہو سکیں ان کی وہی توروٹی اور پرانی تنگ خیالی ہے جس نے تاریخ میں ان کو ہالیوڈ کی چار دیواریوں میں بند اور چھت اور چھت کی پرانی لڑائی ہزاروں برس سے کھڑی کر رکھی ہے، اور جس نے تاریخ کے ہر دور میں ان کے اندر نفاق پیدا کیا ہے، اور انہی کے اندر کے مظلوم فرقوں کو مجبور کیا ہے، کہ وہ باہر کا سہارا ڈھونڈیں، اور باہر والوں کو اپنی مدد کے لئے اپنے گھربلائیں، اور نتیجہ میں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی غلامی کی زنجیروں میں اسیر کر آئیں، یہ ایک تاریخی نکتہ ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، لیکن کو کسی موقع پر کبھی بھولنا نہیں چاہئے،

اس زبان کو جو اس وقت ملک کے بڑے حصہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، خالص اسلامی بولی سمجھا بہت بڑی غلطی ہے، یہ ہندو مسلمانوں دونوں کی تختوں اور کوششوں سے بنی اور پروردان چڑھی ہے، یہ حقیقت ہے، لیکن اس حقیقت پر پردہ ڈانے کی کوشش برابر جاری ہے، لیکن حقیقت کی سچائی چھپائے نہیں چھپ سکتی، ہم خود بھی اس غلطی میں تھے کہ شاید تیس چالیس برس کی لگاتار کوششیں اس حقیقت پر پردہ ڈال چکی ہیں، مگر پچھلے سال اردو دن منانے کی جو تحریک ہوئی، اور اس میں پنجاب سے لیکر بہار تک کے مسلمانوں کے ساتھ ہندو دوستوں نے بھی جو دھچپی لی، اور جو تقریریں کیں، اُن سے یہ پتہ چلا کہ یہ زبان ملک کی زبان ہی نہیں بلکہ دل میں بھی اتار چکی ہے، اور حقیقت کے سپانے والے ہندو دوست بھی اس کی سچائی کو دل سے مانتے ہیں، اور اسی کو اپنی مادری زبان مانتے ہیں، خصوصیت کے ساتھ سریتج بہادر کی وہ فاضلانہ تقریریں جو الہ آباد لکھنؤ، پٹنہ، حیدرآباد اور ابھی کشمیر میں ہوئیں، ان سے ہم کو پوری طرح یقین ہوتا ہے، ملک میں بہت سے ایسے مجاہد ہندو ہیں جو سچائی کے ساتھ اس حقیقت کو مانتے ہیں، اور ایماندار می کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ سنسکرت

ہندی کے خواہشمند دراصل ملک کے باشندوں کے درمیان تفریق اور عناد کا بیج بو رہے ہیں،

الہ آباد یونیورسٹی کے لائق دانشور چانسلیر پروفیسر جھانے بھی جیون پینے ہوئے گویا ریس ایک تقریر فرمائی ہے جس میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ سنسکرتی ہی ہندی ہندوستان کی مالگیر زبان بن سکتی ہے، یہ خیال واقعات و عملی سیاسیات سے قطع نظر کر کے ظاہر کیا گیا ہے، اور یہ سمجھ کر ظاہر کیا گیا ہے، کہ گویا ہندوستان میں آریہ برہمنوں کے سوا کوئی اور قوم نہیں بس رہی ہے، یہ خیال مدراس اور دکن میں ظاہر کیا جاتا، تو پروفیسر صاحب کو معلوم ہو جاتا، کہ یہ واقعات کی منطق سے کس قدر دور ہے، وہاں کی ڈراویڈی قومیں جو ناقابلِ حکومت اور کسٹری بولتی ہیں، وہ ہندی پرچار کی اس نئے مخالفت ہیں کہ وہ سمجھتی ہیں کہ ہمارے دشمن آریہ برہمن اس بہانہ سے ہماری زبانوں کو اور کلچر کو مٹانا چاہتے ہیں جب یہ خیال ایک ایسے طبقہ کا ہے جو مذہب کے رو سے گویا ہندو ہی ہے، تو ملک کے اس طبقہ کا یہ خیال کیوں نہ ہو جو اتحاد وطن کے علاوہ ہر حیثیت سے ان سے الگ ہے۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ زبان اسلامی زبان ہے تب بھی یہ کوئی کہہ نہیں سکتا، کہ اقلیت والی زبان کے چل جانے سے اکثریت والی قوم کے رواج و تمدن و تہذیب مٹ جائیگی، وہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر ہمیشہ قائم رہے گی، جیسا کہ اب تک قائم رہی ہے لیکن اقلیت کی اس زبان کے مٹ جانے سے جس کے مٹانے کی کوشش کی جا رہی ہے تو اقلیت کے خاتمہ میں کوئی شک ہی نہیں رہتا، کیونکہ اس کی عمارت تو اسی قسم کے ستونوں پر کھڑی رہ سکتی ہے،

پنجاب کے ایک ہندو پروفیسر نے یہ بات خوب کہی ہے کہ اردو اداری زبان کی حیثیت سے تو اسی ملک میں بولی جاتی ہے، جہاں ہندو آبادی کی اکثریت ہے، یعنی انبارہ سے لیکر بھاکپور تک اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، جیسے کشمیر، صوبہ سرحد، سندھ، پنجاب اور بنگال، وہاں کے ہر ایک صوبہ میں اسی صوبہ کی زبان ان کی مادری زبان ہے، اکثریت کے مسلمان کشمیری، سندھ کے سندھی، سرحد کے پشتو، پنجاب کے پنجابی، اور بنگال کے بنگالی بولتے ہیں اس لئے اس زبان کو سلامی کہنے کے بجائے ہم ہندو ہی کہہ سکتے ہیں لیکن باوجود اس کے مسلمانوں نے اس زبان

قومی اور ملی گیرائی کی خاطر اپنی قومی اور ملی زبان بنایا ہے، اور چونکہ صدیوں سے اس کو اپنی عمومی زبان بنا چکے ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اب اس کی جگہ کسی دوسری زبان کو دی جائے،

یہاں پر اس فلسفی کو بھی دور کر دینا چاہئے، جو اکثر لوگوں کی زبانوں سے نکل جاتی ہے، کہ ان صوبوں میں جہاں ان کی الگ الگ بولیاں ہیں، مسلمان اور ہندو ایک ہی بولی بولتے ہیں، مسیو بنگال میں بنگالی مسلمان اور بنگالی ہندو ایک ہی زبان رکھتے ہیں، ایسے ہی گجرات میں گجراتی، اور مرہٹہ میں مرہٹی، اور مدراس میں کنڑی، اور تلگو وغیرہ، مگر یہ سچ بھی ہے اور جھوٹ بھی، سچ تو یہ ہے کہ بے شبہ ان زبانوں کے فعل اور حرف تو وہاں کوہندو اور مسلمان ایک ہی بولتے ہیں، مگر اس میں ان دونوں قوموں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ان کے تمدنوں اور ضرورتوں یا پچھلی روایتوں میں، ایک مسلمان بنگالی پر ویسے نے مجھے بتایا کہ مسلمان بنگالی پانی بولے گا، اور ہندو بنگالی جل مسلمان بنگالی خالہ کو کھالالے گا، اور ہندو بنگالی موسیٰ وغیرہ اور گجراتی اور مرہٹی کا تو مجھے ذاتی تجربہ ہے کہ مسلمان گجراتی، پارسی گجراتی، اور ہندو گجراتی میں اتنا ہی فرق ہے، جتنا ان کی قوموں میں، یہی حال مرہٹی کا ہے، کہ مسلمان مرہٹی، ہندو مرہٹی، سے امتیاز نہ رکھتے ہیں، یہی بات مدراس کی ہندو مسلمان بولیوں کا ہے، اور ایسا ہونا قدرتی بات ہے، ہمارے نزدیک اردو اور ہندی میں بھی اتنا ہی فرق ہونا چاہئے اس سے زیادہ نہیں، لیکن اس سے آگے بڑھ کر یہ کہنا اور سمجھنا کہ سنسکرت ہی ہندی ہماری اصلی بولی ہونی چاہئے، دس کے اتحاد اور کیتا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا ہے،

ابھی پہلی اکتوبر ۱۹۳۷ء کے پابند میں آدہا دیو نیورٹی کے سنسکرت ریڈر پر ویسے سکینہ کا جو مضمون ہندوستانی زبان پر لکھا ہے، وہ ان کے طبقہ کے خیال کا پورا آئینہ ہے، صوبہ یوپی کے ایک وزیر تعلیم نے اس کی ایک تقریر میں بہت خوب کہا کہ نہ ہندو تمدن، نہ مسلمان تمدن، بلکہ ہندوستانی تمدن، میری عرض ہے کہ اس فلسفہ کو ادا کر کے بڑھاتا اور کہے کہ نہ ہندو بولی نہ مسلمان بولی، بلکہ ہندوستانی بولی، لیکن کیا وفا داری کے ساتھ ہم سب اس کے ساتھ ہیں، ہمارے وزیر تعلیم نے ابھی بنارس میں ہندی کے ایک جلسہ میں فرمایا ہے کہ اردو ہندی جھگڑے کا فیصلہ ملنے خود کر دیا، یعنی یہ کہ اب نوے فیصدی لڑکے ہندی لے رہے ہیں، جہاں تک کاغذ اور امتحان کے پرچوں کا

تعلق ہے، ہمارے وزیر صاحب کا سرکاری بیان بالکل صحیح ہے لیکن جہانگیر واقعت کا تعلق ہے یہ بیان ابھی صداقت سے بہت دور ہے، اگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہمارے ہم وطنوں میں جھوٹی قومیت پرستی کا یہی جذبہ ہے تو یہ بیان آگے چل کر واقعی صداقت نہ بن جائے گا،

صوبہ بہار میں جو ہندوستانی کمیٹی دو سال سے بنی ہے، اس میں اسی کی کوشش کی جا رہی ہے، کہ انگریز اور اردو کڑی ہندی سے انگریز کی ہندوستانی کو ادب اور تعلیم کی زبان بنا کر پھیلا دیا جائے، چنانچہ اسی اصول پر انگریز تارا چند اور مولوی عبدالحق صاحب ہندوستانی نعت اور ہندوستانی اصطلاحوں کا کام کر رہے ہیں، اور ہر لوگ ہندوستانی ریڈروں کی زبان درست کرنے کا کام اپنے ذمہ لے رہے ہیں لیکن ہم کو معلوم ہے کہ اس تحریک کے دبانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جا رہا ہے، اور اس کی کھلی مثال پروفیسر سکینہ کی وہ تحریر ہے جس کو انہوں نے بہار کی ہندوستانی کمیٹی سے استعفا دیتے ہوئے لکھا ہے،

یوپی کی کانگریسی حکومت کے صیغہ تعلیم کا غالباً یہ مشا تھا کہ اردو اور ہندی کو ابھی ایک ساتھ چلنے دیا جائے لیکن قومی کوششوں کے علاوہ سکریٹری امدادی ذریعوں سے بھی ایسی کوشش کی جائے، کہ سنسکرتی ہندی کا پلہ دن پر دن بھاری ہوتا چلا جائے، یہاں تک کہ اردو کس پرہی سے اپنی موت آپ مر جائے، اور سنسکرتی ہندی ہر جگہ چھا جائے، پھر اس وقت کا وزیر تعلیم بے جھجک یہ کہہ سکے گا کہ اردو ہندی کا فیصلہ خود بخود ہو گیا، کیونکہ اب سو فیصدی لڑکے ہندی پڑھ رہے ہیں،

پہلے تو ایکلے مینوسپی آرڈرنگ بورڈ کے لڑکوں میں لڑکوں کو ہندی پڑھانے پر زور دیا جاتا تھا، اور اردو کے استاد نہ ہونے یا نہ رکھنے کے سبب وہاں لڑکوں کو ہندی سیکھنے پر مجبور کیا جاتا تھا، یا وہ مجبور ہوتے تھے اب آج کل کی روشنی میں یہ اندھیر ہو رہا ہے کہ ہندی کی کوششوں میں وہ سے نیچے تک سکریٹری عمدہ دار اس کام میں لگے ہوئے ہیں، جگہ جگہ دورے کرتے ہیں، جن میں اپنی بی بی کی حیثیت سے جاتے ہیں، اور ہندی کی ترقی کے لئے پورا زور دیکھتے ہیں، حالانکہ ان کو یا تو دونوں کے ساتھ ایک طرح کا برتاؤ کرنا یا دونوں ہی مانتا

جو جانا چاہئے، میرے خیال میں یہ کانگریس کے ساتھ ہمدردی نہیں بلکہ کھلی دشمنی ہے، اور مسلمانوں کے ذہن میں یہ غلطی بٹھانی ہے کہ جب ہم آدھے اختیار پارکریہ کر رہے ہیں تو پورا اختیار پارکریہ نہ کریں گے، ملک کی پالیسی پر اس غلطی کا جو اثر اب پڑ رہا ہے، اور جو آگے پڑے گا، وہ چھپا نہیں، میں نے اس وقت صفائی سے جو کچھ کہا ہے امید ہے کہ ہمارے دوست اوس کو نیک نیتی سے سین گئے، اور کہنے والے کی بھی نیک نیتی سمجھیں گے،

زبان کے مسئلہ میں ہماری پالیسی کھلی ہوئی یہ ہونی چاہئے، کہ زبان وہ ہے جو بازاروں میں بولی، اوڈی، عدالتوں اور اسٹیشنوں میں سمجھی جاتی ہے، اور جو ہندو مسلمان دونوں کے بیچ میں سمجھے اور سمجھانے کے کام میں آتی ہو، نہیں جو شہد ساگروں اور قاموسوں میں لکھی ہوئی ہے، اس بولی کے لفظ بازار کے چلتے ہوئے سکتے ہیں نہ کہ کونوں اور گوشوں میں پڑے ہوئے ننگ کھائے ہوئے غرضی اور بکرماجیت کے زمانہ کے سکے، جن سے پرانی یادگاروں کے ماہر اور پرانی تاریخ کے شائق تو فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اگر ان سے بازار کے چلن کا کام نہیں لیا جاسکتا،

مسلمان اس مسئلہ میں بھی وہی کوتاہی کر رہے ہیں جو ان کے ہر قومی کام میں ہے، یعنی یہ زبان اور قلم کے شیر بنے ہوئے، صرف بول رہے ہیں، اور لکھ رہے ہیں، کچھ کر نہیں رہے ہیں، ان کو یقین کرنا چاہئے کہ زبان اور قلم کے یہ بند اس سیلاب کے دھارے کو نہیں روک سکتے، جو پورے زور سے بہ رہا ہے، ضرورت ہے کہ ہم ہاتھ پاؤں باندھ کر اپنی گاڑھی کی کی کے کچھ کھڑے مانگنے والوں کی جھولی میں ڈالیں،

ان پڑھوں کو پڑھانے کی جو تحریک دو برسوں سے چل رہی ہے، ہمارے نوجوان اس کے لئے ابھی تک کچھ نہیں کر سکے ہیں، کچھ برسوں کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ اردو اور ہندی پڑھے لکھوں میں تعداد کا کتنا بڑا فرق ہو گیا اور اس فرق کی وجہ سے اگر کوئی نتیجہ ہماری توقع کے خلاف نکلے، تو اس کی ذمہ داری ہمارے ہی سر ہوگی،

پورے ملک میں انجن ترقی اردو کے علاوہ اردو کی دیکھ بھال اور ترقی کے لئے کوئی دوسری انجن نہیں ہے، اس کی شاخیں بھی صرف بڑے بڑے صوبوں تک ہیں، شہر شہر اس کی شاخیں اور ان شاخوں میں کام کرنے والے

لوگ نہیں، جب تک ہم پوری سرگرمی اور جوش و خروش سے کسی کام کو نہیں کریں گے، اس کا ہونا معلوم،
 بڑی بڑی کتابوں اور تصنیفوں کو چھوڑ کر جن کے پڑھنے والے کم ہیں، ہم کو عوام کی خاطر چھوٹی چھوٹی عام
 کتابیں اور رسالے سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر پھیلانا چاہئے، بلکہ اگر ہو سکے تو ہندی خط میں ماٹ
 ستھری بولی کی کتابیں بھی لکھوائی اور چھاپائی جائیں، اور بتایا جائے کہ ہم اس ہندی کے خلاف نہیں، جو ہندو مسلمان
 دونوں کی زبان ہے،

ملک کی زبان کے مسئلہ کو طے کرنے کے لئے صحیح راستہ یہ ہو کہ ہندوستانی اردو یا اس کو آسان ہندی کہہ
 ہندو مسلمانوں کی مشترک زبان ہے، اور خالص ہندی کی حیثیت وہ ہے، جو مسلمانوں کی فارسی کی ہے، اور سنسکرت
 کا درجہ عربی کا ہے، اگر ہم اس تصفیہ پر ایک ہو جائیں تو ہماری سب شکلیں دور ہو جائیں، مگر افسوس ہو کہ ملک
 میں ایک طبقہ ایسا ہے جو نہ صرف ہندی، بلکہ سنسکرتی ہندی کو ہندوستان کی زبان بنانے پر تلا ہے، اور وہ
 ایک ایسی غلطی کر رہا ہے، جس سے قومی تنگدلی کے سوا کوئی دوسرا فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور جس کا لازمی نتیجہ
 یہ ہوگا، کہ ملک دو حصوں میں بٹ جائے،

ابھی تک گو کہ چالیس برس سے یہ طبقہ یہ سمجھانے کی پوری کوشش کر رہا ہے، کہ اردو مسلمانوں کی اور
 ہندی ہندوؤں کی زبان ہے، پھر بھی واقعہ یہ ہے کہ اردو ہندو مسلمانوں کی مشترکہ زبان باقی ہے، ہندوستان
 اور رسالے اس زبان میں نکل رہے ہیں، ہندو مصنف اس زبان میں کتابیں لکھ رہے ہیں، ابھی ستمبر کے اخیر
 میں یوپی سکالر کے صیغہ توسیع تعلیم میں دیہاتی لائبریریوں کے لئے کتابیں مانگی گئی تھیں، اس سلسلہ میں ۱۵
 اردو کتابیں اور ۱۰ اردو کے مسودے اس صیغہ کو موصول ہوئے، ان چھپی ہوئی کتابوں میں آدھی سے کچھ کم
 کتابیں ہندو مصنفوں کی تھیں، اور مسودوں میں ۱۱ میں سے ۳۶ مسودے ہندو مصنفوں نے بھیجے تھے، ہم
 اس واقعہ سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں، کہ سمجھاؤ ہندو طبقہ جس نے تنگ خیالی سے اپنے کو اونچا رکھا ہے، ابھی
 تک ہمارے بزرگوں کے اس فیصلہ کو کہ یہ زبان دونوں قوموں کی مشترکہ میراث ہے، مان رہا ہے، اور اس

پختگی کے ساتھ یقین رکھتا ہے،

بعض مسلمان مصنفوں نے جنھوں نے اردو زبان کی تاریخ لکھی ہے، یہ بڑی غلطی کی ہے کہ انھوں نے اس زبان کی تاریخ لکھتے وقت مسلمانوں کی کوششوں کا ذکر تو پورا کیا ہے، لیکن ہندو شعراء اور اہل زبان و اہل قلم کی کوششوں کو نظر انداز کر دیا ہے، ضرورت ہے کہ اب اس زبان کی ایک ایسی تاریخ لکھی جائے جس میں دونوں کی محنتوں اور کوششوں کی پوری تفصیل ہو، آج یہ واقعہ کس کو معلوم ہے کہ لکھنؤ میں اردو شاعری کا سب سے بڑا راس سرب سنگہ دیوانہ تھا جس کی تربیت کی گود میں لکھنؤ کے اچھے اچھے شاعر مرزا جعفر علی حسرت اور میر حیدر علی جیسے تھے، لالہ کاغی لال، تیا بند راجن داس، پنڈت، یانسنکر نیشم، تنقہ، پنڈت، تن ناتھ سرشار، چکبست، برقی، مہر دتتا، ذب راس، نظر، ساحر دہلوی، دیان زان، گم، پریم چند، کشن پرشاد گول، پنڈت برجوبہن، دتا تریہ وغیرہ کی کوششوں کا پایہ کم نہیں ہے، یہ چند نام یوں ہی زبان پر آگئے ہیں، اور نہ اگر ان کے ناموں اور کاموں کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر ہو جائے،

غرض یہ ہے کہ جس راستہ پر ہمارے بزرگ اب تک چلتے آئے ہیں، وہی راستہ ہمارے اتحاد اور آگے کے کام کی ضمانت ہے، اس کو چھوڑ کر جو دوسرا راستہ اختیار کیا جا رہا ہے، وہ ہم سب کو گمراہ کر دے گا،

یہ کہنا بھی درست نہیں کہ چونکہ ہم کو بنگال، ہمارا شہر اور مدراس کے لوگوں کو ملا کر چلنا ہے جن کی صوبہ زبانیں سنسکرت، ماخذ سے ملتی ہیں، اس لئے سنسکرتی ہندی ہی ان سب کو ایک کر سکتی ہے، یہ دلیل ایک آنکھ بند کر کے پیش کی جاتی ہے، اگر ہم دونوں آنکھیں کھول کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم نے یہ دلیل دیتے وقت واقعی ایک آنکھ بند کر لی تھی، اس لئے ہم نے آدھے ہندوستان کو دیکھا اور آدھے کو نہیں دیکھا، کیا ہندوستان میں کشمیر، سرحد، سندھ، بلوچستان اور پنجاب نہیں، ان کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے ان لوگوں کی زبانوں کے اصلی اخذ وں سے کیوں آنکھیں بند کی جائیں، اس کے علاوہ ڈراویڈی زبانوں سے کیوں غفلت برتی جائے، جن کو نہ اردو سے لگاؤ ہے، اور نہ ٹیٹھے ہندی سے، اس پر بھی اسلامی مدراس کے ہر حصہ میں اردو بولی اور اس

زیادہ بھی جاتی ہے، اور ملیکا ترک اس کا نشان پایا جاتا ہے،

الہ آبادیوں کی لائق پروفیسر جہانے اپنی ستمبر ۱۹۳۹ء کی گوالیار والی تقریر میں فرمایا:۔

”اردو ڈیڑھ سو برس سے اتر ہندوستان کے اون شہروں کی زبان ہے جو اسلامی تہذیب کے مرکز تھے

اور مسلمان درباروں کی اور ان کی جو اون درباروں سے لگاؤ رکھتے تھے، مشترک زبان تھی اور جس کی

شاعری کا وزن محاورہ اور مثلیں کوئی چیز ہندوستانی نہیں۔“

اردو کا لفظ گوہر ہے، اسی لئے میں اس نام کو صحیح نہیں سمجھتا، لیکن اس سے متصوّد و ذہان

جو مسلمانوں کے یہاں آنے سے پہلے سندھ یا پنجاب یا ہریانہ اور دہلی کے آس پاس بولی جاتی تھی، اور جس میں

مسلمانوں کے آنے سے کچھ ان کی ضرورت کے عربی فارسی یا ترکی لفظ ایسے گھل گئے کہ اب وہ اپنے اصلی معنوں

میں بہت کم رہ گئے ہیں کیا اس زبان کی تاریخ ڈیڑھ سو برس کی ہے، اور کیا وہ مسلمان درباروں میں بنی ہے

اور کیا اس کے خیالات محاوروں اور مثلوں میں کوئی چیز ہندوستانی نہیں، ہندوستانی ایکادھمی کے کسی

پچھلے نمبر میں شاہ معین الدین ندوی کا وہ مفصل مضمون چھپ چکا ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ اس زبان میں ہند

تہذیب کا کتنا بڑا حصہ ہے؟

اردو میں جو تاریخی اور فرضی نام اس کے ادب کا جز ہیں، ان میں اسلامی اور غیر اسلامی سب ہی

قسم کے نام ہیں، رستم، سہراب، حاتم، سکندر، دارا، افلاطون، ارسطو، مجشید، فرعون، نرو، ان میں کوئی بھی

مسلمان نہیں، یہ اسلام سے پہلے کے عربی یا اسلام سے پہلے کے ایرانی، مصری اور یونانی نام ہیں، یہ نام کھلی دنیا

میں وہی حیثیت رکھتے تھے، جو آج تو ہیں، تیسرا سلسلہ، جسارک، جارج، واشنگٹن، ہٹلر، مسولینی وغیرہ

کے ہیں، جن کا تعلق قوموں سے نہیں بلکہ دنیا سے ہے، انہی میں وہ نام بھی ہیں جن کو ہمارے ہندوستان نے پیدا

کیا ہے، جیسے بھیم، راجن، رام، ستیا، گوتم بدھ، بھگت وغیرہ یا حوالہ طلب تھے ہیں، جیسے ماہجارت، زائین،

بھرت، ملاپ، گویا، یا توادہ، جیسے ہونی، بنست وغیرہ یہ سب ہماری زبان کی مثلوں اور مثالوں میں

وقت پر آتے ہیں، اور زبان میں بڑا غرہ دیتے ہیں، جو قوم رستم اور سہرآب اور سکندر اور دارا کے ناموں اور کاموں سے خوش ہو، وہ بکربا جیت اور راتم چندر کے ناموں اور کاموں سے کیون خوش نہ ہوگی، جو مذہبی حیثیت ادا کرنے کی ہے، وہی ان کی ہے، پھر لکیت محبت اور دوسرے سے نفرت کی کوئی وجہ نہیں،

ہندوستان کی وہ مٹھی اور پیاری بولی جس کا نام اصل میں ہندی ہے وہ ہمارے بزرگوں میں پہلے بھی مقبول تھی، اور اب بھی ہے، بڑے بڑے صوفی بزرگوں کی محفلوں میں حضرت سید حسین گیسو دراز اور سعد انصاریؒ لکھنؤ کے زمانہ سے وہ گائی جاتی تھی، اور اب بھی ہماری خانقاہوں میں گائی جاتی ہے، اوس میں کبت اور گیت کہے جاتے اور سنے جاتے تھے، اور ایسے مسلمان جو پریم اور محبت کی اس پیاری بولی میں شاعری کرتے تھے، سیکڑوں سے زیادہ ہیں،

لیکن جو ہندی آج پھیلائی جا رہی ہے، فورٹ ولیم کالج سے پہلے وہ موجود نہ تھی، اوس کا پتلا انگریزوں کی سیاسی جادوگری سے بنا ہے، اور اسی سے اوس میں جان پڑی ہے، اور اسی جادو کا کھیل ہے، جو آج ہندی اردو جھجکے کی شکل میں دونوں قوموں کو اب تک لٹا رہا ہے، یہ حقیقت ہے، اور اس حقیقت کو کوئی جھٹلانا نہیں سکتا،

اگر کسی زبان کا کسی اسلامی زبان سے لگاؤ رکھنا کوئی پاپ ہے، جو معاف نہیں ہو سکتا، تو میں کہتا ہوں کہ آج صوبائی اکثر زبانوں کے درجہ کو پہنچیں، اداں میں سے اکثر اسلامی درباروں کی سرپرستی میں پھلی اور پھولی ہیں، جیسے بنگالی، گجراتی، مرہٹی وغیرہ، کیونکہ سنسکرت کے سوا ایسی چھوٹی چھوٹی زبانیں ملنا تو سے پہلے پڑھنے لکھنے میں کام نہیں آتی تھیں، تو پھر کیا یہ زبانیں اس لئے آج بھارت و دیش سے نکال دی جائیں گی کہ انھیں اسلامی درباروں سے لگاؤ رکھنے والوں نے پھیلائی ہیں، اور انہی درباروں کے سایہ میں پھولی پھولی ہیں، ان ساری زبانوں میں بڑی بہتات سے عربی فارسی کے ضروری لفظ بھی ملے ہیں، لیکن اس پر بھی وہ ناپاک نہیں ہوتیں،

یہ کہنا بھی سچ نہیں کہ ہندی دیہاتوں کی زبان بڑا اور ادو شہر کی دیہات اور شہر دونوں کی بولی ایک ہی ہے، فرق ان میں وہی ہے جو دیہات اور شہر کی زندگی میں ہے، جو ہندی اخباروں اور رسالوں میں لکھی جاتی ہے وہ دیہات تو دیہات شہروں میں بھی نہ بولی جاتی ہے، اور نہ سمجھی جاتی ہے، اور اس کا تجربہ ہر روز اور ہر وقت کیا جاسکتا ہے، اور اسی وقت اس دعویٰ کی سچائی کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

میں پھر ہندوستان دونوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ تنگ دلی اور جھوٹی قومیت کی غلط پاسداری کر کے اپنے ملک کو تباہ نہ کریں، اور اس کشتی میں وہ سوراخ نہ کریں جس سے وہ پھر کبھی نہ بن سکے گی، اور جس کا نتیجہ سب کے لئے ایک ہے، میں اپنے بیان کو سر تیج بہادر کے اُس مخلصانہ اور بہادرانہ بیان پر ختم کرتا ہوں جو اونھوں نے ۲۶ اگست ۱۹۳۵ء کو کشمیر میں ایک مشاعرہ کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا تھا:-

اروڑ بان مسلمان و فون کو پختاوا جدا کو ایک شہر کہ مقدس ترکہ کی حیثیت سے ملی ہو قطعاً ناقابلِ تقسیم ہو۔

آخر میں مجھے اس صوبہ کے اہل فکر کا خدمت میں کچھ عرض کرنا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ بنگال میں بنگالی کی اہمیت صوبہ کی مقامی بولی کی حیثیت سے زیادہ ہے، پھر بھی یہ بھولنا نہ چاہئے کہ اردو کی پرورش میں اردو ملک کو ایک شہر کہ زبان کے بچنے میں بنگال کا حصہ کم نہیں ہے، امر شاہ آباد اور ڈھاکہ اردو ادب کی آخری سرحدیں تھیں، اور جان اردو کے بڑے بڑے شاعروں نے جنم لیا ہے، اور شہرت کے بال و پر میدا کئے ہیں اور شعراے لکھنؤ کے مقابلہ میں میدان مارے ہیں، اور ان کے دیوانوں پر نسخ کا قلم پھیرا ہے، محمد صادق اختر، عبدالغفور ناسخ اور نواب سید محمد آد کے نام اردو ادب میں یادگار ہیں، اور آج بھی دشت کی شاعری سے لکھنؤ اور دہلی کی ادبی محفلیں مانوس ہیں، موجودہ اردو ادب کا مافوق انشا پر داجس کو قلم میں سحر حلال ہوا اسی طائیں کو شہرِ فورت ولیم کالج جس نے اردو کے اچھے ہوئے بالوں میں بھی لکھی کی، اسی سرزمین کے ایک گوشہ میں تھا، میرامن کا باغ میں پربہار ہوا، اور حاتم طائی کی محفل نے میں آدیش پائی، اور اخوان الصفا نے فنا کو حیدوانوں کا فلسفہ میں پڑھایا، پھر کتنی عجیب بات ہے، کہ جب انگریزوں کی قیسی راے بدلی تو اس زمین کے

اپنے اُس بچے سے جس کو اس نے گودوں میں پالا تھا، ایسی بیگانگی ہو گئی کہ اب بنگال اور اردو دو متضاد چیزیں ہیں۔

بنگال کو اس زبان سے اتنی بیگانگی کسی طرح میں جس جہی مدراس کو ہندی یا ہندوستانی سے ہے، مگر یہ

کس کو معلوم نہیں کہ مدراس کی سابق گورنمنٹ نے جب وہاں ہندی یا ہندوستانی کی اشاعت کی ضرورت سمجھی

تو ڈراویڈی قوموں کی ہر قسم کی مخالفت کے باوجود اس کی تعلیم کو ضروری قرار دیدیا، اور احاطہ مدراس میں اس کی

اشاعت پر ہزاروں روپے خرچ کئے، اگر اسی نظیر کو بنگال میں سامنے رکھا جاتا، تو ملک کی ایک بڑی ضرورت

پوری ہوتی، اور ہندوستانی صوبوں کی برادری میں بنگال کی اس کوشش کی بڑی تعریف کی جاتی،

کہا جاتا کہ بنگال میں مسلمانوں کا سب سے بڑا حصہ آباد ہے اگر یہ سچ ہو تو بنگال کے کدھوں پر بھی اسلامی ضرورتوں کا

بڑا بوجھ ہندوستان کی ساری اسلامی برادری نے اردو کو اپنی مشترک زبان مانا ہے اور اس کے پھیلانے اور بڑھانے میں صبر

گنوا کر رہیں، بڑا افسوس ہے کہ اگر ہندوستان کا سب سے بڑا اسلامی صوبہ اس زبان سے اپنی بے انتہائی کامیابی دے،

آج سارے ہندوستان میں جو اسلامی تحریکیں پھیلی ہیں، اور اسلامی ہندوستان نے جو بڑے بڑے

نامور مصنف اور اہل قلم پیدا کئے ہیں، بنگال کا بڑا حصہ اس لئے ان سے آشنا ہے کہ وہ اس زبان سے جس میں

وہ خیالات امانت ہیں، بیگانہ نہیں، اور اس طرح ہندوستان کا سب سے بڑا اسلامی صوبہ، اسلامی تحریکات اور

خیالات سے سراسر غیر متاثر ہے، اور اس سے جو نقصان اسلام کو اس ملک میں پہنچ رہا ہے وہ بیان کا محتاج نہیں

ہم کو معلوم ہے کہ بنگال کے اندرونی حقوق تک میں ہزاروں مسلمان اس زبان کو بولتے اور سمجھتے ہیں،

لیکن اردو تو عدلیہ کی بعض مشکوک اور مذکورہ ثابت کے جھگڑوں کے سبب اس کو ابھن جاتی ہے، لیکن اگر اہل

بنگال جرأت کرتے تو اپنی ضرورت کے مطابق وہ لامبور اور ملپٹہ کی طرح اپنی اردو آپ بنا لیتے اور دینی اور کھنڈ

دالوں کو اس کے ماننے پر مجبور کر دیتے،

وقت اب بھی نہیں گیا ہے، اور آج سے زیادہ اس کے لئے کوئی دوسرا مناسب وقت مشکل میں مل سکتا ہے

ع اسے نہ فرصت ہے خبر دہر چہ باشی مذہب باش

بنگلہ کی سرکار کو چاہئے کہ ہندوستانی اردو کو اس صوبہ کے اسکولوں کی تعلیم میں مناسب حصہ دے اور شہروں میں اس زبان کی لائبریریاں قائم کرے، اور سرکاری حیثیت سے ہٹ کر خود بنگالہ والوں کی ایک طاقتور جمعیت نچ کے طور پر یہ کام اپنے ہاتھ میں لے۔ اس کے غیر شہروں سے گاؤں تک پھیل جائیں، اردو پر چارک بٹھا بنائیں، اور لوگوں کو یہ زبان سکھائیں اگر اردو رسم خط کی شکل ہو تو شروع میں اس رسم خط کو بھی چھوڑیں اور بنگالی یا لاطینی خط میں اس زبان کے چھوٹے چھوٹے رسالے لکھیں اور پھیلائیں، بنگالی ہندوستانی اردو ڈکشنری لکھیں ادبی اخلاقی اور مذہبی قصے لکھ کر لوگوں کے ہاتھوں میں دیں، آپ دیکھیں گے کہ چند سال کے اندر بنگالہ ہندوستان کا جز ہو جائے گا، اور بنگالہ کی یہ قربانی ایک طاقتور ہندوستان کے بنانے میں بڑی مدد دے گی آج پنجابی بولنے والے پنجاب کا اردو ہندوستانی پریس سارے ہندوستان پر راج کر رہا ہے، پھر کیوں بنگالی بولنے والے بنگالہ میں ایسا ہندوستانی پریس نہ ہو جو ان مقبوضات کو اسی طرح اپنے قبضہ میں نہ لے آئے محبت شرط ہے، اور ایسا اردو قربانی کی تھوڑی ضرورت آج زبان کے مسئلہ کی کجی در اس کے ہاتھ میں نہیں بنگالہ کے ہاتھ میں ہے، کیا اہل بنگالہ اس شکل کے قتل کو کھولنے کو تیار ہیں،

کلیاتِ شبلی اردو

مولانا شبلی مرحوم کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں شندوی، صبحِ امید، تصادف جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کابینہ پور کی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں انہیں درحقیقت مسلمانوں کی چل سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، قیمت: -۲۰ صفحات، عمر صفی،

سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمت حدیث

از

جناب مولانا فخر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

یہ مقالہ جس کا موضوع امام اللہ شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے تلامذہ کی خدمت حدیث ہے

مولانا فخر احمد صاحب عثمانی نے ارنٹل کانفرنس بنارس کے شعبہ اسلامیات میں پڑھکر سنایا تھا

خدمت حدیث میں ممالک عالم اسلامی کیے بعد دیگرے باری باری خدمت حدیث کے فریضہ کو ادا کرتا رہے اگر
اسلامیہ کا حصہ ایک وقت میں کسی ایک ملک نے کوتاہی کی تو دوسرے ملک نے قدم آگے بڑھایا

خدمت حدیث کا حق ادا کرنے میں مشغول ہو گیا، اولاً سب سے زیادہ حصہ ممالک عراقیہ نے خلافت عباسیہ کے ایام
عروج میں لیا، ان ممالک نے جملہ علوم شرعیہ و عقلیہ و ادبیہ میں ترقی کی اور علوم حدیث و فقہ کی سب سے زیادہ
خدمت کی، علماء عراق کے آثار باقیہ جواب تک چمک رہے ہیں، اس پر شاہد عدل ہیں، خلافت عباسیہ کے زوال
کے بعد خدمت علوم شرعیہ بالخصوص علم حدیث کی خدمت کا سہرا مصر کے سر رہا، مصر میں اسلامی سلطنت کو دوروں
دور اس خدمت میں کامیاب رہے، سلاطین و خلفاء مصر نے جو عالیشان مدارس قائم کیں اور انھوں نے جس فراخ دلی

سے اس پر روپیہ خرچ کیا تو تاریخ میں ہمارے سامنے ہے، یہی نہیں بلکہ سلاطین و امراء مصر نے علماء کے دوش
بدوش خود بھی تحصیل علوم میں حصہ لیا، ملک فاطمہ ہر روق نے امام اکل الدین بارتی سے فقہ حاصل کی، اور صحیحین
کی روایت کے لئے زمرہ محدثین میں شامل ہوئے ابن ابی الجہد جیسے بڑے بڑے عالمی الاساتذہ محدثین کو دور دراز
سے مصر بلایا تاکہ محدثین مصر کو اپنی سند عالی کرنے کا موقع ملے سلطان المویذ صحیح بخاری کو سراج بلقیسی سے

خود بلا واسطہ روایت کرتا ہے، حافظ ابن حجر نے الملک المویہ سے حدیث منیٰ، اور اوس کو المعجم المفہرس میں اپنے شیوخ میں شمار کیا ہے، المویہ نے علامہ شمس الدین دیری کو جو المسائل الشریعہ فی دولت الامام ابی حنیفہ کے مصنف ہیں مصر لایا، اور اہل مصر کو ان سے استفادہ کا موقع دیا، ملک ظاہر حقیقی نے ابن الجزری سے صحیح بخاری سنی اور بڑے بڑے صاحب اسناد و محدثین کو مصر میں جمع کیا، تاکہ اہل مصر ان کی روایات کو سیناؤں سے صحاح و مسانید کو حاصل کریں، مصر کا قلعہ ان علماء و محدثین کی قیام گاہ تھا، اسی میں طلبہ ان حضرات سے حدیث پڑھتے تھے، شاہی قلعہ کو دارالحدیث بنا دینے سے شانِ علم کی جس تدریج و عظمت و وقعت عام لوگوں کے قلوب میں پیدا ہوئی ہوگی، اس کو خود ہی سمجھ لیا جائے، سلاطین و امراء مصر کی اس توجہ اور رغبت علمی کی وجہ سے ساتویں آٹھویں نویں صدی میں مصر بابر حدیث و فقہ و ادب کا مرکز بنا رہا، تاریخِ علماء و محدثین مصر کے کارناموں کو ہمارے سامنے پیش کر رہی ہے، مصر میں بکثرت علماء پیدا ہوئے، ادھون نے تمام علوم بالخصوص علم حدیث میں بڑا درجہ حاصل کیا، اور اس کثرت سے کتابیں لکھیں کہ نہ صرف مصر بلکہ تمام عالم اسلامی کو ان پر ناز ہے، مصر میں یہ علمی ترقی دسویں صدی کے اوائل تک رہی، پھر سلطنتِ برجیہ کے زوال کے ساتھ یہ علمی نشا و بہ تنزل ہونے لگا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ علمی تحقیقات کی بلند عمارت میں زلزلہ آگیا، دسویں صدی اور اس کے بعد کے علماء کا موازنہ گذشتہ تین صدیوں سے کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، کہ اس وقت مصر میں علمی نشا و کس قدر پھیکا پڑ گیا تھا،

خدمتِ حدیث میں | سندۃ اللہ کے موافق اب دوسرے ممالک نے قدم اگے بڑھایا، اور سرزمینِ ہند نے خدمتِ علم سرزمینِ ہند کا قدم | اور تحقیق حدیث میں نشا کا ثبوت دینا شروع کیا، اس سے پہلے ہندوستان نے خدمتِ فقہ میں کافی حصہ لیا ہے، فتاویٰ تاجانیہ اور باب المنا سک وغیرہ اس کی شاہد ہیں، خدمتِ علوم حدیث میں بھی ہندوستان برابر حصہ لیتا رہا، امام صفائی لاہوری (ف ۶۵ھ) کی مشارق الانوار ہمارے سامنے ہے، مگر

لے ہو حسن بن محمد الصفائی لاہوری فقیہ محدث اخذ من صاحب الہدایۃ بواسطۃ ولد کا
عمل لرغینانی توجع اسانید اکابر ائمۃ الطریق مثل الشیخ فزید الدین الاچودرنی والسطان نظام
الدین الدہلوی واکابر فقہاء الہند الیہ تو فی شمسہ ۱۲۰۵ھ

دورِ نشاۃِ اقرنِ عاشق سے شروع ہوتا ہے، جس میں علامہ محمد طاہر عینی (ت ۱۲۹۷ھ) کی مجمع البحار اور المنیٰ اور شیخ علی متقی (ت ۱۲۷۵ھ) کی کنز العمال آسمانِ علمِ حدیث پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکیں ہیں،

مجددِ اثنی عشری (ت ۱۲۸۴ھ) | گیارہویں صدی میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اشاعتِ حدیث و سنت اور تحقیق و حفظِ علومِ حدیث کا جذبہِ اسلامیانِ ہند میں پیدا فرمایا، جس پر آپ کے

مکاتیب شاہِ عدل ہیں، اسی کا یہ نتیجہ تھا جو ہم نے اپنے مشائخ سے سنا ہے کہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو بارہ ہزار احادیثِ حفظ تھیں، سلاطینِ ہند میں علمِ حدیث کا یہ شوق و شغف اس سے پہلے مبینہ دیکھا گیا، قاضی عالمگیریؒ سلطان عالمگیر کے شغفِ علمی کی ذرہ یا دگار اب بھی ہمارے سامنے ہے، جس کی نظیر مالکِ اسلامیہ نے بھی گیارہویں صدی سے اب تک پیش نہیں کی، ہم اس کو حضرت مجدد صاحب کے برکات میں شمار کرتے ہیں، مکاتیبِ مجددیہ کی غفلتِ شان کے لئے یہ دلیل کافی ہے کہ علامہ محمود الوسیؒ اپنی تفسیر روح المعانی میں اذن سے استفادہ کرتے اور جا بجا تفسیر آیات اور شرح احادیث میں اذن سے مدد لیتے ہیں، تفسیر روح المعانی کا درجہ اہلِ علم کی نظر سے مخفی نہیں ہے، ہمارے سامنے علماءِ عراق کا یہ آخری شاندار کارنامہ ہے جس پر جس قدر بھی ناز کریں بجا ہے،

شیخ عبدلکئی محدثِ دہلوی | دسویں صدی ہجری کے آخرین محدثِ ہند شاہ عبدالحقؒ حجاز سے علمِ حدیث حاصل کر کے دہلی تشریف لائے اور نشر و اشاعتِ حدیث پر توجہ فرمائی، مشکوٰۃ کا مقدمہ عربی میں لکھا، جو باوجود ختصار کے اصولِ حدیث میں بے نظیر ہے، مشکوٰۃ کی شرح عربی میں بنام لمعات اور شتۃ اللغات فارسی میں لکھی، جو آج تک محدثین کی آنکھیں روشن کر رہی ہے، سفر السعاده کی شرح لکھی،

ماہیت بالسنۃ فی احکام الشہور السنۃ تحریر فرمائی، جو اپنے باب میں سب سے پہلی اور آخری کتاب ہے، آپ کے صاحبزادے مولانا نورالحقؒ (ت ۱۳۸۴ھ) نے شرح بخاری اور شرح مسلم لکھی ہے، جو بہت مشہور ہیں، زبدۃ التواریخ بھی آپ ہی کی تصنیف ہے جس میں عمداً کبریٰ کے حالات بڑے منصفانہ انداز سے بیان کئے ہیں (آپ کو خدا

مولانا سلام اللہ خفی نے جو شیخ ہی کی اولاد میں ہیں، موطا امام مالک اور شمائل ترمذی کی شرح لکھی، مقدمہ (تعلیق المجد)

امام الشہداء ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ | بارہویں صدی کے شروع میں دارالعلوم والحکمت یعنی شہر دہلی میں حجۃ اللہ فی الارض امام (ف) (۱۱۷۷ھ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پیدا ہوئے، جن کی شانِ حدیث و تجدیدِ دین کا غلط ہندوستان اور ہندو عرب و عجم میں بلند ہوا جیسا کہ آپ کے شاگردوں کے سلسل اور آپ کی تصانیفِ حدیث سے ثابت ہے، آپ نے ترویجِ حدیث کے لئے وہ راہیں اختیار کیں، جن پر آپ سے پہلے ہندوستانی علماء کی توجہ نہ ہو سکی تھی،

علمِ حدیث کی سب سے قدیم کتاب موطا امام مالک کی آپ نے دو شرحیں عربی و فارسی میں مسدوی المصنف کے نام سے لکھیں، یہ شرحیں اگرچہ زیادہ مفصل نہیں، مگر نہایت وزن و ادوار پر مغز ہیں، جو یقیناً موطا امام مالک کو سمجھنے کے لئے ایک سلیم العقل و صحیح الاستعداد کے لئے کافی ہیں، شاہ ولی اللہ کی اولیات میں سے یہ ہے کہ آپ نے درسِ قرآن کریم کے بعد درسِ موطا کو بقیہ کتبِ احادیث پر مقدم فرمایا، کیونکہ وہ اول تو ان سب سے پہلی ہے، و الفضل للمتقدم، دوسرے یہ کتاب مکہ و مدینہ و عراق و شام و یمن و مصر و افریقیہ و اندلس وغیرہ جملہ بلادِ اسلام میں مقبول و مشہور و متفق علیہ ہے، ہر زمانہ میں علمائے کثرت اس پر کام کیا ہے، کسی نے موطا پر تخریج لکھی، کسی نے اوس کی احادیث کے متابعات و شواہد جمع کئے، کسی نے اس کے لغات کو حل کیا، مشکلات کو ضمیمہ کیا، کسی نے اوس کے رجال کی تاریخ لکھی، کسی نے اوس کی بلاغات و موقوفات و مراسیل و مقاطع کو متصل کیا، غرض موطا پر اس قدر کام ہو چکا ہے کہ اوس سے زیادہ تصویر نہیں، صحیح بخاری صحیح مسلم اگرچہ اوس سے زیادہ ضخیم اور بسوطا ہیں، لیکن روایاتِ حدیث کا طریقہ، رجال کی تمیز و تنقیح کا راستہ، استدلال و استنباط کا طرز و سبب موطا ہی سے سیکھا ہے، تیسرے موطا میں وہ احادیث مشککہ نہیں ہیں، جن کے سمجھنے میں کسی مبتدی یا نو مسلم کو دشواری پیش آئے، پس قرآن کے حصہ احکام کو سمجھنے کے لئے موطا امام مالک کافی ہے،

موطا امام مالک کی یہ بھی خصوصیت ہو کہ اس پر فقہاء و مجتہدین نے بھی کام کیا ہے، امام شافعیؒ نے موطا کو امام مالک سے حاصل کیا اپنی کتابوں میں اس کی احادیث کی تحقیق کی، امام محمدؒ نے بھی تین سال مدینہ منورہ رہ کر موطا کو امام مالک سے سنا پھر موطا کو محمد اور کتاب الحج میں اس پر تحقیق و تنقید کی، یہ بات موطا امام مالک کے سوا کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی،

پس شاہ ولی اللہ کی داسے یہ ہو کہ موطا امام مالک کتب حدیث کا تین ہے، بقیہ جملہ کتب ادوسی کی شرح ہیں، اور یہ ایسی بات ہے جس کا کوئی صاحب انصاف انکار نہیں کر سکتا،

شاہ ولی اللہ نے اپنی دوسری کتاب الانصاف فی بیان سبب الاختلاف میں ان اسباب کو اچھی طرح واضح کیا ہے جس کی وجہ سے فقہاء کے درمیان بعض مسائل اجتہاد میں اختلاف نظر رہا ہے، اس کتاب کو سمجھ لینے کے بعد کسی کو یہ کہنے کی جرات باقی نہیں رہتی کہ فلان مسدین فلان امام نے حدیث صحیح کی مخالفت کی ہے، اس کتاب سے تمام فقہاء کی غفلت قلوب میں پیدا ہوتی ہے اور باہمی نزاع کا شائبہ بھی باقی نہیں رہتا،

حجۃ اللہ الباقیہ وہ کتاب ہے جس کی وجہ سے شاہ ولی اللہ کا درجہ امامت و تجدید عرب و عجم نے تسلیم کیا، یہ کتاب اپنے طرز میں بالکل جدید اور بے نظیر ہے، اس سے پہلے ایسی کتاب کسی مصنف نے نہیں لکھی، اس کتاب کو صحیح کی شرح، نقد اسلامی کا خلاصہ، مقاصد و اسرار شریعت کا لب لباب، حکمت و سیاست اسلامیہ کی تصویر کشنا چاہئے، اس کتاب سے ہندوستانی مسلمانوں کی علمی تحقیقات کا سکہ تمام عالم اسلامی پر میٹھ گیا، اور بارہویں صدی میں خدمت حدیث کا سہارا ان کے سر رہا،

ازالۃ الخفاء عن خلافتہ و اختلافہ میں جس وسعت نظر اور تحقیق و تفتیش سے احادیث متعلقہ خلافت کو جمع کیا گیا، اور جس خوبی سے سلسلہ خلافت پر بحث کی گئی ہے، اس کی نظیر نہیں مل سکتی، علم حدیث میں آپ کی ایک چٹل حدیث اور مسلمات اور نوادر اھریث الدلائل، شرح تراجم بخاری بے نظیر کتابیں ہیں،

حدیث بنوی کی تحریری خدمت کے ساتھ شاہ ولی اللہ نے تسلی اور درسی خدمت بھی جس خوبی سونپا

دی ہے، اوس نے اسلامیان ہند میں درس حدیث کا نیا دروازہ کھولی دیا، طالبان حدیث جو حق شاہ صاحب کے درس میں شریک ہوئے، اور سند حدیث لے کر اطراف عالم میں حدیث بنوی کی اشاعت کرنے لگے، اور اوس کا سلسلہ بحمد اللہ اب تک جاری ہے،

تیسری تفسیر بلگرامی | شاہ ولی اللہ کے تلامذہ میں بڑی شخصیت کے عالم ہیں تاج العروس شرح القاموس آپ کے تفسیر دہلی کا ایسا کام نامہ ہے جس کی نظیر علمائے عراق و مصر نے بھی اپنا کیش نہیں کی، علم ہند

میں آپ کی وسعت نظر اور تحریر پر ابھارا ہر المنیفہ فی ادلۃ الامام ابی حنیفہ روشن دلیل ہے،

بہت ہی وقت قاضی شہار اللہ | شاہ ولی اللہ کے تلامذہ میں قاضی شہار اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کو اوس زمانہ کے علمائے پانی پتیؒ نے بہت ہی وقت کا خطاب دیا ہے، حفظ احادیث اور وسعت نظر میں آپ کا پایہ بہت

بلند ہے، جس پر آپ کی تفسیر منظرِ شاہِ عدل ہے، اس تفسیر میں اس کثرت کے ساتھ احادیث کو جمع کیا گیا ہے، کہ دیکھنے والے کو مصنف کی وسعت نظر پر حیرت ہوتی ہے، جدا احادیث پر محدثانہ اصول سے کلام بھی بڑی خوبی سے کیا گیا ہے، جو ان کی شانِ نقیہ کو واضح کرتا ہے، افسوس ہے کہ یہ کتاب ابھی تک پوری طبع نہیں ہوئی، چند اجزاء طبع ہوئے ہیں، اگر پوری طبع ہو جاتی، تو جس طرح تفسیر روح المعانی نے اس زمانہ میں اہل عراق کا سراغ اٹھا کر بلند کر دیا ہے، تفسیر منظر سے اسلامیان ہند کی خدمت حدیث و تفسیر کا جھنڈا بہت ہی بلند ہو جاتا، خدا کرے مسلمان ہند اس طرف توجہ کریں،

شاہ عبدالعزیز دہلوی | آپ اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ کے سچے جانشین فراموش نہیں زمین المفسرین تھے، چراغِ ہند دہلویؒ

آپ کا لقب تھا، ہندوستان میں علم حدیث کی ریاست آپ پر ختم تھی، طالبین طرائق و فن سے حدیث پڑھنے آپ کے پاس آتے تھے، اور فیضیاب ہو کر جاتے تھے، جملہ علوم عربیہ ادبیہ، شرعیہ و عقلیہ میں مہر تھے، استادانِ ائمہ میں آپ کی وسعت نظر پر شاہِ عدل ہے، ملفوظاتِ عزیزہ سے آپ کی شان تحقیق مدنیہ واضح ہے، اصول حدیث میں عمالہ نامہ بھی بہت مفید ہے، تفسیر فتح الغریز بے نظیر تفسیر ہوتی

اگر تمام طبع ہو جاتی، مگر افسوس کہ تمام رہ گئی، اس کو دیکھ کر تحقیقات کا ایک سمندر جوش مارتا ہوا نظر آتا ہے، آپ کے تلامذہ بے شمار ہیں، اور حدیث میں تمام اسانید ہند کا مرجع آپ ہی کی ذات ہے،

شاہ محمد اسحاق محدث | آپ شاہ عبدالعزیز صاحب کے نواسے اور علم حدیث میں اون کے سچے جانشین ہیں، شاہ عبدالعزیز دہلوی ۱۲۶۲ھ کے بعد آپ ہی علم حدیث میں مرجع خلافتی اور محدث اکبر تھے، مشکوٰۃ کا ترجمہ فارسی میں کیا، پھر ذاب قطب الدین خان صاحب نے جو آپ کے اجل تلامذہ سے ہیں، مظاہر حق کے نام سے اردو میں مشکوٰۃ کا ترجمہ کیا، جو اہل علم کی نظر میں بہت بلند پایہ لکھا ہے، معانی حدیث کی تحقیقات، استفاضات میں تطبیق بہت خوبی سے کی گئی ہے، شاہ محمد اسحاق صاحب کے تلامذہ نے حواشی صحاح ستہ میں جا بجا شاہ صاحب کی تقریریں شریح حدیث کے متعلق نقل کی ہیں، اون سے شاہ صاحب کی شان تحقیق اچھی طرح روشن ہو جاتی ہے، اسی طبقہ میں شاہ ابوسعید محمد دہلوی مولانا شاہ اسماعیل صاحب شہید دہلوی، حضرت مجدد ملت سید احمد صاحب بریلوی، شاہ عبدالغفار صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب کی خدمات بھی سلسلہ ولی اللہی کی خدمت حدیث کو درخشان ستاری میں اُن حضرات نے اپنے درس و عمل سے ترویج حدیث و اشاعت سنت میں اتنا شغف ظاہر کیا، جس سے شاہ ولی اللہ کا سلسلہ حدیث اطرافِ عالم میں پھیل گیا، شاہ عبدالغفار محدث دہلوی کو ایسے آدمی مل جاتے، تو ان کا سلسلہ بھی اچھی طرح پھیل جاتا، مگر یہ خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، حضرت سید صاحب بریلوی کو اہل علم کی طرح درس دینے والوں میں نہیں تھے، مگر ان کا عمل اور اتباع سنت سر اسرار درس حدیث تھا، ان کے عمل سے لوگوں میں درس حدیث کی روح زندہ ہوتی تھی جس پر تادمِ شاہ ہے،

شاہ اسحاق صاحب کے تلامذہ میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں، ایک وہ جو اپنے کو اہل حدیث کہتے، اُعلیٰ تعلیم کا انکار کرتے ہیں، اور خود کو حنفی نہیں کہتے، ان کا خیال یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی نہیں تھے مگر یہ ایسی بات ہے جس کو شاہ ولی اللہ کی فیوضِ مکررین پر نظر رکھنے والا کبھی تسلیم نہیں کر سکتا، اس سے کسی کو انکار نہیں کہ شاہ ولی اللہ ہندوستان میں علامہ ابن ابیہام کی نظیر تھے، یعنی مقلد محقق تھے، وہ بعض مسائل میں

عام خفیہ و اخلاص بھی کرتے ہیں، مگر اس کا نام ترک تقلید نہیں بلکہ تحقیق فی التقیہ ہے کہ وہ تحقیق کو ساتھ ساتھ کرتے ہیں، نواب صدیق حسن خان صاحب امیر جماعت اہل حدیث اپنی کتاب الحمد للہ میں فرماتے ہیں،

ان المشاکہ ولی اللہ المحدث الدہلوی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنا یہ طریقہ
قد بنی طریقہ علی عرض المجتہدات اختیار کیا ہے کہ مسائل اجتہادیہ کو قرآن
علی السنۃ والکتاب وتطبیق الفقہاء و حدیث پر پیش کرتے ہیں، اور مسائل فقہیہ
بعضاً فی کل باب، الی قولہ وهذا کو ہر باب میں قرآن و حدیث سے مطابقت
کلمہ مذہب خفی الخ دیتے ہیں، اور ان کا یہ تمام تر

طریقہ مذہب خفی ہی ہے،

مولانا محمد حسن بہاری تیسوی نے ایمان بخفی میں شاہ عبدالغنی شاہ محمد اسحاق شاہ عبدالغفر شاہ
دلی اللہ چاروں کو خفی المذہب بتایا ہے، شاہ ولی اللہ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم ان علماء میں ہیں جو نادی علیہ
کی تدوین پر مامور تھے، شاہ ولی اللہ کے اہل تلامذہ میں سے آپ کے جانشین شاہ عبدالغفر اور تاضی شاد اللہ پانی
سید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی جو تہجد حدیث وغیرہ میں اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں سب خفی تھے، شاہ عبدالغفر شاہ محمد اسحاق اور
ان کے جانشین شاہ عبدالغنی مجددی سب خفی ہیں، پس جس کے اصول و فروع سب خفی ہوں، اس کے متعلق یہ کیونکر
بادر کیا جاسکتا ہو کہ وہ خود خفی نہ تھا، درمیان کلام میں اس خاص نکتہ پر اشارہ کر کے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ شاہ
محمد اسحاق صاحب کے تلامذہ میں ان لوگوں نے بھی جو اپنے کو خفی نہیں کہتے، ہندوستان میں علم حدیث کی خدمت
بہت کچھ کی ہے، مولانا ذریعہ حسین صاحب مرحوم کا درس حدیث مشہور و معروف ہے، صد با علم آپ سے فیض
ہوئے، جن کا سلسلہ ہنوز جاری ہے، نواب صدیق حسن خان نے مشکوٰۃ پر فصل رابع کا اضافہ فرمایا، بلوغ المرام
کی متعدد شرحیں لکھیں، الروضۃ الذیہ کی شرح لکھی، عون البخاری کے نام سے ادب بخاری کی بھی شرح لکھی، کتاب
اصول علی الصحاح الاستاذ واجد العلوم کی بے نظیر تالیفات ہیں، اور مخون نے کتب ناوہ علم حدیث کی اشاعت بھی خوب

کی ہے، علامہ شمس المصطفیٰ عظیم آبادی نے سنن ابی داؤد کی شرح عون المعبود تصنیف کی، ان کے بڑے بھائی علامہ ابوالطیب نے مائتہ المفصود بہت ضخیم کئی جلدوں میں تصنیف کی، جو انفس ہے پوری طبع نہیں ہوئی، اعلام العصر بھی بہت تحقیق کر لکھی گئی ہے، قریب زمانہ میں مولانا عبدالرحمن مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی بڑی قابلیت سے لکھی ہے؟

بھی سب کی سب سلسلہ ولی اللہ کی خدمت حدیث میں داخل ہے،

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے اس کی زلفون کے سب اسیر ہوئے

ان حضرات کی خدمت حدیث پر اجمالی اشارہ کر کے، میں سلسلہ ولی اللہ کی دوسری شاخ کی خدمات حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں جو اپنے کو خفی کہتے ہیں، میری نظر میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جن کو علم حدیث کی روشنی سلسلہ ولی اللہ سے پہونچی، مگر وہ اپنے کو اس سلسلہ سے الگ ہی رکھنا پسند کرتے ہیں، اس لئے میں نے بھی ان کا تذکرہ پسند نہیں کیا، ومنہم صاحب صحیح البہادی و تسمیۃ بالصیحیح مصداق القتل السائر، و بکس نمنہ نامزدی کا فرقہ

فقد جمع فیہ کثیرا من المضاعف بل ومن الموضوعات،

شاہ عبدالغنی محدث دہلوی | ابو حنیفہ عطر بخاری و ہر حجۃ المحدثین شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی ۱۲۹۹ھ کے بعد ان کے جانشین ہوئے، اپنے والد شاہ ابوسعید سے حدیث و تفسیر پڑھ کر شاہ اسحاق

صاحب حدیث حاصل کی، پھر تاجردی ہو کر شیخ عابد سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری شریف پڑھی، اور سند حدیث حاصل کی، سنن ابن ماجہ کی شرح بنام النجیح اصحاح آپ کی بہترین تالیف ہے، جو ابن ماجہ کے حاشیہ پر طبع ہو چکی، مولانا شیخ احمد علی محدث آپ شاہ محمد اسحاق صاحب کے اجل تلامذہ سے ہیں، مگر کہہ میں شاہ صاحب سے کتب حدیث سہارنپوری ۱۲۹۹ھ

پڑھیں پھر ہندوستان واپس آکر درس حدیث کے لئے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی کیا دڈالی جواب تک قائم اور دروز افزون ترقی پر ہے، صد ہا علماء اوس سے فیضیاب ہو کر اطراف عالم میں اشاعت حدیث و قرآن کی خدمت بجالا رہے ہیں، جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب پہونچ چکی ہے، پھر ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کو شمار کیا جائے تو ہزاروں تک فوٹ پہونچے گی، مولانا احمد علی نے درس حدیث ہی پر کفایت نہیں کی

بلکہ مطبع احمدی قائم کر کے کتب حدیث کو باحسن و جہ طبع کر کے خدمت حدیث کا حق ادا فرمایا، حتیٰ بات کو چھپایا نہیں جاسکتا، مولانا احمد علی نے صحیح بخاری کو جس خوبی اور خوبصورتی اور صحت کاملہ کے ساتھ طبع فرمایا، انصاف یہ ہو کہ آج تک مالک اسلامیہ میں سے بھی کسی ملک نے اس کا جواب نہیں دیا، اور یہ بھی ہندوستان کو فخر ہے، کہ صحیح بخاری اور چند کتب حدیث معصر سے پہلے یہاں طبع ہوئی ہیں، اور غالباً یہ کہنا بھی بیجا نہ ہوگا، کہ جس طرح فتح الباری بخاری شریف کی مفصل شرح میں بنے نظیر ہے جس پر معاصر کو جس قدر بھی ناز ہو جاسا ہے، اسی طرح مولانا احمد علی کا حاشیہ بخاری شریف مختصر شرح میں بنے نظیر ہے، جس نے اسلامیان ہند کے سرانم کو بہت بلند کر دیا ہے، آج تک ان حضار کے ساتھ ایسا جامع وزن و اُردو پر مغز حاشیہ کسی نے بھی بخاری شریف پر نہیں لکھا، جس کے بعد حل بخاری کے لئے مطولات کی حاجت باقی نہیں رہتی،

مسند قرأت خلف الامام میں آپ کا رسالہ الدلیل القوی بھی مصنف کی دستِ نظر اور تحقیقِ علوم حدیث کا ایک

آپ نے فخرِ تجوید کی ہندوستان میں بڑی خدمت انجام دی ہے، اسی کیساتھ علمِ حدیث میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا، شاہ اسحق صاحب سے علم حدیث حاصل کیا، اور برکت

قادی عبدالرحمن صاحب
حدیث پانی پتی

بڑے علماء کو سند حدیث سے سرفراز فرمایا، جن میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نافو قوی اور مولانا حکیم الاسلام تھانوی

کا نام لینا کافی ہے، اور بھی بہت علماء آپ سے فیضیاب ہوئے،

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نے شاہ عبدالغنی صاحب مجددی دہلوی سے علم حدیث حاصل کیا، پھر قادی

بانی دارالعلوم دیوبند سے

عبدالرحمن صاحب پانی پتی سے سند حدیث حاصل کی، مولانا احمد علی صاحب محدث

سہارنپوری سے بھی حدیث پڑھی، بخاری شریف کی تصحیح میں زیادہ کام آپ ہی نے کیا، اور مولانا احمد علی صاحب

کے حاشیہ بخاری کے پانچ اجزاء کی تکمیل اس کے ارشاد سے آپ نے ہی کی، بخاری کے یہ آخری پانچ اجزاء مبتذل ہیں،

علم مولوی امام خان نوشہروی نے مولانا محمد قاسم صاحب کو شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ کاشاگر حدیث میں لکھا جو

یہ مجمع بینین، شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ کا انتقال اپنے سب بھائیوں سے پہلے ہوا ہے، ان کو مولانا محمد قاسم صاحب

کیونکہ پائے تھے، جنہوں نے شاہ اسحق صاحب کو بھی نہیں پایا،

کتاب الاعتصام بالسنۃ کے بعض تراجم ابواب کی مناسبت حدیث سے بالکل معلوم نہیں ہوتی، اسی طرح کتاب الرد علی الجہیہ اور کتاب التوحید بھی آسان نہیں ہیں، انہی اجزاء میں امام بخاری نے قابل بعض الناس لکھ کر حنفیہ پر اعتراضات بھی زیادہ کئے ہیں، یہ مولانا محمد قاسم صاحب ہی کا حصہ تھا، کہ ان دشوار گزار گھاٹیوں کو ایسا آسان کر دیا ہے کہ اب کسی راہ رو کے لئے کچھ دشواری باقی نہیں رہی،

مولانا نے اپنی کتاب ہدیت الشیعہ میں کتب حدیث کے طبقات اور اصول تفتیح کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے اس کو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ عجز اللہ ابانہ کے اصول تفتیح و قواعد تطبیق کو آپ نے بہتر کسی نے نہیں سمجھا، مولانا بڑے دعویٰ کے ساتھ فرمایا کرتے تھے، کہ اقوال ابی حنیفہ کو حدیث کے موافق ثابت کرنے کا میں ذمہ لیتا ہوں لیکن قریناً فقہاء کا میں ذمہ دار نہیں (سمتہ من سیدی حکم اللہ) جن لوگوں نے مولانا کی تقریریں حدیث میں سنی ہے، وہ اس کے شاہد ہیں کہ واقعی مولانا اقوال ابی حنیفہ کی تقریریں سمجھ کر تھے، جس کے بعد وہ بالکل حدیث کے موافق نظر آتے تھے، حدیث کو قول ابی حنیفہ کے مطابق نہیں کرتے تھے کہ اس کا خلاف ادب ہونا ظاہر ہے، بلکہ قول ابی حنیفہ کو حدیث کو مطابق کر دیا کرتے تھے،

چونکہ مولانا کے زمانہ میں بعض لوگ مذہب اسلام پر اعتراض و طعن کے لئے میدان میں اتر آئے تھے، اس لئے مولانا کو اپنا زیادہ وقت ان کی مدافعت میں صرف کرنا پڑا، اور دنیا گواہ ہے کہ مولانا کو اس میں جیسی کامیابی حاصل ہوئی، وہ آپ ہی کا حصہ تھی، جس کو تائید غیبی کن اصحاب ابانہ نہیں، مولانا کی کتاب حجۃ الاسلام مباحثہ شاہ جہانپور قبلہ نما، تقریر و پذیر و غیرہ اس پر شاہدِ عدل ہیں اس لئے گو آپ نے خدمتِ علم حدیث کے لئے تقریری کام زیادہ نہیں کیا، مگر آپ کا بڑا کارنامہ جو تمام سلسلہ ولی اللہی کے تحریری کارناموں سے زیادہ وزنی ہے یہ ہے کہ آپ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی، جس میں اس وقت سے اب تک ہر سال دورہ حدیث تمام ہوتا ہے، دارالعلوم دیوبند کا نور باہر چمکتا اور بڑھتا رہا، یہاں تک کہ اس کی شاخیں ہندوستان سے گزر کر سائرہ جاوہ اور مشرقِ اقصیٰ میں چین تک پہنچ گئیں، اور جنوبی افریقہ بلحاظ افغان و ایران و مصر و شام و عرب تک اور کسی

علمی تحقیقات کا جھنڈا بلند ہو گیا، آج دارالعلوم دیوبند کو بجا طور پر اذہر المند کا لقب دیدیا گیا ہے، جن علمائے اس درگاہ سے صرف دورہ حدیث کی تعلیم حاصل کی، ان کی تعداد دس ہزار سے اوپر ہے اور جو تمام علوم شرعیہ عقلیہ و نقلیہ میں اس درس گاہ سے کامیاب ہوئے، ان کا شمار پانچ ہزار تک ہے، اور ان میں سے جو صاحب درس مدرسین ہو کر مفتاح العلوم بن گئے، ان کی تعداد ایک ہزار سے کم نہیں، دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کی تعداد ہر سال ڈیڑھ لاکھ سے اوپر ہو جاتی ہے، اگر اسلامیان ہند اس درس گاہ پر دسی ہی توجہ کرتے، جیسی اہل مصر نے جامع ازہر پر کی تو یقیناً اس کا پایہ اس سے بھی بہت زیادہ بلند اور عظیم الشان ہوتا، اس درس گاہ کے فارغین نے جن مدارس کی بنیاد اطراف ہندوستان میں قائم کی ہے ان کا شمار ایک ہزار سے زیادہ ہی ہے،

اور یہ تمام تر خدمتِ قرآن و حدیث مولینا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے نامہ اعمال میں داخل ہوا لکھتے اور فوج درجہ احسن و تقبل حسناتہ و متعنا بفیوضہ و برکاتہ آمین، تاسیس دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد قاسم صاحب کے ساتھ حضرت مولینا رشید احمد صاحب گنگوہی، مولینا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کے انفاس قدسیہ کی اعانت بھی شامل حال تھی، اور اب تدریس میں یہی تین حضرات اس کے روحِ روان تھے، اگر موصوفینِ اہل دین مولینا محمد قاسم صاحب تھے،

مولانا شیخ محمد رحمت تھا نوسی | مولانا شیخ محمد اپنے زمانہ میں محدث کے لقب سے مشہور تھے، شاہ محمد اسماعیل صاحب کے اشد تلامذہ سے ہیں، جب آپ نے سلطان عالمگیر رح کے حافظ حدیث ہونے کا واقعہ بیان فرمایا، کہ ان کو بارگاہِ حدیثین حفظہ میں، تو آپ کے ایک شاگرد نے پوچھا حضرت آپ کو کتنی حدیثیں حفظ ہیں، فرمایا، اپنی محفوظات پر نظر ثانی کر کے کل جواب دوں گا، کیونکہ میں نے اب تک اپنی محفوظات کو شمار نہیں کیا، دوسرے دن فرمایا، کہ الحمد للہ مجھے چار ہزار حدیثیں حفظ ہیں، (سَمِعْتُ مِنْ سَيِّدِي حَكِيمٍ اَلَا مَتَّهَ فَوَ اللّٰهُ مَرَّ قَدًا) سَنَنْ نَسِي بِرَأْسِ كَالْمَشِيحِ طَبْعُ حَبَابِي مِنْ طَبْعِ بُوَيْكَاهُ، جس میں زیادہ تر حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب کی تحقیقات و تقریرات جمع کی گئی ہیں،

مولانا شیخ عبدالقیوم بھوپالی
بڑھانوی ۱۲۹۹ھ

آپ بھی شاہ اسحاق صاحب کے اجلہ تلامذہ سے ہیں، ادران کے داماد بھی ہیں، ساری عمر درسِ حدیث میں گزری، بڑے بڑے علمائے آپ سے سندِ حدیث حاصل کی ہمسلا

شاہ ولی اللہ کی سند علماء کو آپ سے ہی پہونچی، آپ بھوپال سے علیل ہو کر جب اپنے وطن تشریف لے گئے، توجہاتِ طلبہ بھی ساتھ تھی، جو آپ سے بخاری شریف پڑھ رہے تھے، راستہ میں مرض بڑھ گیا، اور کچھ دنوں بنارس میں آپ نے قیام فرمایا، اس حالت میں بھی درسِ حدیث جاری رہا، سرزمینِ بنارس کو یہ شرف حاصل ہے، کہ ایک تہی صفت محدث نے اوس میں کچھ دنوں درسِ حدیث دیا ہے، یہاں سے وطن کو روانہ ہوئے تو مرضِ موت کے آثار راستہ میں شروع ہو گئے، جس وقت آپ اپنے مکان کے دروازہ پر پہونچے ہیں، تو بخاری شریف کی آخری حدیث کلمستانِ نغیقان علی اللسان ثقیلین فی المیزان جیتان الی الرحمن سبحان اللہ ومجید سبحان اللہ العظیم آپ کی زبان پر تھی کہ نزعِ روح شروع ہو گیا، فوراً مکان کے اندر لیجایا گیا، اور روحِ تفسِ عصریؒ کو آزاد ہو گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون اس ایک واقعہ سے ہی آپ کا تشعبِ حدیث ظاہر ہے،

مولانا محمد مظہر صاحب ناٹو تو کا مدرسِ اول
دعوتِ مظاہر علوم سہارنپور سنہ ۱۳۳۵ھ

علمِ حدیث مولانا شیخ رشید الدین دہلوی اور مفتی صدر الدین بھوی در شاہِ اکتی صاحب سے حاصل کیا، جملہ علومِ شرعیہ نقلیہ و عقلیہ کے ماہر تھے، علمِ نقد میں برج خلق تھے، مدرسہ مظاہر علوم کے محدثِ اعلیٰ تھے، مولانا محمد قاسم صاحب ناٹو تو نے بھی آپ سے بعض کتبِ تائید پڑھی ہیں، انتقال کے وقت بوجہ حدیثِ نبویؐ من یحوت بحرق الحبیبی بار بار اپنی پیشانی پر ہاتھ پھرتے تھے جب پسینہ نودا ہوا تو خوشی سے چہرہ کھل گیا، اور اس خوشی کے عالم میں انتقال فرمایا، رحمہ اللہ رحمۃ وسعۃ نادرۃ الزمان مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی سنہ ۱۳۳۵ھ

آپ سلسلہ ولی اللہی کے مایہ ناز محدثِ فقیہ، اصولی، مفتوی، مؤرخ، محشی، اور بہترین مصنف تھے، تھوڑی عمر میں اتنا کام کیا ہے، کہ دیکھنے والے کو حیرت ہو جاتی ہے، تمام علوم و فنونِ عقلیہ و نقلیہ و آئینہ میں آپ کی تالیفات موجود ہیں، کتبِ درسیہ پر حواشی بھی

لے ہوئی امامِ غنا صاحب فہرست نوی نے آپ کی وفات بھوپال میں لکھی، جو صحیح نہیں، ۱۲۷۰ھ

بکثرت ہین تالیفات کے ساتھ شغل درس بھی جاری تھا، اور یہ سب خدمات ۳۶ سال کی عمر میں انجام دیکر دارالبقا میں پورچ گئے، آپ نے علم حدیث اپنے والد صاحب سے حاصل کیا، ان کو حدیث کی اجازت شاہ عبدالغنی دہلویؒ فرمائی اور مولانا حسین علی محدث علیؒ نے بادی تلمیذ شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے حاصل ہے پھر مولانا عبدالحی صاحب نے شاہ عبدالغنی صاحبؒ خود بھی بذریعہ خط کے اجازت حاصل کی، آپ کی تالیفات حدیث میں التعلیق المجمع علی الموطا المعربت لاجواب ہے، جس کے مقدمہ میں تاریخ علم حدیث پر سیر حاصل کلام فرمایا ہے علم رجال میں الفوائد البہتہ فی طبقات انفعیہ بے نظیر، امام الکلام فی القرآن خلف الامام ظفر الامامی، السی مشکوٰۃ تذکرۃ الراشد، تراجم علماء ہند، سواہ وغیرہ مصنف کی وسعت نظر اور شان تحقیق کی روشن دلیلیں ہیں، رحمہ اللہ رحمۃ من عند کآمین، سواہ اگر پوری ہو جاتی تو حدیث و فقہ کا بحرِ خاں ہوتا،

مولانا محمد حسن صاحب | آپ مولانا عبدالحی لکھنوی کے قابل تلامذہ میں تھے، علم حدیث سے خاص مناسبت تھی، اسراہیلی سنہ ۱۳۵۵ء | سند امام ابو حنیفہ کا حاشیہ تنبیق النظام، اور اس کا مقدمہ آپ کی حدیث دانی اور وسعت نظر کا نظر آئینہ ہے، تصدق اللہ بوجہ و رضوانہ شرح معانی الامار علی وی کی تصحیح و تہتہ میں بھی مولانا دوسرا احمد صاحب کو ساتھ اپنے کام کیا ہے،

مولانا قزاق محمد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ | آپ مولانا رشید احمد صاحب محدث لکھنوی اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، سنن ابی داؤد پر آپ کا حاشیہ التعلیق المحمود کے نام سے طبع ہو چکا ہے، یہ حاشیہ اسی شان کا ہے جیسا مولانا محمد علی سہارنپوری کا حاشیہ بخاری پر ہے، آج تک ابی داؤد کا ایسا نفیس جامع حاشیہ نہیں دیکھا گیا، یہ بھی سلسلہ ولی اللہ کی خدمت حدیث کا بہت بڑا کارنامہ ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ، مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتی | آپ نے علم حدیث شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی سے حاصل کیا، دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس اول اور محدث آپ ہی ہیں، صدا با علما نے آپ سے سند حدیث حاصل کی، جن میں سے مولانا حکیم الامتہ بقا نانوتی کا نام لینا کافی ہے، مولانا محمد یعقوب صاحب کی تحقیقات حدیثیہ کا اندازہ حضرت حکیم الامتہ

کی تصانیف سے بخوبی ہو سکتا ہے، آپ کو علمِ حدیث کے علاوہ علمِ تفسیر و ذوقِ عربیت بھی بدرجہ کمال حاصل تھا، مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری کو باوجود کمالِ ادب وانی و تبحر فی العربیت کے اعتراف تھا کہ تفسیرِ جلیبی جیسی مولانا محمد یعقوب صاحب پڑھاتے ہیں میں نہیں پڑھا سکتا،

قطب زمان مولانا شاہ فضل الرحمن محدث
گلچ مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۵ھ

آپ بھی شاہ محمد اسحاق صاحب کے اجل تلامذہ میں سے ہیں، آپ کی ساری عمر درسِ حدیث میں گزری ہے، بڑے بڑے علمائے آپ سے سندِ حدیث حاصل کی ہے جن میں سے مولانا محمد علی صاحب مونگیری اور حضرت حکیم الامتہ مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی کا نام لینا ہی کافی ہے، آپ سے بھی صد ہا علماءِ فیضیاب اور علو اسناد کے ساتھ کامیاب ہوئے، آپ کی امتدادِ حدیث میں مستقل رسالہ طبع ہو چکا ہے،

محدث بہار مولانا طہیر حسن
شوق نیوی در ۱۳۲۲ھ

آپ مولانا عبدالحی لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں سلسلہ ولی اللہ کے قابلِ فخر محدث ہیں، آثار السنن کی دو جلدیں مع حاشیہ التعلیق الحسن آپ کی حدیث وانی و تبحر علمی اور وسعتِ نظر اور شانِ تحقیق پر شاہد ہیں، افسوس یہ کتاب پوری نہ ہوئی، ورنہ اپنے باب میں بے نظیر ہوتی، رحمہ اللہ،
دفعہ کا بغیر امتداد،
(باقی)

تاریخِ دولتِ عثمانیہ

(حصہ اول)

اس میں عثمان اول سے مصطفیٰ رابع تک سلطنتِ عثمانیہ سے چھ سو برس کے کارناموں کی تفصیل ہوا اس سے زیادہ مستند اور محققانہ تاریخ اس عظیم الشان سلطنت کی اردو زبان میں اب تک نہیں لکھی گئی جو حجم ۱۰ صفحہ قیمت ستر

حصہ دوم

محمود ثانی سے لیکر جنگِ غلیم تک کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے حجم ۶۸۰ صفحہ قیمت ۱۰ روپے

اسلامی معاشیات

کے

چند فقہی اور قانونی ابواب

از

مولانا سید منظر احسن صاحب گیلانی استاد ذہنیات جامعہ عثمانیہ

(۲)

نہک کا مسئلہ گذشتہ بالا عبارتوں کو جان اور باتیں ثابت ہو رہی ہیں، دہین یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نہک کی کان بھی پبلک کا مشترک سرمایہ ہے، نہ وہ انفرادی ملکیت بن سکتی ہے، اور نہ حکومت اس پر کوئی محصول عائد کر سکتی ہے، اور اس بنا پر بعض علماء نے ہندوستان میں پچھلے دنوں یہ عام فتویٰ دے دیا تھا کہ اسلامی حیثیت سے نہک سازی پر محصول لگانا یا حکومت کو نہک بنانے سے لوگوں کو رد کن جائز نہیں ہے، اب مجھے سیاسی مصالح سے بحث نہیں، لیکن علماء کے متعلق یہ ضرور خیال آتا ہے کہ مسئلہ کو ہمیشہ اس کے تفصیلات کے ساتھ پبلک بین پیش کرنا ان کی دیانت کا اقتضا ہونا چاہئے، نہک کی ایسی کانیں جن میں مندرجہ بالا صفات پائے جاتے ہوں یعنی (۱) لوگوں کی رسانی بلا خرچ نہک ہو، (۲) عام لوگوں کی آمد و رفت اس کان تک لگی ہو، (۳) لوگ اس سے نفع اٹھا رہے ہوں، بلاشبہ نہک کی ایسی کانوں کے متعلق اسلامی نقطہ نظر وہی ہے لیکن اگر کجا اس کے صورت حال یہ ہو کہ

سمندر کے کنارے کوئی ایسی جگہ ہو کہ جب

بحان لقرب الساحل موضع اذا

حاصل فیہ الساء صار لھا، سمندر کا پانی اس میں اگر جمع ہو جائے، تو
نمک بن جاتا ہو،

تو اس کے متعلق فقہاء کا عام فتویٰ یہ ہے کہ

ملک بالاحیاء ولا ما راقطاعہ، تو اس کا آدمی مالک ہو جاتا ہے (حیاء آبادی)
کے ذریعہ سے بھی، اور امام (حکومت) اس کو افزا
کی جاگیر میں بھی دے سکتا ہے،

اس قسم کی زمینوں کی احیاء یا زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ

تھیشہ لصا یصلح لہ من حضر ترابہ جس کام کی اس میں صلاحیت ہو، اس کے نو
وتسہید لا رقتہ قتاة الیہ تصیب اس کو تیار کرنا، یعنی اس کی مٹی کھودنی،
الساء الیہ اس کو کشادہ کرنا، سمندر سے نالی نکال کر
اس کو گڑھے تک لانا، تاکہ سمندر کا پانی
اس میں آکر گرے،

نمک بنانے کے لئے سمندر کی ساحلی زمینوں کو بند و بست کرنے کا حکومت کو اختیار کیوں ہے، اور ان
میں انفرادی ملکیت کیوں پیدا ہو جاتی ہے، اس کی وجہ فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ

لانہ لا یضیق علی المسلمین باحدہا کیونکہ سمندر کے کنارے اس قسم کے کارخانے کے
بل یحدث نفعہ بفعلة فلو یمنع منه قائم کرنے سے مسلمانوں میں کوئی تنگی نہیں پیدا
کیفیتہ الموات، ہوتی، بلکہ اس زمین کا نفع آباد کرنے والے کے عمل

سے ظاہر ہوتا ہو پس اس کو اس فعل سے نہیں روکا جائیگا، جیسے موات کی دوسری زمینوں کے آباد
(المغنی ۱۵۰)

اور غالباً ہندوستان میں نمک سازی کا جو مسئلہ پیدا ہوا تھا، وہ یہی صورت تھی،

عام معاشیات کا حکم | اور صرف نمک ہی نہیں، بلکہ اس کے سوا بھی جن امور کا ذکر کیا گیا ہے، کہ اسلامی

نقطہ نظر سے ان میں انفرادی ملکیت پیدا نہیں ہو سکتی، اس حکم کو بھی ہر قسم کی قانون کے لئے عام حکم نہ سمجھنا چاہئے
بلکہ یہ حکم ان ہی معاشی چیزوں تک محدود ہے جو خود بخود باہر آگئی ہوں اور لوگ اس سے نفع اٹھاتے ہوں اور

ایسے معادن جن کو فنی اصطلاح میں معادن باطن کہتے ہیں، اور جن کی تعریف شرح کبیر میں یہ کی گئی ہے،

ہی اللہی لا یوصل ایھا الا بالھحل

یہ ان قانون کو کہتے ہیں جن کی پیدائش تک

والعونة، (ص ۵۷، جلد ۶)

رسائی بغیر عمل، مرشت و محنت کے نہیں ہو سکتی،

پھر اس کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے

لم تکن ظاہرہ تخفی ہا انسان

یعنی ابتداء قدرتی طور پر و معدن ظاہر نہ تھا

داخلہرہا،

پھر کسی نے کھود کر اس کو نکالا اور نمایاں کیا

اس قسم کے معادن کی مثال میں حسب ذیل چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے،

کمعادن الذهب والفضة و

جیسا کہ سونے، چاندی، سیسہ، بلور وغیرہ

الوصاص والبلور،

کی قانون کا حال ہے،

بہر حال ایسے معادن جن سے انتفاع بغیر عملی جدوجہد اور مصارف کے نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کسی

قسم کے ہوں، اگرچہ بعض فقہاء ان میں بھی انفرادی ملکیت کے قائل نہیں ہیں، ان کا مذہب ہو کہ حکومت کسی انفرادی
شخصیت کے ساتھ ان کو بھی بند و بست نہیں کر سکتی، لیکن صاحب غنی نے لکھا ہو کہ

والصحيح جواز ذلك،

درست یہی ہو کہ ان قانون کا بند و بست کرنا جائز ہے

یعنی انفرادی ملکیت بن سکتی ہے، اور حکومت کو اس کا اختیار ہے کہ کسی واحد شخص کے ساتھ اس کو

بند و بست کر دے جو ان کے ثبوت میں ابوداؤد کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے،

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخفرت صلى الله عليه وسلم لى بلال بن حارث

اقطع بلال بن حارث معادن كوتليہ کے معادن خواہ پست علاقوں میں جو

القبليۃ حليسيها وغوريها، يابند قطعات میں، بطور جاگیر کے عطا فرمایا،

اس سے ثابت ہوا کہ صرف جامد معادن ہی نہیں بلکہ سیال معادن مثلاً پارہ پیرول تمار کوں وغیرہ ایسے معادن جن کے کھودنے اور کمانے میں مصارف اور محنت پڑتی ہے وہ انفرادی ملکیت بن سکتے ہیں، اور حکومت ان کو بند و بست کر سکتی ہے لیکن حکومت کو ان معدنی پیداواروں پر کسی قسم کے محصول عائد کرنے کا بھی حق ہے، یا بذریعہ کسی ڈیوٹی کے ملک کے باشندے ان سے مستفید ہو سکتے ہیں اس سوال کا تفصیلی جواب تو اندیشہ حکومت کی آمدنی کے ذیل میں دیا جائے گا، لیکن اسلامی معاشیات کی وسعت نفری کا سرسری اندازہ کرنے کے لئے غالباً اس مسئلہ کا ذکر بیان ہوگا، جو فقہ کی عام کتابوں میں پایا جاتا ہے، ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں :-

اعلم ان ما يستخرج من المعدن كالن من سے جو چیز نکلتی ہے، وہ تین قسم کی ثلاثۃ انواع جامدہ و سب ہوتی ہے، ایسی جامد چیزیں جو کھپ سکتی ہوں اور ينقطع كالنفدین والحدید جامد چھاپ قبول کر سکتی ہوں مثلاً سونے چاندی تو لاينقطع كالخمس والنورۃ والحل وغیرہ کا جو حال ہے، دوسری قسم وہ ہے جو جامد والزرنيخ وسائر الاجار كالياقوت اور غیر سیال تو ہو لیکن چھاپ قبول نہ کر سکتی ہو مثلاً گچ، چونے، سمر، ہڑتال، بلکہ ان تمام والصلح وماليس بجامد كالعاء چیزوں کا حال ہے جن کا شمار پتھروں کے ذیل والغير والنقط، میں کیا جاتا ہے، مثلاً یاقوت، نمک، تیسری قسم وہ ہے جو جامد نہ ہو، بلکہ سیال ہو مثلاً پانی تار کوں مٹی کا تیل،

(فتح القدیر ج ۱)

ان تین قسموں کو بیان کرنے کے بعد آئندہ جو چیز انھوں نے لکھی ہے، دنیا کی حکومتوں کی شاید اس سے انکھین کھل جائیں، اور موجودہ حکومتوں کی رعایا میں کسی حکومت کے اس نقطہ نظر کو منکر معلوم نہیں کس قسم کے جذباتِ مسلط ہونے لگیں، ابنِ ہمام نہایت سادگی کے ساتھ لکھتے ہیں، کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک

لَا حِجَّةَ لِّلنَّاسِ اِلَّا فِي الْاَوَّلِ،

خمس پیداوار کا پانچواں حصہ، صرف پہلی قسم

سے حکومت وصول کر سکتی ہے،

جس کا مطلب یہی ہوا کہ قسم اول کے سوا اور تمام معدنی پیداوار ہر قسم کے محصول سے آزاد ہیں، اور یہ تو امام ابو حنیفہؒ کا خیال ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس سے بھی آگے قدم بڑھایا ہے، کہ

وَعَدَ الشَّافِعِيُّ لَا يَجِبُ اِلَّا فِي

بجز سونے چاندی کے اور کسی چیز پر خمس واجب

النقدین،

نہیں ہے،

اگرچہ اس مسئلہ کے متعلق بعض تفصیلات میں جن پر بحث کا یہاں موقع نہیں، بالفعل اتنا اجمالی بیان کافی ہو سکتا ہے،

حدیث الناس شرکاء میں جن جن چیزوں کو پبلک کا مشترک سرمایہ قرار دیا گیا ہے، اب تک اس کے پیچھے جزاء، امار اور اس کے متعلقات کی گویا تفصیل تھی، باقی دو جزاء اور رہ گئے، یعنی الکلاء اور آلنا راب ان کے متعلق مسائل کی تشریح کی جاتی ہے،

الکلاء (گھاس) کے | حدیث میں چونکہ الکلاء کا لفظ آیا ہے، اس لئے اس کی تحقیق ہونی چاہئے، کہ الکلاء کے مسائل کی تفصیل | نفی منفی کیا ہیں، صاحب مغرب نے اپنی کتاب فقہی لغات میں اس لفظ کو بیان کیا ہے، اور اس پر ایک طویل بحث کی ہے، امام محمد کا قول تو یہ نقل کیا ہے کہ

الکلاء ما ليس له ساق وما مَاد

”الکلاء ایسی بناتی چیز کا نام جو تہہ پر قائم

علی ساق ليس بکلاء، نہ ہو، اور جو تہہ پر قائم ہو وہ کلاء نہیں ہے“

ساق اور تنہ پر جو نباتات کھڑے ہوتے ہیں، ان کی مثال میں "عوسج" اور "غردہ" وغیرہ جنگلی درختوں کو سرک کیا ہے لیکن مطرزی صاحب مغربے خود اپنا فیصلہ یہ لکھا ہے:-

والظاہر انہ یقع علی ذاساق وغیرہ
بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کلار کا اطلاق تنہ والے

اور تنہ تنہ دونوں قسم کے نباتات پر ہوتا ہے

وجہ یہ بیان کی ہے کہ فقہاء الکلاء کی شرح میں عموماً یہ کہتے ہیں کہ

لما ترعاه الدواب رطباً کان
جنس عموماً چوپائے چرتے ہیں خواہ خشک

اور یا بسا، حالت میں یا تر،

مطلب یہ ہے کہ چونکہ جانور عموماً بے تنہ والی گھانسون کو بھی چرتے ہیں، اور بعض تنہ رکھنے والے جنگلی جُا مثلاً بول عوسج، غردہ وغیرہ کی پتیاں بھی چرتے ہیں، اس سے الکلاء کو بجائے گھاس کے ہر اس نبات کے لئے عام رکھنا چاہئے جسے جانور چرتے ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے ابو عبیدہ کی کتاب ناموال سے بھی اپنی تائید میں بعض چیزیں نقل کی ہیں، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، چاہے کہ اپنے بھائی کو پانی اور شجر (درخت) میں گنجائش دے، اور اس درخت سے مراد وہی چر جانے والے درخت ہی ہو سکتے ہیں، البتہ الکلاء کے بجائے یہاں الشجر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ حکم گھاس اور ان درختوں کو بھی عام ہے، جنھیں چوپائے اور مویشی چرتے ہیں، نیز ایک مشہور حدیث تھی "درکھت کے باب میں ہے کہ امیہ بن حمال نے اراک (پلیو) کے متعلق دریافت کیا، کہ اس کو حوی (درکھت) یعنی اپنا درختوں کے لئے اس کے جنگل کو کوئی مخصوص کر سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ما لم تنلہ احتفان الا بل، ہاں، اگر اونٹوں کے قدم اگر وہاں نہ پہنچتے

ہوں، تو جائز ہے،

ابو عبیدہ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حکم پلیو کے ان درختوں سے متعلق ہو سکتا ہے جو کسی کی ملک

اراضی میں ہون یعنی محلوک زمین کے پیلو کو بھی محض اپنے مویشیوں کے لئے کوئی مخصوص نہیں کر سکتا، کیونکہ غیر محلوک زمین کے پیلو کو بھی (رکھت) بنانے کا تو کسی کو کیا اختیار ہو خواہ وہ دور کے ہوں یا قریب کے ہوں، اذنوں کی دسترس سے باہر ہوں یا نہ ہوں پس مطلب یہی ہو سکتا ہے، کہ محلوک زمین کے پیلو کو بھی دفاعت عامہ کے خیال سے حتمی نہ بنانا چاہئے، اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ الکلاء کا لفظ تنہ دار اور غیر تنہ دار ہر قسم کی چری جانے والی روئید گیوں کو عام بنادیری واقعہ بھی معلوم تو ہا یہ کہ مقصود مویشیوں کی چرائی میں سہولت پیدا کرنی خوشترت کا مقصد ہے کہ اس قسم کی چیزوں کو حتی الوسع ہلک کا مشترک سرمایہ قرار دیا جائے، قاضی ابویوسف لکھتا ہے کہ اگرچہ میں چراگاہوں کی چند مثالیں بیان کی ہیں (۱) پہلی شکل تو یہ ہے کہ کسی گاؤں یا آبادی کی کوئی چراگاہ اور جنگلی جھاڑ اور گاؤں کا کوئی خاص باشندہ اس زمین کا مالک نہیں ہو بلکہ

قد عرفت انھا لھو فی لھو علی عوام یہ مشہور و معروف ہو کہ فلاں چراگاہ
حالیہا، (یا جنگلی جھاڑ یاں) فلاں گاؤں والوں کی

میں پس وہ انہی لوگوں کی اپنے حال پر رہتی

اور گاؤں والوں کی اس زمین میں اجمالی ملک ثابت ہوگی، اب دیکھا جائے گا کہ اس گاؤں کے باشندوں کی مویشیوں وغیرہ کے لئے کوئی دوسری چراگاہ یا کچھ، رمنہ وغیرہ ہے، یا نہیں اگر ہے تو ایسی صورت میں

لیس لھو ان یمنعوا الکلاء والما کماؤن والون کما اس کا حق نہ ہو گا کہ عام

ولا صحاب المواشی ان یرعوا مویشی والون کو اس قسم کی چراگاہوں اور

تلك المروج ویستسقوا من رمنون میں چرائی سے روکیں، اسی طرح

تلك المیاہ، مویشی والون کو اس کا بھی حق ہے، کہ یہاں

چوپانی ہو اس سے استفادہ کریں (دخود

پیش، جانوروں کو پلائیں،)

لیکن اگر شکل نہیں ہے بلکہ

لعمریک لا ھل ھذا القریتۃ الذین
اس گاؤں والوں کے لئے جن کی یہ چراگاہیں
لھو ھذا السروج ذی ملکھو موضع
ہیں، ان کیلئے بھران کے چراگی کی کوئی دوسری
مسرح ومرعی لدنا بہمہ وراثتھو
جگہ نہ ہو، اور نہ کوئی دوسری چراگاہ ہو
غیر ھذا السروج
جس میں ان کے جانور اور مویشی چرسکتے ہوں
اور اس کے ساتھ صورت حال یہ ہو کہ

متی اذلوا الناس فی رعی تملک
اگر عام لوگوں کو ان زمینوں اور چراگاہوں
السروج والا حنطاب منها اضر
میں چرانے اور ہر شخص کو لکڑی کاٹنے کی
ذالک بھرو بمواشیہم وودواہم
اجازت دیوں گے، تو یہ بات ان کے لئے
ادراں کی مویشیوں و چوپایوں کے لئے
قاضی ابویوسف کا ایسی حالت میں یہ فتویٰ ہے کہ

کان یھوان ینعوا کل من اداد
اس قسم کے گاؤں کے باشندوں کو اس کا حق
ان یرعی فیھا اذ یختطب منھا،
ہے کہ عوام کو اپنی چراگاہوں میں چرانے سے
روکیں، اور اس سے منع کریں کہ کوئی اسکا
بھاڑیوں سے لکڑی کاٹے،

بہر حال حدیث نے اٹکاڑ کو جب پبلک کا مشترک سرمایہ قرار دیا ہے، تو ایسی صورت میں انفرادی
ملکیت تو اس پر طاری نہیں ہو سکتی، لیکن اشتراک میں کچھ حد بندی اس وقت ہو سکتی ہے، جب دوسرے گاؤں
والوں کی شرکت سے خود اس گاؤں والوں کا نقصان ہو جن کی طرف یہ چراگاہ منسوب ہے، اور یہ حال تو ان چراگاہوں
کا، جن کی زمین کسی شخص کی واحد ملکیت نہیں ہے، بلکہ یا تو ان کا کوئی مالک ہی نہیں ہے یا سارے گاؤں کی و

ملکیت مشترکہ ہے، لیکن اگر کسی شخصی اور انفرادی ملکیت والی زمین میں "الکلاء" ہو تو باوجود زمین کے مالک ہونے کے الکلاء کا وہ قانوناً مالک نہیں ہے، بدائع میں ہے،

اما الکلاء الذی ینبت فی ارض "الکلاء" (گھاس) جو کسی ملک زمین میں ہو،

مصلوکتہ فھو مباح غیر مملوکتہ، (تو اس سے استفادہ کا حق ہر شخص کو حاصل ہے)

یعنی مباح و جائز ہے، اور اس الکلاء کو کوئی

مالک نہیں ہے،

اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو پانی کا ہے، کہ اگر اس الکلاء کے سوا لوگوں کو اپنی مویشیوں کے لئے چرائی زمین

آسکتی ہو، تو پبلک کا حق ہے کہ اس کو مجبور کریں کہ ان کے مویشیوں کو اپنی زمین میں آنے دے یا گھاس کٹوا کر لوگوں

کے حوالہ کرے، اور دونوں شکون پر راضی نہ ہو تو بزور اپنے حق کو اس سے لوگ حاصل کریں،

یہ حکم تو الکلاء کا اس وقت تک ہو جب تک زمین میں لگا ہوا ہے، لیکن زمین سے ایک کر لینے کے بعد جو اس

تبقہ کرے گا، وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، ٹھیک جو حال پانی کا تھا کہ برتن میں محفوظ کر لینے کے بعد انفرادی ملکیت

اس میں پیدا ہو جاتی ہے، بدائع میں ہے،

اذا قطعہ صاحب الارض و جب اس کا مالک الکلاء کو کٹوائے اور نکالے

اخرج فی مملکہ، تو پھر اس کا وہ مالک ہو جاتا ہے،

صاحب الارض (مالک زمین) کی قید اتفاقی ہے، بلکہ جو بھی کاٹ کر اس پر قبضہ کرے گا مالک ہو جائے گا

ادب اس کو وہ اسی طرح بیچ سکتا ہے، جیسے برتن اور شک کے پانی کو فروخت کیا جاسکتا ہے، نقد کا عام مسئلہ

تو یہی ہے لیکن خفی نقاء نے بعد کو اس میں کچھ تفصیل بھی کی ہے، یعنی دیکھنا چاہئے کہ الکلاء قدرتی طور پر پیدا ہوا ہے

یا مالک زمین نے مصنوعی تدبیروں سے ان کو اگایا ہے، دوسری صورت میں ان کا خیال ہو کہ

اذا استقلا قمار علیہ اگر زمیندار (صاحب الارض نے) اس الکلاء

ملک، (برائے)

کو سنبھا ہے تو ایسی صورت میں اس کی
ملکیت قائم ہو جائے گی،

حدیث کے ظاہر معنی پر اصرار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

الصحيح جواب ظاهر الرواية ^{ظاہر روایت میں} اس مسئلہ کا جواب دیا گیا ہے

(حسن الاصل فيه هو الا باحتة) ^{اگر اصل میں اس کا جو} وہی درست ہے کیونکہ اصل "تو یہی ہوگا" نکلا۔

اس سلسلہ میں فقہاء ایک اور مسئلہ کا ذکر کرتے ہیں، بات یہ ہے کہ عربی میں ایک لفظ "مروج" کا ہے جس کی جمع "مرواج" ہے، یہ اردو کے "رشتہ" یا "کچھ" کے ہم معنی ہے، غالباً فارسی کا "مروغ" یا "مروغ" ازہی کی کوئی صورت ہے، لیکن ایک اور لفظ "جہ" کا ہے، جس کی جمع "آجام" ہے، علامہ مطرزی مغرب میں اس کی تفسیر کرتے ہیں، الا جملة الشجر السنت یعنی گھنے درختوں کو کہتے ہیں، لیکن یہ لغوی معنی ہوئے بغیر فقہاء جس محاورہ میں اس کو استعمال کرتے ہیں اس کے متعلق کہتے ہیں،

وقوله صريح السمك في الآجام ^{مچھلیوں کا آجام میں} بچا ہے جو فقہاء لکھتے ہیں

يريد دن البطيخة التي منبت ^{تو آجام سے سنگریزہ والی زمین مراد ہے جو}

القصب والبراع، ^{نرسل یا لکھ کے اگنے کی جگہ ہے،}

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سنگ، ریزون والی زمینی زمینوں کے گہرے حصوں میں برساتی پانی جو جمع ہو جاتا تھا، اور اس کے ارد گرد یا خود اس میں نستان بن جاتا تھا اس کو آجام کہتے ہیں، چونکہ پانی بھی اس میں جمع ہو جاتا تھا، اس لئے اس میں پھلیاں بھی پیدا ہو جاتی تھیں، خلاصہ یہ ہے کہ آجام دراصل آبى نستان کو کہتے ہیں فقہاء نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ ان کا شمار بھی مروج اور کچھوں کے ذیل میں ہوگا، اور انفرادی ملکیت اس کی درست ہو سکتی ہے، یا نہیں، قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج میں اس کلیہ یہ لکھا ہے کہ اس زمین کو دیکھنا چاہئے جس میں اجمہ ہے، اگر زمین کسی کی انفرادی ملکیت میں نہیں ہے، تو نستان (اجمہ) ہی کیا تمام غیر ملوکہ زمینوں کا حکم ہے؟

فان لم تکن فی تلك لاحد ملک
اگر اس زمین میں کسی کی شخصی ملکیت نہیں ہو
فلا باس ان یخطب منه جمیع
تو پھر اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہر قسم کے لوگ
الناس کا شمار فی الجبال والعرج
اس سے لکڑی کاٹ کاٹ کر لیا میں، جیسے پنا
والا دریتہ والشجر مالویغرسہ
مرغزادہ، دھنوا، دودیا، درنیوں وغیرہ کے درختوں
الناس ولا باس بان یا کل من
اور ان کے پھلون کا حال ہے کہ جب تک کسی خاص
شمارھا و میزود مالہ علیہ لمران
شخص نے ان کو نہ لگایا ہو، شجر کو ان سے استثناء
ذلت فی ملک انسان وکذلک
کافی ہے، اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہو
العسل یوجد فی الجبال والغیاض
اگر اس قسم کے درختوں کے پھلون کو آدمی کھا
یا توڑ کر گھر لے جائے، عام استثناء کا یہ حق اسی
(الخروج)

وقت تک ہے، جب تک ان جنگلی درختوں کے
متعلق معلوم نہ ہوا ہو کہ کسی خاص شخص کی ملکیت
میں ہیں، پہاڑوں اور جنگلوں میں جو شہید پایا
جاتا ہے، اس کا بھی یہی حال ہے،

لیکن اگر زمین کسی کی ملک ہو کہ ہے تو پھر الکلاز کے سوا اس کی اور پیداواروں میں تصرف کرنے کا حق مالک
کی اجازت کے بغیر جائز نہ ہوگا، خواہ زمین کے مالک نے اسے بویا ہو یا خود رو، بدائع میں ہے،

لیس لاحد ان یخطب من اجمہ
ایسا اجمہ (نیشن) جو کسی خاص شخص کی ملک
رجل الا باذنہ لان الخطب
میں ہو اس کے متعلق کسی کو اس کا حق نہیں ہو
والقصب مملوکان لصاحب
کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کی لکڑی کاٹنے،
الاجمہ ینبتان علی ملکہ وان
کیونکہ لکڑی اور نلے کے درخت یہ دونوں جہ

لعمریٰ وجد منه الا نبات اصلاً
 کی مالک کی ملک ہے، وہ زمین سے پیدا ہی
 ہوتی ہیں، مالک زمین کی ملک میں اگر چران
 کو اگانے میں مالک زمین نے کوئی کام نہ کیا ہو
 یعنی خود روہون جب بھی اسی کے ملک قرار

بہر حال اس باب میں لکھتے وہی ہے جو صاحب بدائع نے لکھا ہے کہ

الاصل ان یکون من المملوک مملوکاً
 اصل یہ ہے کہ مملوک چیز سے جو چیز پیدا ہوگی وہ بھی
 الا ان الا باحت فی بعض الامشیاء
 مملوک ہی ہوگی لیکن اس اصل کے خلاف بعض
 ثبت علی مخالفتہ الاصل بالشرع
 چیزوں میں شریعت نے "احت" کا قانون نافذ
 والشرع ورد بہا فی امشیاء مخصوصہ
 کیا ہے، یعنی استفادہ کا حق ہر شخص کو دیا ہے،
 فیتقصر علیہا
 لیکن احت کا یہ قانون چند مخصوص چیزوں
 کے ساتھ محدود ہے، اس لئے حکم بھی ان ہی

تیسرے اشیاء کی سرایہ
 آگ کے احکام

اب تیسرا جزو النار لگا رہ گیا ہے، جو حدیث میں عام ملک کی مشترک چیز قرار دی گئی ہے، فقہانے اس کی بھی کچھ تفصیل کی ہے، صاحب بدائع لکھتے ہیں،

النار اسو جوہر مضی دائرہ
 آگ ایک تابناک روشن جوہر کا نام ہے جو ہمیشہ
 محرکہ علواً
 اوپر کی طرف متحرک رہتی ہے،

اور اسی بنا پر فقہاء کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ
 فلیس لمن اوقدھا ان ینع غیرہ
 من الاصطلاح بھا لان النبی صلی
 اللہ علیہ وسلم اثبت الشریکۃ فیہا
 پس جس نے آگ سلگائی ہو اس کو اس کا حق نہیں
 ہو کہ دوسروں کو تپانے سے روکنے اس کو کہ رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ میں شریک ثابت فرمائی ہے

اور اصطلاحاً یعنی تاپنے کا ذکر تو بطور مثال کے کیا گیا ہے، ورنہ مقصد یہ ہے کہ آگ کی حرارت ہو یا روشنی یا کسی قسم کا کوئی کام استفادہ کی ان تمام صورتوں کا حق ہر شخص کو ہے، اور آگ یا یلپپ روشن کرنے والے کو اس کا حق نہیں ہے، کہ وہ استفادہ کے اس حق پر کوئی ممانعت لے، مگر اس کے بعد سوال آگ سے نہیں، بلکہ اس لکڑی یا پتی یا اوس چیز سے ہے جس میں آگ پیدا کی جاتی ہے، کہ کیا اس کا شمار بھی مشترک سرمایہ میں ہو جائے گا، صاحبِ برائے لکھے ہیں،

فاما الجمل فلیس بنار وھو مملوک لیکن انگارہ تو وہ آگ نہیں ہے پس جس کا
لصاحبہ فلد حق الصنع کسائر وہ ہے وہ اس کا مالک ہے، اسی لئے دوسروں
اکملاکہ کو روکنے کا حق اُسے حاصل ہے، جیسے دوسرے
ملوکات میں یہی حق اس کو دیا گیا ہے،

اگرچہ جزئیات کا اور طویل سلسلہ موجود ہے، لیکن اس باب میں اسلام کے جو کلی نقاط نظر تھے، ایک حد تک ان کی بحث ختم ہو گئی اب اس سلسلہ کی صرف ایک چیز وہ جاتی ہے، یعنی شوارع عام، عام شوارع اور مستون کے احکام | جن کی حیثیت اسلام ہی میں نہیں بلکہ تقریباً دنیا کے تمام قوانین اور دستور میں آبادی کے عام باشندوں کے مشترک مفاد کی ہے، اسلامی مفسرین نے بھی اس کی اس حیثیت کو باقی رکھا ہے، بغیر کسی اختلاف کے فقہ کا یہ اتفاقی مسئلہ ہو کہ

ماکان من الشوارع والطرقات راستے کوچے شہر کے میدان چوک جزا دیون کے
والرحاب بین العمران فلیس درمیان ہوتے ہیں، ان کے متعلق کسی کے لئے جائز
لاحد احیاء لا، نہیں ہو کہ ان کو آباد کرے،

یعنی کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں ہے، کہ بطور انفرادی ملکیت کے ان پر قبضہ کر کے ان کو اپنی ملکیت بنا لے، مثلاً ان پر مکان بنائے یا اس قسم کا کوئی تسلیکی تصرف کرے مندرجہ بالا عبارت کے الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ

یہ حکم صرف سڑکوں اور کوچوں ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ ”الرحاب“ یعنی شہروں کے بیچ بیچ میں جو میدان مختلف ضرورتوں کے لئے مثلاً کھیلنے کو دینے کے لئے یا اس زمانہ میں جو سیرگاہیں بنادی جاتی ہیں، یہ بھی پبلک کے مشترکہ مفاد میں داخل ہو جاتی ہیں، اور ان میں بھی کسی شخص واحد کو مالکانہ تصرفات کا حق نہیں ہے، اس قانون کی تفصیل کرتے ہوئے فقہاء نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے، کہ یہ حکم صرف ان ہی سڑکوں یا گلیوں یا میدانوں تک محدود نہیں ہے، جن پر تصرف کرنے سے عام مخلوق کو تکلیف ہوتی ہو، بلکہ تکلیف ہو یا نہ ہو، زمین کا ہر وہ حصہ جو عام گزرگاہ کی حیثیت کسی آبادی میں اختیار کر رہا ہے، سب کے لئے یہ حکم عام ہے، ابن قدامہ کے الفاظ یہ ہیں :-

سواء كان داسعاً او ضيقاً وسواء
خواه كثر؟ هو، یا نك، اور خواه يمين تفر

ضيق على الناس او لسو ضيق،
کرنے سے لوگوں پر تنگی پیدا ہوتی ہو یا نہ ہو،

مسلمانوں میں شاہراہوں اور شہر کے ان مقامات میں عام باشندوں کے مفاد کو کس حد تک اہمیت حاصل ہو، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس حکم کی توجیہ کرتے ہوئے صاحب مغنی لکھتے ہیں :-

لان ذلك مشترك فيه
کیونکہ عام مسلمانوں میں یہ چیزیں مشترک ہیں

المسلمون ومتعلق به مصلحتهم
اور ان کی مصلحتیں ان سے متعلق ہیں، تو گویا

فامشبه مساجد هم،
مسلمانوں کی مسجدوں کی مانند ان کا حال ہے،

عام راستوں کا اسلام میں احترام | مندرجہ بالا فقرہ میں فامشبه مساجد ہر کے انفاذ قابل غور ہیں اس

سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہری حقوق کا مسلمانوں نے کتنا احترام کیا ہے، اور سچی بات تو یہ ہے کہ جب خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اماطۃ الاذی عن الطريق یعنی راستوں سے ان چیزوں کا ہٹانا مجبوراً کیڑے کے لئے باعث تکلیف ہوں، اس فعل کو من الايمان (یعنی ایمان کا جز) قرار دیا ہے، اور اس نیا پر مشہور حدیث الطہود شطرا لايمان (پاکیزگی اور صفائی ستھرائی ایمان کا ایک بڑا حصہ ہے) میں دوسری چیزوں کی تطہیر و ستھرائی کے ساتھ مکانون اور سڑکوں کی صفائی کو بھی داخل سمجھنا چاہئے، جب راستوں کی صفائی

کی صحیح حدیثوں میں اتنی اہمیت ہے تو فقہانے شوارع و طرق کو مسلمانوں کے حقوق کے اعتبار سے اگر انشیدہ بالمساجد قرار دیا ہے، تو اس پر قطعاً تعجب نہ ہونا چاہئے، اور اس خیال کی بھی تعلیقا ہوتی ہے، کہ بلدیات اور نیو نیپٹی وغیرہ کے اصول و قوانین جو بد منفری تمدن کے نتائج ہیں، خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، میں گفتگو ان فقہی احکام کے متعلق کر رہا تھا، جو شہروں اور آبادیوں کی عام گزرگاہوں وغیرہ کے متعلق ہیں کہ ان میں کسی قسم کی انفرادی ملکیت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے، نہ خود ان کو اپنی ملک کوئی بنا سکتا ہے، اور نہ حکومت ایسا کر سکتی ہے، البتہ اس قسم کی سڑکوں اور گزرگاہوں پر بیٹھ کر عام طور سے جو لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں فقہانے اس کے متعلق لکھا ہے،

ان کان مجالس یضیق علی السادة
لعمریل للہ المجلس فیدہ ولا
یحمل للاح ما مرکنہ بعوض (الخیر)
(مغنی)

اگر گزرگاہوں کی ان نشست گاہوں کی وجہ سے آمد و رفت کرنے والوں کی تنگی محسوس ہو تو پھر ان میں بیٹھ کر خرید و فروخت جائز نہ ہوگا، اور نہ حکومت کے لئے جائز ہے کہ ایسے مقامات پر کسی کو قبضہ معاوضہ لے کر عطا کرے،

لیکن سڑک اگر اتنی کشادہ ہے کہ راہگیروں کو کوئی تنگی نہیں پیدا ہوتی، تو ایسی صورت میں

یجوز الا رتفاق بالعود فی
الواسع من ذالک البیع والشراء
علی وجه لا یضیق علی احدٍ
ان گزرگاہوں میں جو کشادہ اور وسیع مقامات ہوں تو ان پر بیٹھ کر خرید و فروخت کی آسانی حاصل کرنا اس وقت جائز ہے

۱۔ واقعہ یہ ہے کہ آج جن قوانین کا تعلق محکمہ صفا یا آرائش وغیرہ سے ہے، اسلامی فقہانے ان کے مختلف پہلوؤں پر اپنی کتابوں میں بحث کی ہے، جاننا چاہئے کہ فقہ کی کتابوں سے ان قوانین کا ایک اچھا خاصہ مجموعہ تیار کیا جاسکتا ہے،

دکلا یضراً لصادقہ، جب آنے جانے والوں کی راہ میں ٹکی نہ پید ہوتی ہو نہ کسی کو
اس قسم کا استفادہ نہ مٹاؤں سے شہر کے امام باشندے خود بھی کر سکتے ہیں، اور حکومت کو بھی ایسی صورت
میں (یعنی جن میں ضرر کا اندیشہ نہ ہو) اختیار ہے کہ فٹنہ کوں بلکہ مسجدوں کے احاطہ وغیرہ میں جسے رجاہا مساجد کہتے
ہیں، اس قسم کے کاروبار کے لئے جگہ دیکھتی ہے،

ابن قدامہ نے الطرق الواسعة اور رحاب المساجد کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ
للا مہارہا قطعاً عنہا لمن یجلس فیہا امام (حکومت) ان مقامات کو بیٹھے والوں
کے لئے مخصوص کر سکتا ہے،

لیکن اسی کے ساتھ اس کی بھی تصریح کر دی گئی ہے،
ولا یلکھا الحق قطع بذالک بل لیکن حکومت جس کے نام سے اس کو مخصوص
یکون احتی بالجلوس فیہا من کرے، وہ اس کا مالک نہ ہوگا، صرف دوسرے
غیرہ، کے اعتبار سے بیٹھے گا وہ زیادہ حقدار ہوگا،

اسی طرح اگر اس قسم کے مقامات پر حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی خرید و فروخت کے لئے بیٹھ جائے تو
السابق احتی بہ ما دافع فیہ فان جس نے آگے بڑھ کر اس پر قبضہ کر لیا ہو تو وہی اس
توالت متاعہ فیہ لمریجین لغیرہ کا حقدار ہوگا جب تک اس پر قابض رہی گا اگر
ازالۃ لان ید الاول علیہ و اس قسم کے مقامات میں اپنے سامان چھوڑ کر چلا جائے
ان نقل متاعہ کان لخیلا ان تو کسی دوسرے کو اس کا حق نہ ہوگا کہ اس کے سامان
یقعد فیہ لان ید لا قد زالت کو اس جگہ سے ہٹائے کیونکہ ابھی پہلے وہی کا حق
تقبضہ باقی ہو اور اگر اپنے سامان کو وہاں سے ہٹائے
تو پھر اب دوسری کو یہ حق ہو کہ اس مقام پر بیٹھ جائے

یہ حال مشہور حدیث متنا مناخ من سبق کی بنا پر ایسی صورت میں جس نے پہلے تبصرہ کر لیا، اس کو ترجیح دیکھائے گی، اس ضمن میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے مقامات میں کوئی دکان کے لئے کیا مکان، یا چوڑا وغیرہ بنا سکتا ہے ؟

ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ

ليس له البناء لا دكّة ولا غيرها
كأنه يضيق على الناس ويعسر
الحارة بالليل والضرر بالليل
والنهار ويبقى على الدوام فربما
دعى ملكه بسبب ذلك
كسى كوان مقامات میں كسى قسم كى تعمیر كا حق
نہیں ہے، حتى كہ چوڑا و یا چوڑا كے سوا
كوئى چیز نہیں بنا سكتا، كيونكہ اس قسم كى
چیزون سے عام لوگ تنگی میں مبتلا ہوجائیں گے
اور گزرنے والون كے لئے خطرہ ہے كہ رات كے
وقت اس سے ٹھوكر كھائیں، اور پھیل كر گزرنے

اسی طرح شب و روز ضرر كا اس سے اندیشہ ہو

اور چونكہ ایسی چیزیں دوائى ہوتی ہیں، اسلئے
اس كا بھی خطرہ ہے كہ آگے چل كر اس كى ملكیت

لیکن اس كے ساتھ اس كى بھی اجازت دی گئی ہے كہ

له ان يخل على نفسه بما
لا ضرر فيه من بادية
وتابوت وكساء ونحوها
لان الحاجة تدعو اليه
ان مقامات پر ٹیكہ كہ خرید و فروخت كرنے والا
كو اس كى اجازت ہو كہ اپنے اوپر كوئى سایہ
كى چیز كھڑی كریں جس میں كسى كو ضرر نہ پہنچے
مثلاً چائى یا ٹاٹ یا كل یا اسى قسم كى چیزوں

لے نہی كے میدان میں جو جهان اپنے اونٹ كو پہلے بٹھا دے گا وہی اس جگہ كا حقدار ہوگا، ۱۲

من غیل مضرت لا فید، سے سایہ کرین اور یہ اجازت اس لئے دیجاتی

ہے کہ اس کا وہ حاجت مند ہے، اور دوسرے

کا اس میں ضرر نہیں ہے،

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ جتنے احکام بیان کئے گئے ہیں، ان کا زیادہ تر تعلق شوارع عام یا عام گزرگاہوں وغیرہ سے ہے، لیکن خاص راستے اور کوچے جہن صرف کسی خاص مکان یا چند مکان کے رہنے والے ہی اپنی آمد و رفت کے لئے استعمال کرتے ہوں، ان کے احکام عام راستوں سے مختلف ہیں جن کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے،

(باقی)

تاریخِ اخلاقِ اسلامی

اس میں اسلامی تاریخ کی پوری تاریخِ قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام کی 'اخلاقی تعلیمات' پر مختلف جہتوں سے نقد و تبصرہ ہے، مصنف مولانا عبدالسلام ندوی ضخامت :- ۲۷۶ صفحے، قیمت :- ۲۰/-

تاریخِ فقہِ اسلامی

مصری عالم فہمی کی تاریخ التشریح الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۲۸۰ صفحے، قیمت :- ۲۰/-

سفرِ حجاز

اس سفر نامہ میں مولانا عبد اللہ صاحب دریا بادی نے اپنے سفر حجاز کے دلچسپ چشم دید حالات لکھے ہیں اور حج و زیارت کے متعلق تمام فہمی معلومات ہدایات کو جمع کر دیا ہے، حجم ۲۷۱ صفحے، قیمت :- ۲۰/-

منہجر

آل انڈیا اسلامک سہٹری کانفرنس

کے
اجلاس پیشاور کی رُواد

از

ڈاکٹر تیتہ عبد اللہ ایم اے، ڈی لٹ قائم مقام سکریٹری آل انڈیا اسلامک سہٹری کانفرنس

آل انڈیا اسلامک سہٹری کانفرنس کا دوسرا اجلاس ۱۹۷۷ء، ۹ اپریل ۱۹۷۷ء کو صوبہ سرحد کے صدر مقام پیشاور میں منعقد ہوا، پیشاور شمالی ہندوستان کے چند اہم تاریخی شہروں میں سے ہے، اس کے فوج میں بے شمار آناؤں کا ہر ایسے ہیں جن سے مورخ کو بہت کچھ مواد مل سکتا ہے، خود پیشاور کے اندر عہد اسلام اور عہد قبل از اسلام کی بے شمار یادگاریں موجود ہیں، جو محققین کو غور و فکر کی دعوت دیتی ہیں،

ان سب خصوصیات کی وجہ سے جن کا یہ شہر حامل ہے، پیشاور فی الحقیقت کانفرنس کے انعقاد کے لئے

مناسب اور موزون مقام تھا،

کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے پیشاور اور سرحد کے باشندگان نے ایک با اثر اور بارسوخ مجلس استقبالیہ کی تشکیل کی تھی، جس کے صدر آرمیل خان بہادر قاضی محمد امیر احمد خان جج جوڈیشل کورٹ پیشاور تھے، موصوف نہایت خلیق متواضع اور علم و دست بزرگ ہیں، اور علی گڑھ کے تعلیم یافتہ ہیں، نئی تعلیم سے آراستہ ہونے کے باوجود صوم و صلوة کے پابند ہیں، مجلس استقبالیہ کے سکریٹری قاضی محمد فرید ایم اے (کینٹ) پروفیسر تاریخ اسلامیہ کالج پیشاور مقرر ہوئے، مگر ان کے بے وقت علیل ہو جانے کی وجہ سے بہت سا

کام سٹرکٹ آئی سی ایس پرنسپل اسلامیک کالج نے انجام دیا، اس میں ان کے ساتھ پروفیسر محمد رضا خان ایم اے پروفیسر اسلامیک کالج پشاور اور دوسرے حضرات نے بھی ہاتھ بٹایا،

کانفرنس کے اس اجلاس کی صدارت کے لئے مرکزی کمیٹی کی مجلسِ عاملہ نے خان بہادر مولوی محمد شفیع ایم اے (کینسٹ) سابق پرنسپل اور نٹیل کالج اور میر سنڈ ٹیکسٹ پنجاب یونیورسٹی کا انتخاب کیا، علومِ ہوتہ میں موصوف کا جو تحریر اسلامی تاریخ اور کلچر کے ساتھ جو شتف ہجوہ اصحابِ علم کو پوشیدہ نہیں، موصوف ان بزرگوں میں سے ہیں جنہوں نے ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب (صدر مرکزی کمیٹی آل انڈیا اسلامک سٹریٹجی کانفرنس) کے ساتھ مل کر آج سے بیس پچیس سال قبل اسلامی تاریخ کے مضمون کی تعلیم پنجاب یونیورسٹی میں شروع کی، اور باوجود مشکلات کے سالہا سال تک اُسے جاری رکھا، اپنی دورانِ ملازمت میں عربی فارسی زبانوں کے مرتبے اور حیثیت کو برقرار رکھنے اور ان کی تشویق و ترویج کے لئے جو کام کیا، وہ انظر من الشمس ہونے کی بدولت پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا عربی فاضل شعبہ اس وقت یہ درجہ حاصل کر چکا ہے کہ شاید (راپٹ) اور آصفیہ کے بعد ہندوستان بھر کی کوئی لائبریری تعلیمات و مطبوعات کے اعتبار سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، تاریخ سے متعلق موصوف کی ان خدمات و خصوصیات کی بنا پر صدارت کیلئے اس سے زیادہ موزوں انتخاب مشکل تھا، اگرچہ وقت کی قلت اور سفر کی صعوبت کے پیش نظر یہ اندیشہ تھا کہ کانفرنس میں شامل ہونے والا مزید دو دوسرے صوبوں سے زیادہ تعداد میں نہ آسکیں گے، مگر یہ امر بے حد باعثِ اطمینان اور اس مضمون کی رہنمائی ترقی کا مبشر ہو کہ کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے پنجاب کے علاوہ حیدرآباد دکن کے مندوبین تشریف لائے تھے کانفرنس مجوزہ پروگرام کے مطابق، راپرل کو مہینے بعد دو پہنچیں یونین آل اسلامیک کالج میں شروع ہوئی، معززینِ شہر کثیر تعداد میں موجود تھے، جن میں آنریبل سردار عبدالرب خان نیشنل ریسرچ سوسائٹی، خان بہادر محمد قلی خان ادبی۔ ای، نواب محبوب علی خان ڈپٹی کمشنر کوہاٹا، آنریبل سردار اجیت سنگھ وزیر سجاد اسکندر مہنا ڈپٹی کمشنر پشاور، خان محمد اسلم خان، انڈسٹریل حکومت سرحد خان بہادر شاہ عالم خان

ڈاکٹر کٹر حکم و تعلیم صوبہ سرحد، ملک خدائے بخش، ایڈووکیٹ جنرل اور بے شمار دوسرے حضرات شامل ہیں، تلاوت قرآن مجید کے بعد صدر استقبالیہ انریبل قاضی محمد امیر احمد خان نے اپنا خطبہ پڑھا، اس کے بعد صاحب صدر نے اردو میں اپنا عالمانہ خطبہ سناتے ہوئے سب سے پہلے پشاور کی تاریخی اہمیت کا تذکرہ کیا، پشاور کے عہد جدید کا ذکر کرتے ہوئے کہا: میرے نزدیک پشاور کے اس دور جدید کی سب سے بڑی تاریخی یادگار اسلامیہ کالج ہے جو اس صوبہ اور متصہ علاقوں میں شعلِ ہدایت کا کام دے رہا ہے، اور ان اطراف کی حیاتِ ذہنی کے دم بجا بخش ہو رہی ہے۔ اس کے بعد صاحب صدر نے مسلمانوں میں علمِ تاریخ کی ابتداء اور اس کی عہدِ جدید کی ترقیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا، کہ مورخین عرب کی مساعی مشکورہ اور عربوں کے علمِ تاریخ کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لئے علامہ سخاوی (م - ۱۹۰۲ء) کی الاعلان بالتواریخ لمن ذم التاريخ کی فہرست مطالب پر ایک سرسری نظر ڈالنا کافی سیرتِ نبویہ، تاریخ صحابہ، تاریخ خلفاء، تاریخ ملوک، دولِ مخصوصہ و افرادِ مخصوصین، تاریخ ذرائع و تاریخ احوال، طبقاتِ فقہاء و قراء و ادباء، تاریخ صوفیہ، تاریخ قضاۃ، تاریخ مغنیین و اثرائت کرام و اذکیاء و منقذین و بنیادِ طفیلیین، و غلطاء و اطباء، تاریخ مبتدع اخبار، شجوان و عور و عش و عیمان و حدبان و معرین و مشہبان اخبار و عشاق، اخبار و واقعہ حدیث، صاحبِ بلدان و نیاں، غرض کوئی شاخِ تاریخ نویسی کی نہ تھی جس پر انبار در انبار کتابیں نہ لکھی گئی ہوں، یہ صحیح ہے کہ ان میں سے بے حساب کتابیں دستِ برد زمانت محفوظ نہ رہ سکیں اور بہت سی ایسی ہیں جن کے وجود سے ہم اس وقت آگاہ نہیں ہیں، مگر بجز انہ کہ بہت سی ایسی کتابیں ہم تک پہنچی ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ وقتاً فوقتاً معرضِ خفا سے منصفہ شہود پر جلوہ گر ہوتی رہتی ہیں۔

اس کے بعد صاحب صدر نے عربی کے علاوہ فارسی اور ترکی کی تاریخی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ سٹوری کی پرشین لٹریچر میں فارسی زبان کے مورخوں کا ذکر، ہ و شماروں میں آیا ہے، مگر قبول کا رافڈو ایران نے مورخوں کی نسبت شاعر زیادہ پیدا کئے ہیں، اور فارسی تاریخین عربی کی تاریخوں کی بنیست اہمیت، وسعتِ نطق اور ایجاز کے اعتبار سے بہت پیچھے ہیں، کم از کم ایران کی تاریخوں کی صورت

قوی ہے، البتہ ہندوستان کی فارسی تارنخون میں اعلیٰ پایہ کی تارنخین موجود ہیں۔ ترکی تواریخ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ترکوں کو من حیث القوم تارنخ سے بے حد شغف ہے، استنبول کے کتاب خانوں میں بہترین کتب تاریخی محفوظ ہیں، مگر فی الجملہ ترکوں سے ہمارے ادبی روابط حد سے زیادہ کمزور ہیں، اور مخطوطات یا ان کی نقول کو تو کیا ذکر ہے، وہاں کی مطبوعہ کتابوں کا حاصل کرنا بھی دشواریوں سے خالی نہیں۔“

اس کے بعد ہندوستان میں اسلامی تارنخون کی بعض اہم ضروریات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:-

”تورخین اسلام کے ندین کارناموں اور اسلامی تارنخ کے لٹریچر کی فراط کے اس نہایت الجھائی ذکر سے مقصد یہ ہے کہ اس گران بہادر شے کی طرف جو ہم کو ماضی سے ملا ہے، قوم کو متوجہ کیا جائے، اور اس کے مطالعہ کی طرف رغبت دلائی جائے، اُن اسباق سے جو مطالعہ تارنخ سے چل جاتے ہیں فائدہ اٹھانا جب ہی ممکن ہے جب یہ کتابیں عام طور پر میسر آجائیں، مفید کتابیں جو اب تک طبع نہیں ہوئی ہیں، ان کو طبع کیا جائے، ہر طبقہ کے لئے صحیح تاریخی روایتوں پر مشتمل کتابیں سہل الحصول ہوں تارنخ اسلام کے جن ابواب پر ابھی تک کافی روشنی نہیں پڑی، ان کو تحقیق کے بعد روشنی میں لایا جائے، مخطوطات، فرامین، دستوں کی جمع آوری کی جائے، مخطوطات کی فہرستیں اور پھر ان فہرستوں کی فہرستیں *Catalogue Catalogue* مرتب ہوں، مستند تاریخی کتابوں کو شائع کیا جائے تارنخ اسلام کی ترتیب اور اس کی جملات، متوسطات اور مخطوطات کی تدوین ہو، مگر یہ سب کچھ جب ہی ممکن ہو جبکہ تحقیقات علمی کے لئے سہولتیں مہیا کی جائیں، اور تارنخ اسلامی کے درس کے لئے ملک بھر کی یونیورسٹیوں میں معقول انتظام کیا جائے، چونکہ ترکی زبان میں تارنخ اسلام کا بہت سا مواد موجود ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ترکی کی تحصیل تعلیم کے لئے اقلًا علی گڑھ یا لاہور میں کوئی ہندو بست کیا جائے،“

خطبے کے بعد پہلا اجلاس ختم ہوا،

اس کے بعد ۶ بجے شام سبکدوش کیٹی کا جلسہ ہوا جس میں تمام مندوبین اور مجلس استقبالیہ کے اراکین

شامل ہوئے، بحث و تحیس کے بعد مجلس عام کے لئے تجاویز منظور ہوئیں،

۸۔ راپرل کو بوت ۱۰ بجے صبح کانفرنس کا عام اجلاس شروع ہوا حاضرین میں معززین شہر اسلامیہ کالج

اساتذہ اور طلبہ سب شامل تھے، ان میں سے میجر اسکندر علی مرزا ڈپٹی کمشنر پشاور، خان بہادر محمد قلی خان

محمد یوسف خان بی اے، (اکس) خان بہادر سکندر خان، خان بہادر غلام صمدانی خان، پروفیسر شیخ محمد ترو

پروفیسر مسٹر مشن کالج لاہور وغیرہ کے اساتذہ قابل ذکر ہیں، اس اجلاس میں ذیل کے مقالات پڑھے گئے،

ڈاکٹر سید عبداللہ لکچر ڈائریٹریل کالج لاہور

۱۔ پنجاب اور صوبہ سرحد میں قلمی کتابوں کے

ذخیرے (انگریزی)

مسٹر مشتاق احمد بھٹی ایم اے پنجاب یونیورسٹی

۲۔ سیف الدولہ محمود بن ابراہیم بن مسعود

ابن محمود غزنوی (اردو)

سید مبارز الدین ایم اے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

۳۔ دکن کی اسلامی تاریخ کی اہمیت (اردو)

ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی ایم اے، ڈی ٹی

۴۔ کشمیر میں اسلام کی ابتدا و ادراست

سابق انسپکٹر آٹ سکول (سی، پی)

(انگریزی)

ملک شمس الدین بی اے، (عجائب خاں لاہور)

۵۔ اکبری دور میں کتابوں کی تدبییب اور

نقاشی (انگریزی)

خان محمد یوسف خان، بی اے (اکسفورڈ)

۶۔ ابن خلدون (انگریزی)

پروفیسر محمد موسیٰ کلیم ایم اے،

۷۔ شاہانِ مغلیہ کے ذہنی اور علمی کارنامے،

(اسلامیہ کالج پشاور)

(انگریزی)

مسٹر محمد اسماعیل ایم اے،

۸۔ ہندوستان کے چند سلاطین کے مسکوکات

(متم عجائب خانہ لاہور)

(انگریزی)

(۹) جدید سائنس کا اسلامی پس منظر، خواجہ عبد الوحید سکریٹری اسلامک ریسرچ
(انگریزی) انسٹی ٹیوٹ، لاہور،

اس اجلاس میں چند تجاویز بھی منظور ہوئیں جس کی تفصیل آئندہ آتی ہے،

اسی شام کو پونہ مجلس استقبالیہ نے بڑے وسیع پیمانے پر دعوت طعام دی، اس دعوت میں شہر کے کم و بیش دو سو تھان شامل ہوئے،

اس کے بعد ۱۰-۱۱ بجے شب ملک شمس الدین صاحب بی اے (مجاہد خانہ لاہور) نے مغلون کے عہد میں فن مصوری کے موضوع پر ایک باتھویہ تقریر کی، اس تقریر کو حاضرین نے جن میں چند وزرا اور دیگر عہدہ شہر بھی شامل تھے، بے حد پسند کیا، تقریر کے اختتام پر آنریبل قاضی امیر احمد خان صدر مجلس استقبالیہ نے اس تقریر کے لئے مقررہ اور کانفرنس کے کارپوراڈاؤن کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا، کہ ان کی وجہ سے اپنل پشاور کو اس دلچسپ موضوع پر کچھ سننے اور جاننے کا موقع ملا،

۱۱ بجے صبح کانفرنس کی مجلس عام کا اجلاس پھر منعقد ہوا، اس اجلاس میں اتوار کی تعطیل کی وجہ سے زیادہ رونق تھی، اس کے علاوہ اس اجلاس میں کانفرنس کی بہت سی اہم اور ضروری تجاویز پیش ہوئیں، جن کی تفصیل آئندہ سطور میں آتی ہے، پہلے سکریٹری نے رپورٹ پڑھی، اس کے بعد ذیل کے مقالات پڑھے گئے،

- | | |
|--|--|
| ۱۔ تاریخ الترتیل الی الخلاۃ الراشدہ، (زبان عربی) | مولانا سید محمد العربی المراکشی، اورٹیل کالج لاہور |
| ۲۔ پشاور کا قلعہ شاہی، (انگریزی) | مٹرا ایس، ایم جعفر (پشاور) |
| ۳۔ خوشحال خان خٹک، " | مٹر دوست محمد کمال ایم ایل، ایل بی (بنوں) |
| ۴۔ قرآن مجید اور مسئلہ قبح، " | مولانا فضل الرحمن ایم اے، (پنجاب یونیورسٹی) |
| ۵۔ عبدغنیہ میں جاگیر داری نظام، " | پروفیسر محمد رضا خان ایم اے (اسلامیہ کالج پشاور) |

۶۔ لاہور شاہیون کے عہدین (انگریزی) ڈاکٹر عبداللہ چغتائی ڈی لٹ (پروفیسر تاریخ کن کالج لاہور)
۷۔ مسلمانان ہند کے احیاء جدیدین مطالعات تاریخ ڈاکٹر سید عبداللہ کچیرا ڈی لٹ کالج لاہور،
کا حصہ (۱، ۲)

۸۔ عہد شاہجہانی کے پنجابی مورخ، (اردو) شیخ صادق علی دلاوری، ایم اے ڈی لٹ کالج لاہور
۹۔ آزاد بلگرامی بحیثیت مورخ کے (انگریزی) مشرکھ راج الفت لاہور، ایم اے ()

یہ اجلاس ۱۰ بجے ختم ہوا، اور ۹ بجے شب کو اسٹیشن پر صدر اجلاس خان بہادر مولوی محمد شفیع صاحب اور مندوبین کو رخصت کیا گیا،

کانفرنس کے اس اجلاس کے سلسلہ میں منتظمین نے قلمی کتابوں کی نمائش بھی ترتیب دی تھی، ان سوسے کہ اس نمائش میں باہر کی قلمی کتابیں تھیں نہ ہو سکیں، صرف اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانہ مشرقیہ کے نوادہ تھے صدر اجلاس نے متعدد موقوفوں پر اس امر پر اظہار افسوس کیا، کہ اسلامیہ کالج پشاور میں علوم مشرقیہ کے سلسلہ میں جتنی توجہ ہونی چاہئے، وہ نہیں ہوئی، اور اس کی قلمی کتابوں کی شرح فہرست کی انگریزی زبان میں ضرورت ہے جس کے بغیر ان نوادر کا حال انگریزی دان دنیا کو نہیں معلوم ہو سکتا، اردو کی فہرست مرتبہ مولانا عبدالرحیم غفیت ہے، مگر وہ ضروریات کے لئے مکتفی نہیں،

اسلامیہ کالج پشاور کے لائق پرنسپل مسٹر اسکاٹ آئی سی ایس اور دیگر اساتذہ و ارکان مجلس استقبالیہ لائق شکر ہیں جن کے تعاون اور حسن اشتراک عمل کے بغیر کانفرنس کو یہ کامیابی حاصل نہ ہوتی، کارپردازان کانفرنس خان بہادر محمد قلی خان کے بھی شکریہ ادا ہیں،

تجاویز | کانفرنس میں مختلف اصحاب کی طرف سے حسب ذیل تجویزیں پیش ہوئیں، اور ہندوستان کے تعلیمی اداروں اور حکومت کے مختلف شعبوں سے حسب ذیل مطالبات کئے گئے :-

۱۔ نمایین ۱۰۰۰ کے مقابلہ نگار حضرات تشریف نہیں لائے، مقابلے پڑھے گئے، اور جو تنگی وقت پڑھے نہ جاسکے،

۱۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑہ اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد اپنے یہاں اسلامی تاریخ کا مستقل شعبہ قائم کرنا

۲۔ اور اپنے یہاں ترکی زبان کی تعلیم کا انتظام کریں،

۳۔ محکمہ آثار قدیمہ حکومت ہند وغیرہ اسلامی آثار قدیمہ کی حفاظت کا بیش از بیش انتظام کریں، کتابت

شائع کئے جائیں، لاہور میں سلطان قلی الدین ایک بادشاہ ہند اور نواب عبدالصمد خان وغیرہ صوبہ لاکھنؤ کے مزارات کو آثار محفوظ قرار دیا جائے،

۴۔ ہندوستان کی کسب یونیورسٹیاں پنجاب یونیورسٹی، عثمانیہ اور مسلم یونیورسٹیاں اپنے یہاں

کی قلمی کتابوں کی شرح فرستیں مرتب کریں،

۵۔ یونیورسٹیاں علم کتبہ شناسی کی تعلیم اور اس کے لئے وظائف کا انتظام کریں،

۶۔ حکومت ہند، صوبہ جاتی حکومتیں اور ریاستیں اپنے اپنے دائرہ اثر میں قلمی کتابوں کی جمع آوری

کا انتظام کریں،

۷۔ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ عثمانیہ اعلیٰ پیمانہ پر تاریخ اسلام اور تاریخ ہند کی تدوین کا انتظام کریں، نیز علی گڑھ میں ایک عجائب خانہ آثار اسلامی قائم کیا جائے،

۸۔ فیڈرل سرورسز کمیشن اور صوبہ جاتی کمیشن اسلامی تاریخ کے مضمون کو مستقل حیثیت دیں،

۹۔ پنجاب یونیورسٹی کے حکام سے دوبارہ مطالبہ کہ وہ اپنے یہاں اسلامی تاریخ کا مستقل شعبہ قائم کریں

۱۰۔ تمام یونیورسٹیوں کے حکام اور قومی اور ملکی درس گاہیں، اور ادارے اپنے زیر اثر عربی اور فارسی زبانوں

کی حفاظت کا پورا پورا انتظام کریں،

۱۱۔ قرارداد یا کہ سنٹرل کمیٹی میں ازبیل قاضی میر احمد خان، ملک خدا بخش خان، خاں بہادر قلی خان،

خان بہادر سعد اللہ خان، پروفیسر شیخ تیمور اور مسٹر ایس ایم جعفر کو بطور رکن شامل کیا جائے،

۱۲۔ طے پایا کہ پشاور میں کانفرنس کے ماتحت ایک مقامی سوسائٹی تاریخی تحقیق کے لئے قائم کی جائے

جو علاوہ اور کاموں کے ایک مستند اور متحقق تاریخ افغانہ مرتب کرے،

۱۳۔ جامعہ عثمانیہ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنے زیر اہتمام اسلامی تاریخ کی تعلیم کے لئے اردو اور انگریزی میں موزون نصاب کی کتابیں مرتب کرائیں، اور اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ سے امداد کی درخواست کی جائے،

۱۴۔ حکومت سرحد سے مطالبہ کہ پشاور میں بھی ایک ریکارڈ آفس قائم کیا جائے،

۱۵۔ تمام اسلامی درسگاہیں تاریخ اسلامی کی ترویج و تشویق کے لئے وظائف دیں،

۱۶۔ پنجاب یونیورسٹی میں اسلامی تاریخ کو بی اے میں پورا مضمون بنایا جائے، جو عہد مغلیہ کے ساتھ متبادل نہ ہو، بلکہ پورے ۱۰۰ نمبر کا مستقل مضمون ہو،

۱۷۔ ٹیپایاکہ کانفرنس اپنے مقاصد کی تبلیغ و اشاعت کے لئے نیز تحقیقی کام کی اشاعت کے لئے اپنا ایک رسالہ شائع کرے،

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کا

تیسرا اوشن

بچوں اور عام مسلمانوں کے پڑھنے کے لئے آسان زبان میں سیرت کی یہ مشہور و معروف کتاب سہ ماہی چھپ کر تیار ہے، یہ دکن، پنجاب، یوپی اور بہار کے مختلف اسلامی مدرسوں اور مکتبوں میں داخل نصاب ہے، اور ہندی، گجراتی اور بنگالی وغیرہ میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے، جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے، اس کی زبان بہت آسان اور عام فہم ہے،

جسم ۱۶۴ صفحہ، قیمت: پیر

”میں بکھر“

استفسار لفظ اللہ کے معنی

اور

اسم اعظم کا تختہ

جناب اختر حسین نظامی ام اے }
 لکچرار دربار انٹر کالج ریوا
 جناب مولانا
 السلاطہ علیہ السلام

آٹھ نو سال کا عرصہ ہوا جب علی گڑھ میں یونین کے کسی جلسہ میں زیارت نصیب ہوئی تھی اس وقت میں نے صوفی سلسلوں کے متعلق اعظم گڑھ میں کیا ذخیرہ ہے، اس پر جناب سے ایک سوال کیا تھا غالباً یہ ہوگا، اس مضمون پر تقریباً چھ سات فیصد تک میں نے مطالعہ کیا لیکن قسمت یہاں لے آئی، اور اس کے بعد وہ کام آگے نہیں بڑھ سکا، تاہم سلسلہ بالکل منقطع نہیں ہوا، اب بھی کوئی کام کی بات مل گئی، تو نوٹ کر لیتا ہوں، آج کل ادھر کئی برسوں سے ریوان کی نگین فائدہ پر کام کر رہا ہوں،

سیرۃ ابنی جلد چہارم میں لفظ اللہ کے معنی آپ نے ”پارا“ لکھے ہیں، حالانکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ اللہ اسم ذات ہے اسم صفات نہیں ہے، چونکہ یہ لفظ اسلام سے پہلے کا ہے، یہ نام ہے ایک اعلیٰ ہستی کا جسکی صفات کا تختہ قدیم عربوں میں نہیں تھا، اس بات کی وضاحت آپ نے بھی کر دی ہے لیکن میرا گمان یہ ہے کہ اللہ کے معنی بیان کرنے کی کوشش بعد کے لغت نویسوں کی ہے، میں تو اللہ کو یوں سمجھتا ہوں

جیسے قدیم آریون کا لفظ "اوم" جو بزرگ وید میں آیا ہے، اللہ کا ششون تلاش کرنا، اہل لغت کی ریح معلوم ہوتی ہے۔
 صوفیوں کے ہاں ایک مسئلہ اسمِ اعظم کا ہے جس کا چرچا جہلیان میں زیادہ رہتا ہے، ان کا خیال ہے کہ
 اسمِ اعظم امرِ انفعالی میں سے ہے جو صفتِ مہشہ کی خاص غایت سے معلوم ہو سکتا ہے، اسے وہ
 مشکل کشا مانتے ہیں، ہندوؤں میں گرد و منتر دینے کا جو رواج ہے، غالباً اسی کی تقلید ہے،
 صوفیائے متقدمین کے زمانہ میں بھی لوگوں کو اسی قسم کے دہم دہم تھے لیکن ان بزرگوں نے اس
 کا جواب صافی یہی دیا کہ جس نام سے خدا کو پکارا وہی اسمِ اعظم ہے اور تعلیماتِ قرآنی کے عین مطابق ہے
 حضرت نظام الدین اولیاء محبوبِ الہی سے پوچھا گیا: تو اونھوں نے فرمایا کہ بہر اسے کہ خداے تعالیٰ
 را بخوانی ان اسمِ اعظم است، (فوائد الغواض) بعضوں نے فرمایا کہ اسمِ اعظم اللہ ہی ہے، (قولِ حضرت
 محبوب سبحانی از قلائد الجواہر) متوسطین میں شاہزادہ و ارشدیہ فرماتے ہیں، "اے اسمِ اعظم اس
 بزرگ و شامل کفر و اسلام جامع جمیع اسما و درج چیز اذین اسم بیرون نیست و معنی این اسم اعظم این
 کہ است صاحبِ سہ صفت ایجاد و بقا و فنا و ہمہ آفرینش و ذرات موجودات اذین صفت
 خارج نیست اما اذین معنی دہتر این اسم اعظم کیے واقع نیست مگر بعضے از اکل مشائخ بر سبیلِ
 (رسالہ حق خاص) ۹۰۱ مطبع قیومی کا پتہ (چنانچہ یہی نام صوفیہ کے اذکار و اشغال میں استعمال ہوتا ہے)
 آنجناب اس مسئلہ پر میرے شکوک رفع کریں، تو ممنون ہوں گا۔

معارف: مکرم و ام لطفہ،

المسلاہ علیکم:۔ خوشی ہوئی کہ آپ اب بھی علمی مشاغل میں مصروف ہیں،

لفظ اللہ کے استغاث کی بحث اہل لغت کے ہاں بھی ہے، اور مفسرین و مفسرین و محدثین کے ہاں بھی امام
 بیہقی نے اپنی کتاب الاسماء العظمت کے ایک باب میں اس پر بحث کی ہے، اور بخیرہ اور آریون کے ایک رائے
 یہ بھی نقل کی ہے کہ یہ دلاہ سے ششون جو جس کے معنی اوس محبت کے ہیں، جو مان کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے

فریختیق کے لئے لسان العرب اور نایہ ابن اثیر ملا خطہ فرمایا،

آپ نے میری سیرت جلد چہارم کا حوالہ دیا ہے، وہاں کی عبارت یہ ہے:-

اِس لفظ کی لغوی تحقیق میں بہت کچھ اختلاف کیا گیا ہے کسی نے کہا ہے کہ اس کے معنی

دوس ہستی کے ہیں جس کی پرستش کی جائے بعضوں نے کہا ہے کہ وہ جس کی حقیقت و معرفت

میں عقل انسانی حیران و سرگرداں ہو، دوسروں کی تحقیق ہے کہ اس کے معنی ہیں، وہ جو اپنی

مخلوقات کے ساتھ ایسی شفقت و محبت رکھے جو ان کو اپنے بچوں کے ساتھ ہوتی ہے اس

آخر تبصرہ کی بنا پر اللہ کے معنی پیاد کرنے والے یا پیارے کے ہیں،

آپ کی عبارت سے دھوکا ہوتا ہے کہ میں نے لفظ اللہ کے یہی ایک معنی لکھے ہیں، حالانکہ میں نے متعدد

اقوال نقل کر دیئے ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سیرۃ کی اسی جلد کے دوسرے موقع (محبت الہی) پر کفار

نے یہ بھی لکھا ہے:-

”ہر زبان میں اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لئے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں جن کو کسی خاص تخیل

اور نصب العین کی بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے، اور گواہوں کی حیثیت اب علم اور نام کی ہر

تاہم وہ درحقیقت پہلے پہل کسی نہ کسی وصف کو پیش نظر رکھ کر استعمال کئے گئے تھے، ہر قوم نے اس

علم اور نام کے لئے اوسى وصف کو پسند کیا جو اس کے نزدیک اس خالق ہستی کی سب سے بڑی

اور سب سے بڑی صفت ہو سکتی تھی،

اسلام نے خالق کے لئے جو نام اور علم اختیار کیا ہے وہ لفظ اللہ ہے، اللہ کا لفظ اصل میں کس

لفظ سے نکلا ہے، اس میں اس نسبت کا تھینا اختلاف ہے مگر ایک گروہ کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہ کلام

سے نکلا اور والد کے اصل معنی عربی میں اس غم، محبت اور تعلق خاطر کے ہیں، جو ماں کو اپنی اولاد

کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد کو مطلق عشق و محبت کے معنی پیدا ہو گئے، اور اسی سے ہمارے

زبان میں لفظ والہ (شیدا) مستعمل ہے، اس لئے اللہ کے معنی محبوب اور پیارے کے ہیں جن کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ ساری کائنات کے دل سرگرداں میجر اور پریشان ہیں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن رحمۃ اللہ علیہ گنج مراد آبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے، اللہ کا ترجمہ وہ ہندی میں ہے ”موہن“ یعنی دونوں کا محبوب کیا کرتے تھے، (صفحہ ۵۳۲)

آپ کا یہ کہنا کہ میں تو لفظ اللہ کو یوں سمجھتا ہوں، جیسے قدیم آریوں کا لفظ ”اوم“ جو رگ وید میں آیا ہے، آپ کا مقصد گویا ہے کہ جس طرح ہندوؤں کے لفظ اوم کا کوئی شتق منہ سنسکرت میں نہیں، اسی طرح اللہ کا لفظ بھی کوئی شتق منہ نہیں رکھتا، اور ایک اسم جامع ہے، جو صرف خدا کے علم کے لئے وضع ہوا ہے تاہم اس تشبیہ سے مجھے گرائی ہوئی، آپ کا نفس خیال تو عام ابتدائی فلسفیانہ و منطقیانہ کتابوں میں مذکور ہے، اُڑی کتابوں میں بھی بڑا نام داری تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :-

| | |
|---|--|
| الحمد عندنا ان هذا اللفظ | ہمارے نزدیک پسندیدہ قول یہ جو کہ لفظ |
| استوعبوا الله تعالى واستأن | اللہ اسم علم ہے، اور یہ شتق نہیں ہے، |
| ليس غشيق البتة وهو قول الخليل سيوطي | یہی قول خلیل سیوطی اور اکثر ائمہ ہیں اور |
| وقول الكذاك الصولي الفقهاء (تفسیر کبیر) | نہاں کا ہے، |

پھر امام دازی نے اس مسلک پر چند دلیلین قائم کی ہیں، اس کے بعد ان لوگوں کی داسے لکھی ہوئی اس کو مشتق مانتے ہیں، ان کے دلائل ذکر کئے ہیں، پھر اختصار کے ساتھ ان کا رد لکھا ہے، بہ حال یہ دونوں رائیں ہیں، اور دونوں کے کہنے والے اور ماننے والے ہیں، اور دونوں کے پاس اپنے اپنے دلائل ہیں لیکن آج کل کے محققین علم الاستقاق نے یہ بات واضح کی ہے، کہ کوئی لفظ اپنی اصل وضع میں کسی مناسب معنی کے بغیر نہیں ہے، گو مرد زمانہ اور لفظ کی ابتدائی شکلوں کے فراموش ہو جانے سے

یا مختلف زبانوں میں اس کے الٹ پھر ہو جانے کی وجہ سے اس کی اصلیت باقی رہی، اور نہ اس کی مناسبت کا ہم کو پتہ چلتا ہے، چنانچہ یہی لفظ اللہ ہے جس کی مختلف شکلیں، مختلف سامی زبانوں میں ملتی ہیں، جیسے، ایل یا ایل اور اسرائیل وغیرہ میں یا لفظ الوہ میں ملتی ہے، تورات کے شروع میں اویہم آیا ہے تفصیل کے لئے اور قرآن کی دوسری جلد میں مذاہب عرب قبل اسلام دیکھئے، (ص ۲۴۵، ۲۴۶) اس سے معلوم ہو گیا کہ ایل اور الوہ کے الفاظ معبود کے معنی میں اکثر سامی زبانوں میں بولے گئے ہیں، قدیم عربی زبان میں عرب معبود کا نام ہیر وٹوس یونانی مورخ کے بیان کے مطابق ایلات تھا کیا عجیب کہ زمانہ نبوت کے جاہل عربوں کے مشہور ویتا اللات کی اصل ہو عربی زبان میں اہل نبت نے لکھا ہے، کہ اہل عرب آفتاب دیوی کو الہامہ، الہتہ کہتے تھے، اور اس کی مختلف شکلیں نقل کی گئی ہیں، الایہ، الایہ، الایہ، الایہ سب کے معنی آفتاب کے ہیں، جس کی پرستش بعض اہل عرب میں رائج تھی، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے،

لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ اسْجُدْ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ

آفتاب و ماہتاب کے سامنے سجدہ نہ کرو

اللہ الذی خلقہن، اس اللہ کا سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا

قرآنی تعریفوں اور قدیم کتبات سے یہ بات ثابت ہے،

قدیم عربی میں کاہن اور اللہ کے جو لفظ بولے گئے ہیں، اور دوسرا غلطاب بھی بولا جاتا ہے وہ بھی

اسی سامی اشتقاق کی صورت ہے،

قرآن پاک میں معبودان باطل کے لئے الہتہ کا لفظ بصورت جمع جس کا واحد الہتہ، بکثرت بولا گیا ہے جیسے

اذْذْهَبْ اِلَیْہِمْ بِمَا خَلَقَ اللہُ مَعَ اللہِ لَوْ کَانَ فِیْہِ الْہِیۃُ، اور جیسا کہ کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ

میں ہے، اس سے تواثر ثابت ہو گیا، کہ عربی زبان میں سامی زبانوں کی طرح الہ کا لفظ معبود اور قابل پرستش کے

منون میں ہے، اس سے ان لوگوں کے خیال کا ابطال ہو جاتا ہے، جو اللہ کو محض اہم جائز غیر متقی اور اہم علم

کے علاوہ دوسرے منون کیلئے غیر موضوع سمجھتے ہیں، اور یہ تفریق معلوم ہوئی کہ الہ مطلق معبود کے معنی میں

الف لام لک کر الالہ یا اللہ معبود برحق کے معنی میں قدیم زمانہ سے عربوں میں رائج ہے، اور بے معنی اسم جامد اور محض اسم علم نہیں ہے،

اسم اعظم کے متعلق ہمارے مفسرین نے اسرائیلیات سے لیکر ایک ہی جگہ ذکر کیا ہے، اور وہ ملکہ سبا کے قصہ میں ہے، جہاں حضرت سلیمانؑ کے ملکہ سبا کی تخت منگوانے کا ذکر ہے،

اسمع قہر الذی عندک علو الکتاب (نمل، کسی نے توراہ تراویا ہے، اور کسی نے اسم اعظم، لیکن اس کے متعلق ارض السقرآن جہاں ص ۲۰۰ میں، میں نے لکھا تھا،

”اسم اعظم کا تخیل ایک جاہلانہ اور غیر ثابت الشرع تخیل ہے، اسلام کے دوسرے کوئی شے نہیں ہے البتہ یودیون میں یہ خیال اب تک موجود ہے!“

مجھے اب تک اس کے خلاف معلوم نہیں اور اب تک احادیث سے یہ ثابت ہے اور قرآن پاک سے بھی یہی اشارہ ملتا ہے، کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں کا علم نہیں بخشا گیا، ہیو چنچہ ابن جہان حاکم ابو علی بن ابی شیبہ، طبرانی کے حوالہ سے ایک دعا منقول ہے، جس میں فرمایا

اسئلک بکل اسم هو لک سمیت تیرے ہر اس نام کے ذریعہ تجھ سے سوال

بہ نفسک واخزلتہ فی کتابک اور کرتا ہوں، جس سے تو نے اپنا نام دکھا ہے

علمتہ احداً من خلقک اور یا تو نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے، یا اپنی

استشارت بہ فی علو الغیب عندک مخلوق میں سے کسی کو بتایا ہے، یا اپنے پاس

علم غیب میں پوشیدہ دکھا ہے،

الاسماء والصفات بہتقی میں ایک حدیث ہے، جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں،

قالت یا رسول اللہ علخصی اسم اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

الذی اذا دعی بہ احب الیہا یا رسول اللہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کا وہ نام بتائے

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ سُبْحًا قَوْمِي فَتَوَضَّعُوا وَادْخُلُوا الْمَسْجِدَ
فصلی رکعتیں تھرا دعویٰ حتیٰ اسمع ففعلت
فلما جلست للدعاء قال النبي صلى الله
عليه وسلم اللهم وفقها فقالت
اللهم اني اسئلك بجميع اسمائك الحسنی
كلها ما علمنا منها وما لم نعلمه
واسئلك باسمك العظيم الاعظم
الكبير الاكبر الذي من دعاك به
اجتته ومن سالك به اعطيته
قال يقول النبي صلى الله عليه وسلم
اصبته اصابته
کہ جب اوس کوئے کر دعا مانگی جائے تو قبول
ضرور ہو، حضور نے فرمایا، اٹھو وضو کر و مسجد
میں جاؤ، اور دو رکعت نماز پڑھو، پھر دعا مانگو،
یہاں تک کہ میں سنوں حضرت عائشہؓ نے ایسا
ہی کیا جب دعا کے لئے اٹھیں تو حضور نے
فرمایا، کہ خداوندان کو توفیق دے، حضرت
عائشہؓ نے دعائیں فرمائی کہ خداوندان میں سے
تمام اچھے ناموں کے ذریعہ دعا مانگتی ہوں،
جو ہم کو معلوم ہیں اور جو نہیں معلوم ہیں، اور تیرے
اس بڑے نام کے ذریعہ مانگتی ہوں، کہ جو بھی
اس کے ذریعہ مانگے تو اسکی دعا ضرور قبول
فرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

(ص ۵۷)

کہ تم نے ٹھیک کہا،

اس میں بھی اسم اعظم بطور صفت کے بے علم کی حیثیت نہیں معلوم ہوتی، البتہ یہودیوں میں یہ خیال پُرانا ہے
چنانچہ ان کے یہاں خدا کا اصلی نام 'یہواہ' ہے، مگر لکھتے یہواہ ہیں، اور پڑھتے سیدنا دادو نامی ہیں، اور ان کا
خیال ہے، کہ حضرت سلیمانؑ کو ایسی علم معلوم تھا جس کے ذریعہ سے وہ بن دبشہر بادشاہی کرتے تھے، لیکن قرآن پاک
اور احادیث میں اس کا کوئی بیان نہیں ہے،

والسلام

س

بوہرے

جناب محمد علی صاحب

بوسطایم عبدالحسین اینڈ برادر س پانی منڈی انڈیا

السلام علیکم :- فرقہ اسلام سے ایک فرقہ قوم بوہرے یا بوہرے کے نام سے مشہور ہے
یہ لوگ زیادہ تر ہندوستان کے مغربی سواحل بمبئی سورت وغیرہ مقامات اور مالوہ گجرات کے
صوبوں میں زیادہ پائے جاتے ہیں اسی قوم کے چند افراد راجپوتانہ میں خاص کر کے اودی پور میواڑ
میں بہت ہیں میان اجیر میں قریباً سو گھر ہیں یہ لوگ مذہبی نقطہ نگاہ سے اپنے عقیدہ و ن میں
راخ واقع ہوئے ہیں ایک صاحب میرے مکان کے قریب رہتے ہیں پختا پختی کی سبب بنے
ہوئے ہیں لہذا میں چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کی پوری تاریخ سے واقفیت حاصل کروں یہ فرقہ
کمان سے عام اسلامی شاخ سے علاحدہ ہوا آیا یہ ہندوستان ہی کی پیداوار ہے یا ان کے مبلغ
ایران یا عراق و عرب سے یہاں آئے یہ اپنے کوشیہ کی ایک شاخ بتاتے ہیں آج سے غالباً آٹھ دس برس پہلے
معارف میں میری نظروں کو ایک اشتہار چھپا ہوا گذرا تھا جس میں اس قوم کی پوری تاریخ لکھنے کا اعلان
کتابی صورت میں شائع ہونے والی تھی غرض مجھے کوئی جامع اور صحیح تاریخی کتاب کی ضرورت
جوازدین چھپی ہوئی ہو اگر آپ کے مطبع نے شائع کی ہو تو بذریعہ وی پی پارسل ارسال فرما
یا کتاب اور جگہ کا پتہ جان مل سکتی ہو، تحریر فرمادیں، میں نوازش ہوگی، نقطہ

معارف :- محترم زاد لطفکم

السلام علیکم :- آپ کا گرامی نامہ متعلق استغناء فرقہ بوہرہ موصول ہوا یا دفتر

کا شکریہ، ادون کی مختصر سرگزشت یہ ہے :-

مصر کے داہمی خلفائین سے آگے چل کر ایک خلیفہ الحاکم بامر اللہ ہوا، جس کے دو بیٹے ہوئے نزار اور علی الظاہر بلا عزازہ دین اللہ، اسی طرح فاطمی اسماعیلی، امامت و دھنوں میں منقسم ہو گئی، ایک نے اندلی اور دوسرے ظاہری، ظاہر بلا عزازہ دین اللہ مصر کا خلیفہ ہوا، اور آخریہ امامت سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں تباہ ہوئی، اس سلسلہ کے لوگ آج ہندوستان میں بوہرے کہلاتے ہیں، اور نزاری کی بنا حسن بن صباح نے کوہستان ایران میں ڈالی اور قلعہ الموت میں باطنی حکومت کی بنیاد استوار کی، جس کا قاتمہ ہلاکو خان تاتار کے ہاتھوں سے ہوا، اس سلسلہ کے امام ہر باہنس سر آغا خان ہیں، اور اول الذکر سلسلہ کے موجودہ امام طاہر سیف الدین ہیں،

بوہرہ گجراتی زبان کے لفظ دوہرہ سے نکلا ہے، جس کے معنی تاجر کے ہیں اور بعض محقق سکوتی لائل کہتے مغربی ہند میں جماعت صرف مسلمانوں پر مشتمل نہیں، بلکہ ان میں ہندو بوہرے بھی ہیں، چونکہ اس جماعت کے بہت سے لوگ اسی فرقہ اسماعیلی میں داخل ہو کر مسلمان ہوئے، اس لئے اس مسلم جماعت کا نام بھی توہرہ عرف عام میں پڑ گیا، چنانچہ ۱۹۵۲ء کے مردم شماری میں ۶۶۵۲ ہندو، اور ۲۵ جنینیون نے اپنے کو بوہرہ جماعت میں سے قرار دیا ہے، اور اسی سال کی مردم شماری کے رد سے مسلمان بوہرون کی تعداد ۱۴۶۲۵۵ جن میں سے ۸۳۱۴۰ بمبئی پریسیدنسی میں رہتے ہیں، ان میں سے کچھ بوہرے اپنا تعلق عرب و مصر کے حجاز خاندان سے بتاتے ہیں، ورنہ ان میں کی بڑی جماعت اون ہندو بوہرون پر مشتمل ہے، جو اسماعیلیوں کے ہاتھوں پر اسلام میں داخل کئے گئے ہیں،

ہندوستان سے ان اسماعیلی بوہرون کا تعلق ۱۱۴۶ھ سے پیدا ہوا، جب کران میں کا ایک شخص عبد نامی جن سے کھنابت میں آیا، لیکن یہاں ان کے مبلغ اول کی حیثیت سے محمد علی کا نام لیا جاتا ہے، جس کا زمانہ ۱۱۴۶ھ کے قریب ہے، اور اس کا مقبرہ کھنابت میں موجود ہے، ۱۵۳۶ء سے گجرات دلی کے تحت آگیا، اور ۱۵۶۲ء سے ۱۵۶۳ء تک یہاں خود مختار اسلامی سلطنت رہی، اسی آثار میں ۹۶۶ھ یعنی ۱۵۵۹ء تک ان

بوسرون کامرکزی قلعہ میں سے وابستہ رہا، یہاں تک کہ اسی سال ۹۴۶ھ میں یوسف بن سلیمان ہندوستان آیا اور اس نے سیدہ پور میں جوان دون ریاست جو وہاں ایک شہر ہے، اقامت اختیار کی، پچاس سال کے بعد ۱۰۵۰ھ میں داؤد بن عجب شاہ کی وفات پر بوسرون میں دو فرزند ہو گئے، ایک جماعت نے اوس کے جانشین داؤد بن قطب شاہ کو منتخب کیا، اور دوسرے نے سلیمان کو جانشین بنایا، سلیمان اس دستاویز کے ساتھ گجرات آیا، جو اُسے داؤد بن عجب شاہ سے ملی تھی، مگر یہاں بہت تھوڑے سے لوگ اوس کی امامت قبول کر سکے، اوس نے احمد آباد میں اقامت اختیار کی، اس طرح بوسرون کے دو فرزند قرار پائے، ایک داؤد، دوسرا سلیمان، مگر مرنوالہ فرقہ کی بہت تھوڑی تعداد رہ سکی، فرقہ داؤدی کے لوگ تقریباً ۱۳۰۰۰۰ میں، اون کا امام جو ملا "داؤدی" کہا جاتا ہے، سورت میں اقامت گزین ہے،

فرقہ داؤدیہ کے امام کا فیصلہ، مذہبی و معاشرتی جملہ مسائل میں اوس کے پیروں کے لئے حکم مطلق ہوتا ہے، وہ ان کو منرائین بھی دیتا ہے، اور ہر بیرو کے لئے اپنی آمدنی کا پانچواں حصہ امام کی نذر کرنا ضروری ہے، نیز دیگر متعین مواقع شادی اور ولادت وغیرہ پر مختلف نذرین پیش کی جاتی ہیں، فرقہ داؤدیہ کی تنظیم پورے طور پر مکمل ہے، نائب ملا یا نائب و عاۃ مختلف علاقوں میں مامور ہیں، جو تحصیل وصول و اصلاح و تنظیم میں شریک رہتے ہیں،

۱۹۲۴ء اور ۱۹۸۹ء میں داؤدیوں کے اندر بھی چند جماعتیں پیدا ہوئیں، اور وہ اپنی تاریخ پیدائش کی مختلف تفصیلات سے متعلق اپنے ان عقائد و یقینات کے ساتھ اب بھی موجود ہیں،

نیز بوسرون کی ایک جماعت جعفری بوسرہ بھی کہی جاتی ہے، یہ وہ بوسرے ہیں، جو مظفر شاہ کے عہد حکومت (۱۷۴۰ء - ۱۸۱۱ء) میں مبنی ہو گئے تھے، یہ لوگ پندرہویں صدی عیسوی کے ایک شیخ طریقت سید احمد جعفر شیرازی کی طرف منسوب ہیں، جنھوں نے غالباً انھیں شیعیت سے نکال کر مذہب اہل سنت میں داخل کیا تھا،

داؤدی بوہرون کی مذہبی کتابیں مستور رکھی گئی ہیں، صرف عبادت کی بعض کتابیں مثلاً صحیفۃ الصلوٰۃ چھپ سکی ہے،

دام الاسلام اور اتحاف ان کی مذہبی کتابیں ہیں جن میں بوہرہ دعا کے اقوال سے اسلام کو سمجھایا گیا، بوہرون کے موجودہ امام ملاطہر سیف الدین کی ایک تصنیف ”ضوء النور“ میں ’کے نام سے ۱۳۲۵ھ میں عربی زبان میں چھپ کر شائع ہوئی تھی، اس کتاب پر ہندوستان کے اسلامی پریس میں شدید منکھار اٹھا اور ان تحریروں کو جناب حاجی عمر حاجی احمد تاجر سورت نے جمع کر کے ایک مستقل کتاب ”سیف بردین“ کے نام سے شائع کیا تھا،

سلسلہ گفتگو کے تتمہ کے طور پر آغا خانی جماعت کے متعلق بھی عرض کر دیا جائے کہ ہندوستان سے اس جماعت کی امامت کا تعلق امام حسن علی شاہ معروف بہ آغا خان اول کے ورود ہند سے ہوتا ہے، جو ۱۲۵۵ھ میں فتح علی شاہ ایران کے انتقال کے بعد ہندوستان آئے، اور انگریزی حکومت نے بعض خدمات کے صلہ میں ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، بی بی اس کا صدر مقام قرار پایا، موجودہ امام سر آغا خان سوم ہیں اور اپنے سلسلہ امامت کے لحاظ سے ۴۸ ویں امام ہیں۔

بوہرون کے متعلق ہمارے علم میں اردو میں کوئی مستقل کتاب لکھی نہیں گئی جو یعنی آغا خانی جماعت کے حالات ہفتہ وار صحیفہ اسماعیلی بمبئی کے گولڈن جوبلی نمبر میں مختصراً دیکھنے میں آئے تھے، خواجہ اور بوہرہ دونوں جماعتوں پر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں آپ کو کسی قدر حالات مل جائیں گے تفصیل کے لئے اس کی طرف رجوع کریں۔

مولانا سید ابو ظفر ندوی نے بوہرون پر ایک مستقل کتاب اردو میں لکھی ہے، جو ابھی تک شائع نہ ہوئی ہے اس کے ایک باب کا ترجمہ اسلامک رچرچر آباد میں ۱۳۲۵ھ میں چھپا تھا، مولانا موصوف سے اینگلو ورنال سوسائٹی گجرات احمد آباد کے پتہ سے مزید معلومات آپ حاصل کر سکتے ہیں۔ والسلام ”ر“

سرشارِ خراب از جناب آدوش صدیقی

خوب ہے ذوقِ نظر جنِ حجابِ اچھا ہے
دل ہو بیدار تو ہر خوابِ شبابِ اچھا ہے
نہ یقین ہو تو اُسی زُگسِ غمزدہ سے پوچھ
عشقِ جتنا بھی ہو سرشارِ خرابِ اچھا ہے
کچھ بھی ہو حیرتِ نظارہ کہ تمکینِ جلال
حسنِ ہر رنگِ مین مانوسِ حجابِ اچھا ہے
سازنا ہید فلک ہو کہ دلِ بشکستہ
درِ مضرب ہو جس کی وہ ربابِ اچھا ہے
ماوراءِ عالمِ اسباب سے ہے عالمِ عشق
سب سوالوں کا یہی ایک جوابِ اچھا ہے
اک نگاہِ غلط انداز ہے جس کا عنوان
لاکھ بیداری عالم سے وہ خوابِ اچھا ہے
زندگی حرفِ غلط ہے رخِ محبوبِ آدوش
ورنہ یوں مشغلہ علم و کتابِ اچھا ہے

غزل

از جناب شفیق صدیقی جو پوری

چمن سے قفسِ تک دھوانِ دیکھتا ہوں
نیشین کی چنگاریاں دیکھتا ہوں
یہ تھمدوسی شے اور اتنی رسائی
مقامِ دلِ ناتوان دیکھتا ہوں
تری عظمتِ کبریائی کے آگے
خود ہی کو بھی سہڑکان دیکھتا ہوں
جہاں طائرِ سدرہ اڑ کر نہ پہنچے
قلندر کی منزلِ وہاں دیکھتا ہوں
زہے ادجِ آدم کہ نقشِ قدم پر
فرشتوں کی پیشانیان دیکھتا ہوں
بخت نہ ہوتی تو کچھ بھی نہ ہوتا
یہ شے حاصلِ دو جہاں دیکھتا ہوں
جہاں حسن کی بے نیازی بھی گم ہو
وہاں عشق کو حکمران دیکھتا ہوں
شفیقِ خنودِ جزنگِ وطن تھا
اُسے خمرِ ہندوستان دیکھتا ہوں

مطبوعات جدیدہ

تذکرہ اردو مخطوطات جلد اول، مرتبہ جناب ڈاکٹر محمد الدین صاحب زور قادری مستعار ازلی

ادارہ ادبیات اردو و قیام بڑی ضخامت ۳۹۵ صفحے، گامذکت بت و طباعت بہتر قیمت جلد ۵۰۰ روپے

پتہ: سب رس کتاب گھر، خیرت آباد حیدرآباد دکن،

ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دار و زبان کی جو مختلف النوع مفید خدمات انجام دے رہا ہے، وہ باخرا صاحب سے مخفی نہیں، اس سلسلہ میں اس نے ایک کتب خانہ بھی قائم کیا ہے جس کے مخطوطات کی تعداد کئی ہزار تک پہنچ گئی ہے، ان میں بہت سے نادر اور تاریخی مخطوطے بھی ہیں، ادارہ کے لائق کارکنوں نے اب اس کتب خانے میں مخطوطات کی فہرست کی ترتیب کا کام شروع کیا ہے، چنانچہ اس کے فاضل محمد ڈاکٹر محمد الدین صاحب زور نے اردو مخطوطات کی پہلی جلد مرتب کی ہے، اس میں مذہبیات، قرآن و حدیث، فقہ و تصوف، مواظبات و نصائح، ادعیہ و مناجات، سیر و مناقب، نبوی، اہل بیت و صحابہ کرام اور دوسرے بزرگان دین کی کوشش و فضائل اور سلاطین و امرا کے حالات، منظومات، قصص و حکایات، الفت، عروض و انشا، طب، ادب، بعض عقلی علوم کے ۲۷۵ مخطوطات کی مفصل فہرست ہے، جن مضامین کے حالات معلوم ہو سکے ہیں، ان کے مختصر حالات مخطوط کی کیفیت، تصنیف و کتابت کے سین کتاب کے شروع و آخر کی عبارت یا اشعار ہر کتاب کے متعلق ضروری معلومات دیدیے ہیں، لیکن مخطوطات خصوصاً غیر معروف مضامین اور ان کی تصانیف کی فہرست کی ترتیب کا کام اتنا دشوار ہے، کہ اس سے پوری طرح عمدہ برآ ہونا بت مشکل ہے، تاہم لائق ترتیب نے ہر کتاب کے متعلق حتی الامکان ضروری اور صحیح معلومات جمع کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی یہ کوشش اس حیثیت سے

زیادہ قابل قدر ہے کہ اس فہرست کے ذریعہ اردو کے بہت سے نادر مخطوطات کا علم شائقین کو ہو جائے گا، کتاب کے آخرین اسماء و دانشی اس کے اعلام کا اشاریہ بھی دیدیا ہے، جس سے تصانیف اور مصنفین کی تلاش میں سہولت پیدا ہو گئی ہے امید ہے کہ دوسری جلد بھی جلد شائع ہوگی،

دو رچہرید کے چند { از جناب عبدالشکور صاحب ایم اے تقیہ بڑی جینی مت ۱۸۰ صفحے، کاغذ
منتخب ہندو شعرا { کتابت و طباعت بہتر قیمت سے ریپتہ۔ کتاب خانہ دانش مح
امین الدولہ پارک لکھنؤ،

اردو زبان کی تعمیر و ترقی میں ہندو مسلمان دونوں کا مساعی حصہ ہے، اور کوئی دور ایسا نہیں گذرا ہے جس میں مسلمانوں کے ساتھ اردو زبان اور شعرواد کے ہندو اہل کمال موجود نہ رہے ہوں، اور بعض جماعتوں کی جانب سے اردو کی مخالفت کے باوجود آج بھی اردو زبان کے ہر شعبہ میں ایسے ہندو اہل کمال موجود ہیں جن کا درجہ کسی طرح مسلمانوں سے کم نہیں ہزاروں شعرا کے تذکرہ نگاروں کی یہ بڑی فروگزاشت ہے، کہ انھوں نے مسلمان اہل کمال کے مقابلہ میں ہندو اصحاب کمال کا تذکرہ کم لکھا ہے، اس لئے اس کی بڑی ضرورت تھی کہ اردو شعروادب کی کتابوں میں ان کے خدمات کا پورا اعتراف کیا جائے، اور اس کے مطابق ان کو جگہ دی جائے، لائق مولف نے مذکورہ بالا کتاب لکھ کر ایک حد تک یہ فرض انجام دیا ہے، اس میں متن و تفسیر شاعر اور جو لاپر برق کے زمانہ سے لیکر موجودہ دور تک فونٹونی اور بائیس موجود مقامات ہندو شعراء کے مختصر حالات لکھے ہیں ان کے کلام پر تبصرہ کیا ہے، اور اس کا نمونہ دیا ہے لیکن اس کتاب میں صرف متنازع و مشابہ شعراء کے حالات ہیں اگر اس کو اور دست و بجائے قویہ تعداد اور زیادہ بڑھ سکتی ہے، لائق مولف کی یہ کوشش قابل قدر ہے، انھوں نے یہ کتاب لکھ کر ایک بڑی ضرورت کو پورا کیا، اور اہل قلم کو ایک ضروری موضوع کی طرف متوجہ کر دیا، ممکن ہو آئندہ کوئی صاحب قلم اس موضوع پر اس سے زیادہ دست و جامعیت کے ساتھ لکھنے کی کوشش کریں

مشابہ بیرونیان و درمہ جلد اول مترجمہ مولوی سید ہاشمی صاحب فرید آبادی تقیہ بڑی،

ضمامت ۴۸ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد للہ، غیر مجلد :- ہے۔
پتہ :- انجمن ترقی اردو ہند، دہلی،

حکیم یونان کی مشہور کتاب *Paracelsus* دنیا کی اہم کتابوں میں سے ہے اس میں یونان دروس کے ایسے مختلف مضامین کمال کے چھپا لیس اکابر اور نامور اشخاص کے حالات ہیں، جو اپنے اخلاق و سیرت کی بلند سی قوم و ملک کے لئے ایسا دوا جاننا دی اور اپنے زندہ جاوید کارناموں کے لحاظ سے ساری دنیا کے لئے نمونہ عمل تھے، اور جن کی مثال نے یورپ کے بڑے بڑے مصحفین کو متاثر کیا، اور انھوں نے جدید یورپ کی تجدید و اصلاح کے سلسلہ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، یہ اہم کتاب اردو میں ترجمہ کے لائق تھی، انجمن ترقی اردو نے آج سے تقریباً پچیس سال پیشتر مشاہیر یونان دروسہ کے نام سے اس کی پہلی جلد کا ترجمہ شائع کیا تھا اب اس نے دوسری کتاب کا ترجمہ شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، اس سلسلہ میں پہلی جلد کے ترجمہ پر نظر ثانی اور ترمیم کر کے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا ہے، اس جلد میں آٹھ مشاہیر کے حالات ہیں، کتاب کے شروع میں خالص مترجم کے قلم سے قدیم یونان دروسہ کی مختصر تاریخ ہے جس میں ان کے اشخاص کے حالات کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے، ترجمہ کی خوبی کے لئے لائق مترجم کا نام کافی ہے اس کتاب کی مکمل اشاعت کے بعد اردو میں ایک اہم کتاب کا اضافہ ہوگا،

تعلیم کا مسئلہ، از جناب ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی پروفیسر ریاضی جامعہ عثمانیہ،
تقطیع چھوٹی، ضامت ۶۶ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت :- عدد چھ سب رس
کتاب گھر خیرت آباد حیدر آباد دکن،

حکومت نے اپنے مصارع کے اعتبار سے ہندوستان کا نظام تعلیم ایک خاص منہج کا بنایا تھا، جو نہ صرف قومی اور ملکی بلکہ خاص تعلیمی نقطہ نظر سے بھی اتنا ناقص اور تعلیم کے اصلی مقاصد سے اتنا دور ہے، کہ وہ ملک کے لئے مفید اور کارآمد تعلیم یافتہ اشخاص پیدا نہیں کر سکتا اور یہ مسئلہ اتنا مسلم ہو چکا ہے کہ ہندوستان کے قومی ماہرین

تعلیم کے لئے بھی لائق غور بنا ہوا ہے، جناب ڈاکٹر رضی الدین صدیقی نے اس کتاب میں صحیح تعلیمی اور قومی نقطہ نظر سے مسئلہ تعلیم پر بحث کر کے مسلمانوں کے نظام تعلیم کا خاکہ پیش کیا ہے، اور تعلیم و تربیت کی اصلی غرض غایت ظاہر کر کے موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دکھائے ہیں، اور قومی و ملکی ضروریات کے مطابق ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تینوں تعلیمی درجات کا نظام اور نصاب پیش کیا ہے، اور جامعات کے شعبہ فنون کی موجودہ تقسیم کے متعلق بعض تجویزین پیش کی ہیں، اس خاکہ میں مسلمانوں کی تعلیم کا کوئی اہم اور ضروری پہلو چھوٹے نہیں پایا ہے، اور ملکی اور مذہبی نقطہ نظر سے تعلیم کے تمام اجزاء و عناصر اور تعلیم سے متعلق دوسرے ضروری مسائل پر بڑی سنجیدگی اور اعتدال و توازن کے ساتھ بحث کی گئی ہے، اور نصاب میں ان سب کا پورا جائزہ رکھا گیا ہے، یہ کتاب مسلمانوں کی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب اساتذہ آزادی پسند نوجوان طلبہ اور ان کے غلط بین والدین کے مطالعہ کے لائق ہے، اگرچہ یہ کتاب مسلمانوں کی تعلیم پر لکھی گئی ہے لیکن مسیحی تعلیمی مسائل ہندو مسلمان دونوں کے مشترک ہیں، اس لئے یہ کتاب دونوں قوموں کے لئے مفید ہے گویہ ایک مختصر رسالہ ہے لیکن اپنے خزانے کے اعتبار سے طویل کتابوں سے بھی بہتر ہے،

روح القرآن، مولفہ جناب فیروز الدین خان، تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحہ، کاغذ کتابت

وطاعت بہتر، قیمت جلد پہلے، پتہ ملک دین محمد انیسٹ سنٹر تاجران کتب کثیرہ بازار لاہور،

اس کتاب کا مقصد مسلمانوں میں اسلامی امارت، اور حکومت الیہ کے قیام کی تبلیغ ہے، تمہید میں مصنف نے توحید یوم آخرت، انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے مقصد کلام مجید کی اہمیت و ضرورت اس کے آخر الکتاب ہونے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے مسائل پر مختصر روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد عبادت و عبادات اخلاق و معاملات اور انسانی معاشرت کے دوسرے مسائل اور حکومت کے بارہ بین کلام مجید کے احکام و تعلیمات اور اس کے ادا کرنے والی آیات کا ترجمہ پیش کیا ہے، اور سیرت نبوی اور سیرت خلفائے راشدین اور ان دونوں زمانوں کے واقعات سے اسلامی تعلیمات کے اثرات و نتائج دکھائے ہیں اور اسلامی حکومت

کا نسب الیہین بن کر قرآن پاک سے مسلمانوں کی غفلت دکھائی ہے اور مسلمانوں کی تنظیم اسلامی اہارت کی مذہبی اہمیت واضح کر کے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی جماعت اسلامیہ میں شامل ہونے کی ترغیب دی ہے، ان مباحث کے ضمن میں اور بھی بہت سے مفید مذہبی معلومات آگئے ہیں، اس کتاب میں کلام مجید کی بہت سی تعلیمات کی کرا دی گئی ہیں، اس لئے عام مسلمانوں کے لئے مفید ہے، لیکن غالباً مصنف نے کتاب کی ترتیب میں اصل عربی ماخذوں کے بجائے زیادہ تر اردو تصانیف سے مدد لی ہے، اس لئے اردو کی نگاہ سے بہت سے تاریخی گوشے مخفی رہ گئے ہیں جس کا اندازہ کتاب کے بعض مندرجات سے ہوتا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں، 'ابو ذریک ممتول صحابی تھے، (ص ۸۰) جو صحیح نہیں ہے، حضرت ابو ذر غفاریؓ تو سرمایہ داری کے سخت خلاف تھے، وہ کل کے لئے کچھ اٹھا رکھنا گناہ سمجھتے تھے، اور عمر بھر اس کی تبلیغ کرتے رہے، اس سلسلہ میں مولف نے غلاموں کی تحقیر اور ان کو مارنے کا جو واقعہ ان کی جانب منسوب کیا جو وہ بھی ان کی مساوات پسندی سے بعید ہے، معلوم نہیں کمان سے نقل کیا ہے، حضرت ابو ذر غفاریؓ تو غلاموں کے ساتھ کسی قسم کا فرق و امتیاز روا نہ رکھتے تھے، جو خود کھاتے اور پیتے تھے، وہی غلاموں کو کھلانے اور پیناتے تھے، یا ایک مقام پر لکھتے ہیں تشریف میں ایک شخص عمر بن عبدالعزیز کو مسلمانوں نے قتل کر دیا، اس انداز تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جلالتِ شان سے ناواقف ہیں، اس قسم کی بعض اور فروگزاشتیں بھی ہیں لیکن ان سے قطع نظر کتاب عام مسلمانوں کیلئے مفید ہے، ان کا بڑا حصہ دارالمنصفین کی سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ سے ماخوذ ہے،

الف لیلة وليلة حسوم، مترجمہ ڈاکٹر ابوالحسن منصور احمد صاحب مرحوم سابق پروفیسر عربی
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، تقطیع بڑی ضخامت ۵۵۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر تہ جلد
غیر مجلد لکچر پتہ :- انجمن ترقی اردو دہندہ دہلی،

الف لیلة عربی کی اتنی مشہور و مقبول کتاب ہے کہ اس کا ترجمہ تقریباً دنیا کی تمام ترقی یافتہ زبانوں میں

ہو چکا ہے، اردو میں بھی عرصہ ہوا، اس کا ترجمہ ہوا تھا، لیکن غالباً مکمل نہیں ہے، دوسرے پرانا ہونے کی وجہ سے جدید مذاق کے مطابق نہیں ہے، اس لئے مترجم مرحوم نے دوبارہ اس کا ترجمہ کیا تھا، اس کے دو حصے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں، یہ تیسرا حصہ ہے، اس میں دو سو بیسویں رات سے چار سو اکتھویں رات تک کی حکایات ہیں، ترجمہ کی صحت کا پورا اندازہ تو اصل سے مطابق کے بعد ہی ہو سکتا ہے لیکن مترجم مرحوم عربی کے فاضل تھے، اس لئے امید یہی ہے کہ ترجمہ صحیح ہوگا، ترجمہ کی عبارت سے مترجم کی احتیاط پوری طرح ظاہر ہے، امید ہے کہ یہ ترجمہ مقبول ہوگا،

مذکرہ دارالعلوم از جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی تقی طبع چھوٹی ضخامت ۱۲۸ صفحے، کاغذ کتب و طباعت معمولی، قیمت مددِ سہ چھپائی ایشیٹن روڈ حیدرآباد دکن،

ہندوستان کی سب سے قدیم درس گاہ حیدرآباد کا مدرسہ دارالعلوم تھا، جس نے اب جامعہ عثمانیہ کی شکل اختیار کر لی ہے، یہ دارالعلوم ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۵۶ء میں قائم ہوا، سنہ ہجری کے حساب سے اس کے قیام کو نوے سال ہو چکے، اس لئے گزشتہ سال اس کی ۹۰ سالہ جو بی منائی گئی تھی، اس طویل مدت میں دارالعلوم پر بد و جزر، اور ترقی و تنزل کے مختلف دور گزرے، مصنف نے جو بی کی یادگار میں اس کی ۹۰ سالہ گزشتہ قلمبند کی ہے، حیدرآباد میں یہ دارالعلوم تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس لئے اس سرگزشت میں حیدرآباد کی پوری تعلیمی تاریخ لکھی ہے، آخر میں دارالعلوم کے تعلیم یافتہ اشخاص کی علمی و مذہبی خدمات کا ذکر اور ممتاز و نامور اشخاص کے نام دیدیئے ہیں،

چاند سوچ کی چوری از جناب مرحوم ہاشمی تقی طبع چھوٹی ضخامت ۱۸۰ صفحے قیمت عاریتہ: نیا کتاب گھر روڈ بازار دہلی
یہ ایک جاسوسی گانہ ہے جس میں ہیر دکنی چوری اور اس کا انکشاف دکھایا گیا ہے اس قسم کے افسانوں کو دوسری باروں سے مانو ہوئی ہیں اس کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ افسانہ مصنف کا بطور ادبی اسکی تصدیق انسان کے پلاٹ بھی ہوتی ہے
اس میں پیرچہ اور حیرت انگیز واقعات کے بجائے سادہ و سادہ سوالات کو بیان کر دیا گیا ہے تاہم افسانہ دیکھی ہو خالی نہیں، تم

جلد ۵۳ ماہِ جمادی الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ماہِ جون ۱۹۴۴ء عدد ۶

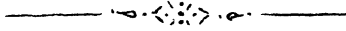
مضامین

- نذرات ، شاہد حسین الدین احمد ندوی ، ۴۰۳-۴۰۴
- سلسلہ شاہ ولی اللہ کی خدمتِ حدیث ، جناب مولانا ظفر محمد عثمانی استادِ دینیات ۴۰۵-۴۲۰
- ڈھاکہ یونیورسٹی ،
- اسلامی معاشیات کے چند فقہی اور قانونی ابواب ، جناب مولانا مناظر حسن مکیلانی استاد ۴۲۱-۴۲۲
- دینیات جامعہ عثمانیہ ،
- موفق الدین عبد اللطیف بغدادی ، مولانا عبدالسلام ندوی ، ۴۲۲-۴۵۳
- یکے تفسیرِ رازی کے متعلق ، مولوی محمد اویس صاحب ندوی لکھنؤی ۴۵۴-۴۶۳
- رفیقِ دارالمصنفین ،
- دورۃ التاج نفرة الدُّباج اور علما طلبة بین شیرازی "د" ۴۶۴-۴۶۵
- ذوق و شوق ، جناب آنور کرمانی لاہوری ، ۴۶۵
- غزل ، جناب رمز گنوری ، ۴۶۵-۴۶۶
- سہول گئے ، جناب شفیع منصور ایم اے شملہ ، ۴۶۶
- مطبوعات جدیدہ ، "م" ۴۶۶-۴۸۰

شش شش

موجودہ جنگ کے مصائب سے دنیا تنگ آپکی ہو اور بڑے بڑے عقلا، و مفکرین آئندہ لڑائیوں کے
 انسداد اور مخلوق کو اس کی تباہیوں سے بچانے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں، گو اس سلسلہ میں ابھی کوئی مرتج
 اور متعین تجویز سامنے نہیں آئی، لیکن یقین ہو کہ اسی قسم کی کوئی مادی و سیاسی تدبیر ہوگی جیسی تدبیریں اس
 پہلے اختیار کی جا چکی ہیں اور جن کی ناکامی کا تجربہ ہو چکا ہو، ممکن ہو ان تدبیروں سے لڑائیوں کا درمیانی
 وقفہ کچھ زیادہ طویل ہو جائے، لیکن ان سے ان کا انسداد ہونا بہت مشکل ہو، اس لئے کہ یہ لڑائیاں نتیجہ
 ہیں مغربی تمدن کی بنیادی خرابی کا جب تک اس کی اصلاح نہ ہوگی دنیا کو امن و سکون حاصل نہیں
 ہو سکتا، جو تمدن و نظام حیات خدا سے واحد کے یقین اور مذہب و روحانیت کے تصور سے خالی ہوا
 جس کی بنیاد مائتہ ادایت پر ہو اس کا لازمی نتیجہ خود غرضی اور فساد فی الارض ہے، صرف زبان سے خدا
 کا نام لے لینا اور کسی مذہب کی جانب انتساب کافی نہیں ہو جب تک اعمال میں اس کا اثر ظاہر نہ ہو
 انسانی فطرت خود غرض اور نفس پرست واقع ہوئی ہے، اس کو روکنے والی چند چیزیں ہیں کسی اعلیٰ
 و برتر اور دانا و بینا ذات اور غالب و عادل قوت کا یقین، اعمال کے دنیوی یا آخروی محاسبہ و مواخذہ
 کا خوف، ذاتی اخلاقی احساس و شرافت انسانی کا جذبہ، ان کے علاوہ دنیا کی کوئی درحقت انسانوں کو
 عالمگیر نظام اخلاق اور شرافت انسانی کے ضابطوں کا پابند نہیں بنا سکتی فطری مصالح اشخاص کے حقوق
 اور ان کے انفرادی اخلاقی احساس سے انکار نہیں ایسے اشخاص ہر قوم میں پائے جاتے ہیں، لیکن قوم

مغربی قومیں اس احساس سے بالکل بے گانہ ہیں اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اپنی قوم کے ساتھ جن کی مضابطہ کی پابندی ضرب المثل ہو وہ دوسری اقوام کے مقابلہ میں سب سے بڑی قانون شکن بن جاتی ہیں،



درحقیقت زندگی کے بارہ میں موجودہ تمدن کے خالص مادی تصور کے ساتھ عالمگیر اخلاقی احساس کا اجتماع ہو ہی نہیں سکتا اس تصور نے مذہب و روحانیت سے قطع نظر خالص اخلاقی قدروں کو بھی ختم اور محدود قومیت و وطنیت نے عالمگیر انسانی اخوت و ہمدردی کا جذبہ بالکل سرکڑ دیا ہے اور اپنی سیاسی سر بلندی، اقتصادی برتری ذاتی منفعت، تعیش کے زیادہ سے زیادہ وسائل کی فراہمی اور ان سے لذت اندوزی ہر قوم کا نصب العین بن گیا ہے۔ ان مقاصد کا لازمی نتیجہ خود غرضی، رشک، رقابت اور جنگ و خونریزی ہے اس لئے کہ ذاتی تقوق و برتری اور غیر محدود تعیش میں اخلاقی احساس عالمگیر انسانی اخوت اور دوسروں کے حقوق کی گنجائش کہاں چنانچہ اس تمدن کے پُر فخر کارنامے ہر سائنس کی حیرت انگیز ترقی، مشینی صنعت و حرفت و تجارت کا غیر معمولی فروغ، مصنوعات کا تنوع اور ان کی کثرت اور تعیش کے سامانوں کی فراوانی ہی جنگ و خونریزی کا سبب بن گئے ہیں جو قوم ان اسباب و وسائل کے لحاظ سے ترقی کے جتنے ہی بلند درجہ پر ہوگی، اتنے ہی وہ اپنی برتری کے قیام اور طلب منفعت کے لئے دوسری قوموں کے حقوق کی پامالی پر مجبور ہوگی جس کا لازمی نتیجہ جنگ و خونریزی ہے اس لئے جب تک اس بنیادی خرابی کی اصلاح نہ ہوگی اس وقت تک دنیا کو جنگ و بد امنی سے نجات نہیں مل سکتی،



بہت سی قدیم قومیں جو اپنے دور کی تمدنی ترقی کے اعلیٰ مابرج پر تھیں اس مادی تصورات اور غرضیہ کی بدولت تباہ ہو چکی ہیں کیا عجب ہو کہ آج بھی تاریخ اسی عبرت آموز سبق کو دہرا رہی ہو اس لئے اگر یورپ کو

اپنی بقا منظور ہو تو اس کو اپنا تصورات بدلتا پڑے گا اور نہ اسے حق باتوں کے سامنے سرخم کرنا پڑے گا ورنہ گزشتہ قوی کی طرح اس کی تاریخ بھی فسادِ عبرت بن جائیگی یہ محض خوش اعتقاد ہی ہو کہ ایسا عالمگیر اور عظیم الشان تمدن تباہ نہیں ہو سکتا۔ روم کے دورِ عروج میں کون اس کے زوال کا یقین کر سکتا تھا۔ قوموں کی بقا و فساد کے اعمال پر موقوف ہوا اور اس کا فیصلہ مستقبل کرتا ہی، تباہی کے معنی محض بے نام و نشان ہی ہو جانے کے نہیں ہیں، انسانی فلاح و سعادت کے بارے میں کسی تمدن کی ناکامی بھی درحقیقت اس کی تباہی ہی ہو اس تمدن کی ناکامی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ جو دنیا کو جنتِ ارضی بنا دینے کا مدعی تھا اور اس کو جہنم بنا رہا ہو، خودیورپ کے مذہبی اور روحانی حلقوں سے اس مادہ پرستی کے خلاف آوازیں بلند ہو رہی ہیں لیکن سیاست کے تقاضا میں چرچ کے طوطیوں کی آواز کون سنتا

— ۰۰۰ < (۰) > ۰۰۰ —

ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن نے اپنی چھٹی عمر میں زبان کی جو گوناگوں اور متنوع خدمات انجام دی ہیں مثالی و مسرور اور وہ میں مکمل کر ٹیگی اب اس کے نوجوان اور بلند ہمت کارکنوں نے سارے ہندوستان میں اردو کی خدمت کو نئے ایک وسیع نظام کی ترتیب قیام کی جانب قدم بڑھایا ہے اور اس سلسلہ میں ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱

مقالہ

سلسلہ شاہ ولی اللہ کی حدیث

از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ٹھاکہ یونیورسٹی

(۲)

قطب الارشاد مولانا رشید احمد محدث گنگوہی (د ف ۱۳۶۶ھ) سے حدیث پڑھی، اور درس حدیث بنوہی کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا۔

امام وقت ابو عقیقہ، عصر امیر المؤمنین فی الحدیث تھے، شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی نے آپ سے حدیث حاصل کی، جب تک بنیائی قائم رہی، ہر سال دورہ حدیث پورا کرتے تھے، جملہ صحاح پر آپ کی تقریریں ضبط کی گئی ہیں جن میں سے الکوک الدرریٰ ترمذی پر دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، جو آپ کے اہل تلامذہ مولانا شیخ محمد یحییٰ گاندھلوی کی ضبط کردہ اور ان کے صاحبزادہ شیخ احمد علی مولانا محمد زکریا شاہ حدیث مظاہر علوم سہارنپور کے تلمیذ کے ساتھ مزین ہے، ایک اور تقریر اردو میں النسخ الشذی کے نام سے شائع ہوئی ہے، آپ کی تقریریں تمام صحاح پر عربی، فارسی، اردو میں مولانا امان اللہ خان صاحب، اور مولانا سعد الدین خان صاحب کے پاس محفوظ ہیں، خدا کرے اور ان کی اشاعت کا انتظام ہو جائے،

حضرت محدث گنگوہی کی تعاریر حدیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ کو شرح معانی حدیث اور تطبیق متعارفات کا خدا داد ملکہ عطا ہوا تھا، عدد رکعات تراویح اور قرأت خلف الامام کے متعلق آپ نے مستقل رسالے بھی تالیف فرمائے، لطائف رشیدیہ میں بعض مشکل احادیث کا عجیب و غریب حل فرمایا ہے، جو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہو کہ فیوض دینی الہی سے اللہ تعالیٰ نے بہت اعلیٰ حصہ آپ کو عطا فرمایا تھا،

کتب حدیث کی تلاش کا آپ کو بہت اہتمام تھا، سنن بیہقی کا نسخہ بڑی کوشش سے نقل کرا کے حاصل کیا، (جواب حیدر آبادین مکمل طبع ہو گئی ہے)

مولانا کی اولیات میں سے یہ ہر کہ دورہ حدیث میں ترمذی شریف کو مقدم کرتے تھے، کیونکہ موطا امام مالک اگرچہ اہلیت اور فضیلت کے اعتبار سے سب پر مقدم ہے مگر صناعت حدیث میں ترمذی کا مقام بہت بلند ہے، امام ترمذی ہر حدیث پر جرحاً و تعدیلاً کلام کرتے ہیں، وجوہ علل سے خوب بحث کرتے ہیں جن کو سمجھ لینے کے بعد طالب علم کو فی حدیث سے پوری مناسبت ہو جاتی ہے، وہ ہر باب میں ایک دو حدیث روایت کر کے اسی باب کی دوسری افادگی کی جانب اشارہ بھی کر دیتے ہیں، جس پر تحقیق کے ساتھ کام کرنے سے طالب علم کو وسعت نظر حاصل ہو جاتی ہے، ابواب الاحکام کے ہر باب میں اقوال فقہاء و مذاہب صحابہ و تابعین بھی بیان کر جاتے ہیں جس کا جاننا عقائد اور مجتہدوں و فروع کو ضروری ہے ترمذی کو سمجھ کر پڑھ لینے کے بعد ہی طالب علم کو بخاری کے لطائف اسناد اور تراجم ابواب کی خوبیاں نظر آ سکتی ہیں، اس لئے بخاری کا درس ترمذی کے بعد ہوتا تھا، مگر ترمذی کی تقدیم کا یہ مطلب نہ تھا کہ موطا امام مالک سے بے اعتنائی کی گنجائش تھی آج کل عموماً ہمارے مدارس میں مشاہد ہے، مقام شکر ہے کہ اب ہمارے نوجوان شیخ الحدیث مولانا غفرلہ کا ندھلوی نے موطا امام مالک کی ضخیم شرح بنام اوجز المسالک تصنیف کر کے سنت ولی التمی کو پھر زندہ کر دیا ہے، اب علماء و طلبہ کو موطا امام مالک پڑھو ہی تو جہ ہونے لگی ہی جو سلسلہ ولی التمی کو ہونا چاہئے،

مولانا احمد حسن محدث اردہی متوفی ۱۳۲۸ھ

درس حدیث کے لئے زندگی وقف کر دی تھی، استاد کی تقریریں آپ کو بہت محفوظ تھیں، اسی لئے آپ کا درس حدیث بہت مشہور تھا، آپ کے تلامذہ کے پاس وہ تقریریں محفوظ ہیں مولانا گنگوہی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، آخری دورہ حدیث حضرت نے کا ندھلویؒ کی ۱۳۳۴ھ

آپ ہی کی وجہ سے پڑھایا، آپ نے مولانا گنگوہی کی تمام صحاح پر تھاپا اور در

کو بڑی قابلیت و ضبط و اتقان سے محفوظ فرمایا ہے، مدرسہ مطاہر علوم سہارنپور میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی جگہ سالہا درس حدیث دیتے رہے، بہت علماء آپسے فیضیاب ہوئے، اس ناچیز کو بھی شرفِ علم حاصل ہے، فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مجھے چار نعمتیں عطا فرمائی ہیں جن سے مجھے اپنی مغفرت اور کامیابی کی قوی امید ہے، (۱) محبت شیخ و خدمت شیخ (۲) محبت قرآن و سجد (۳) محبت رسول (۴) شفقتِ خدا مولانا خلیل احمد صاحب کی حیات ہی میں آپ کا سہارنپور میں انتقال ہو گیا، تقدیر اللہ برحمتہ و درودنا آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے مولوی محمد زکریا صاحب ملہ، جو والدہ سرکامیہ کے پورے مصداق بن تالیف بذل الجود میں مولانا خلیل احمد صاحب کے قوتِ بازو بنے، اور اب اپنے والدِ ادیر شیخ کی جگہ مدرسہ مطاہر علوم میں شیخ و حدیث بن اطلال اللہ بقاء کا آمین۔

شیخ المند مولانا محمد حسن محدث دیوبند (د ۱۳۳۹ھ)

آپ مولانا محمد قاسم صاحب کے اجل تلامذہ میں سے ہیں، مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دارالعلوم کے بعد آپ کو صدر مدرس دارالعلوم بنایا گیا، آپسے بیشمار علمائے حدیث پر بھی، اور سند حاصل کی، ترمذی پر آپ کی تقریر طبع ہو چکی ہے، ابو داؤد و شریف پر بھی آپ کا حاشیہ ہے، دارالعلوم دیوبند کے فاضلین کے پاس آپ کی وہ تقریریں محفوظ ہیں، جو صحاح ستہ کے درس میں آپ نے بیان فرمائیں، جن سے آپ کی شانِ تحقیق ظاہر و باہر ہے، رسالہ عظمتِ دینی جو حدیث بذالوحی کی شرح ہے، اور شرح تراجم ابواب بخاری آپ کی حدیث دانی کی کافی دلیل ہے، آپ کا علم بڑا عیسق تھا جس پر الادولہ و ایضاح الادولہ و احسن القرئی شاہِ عدل ہے، آپ کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کو بہت زیادہ ترقی ہوئی جس کو عظیم الشان جلسہ تاسیسی ۱۳۲۲ھ نے دنیا کے سامنے آفتاب کی طرح روشن کر دیا تھا،

شیخ وقت حضرت مولانا خلیل احمد زبان پہ بار خدا یا یہ کس کا نام آیا
محدث سہارنپوری تاجِ مدنی (د ۱۳۴۴ھ) کہ میرے فطرت نے جو سحری زبان کے کو

تھے

حضرت مولانا اپنے وقت میں محدثِ عالی الاسناد فقہِ اوقات قطب الارشاد رئیس الاذکیاء راس المنظر

روحانی قوت بھی بہت زبردست تھی، آپ نے علمِ حدیث حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی سے حاصل کیا تھا جو مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپور کے بعد مدرسہ مظاہر علوم کے صدر مدرس تھے، مولانا محمد مظہر صاحب نے مکمل مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی اور صدر الصدور مولانا صدر الدین دہلوی اور مولانا رشید الدین دہلوی سے جملہ علوم حاصل کئے، اور بخاری شریف شاہ اسحاق صاحب سے پڑھی، پھر مولانا خلیل احمد صاحب نے قیام بھوپال میں حضرت مولانا عبدالقیوم بھوپالی سے بھی دوبارہ بخاری شریف، شمائل ترمذی اور کچھ حصہ مسلم شریف کا اور سلسلہ شاہ ولی اللہ اور نوادر و درثین پڑھ کر جملہ کتب حدیث کی اجازت حاصل کی، آخر کی ان تین کتابوں کی سند متصل اس زمانہ میں بجز مولانا کے کسی کے پاس نہ تھی، اس لئے علماء جوق جوق مولانا کے پاس آتے، اور ان کتابوں کی سند حاصل کرتے تھے، پھر اسی سال ۱۲۹۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، اور مکہ مکرمہ میں مولانا الشیخ احمد دحلان مفتی شافعیہ سے روایت و اجازت حدیث حاصل کی، اب مدینہ منورہ میں محدث دارالہجرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی کو جملہ کتب حدیث کے اوائل سنا کر اجازت حاصل کی اور سلسلہ باجانبہ الدعار فی الملتزم کی اجازت بالتفصیل حاصل کی، پھر ۱۳۲۲ھ میں جب تیسری بار زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے تو مولانا السید احمد بزننجی مفتی الشافعیہ سے سند حدیث حاصل کی اس وقت یہ ناکادہ بھی حضرت مولانا کے ہمراہ تھا، پھر ۱۳۲۹ھ میں مولانا السید بدر الدین محدث شام سے جو امام نووی کے مشہور دارالحدیث کے صدر نشین اور نہایت تتبع سنت مرجع العلماء بزرگ تھے بذریعہ خط کے سند حدیث حاصل کی، اس کو حضرت مولانا کا شنف باحدیث بخوبی واضح ہے، آپ اپنے استاد مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی کے بعد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے صدر مدرس مقرر ہوئے، اور ساری عمر درس حدیث و تفسیر و فقہ میں گذری، آخر عمر میں بذیل المجود و سنن ابی داؤد کی شرح پانچ ضخیم جلدوں میں تصنیف فرمائی، اس کی تالیف ۱۳۲۵ھ میں شروع ہوئی، اور شوال ۱۳۲۵ھ میں مدینہ منورہ میں تمام ہوئی، اور اس نشی میں مدینہ منورہ کے اعیان و علماء کو دعوت دینی جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ختم فتح ابارہ کی کے وقت مصر میں

شامدار دیکھ لیا تھا، اس کتاب کے ختم کے بعد ہی آخر رمضان میں حضرت مولانا پرفا ج کا اثر شروع ہو گیا، اور ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو بقیع الغرقہ میں قبور اہل بیت کے قریب دفن ہوئے، جو آپ کی دیرینہ تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ موتِ مدینہ اور جو رسول عطا فرمائے، چنانچہ عطا کیا گیا،

تو جنینِ خواہی خدا خواہ جنین

می دہد یزدان مراد متیقن

بذل الجہود میں کیا ہے، اوس کو علماء خود سمجھ سکتے ہیں، مگر غور کے طور پر چند باتیں عرض کر دیتا ہوں (۱) کوئی بات اوس وقت تک نہیں لکھی گئی جب تک متقدمین کے کلام میں اس کی تائید نہ مل گئی (۲) مذہبِ خفی کی پوری تحقیق اور کافی دلائل بیان کئے گئے، دوسرے مذاہب کے دلائل کا جواب بھی نہایت تحقیق سے دیا گیا (۳) ہر راوی کے متعلق پوری جرح و تعدیل صناعتِ حدیث کے موافق کی گئی (۴) جو روایات ابو داؤد میں مطلق تھیں، ان کا دوسری کتابوں سے متصل ہونا ظاہر کیا گیا (۵) جو روایات ابو داؤد میں منقطع تھیں، ان کو دوسری کتابوں سے جہانِ مفصل میں، مکمل طور سے بیان کیا گیا یا حوالہ دیدیا گیا، (۶) حدیثِ رسول کا منشاء ظاہر کر کے وہ محاسن وحقائق بیان کئے گئے جن کا حفظانِ دانِ محدث ہی اٹھا سکتا ہے (۷) بعض مقامات کو حضرت نے اول اپنی فہم کے مطابق املا کرایا، پھر خواب میں تنبیہ ہوئی کہ فلاں مضمون کو اس طرح نہیں بلکہ اس طرح لکھنا چاہئے، بیدار ہو کر کتابوں سے مراجعت کی گئی تو معلوم ہوا کہ خواب صحیح تھا، پھر اس مقام کو صحیح طور سے لکھا گیا، غرض اس کتاب کی تالیف میں تائیدی غیبی مولانا کی شامل حال تھی، رحمہ اللہ رحمتہ واسعۃ و درفعہ فی اعلیٰ علیتین درجۃ و کرامۃ آمین،

حضرت مولانا کو حدیث کی نادر قلمی کتابیں جمع کرنے کا بہت شغف تھا، ابو داؤد کی شرح ابنِ سلیمان جو بہترین شرح ہے، مکہ معظمہ میں دستیاب ہوئی تو اوس کی نقل کر کر تالیف بذل الجہود میں اوس سے مدد لی، مصنف عبدالرزاق کی ایک جلد مدینہ منورہ میں ملی، اوس کی نقل کرائی، پھر کتب خانہ سندھ میں دوسری

جلد کا پتہ لگا، تو اس کو نقل کر لیا، جمع الفوائد مجموعہ جامع الاصول و مجمع الزوائد کا نسخہ مولانا عاشق الہی صاحب کو دستیاب ہوا، تو حضرت نے اس کے طبع کا حکم فرمایا چنانچہ طبع ہو کر علماء کے ہاتھوں میں پہنچ گئی،

حافظ حدیث بحر العلوم مولانا سید انور شاہ کشمیری (دف ۳۵۴)

آپ حضرت شیخ الحدیث انجمن اور مسند حدیث دارالعلوم دیوبند کی رعیت تھے اخیر عمر میں چند سال جامعہ ڈابھیل ضلع سورت کے بھی شیخ الحدیث رہے، آپ کی

قوتِ حافظہ کو دیکھ کر اسلافِ محدثین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، درس کے وقت روایات و تحقیقات کا سند جوش مارتا ہوا نظر آتا تھا، ایک دفعہ اس کا کارہ نے مولانا کی بیاض پر ایک نظر ڈالی جس میں بطور یادداشت کے مولانا کچھ نوٹ کر لیا کرتے تھے، میں حیرت زدہ ہو کر رہ گیا، کہ ایک ایک مسئلہ کے لئے مختلف کتابوں کے متعدد صفحات کا حوالہ درج تھا، جو مولانا کے کثرتِ مطالعہ اور وسعتِ نظر کی روشن دلیل تھی، کمال یہ کہ وہ یادداشت صرف کتاب ہی میں نہ تھیں، بلکہ دماغ میں بھی محفوظ تھیں، اور درس کے وقت ان کے حوالہ سے عجیب و غریب تحقیقات بیان ہوتی تھیں، آپ کی امالی میں سے فیض الباری چار ضخیم جلدوں میں مہرین طبع ہوئی ہے، یہ بخاری شریف کے درس کی تقریر ہے، جو آپ کے بعض تلامذہ نے ضبط کی تھی، جامعہ مدنی کی تقریر ابو العرفان اللہ و دجلہ دون میں ہے، ابو داؤد کی تقریر بھی دو جلدوں میں ہے، سنن ابن ماجہ پر بھی آپ کا حاشیہ قراءۃ فاتحہ خلف الامام، اور صلوة التواریخ الیدین پر الگ الگ مستقل رسالے تصنیف فرمائے ہیں جن کو دیکھ کر آپ کے بحرِ علمی اور حفظِ حدیث اور وسعتِ نظر کی داد دینی پڑتی ہے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کتب نادرہ علم حدیث و فقہ کے حاصل کرنے کا مولانا کو بڑا اہتمام تھا، معانی الآثار طحاوی کے رجال میں کتاب کشف الاستار بڑی محنت سے نقل کرائی، جو طبع ہو گئی ہے، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند میں بہت کتابیں آپ کی محنت و سے داخل ہوئیں،

حدیث بنگال مولانا محمد اسحاق صاحب

آپ مولانا حکیم الامت تھانوی کے اجل تلامذہ سے تھے، حضرت حکیم الامت کی جگہ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں ۲۵ سال تک درس حدیث و

برددانی (دف ۳۵۴)

و تفسیر دیا، آپ کا حافظہ بڑا عجیب تھا، تلاوت قرآن کی طرح بخاری شریف کا ایک پارہ تلاوت کرنے کا وہ سہول تھا، گویا اس زمانہ میں بخاری شریف کے حافظ تھے، ایک نجدی عالم نے مکہ معظمہ میں بعض مسائل میں آپ گفتگو کی، اتنا سے کلام میں ایک حدیث کی بابت مولانا سے دریافت کیا، کہ یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ آئی ہے، مولانا نے رجسٹر جواب دیا، کہ کچھ جگہ آئی ہے، نجدی عالم اس جواب سے متحیر ہو کر کہنے لگا، مجھے خبر تھی کہ ہندوستان میں بھی حدیث کے حافظ موجود ہیں، مولانا نے موطا امام مالک کی شرح عربی میں لکھنی شروع کی تھی، دو چار صفحات کی شرح ۱۲۵ صفحات میں لکھی گئی، مگر افسوس ہے پوری نہ ہوئی، ورنہ عجائب روزگار سے ہوتی رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ.

حکیم الامت مجدد ملت مولانا محمد اشرف علی صاحب
حدیث تھا نوی نور اللہ رحمہ اللہ (ف ۳۳۷)
وہ حکیم امت مصطفیٰ وہ مجددِ طرقِ ہدیٰ: وہ جو بائیس تھے مزارِ دل، وہ کان پڑی بھائی
اشرف علی مزار تھا شمس المعارف و النقی: جو عمل سوائے نمونہ عمل صحابہ دکھائے

اسلامیانِ ہند کی یہ بزرگ ہستی ابھی چار بیسے پہلے ہماری نظروں کے سامنے تھی، اور ہمیں خبر تھا کہ اگر کوئی ہم سے یہ پوچھتا کہ اس وقت مسلمانوں میں سلف کا نمونہ کون ہے؟ تو ہم یہ کہہ سکتے تھے، مولانا اشرف علی تھا نوی، مولانا نے ایک قدم بھی خلافتِ شریعت نہیں اٹھایا، آپ نے صرف اللہ پر نظر لکھ کر کام کیا، کسی دنیوی ریاست یا سلطان و ولایت پر کسی وقت نظر نہیں کی، آپ کی اٹھ سو کتابوں اور ہزار ہا خطوط میں جو مردوں کے نام بھی ہیں اور عورتوں کے بھی، کوئی بات ایسی تین پیش کی جاسکتی جس کو پڑھتے ہوئے تہذیب کے چہرہ پر جھینپ کے آثار نمودار ہوں،

مولانا ابتداء سے عربی سے جب کہ اٹھارہ سال کی عمر تھی مصنف تھے، اور آخر عمر تک مصنف رہے، اس مصنف جس نے تقریباً ہر علم میں تصنیف کی ہو، اور اتنی کثیر مقدار میں کتابیں لکھی ہوں، امام سیوطی کے بعد

اسے مسائلِ مخصوصہ زمانہ اور مسائلِ بطریقہ کو رہنے دیجئے کہ وہ عورتوں کے معاملہ کے لئے ہیں، درس و تدریس کے لئے نہیں ہیں، اور ان کی ضرورت کو کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا، پھر وہ مولانا کی تصنیف نہیں ہیں، بلکہ ان کے شاگردوں کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں،

مولانا کے سوانح میں دیکھا گیا، وخطا اور خوش بیانی میں تو بے نظیر تھے ہی، کہ جس جلسہ میں تقریر کو کھڑے ہوئے پھر کسی کی تقریر سامعین کو پسند نہ آتی تھی، مولانا نے اپنی تصانیف سے دنیوی نفع کبھی حاصل نہیں کیا، نہ کسی کتاب کا حق تصنیف کسی سے لیا، تمام کتابیں اللہ کے لئے اور اصلاحِ امت کے لئے لکھیں، اور ہر شخص کو چھاپنے کی اجازت دیدی،

میں اس وقت صرف آپ کی خدمت حدیث پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں، کیونکہ عام طور پر مسلمان آپ کے ایک صوفی، عالم، مفسر، فقیہ، واعظ کی حیثیت ہی سے پہچانتے ہیں، حالانکہ خدمت حدیث بھی اس زمانہ میں آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے، جو آپ کے تاجِ مجدویت کا درخشاں گوہر ہے، آپ نے علم حدیث کی باقاعدہ سند ملا محمد دیوبندی اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، اور مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند جہل کی، ملا محمد صاحب اور مولانا محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالغنی صاحب حدیث پڑھی، اور مولانا محمود صاحب نے مولانا محمد قاسم صاحب سے،

حضرت حکیم الامت کو قاری عبدالرحمن صاحب محدث پانی پتی سے بھی سند حدیث حاصل ہے، اور مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب سے بھی بعض کتب حدیث پڑھ کر سند حاصل کی ہے، پندرہ برس تک مدرسہ جامع العلوم کانپور میں باقاعدہ حدیث کا درس دیا، اور آپ کے شاگردوں میں کثرتِ محدث پیدا ہوئے، جن میں مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سب سے زیادہ روشن ہو،

حضرت مولانا حکیم الامت نے ۱۳۱۵ھ میں تو کلاً علی اللہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قیام فرمایا، اس وقت سے باقاعدہ درس حدیث کا سلسلہ ملتوی ہو گیا، اور ہمت تن تزکیہ و تربیتِ قلوب و اصلاحِ رحمت میں مشغول ہو گئے، مگر علماء اس مدت میں بھی آپ سے حدیث کی سند حاصل کرتے رہے، علامہ محقق محمد زاہد کوثری مصری نے جو مقرر کے اجلہ علماء و محققین و مصنفین سے ہیں، بذریعہ خط کے حضرت سے حدیث کی سند حاصل کی اسانید حدیث میں مولانا کا ۱۰ سالہ السبۃ السیارہ طبع ہو چکا ہے، ترمذی پر آپ کا حاشیہ الثواب الجلی بھی طبع

ہو چکا ہے، دوسرا حاشیہ المسک الذی بصورت مسودہ مکمل ہے، ایک چل حدیث بھی طبع ہو چکی ہے، جن میں مسلم شریف سے چالیس حدیثیں نسخہ ہمام کی جمع کی گئی ہیں، جن کو مکر ہمام بن منبہ سودہ ابو ہریرہ سوا ابو ہریرہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، اب حدیثوں کی سند ایک ہی ہے، مولانا کے مواظ و رسائل میں میر انما زین پانچ ہزار حدیثوں سے کم نہیں جن کی شرح کر کے اتت کو تبلیغ کی گئی ہے،

۱۳۳۳ھ میں آپ کو دلائل حدیثیہ الخفیہ کے جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا، تو جامع الآثار اور تاج الآثار دو رسالے تصنیف فرمائے، جن میں ابواب الصلوٰۃ تک وہ حدیثیں جمع کی گئیں جو خفیہ کی دلیل ہیں، پھر تمام ابواب کے دلائل کا استیعاب کرنا چاہا اور احیاء السنن کے نام سے ضخیم کتاب ابواب الحج تک تالیف فرمائی مگر جس عالم کو اس پر نظر ثانی کے لئے متعین کیا گیا تھا، اس نے اپنی رائے سے اس میں اس قدر ترمیم و تفسیح کر دی، کہ مولانا کی تصنیف باقی نہ رہی، بلکہ مستقل کتاب ہو گئی، اس لئے اس کی اشاعت ملتوی کر دی گئی، حضرت کے منشاء کے موافق دوبارہ اس مهم کام کو انجام دیا گیا، پندرہ سال سے کچھ زیادہ مدت میں ابواب الصلوٰۃ سے ابواب المیراث تک جملہ ابواب فقہیہ کے دلائل احکام حدیث سے جمع کر دیے گئے،

یہ کتاب جس کا نام اعلاء السنن ہے، بیس جلدوں میں تمام ہوئی ہے، ابتداء کی آٹھ جلدیں حرف ح و حاء حضرت حکیم الامتہ کی نظر سے گزر چکی ہیں، بقیہ جلدوں میں شکل اور رسم مقامات حضرت کے سامنے پیش کئے گئے ہیں، حضرت حکیم الامتہ کو اس کتاب کی تکمیل سے جتنی مسرت ہوئی ہے، اس کو لفظوں سے بیان نہیں کیا جاسکتا، فرماتے تھے، کہ اگر خانقاہ امدادیہ میں اعلاء السنن کے سوا اور کوئی کتاب بھی تصنیف نہ ہوتی، تو یہی کارنامہ اس کا اتنا غنیمت الشان ہے، کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اس میں صرف خفیہ ہی کے دلائل حدیثیہ نہیں بلکہ متن کتاب میں

قد والله امامہ واکمالہ علی ید هذا العبد الغریق فی الآثام اقل الامام طہر احمد الغمازی

الغمازی و لیس لی فیہ غیر المرہ و الا سحر و اشیعہ نور اللہ مرقدہ اھو الروح فی ہذا الجسد

درس آئینہ طوطی صنم داشتہ اندہ انچہ استاذ ازل گفت ہماں می گویم

احادیث مویہ خفیہ ہیں اور حاشیہ میں بڑی تحقیق اور تفتیش سے جملہ احادیث احکام کے استنباب کی کوشش کی گئی ہے، پھر غایت انصاف کے ساتھ محدثانہ و فقہانہ اصول سے جملہ احادیث پر کلام کیا گیا ہے، کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ مختلف فیہ میں خفیہ کے سب اقوال کو تلاش کیا جائے، پھر جو قول حدیث کے موافق ہوا، اسی کو مذہب خفیہ قرار دیا گیا، تحقیق کا اس کے بعد پورے وثوق سے کہا جاتا ہے کہ جس مسئلہ میں خفیہ کا ایک قول حدیث کے خلاف ہوگا، تو دوسرا قول حدیث کے موافق ضرور ہوگا، یا کوئی حدیث یا آثار صحابہ اہل بیت کے قول کی تائید میں ہوں گے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ مسئلہ مصراۃ میں بھی امام ابو حنیفہ کا ایک قول حدیث صحیح کے بالکل موافق ہے، جس کو علامہ ابن خرم نے محلی میں روایت کیا ہے، اعلیٰ السنن میں تقلید جامد سے کام نہیں لیا گیا، بلکہ تحقیق فی تقلید سے کام لیا گیا ہے، جس مسئلہ میں خفیہ کی دلیل کمزور تھی، وہاں صاف طور سے ضعف دلیل کا اعتراف کیا گیا، اور دوسرے مذاہب کی قوت کو تسلیم کیا گیا ہے،

جن حضرات کو مذہب خفیہ پر بغاغت حدیث کا اعتراض ہے، وہ انصاف سے کام نہیں لیتے، جس مذہب میں ترسل و منقطع بھی حجت ہے، اور راوی مستور الحال کو قبول کیا گیا ہے، قول صحابی کو بھی قیاس سے مقدم مانا گیا ہے، اوس سے زیادہ حدیث پر عمل کرنے والا کون ہو سکتا ہے، بات یہ ہے کہ خبر واحد کی تصحیح و تضعیف میں جس طرح باہم محدثین اصولی اختلاف ہے، اسی طرح خفیہ کو بھی بعض مقامات میں محدثین سے اصولی اختلاف ہے، مثلاً خفیہ کے نزدیک صحت خبر واحد کے لئے یہ بھی ضروری شرط ہے، کہ وہ اصول مشہورہ کے خلاف نہ ہو، اور یہ اصول قیاسی نہیں، بلکہ نصوص قرآنی اور احادیث مشہورہ سے ماخوذ ہیں، بعض علماء عصر نے خفیہ کے کلام میں موافقت اصول کی شرط دیکھ کر جو یہ دعویٰ کیا ہے، کہ خفیہ روایت پر روایت کو مقدم کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے، خفیہ کے نزدیک تو حدیث ضعیف اور مرسل بھی قیاس سے مقدم وہ روایت کو روایت پر مقدم کیسے کر سکتے ہیں؟ خفیہ کی مراد موافقت اصول سے ان اصول کی موافقت ہے جو نصوص قرآنیہ اور سنت مشہورہ سے ماخوذ اور امت کے نزدیک مسلم ہیں، یہ اور بات ہے کہ یہ اصول روایت

قیاس کے موافق بھی ہیں، مگر قیاس سے ماخوذ نہیں، (ملاحظہ ہو ملفوظات عزیزہ ص ۱۱۵ و ۱۱۶ طبع مجتبائی ٹیئر) اس قاعدہ کی بنا پر خفیہ بعض بعض دفعہ ضعیف حدیث کو صحیح حدیث پر مقدم کر دیتے ہیں، کیونکہ ضعیف موافق اصول ہے، اور صحیح خلاف اصول مگر وہ کسی حدیث کو رد نہیں کرتے، بلکہ حدیث مرحوم کا بھی اچھا عمل بیان کر دیتے ہیں جس کی تائید حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے، اسی طرح خفیہ کے نزدیک آثار و اقوال صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سمجھنے میں بڑا دخل ہے، وہ ہر خبر و اصر کو آثار صحابہ کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ایک اجمالی اشارہ ہے جس کی تفصیل کے لئے اعلاء السنن کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ اس کتاب کا مقدمہ بھی مستقل کتاب کی صورت میں الگ چھپ چکا ہے، جس میں خفیہ کے اصول حدیث جمع کئے گئے ہیں، اور ثابت کیا گیا ہے، کہ جن اصول میں خفیہ عام محدثین سے متفرق ہیں، ان میں بھی بعض محدثین کے موافق ہیں، پھر مقدمہ فتح الباری کی ایک طویل فصل کا خلاصہ لکھ کر ثابت کیا گیا ہے، کہ امام بخاری جیسا محدث بھی بعض دفعہ خفیہ کے اصول پر چلنے کے لئے مجبور ہو جاتا ہے، پس جب تک خفیہ کے اصول حدیث سے پوری واقفیت حاصل نہ ہو جائے، اس وقت تک اون کی کسی دلیل کو کسی محدث کے ضعیف کہنے سے یہ نہیں کہا جاسکتا،

الحمد للہ اس کتاب کی تکمیل سے حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ کی وہ بات پوری ہو گئی، جس کو اونھوں نے فیوض البحرین میں کبریت الحمد و اکسیر العظم بتلایا ہے،

| | |
|---------------------------------------|---|
| قال عرفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم |
| علیہ وسلم ارات فی المذہب الحنفی | نے بتلایا ہے کہ مذہب حنفی میں ایک طریقہ بڑا |
| طریقۃ انیقۃ ہی اذ فی الطرق | عمدہ ہے، جو اس طریق سنت کے بہت زیا |
| بالسنۃ المعرفۃ الی جمعت | موافق ہے، جو بخاری اور ان کے اصحاب کے |
| ونقحت فی زمان البخاری و اصحابہ | زمانہ میں مدون اور منقح ہو چکا ہے وہ یہ کہ |

وَذَلِكَ اِنْ يُوْخَذُ مِنْ اَقْوَالِ الثَّلَاثَةِ
 قول اقرب بعضها في المسئلة تحرر
 بعد ذلك يتبع اختصار الفقه
 الخفيفين الذين كانوا من اهل الحديث
 فرب شيء مسكت عنه الثلاثة
 في الاصول وما تعرضوا لفيه ودرت
 الاحاديث عليه فليس بد من ائمة
 والكل مذهب حنفى، اه

(ائمہ ثلاثہ راوی حنیفہ والیوسف و محمد رحمہم)
 کے اقوال میں سے اس قول کو لیا جائے، جو اس
 مسئلہ میں سب سے زیادہ حدیث کے قریب ہو پھر
 ان فقہاء حنفیہ کے جو محدثین میں سے تھے خلیفہ
 کو تتبع کیا جائے، کیونکہ بعض مسائل ایسے بھی
 ہیں جن سے ائمہ ثلاثہ نے ظاہر روایت میں منکوت
 کیا ہے، اور ان کی نفی سے تعرض نہیں کیا، اؤ
 احادیث اولیٰ پر دلالت کر رہی ہیں، تو ان کو
 ثابت ماننا ضروری ہے، اور یہ سب مذہب حنفی
 ہوگا، (مذہب خارج نہ ہوگا)

آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں :-

وَهَذِهِ الطَّرِيقَةُ اِنْ اتَّهَمَ اللَّهُ تَعَالَى وَ
 اكملها ففى الكبريت الاحمر والاكسير لا اعطو
 الحمد لله في طريقه كبريت احمد واكسير اعظم شاه
 تھانوی نور اللہ مرقدہ کے دو رجحید میں پورا ہو گیا، کیونکہ اعلاء السنن میں یہی کیا گیا ہے، کہ ائمہ ثلاثہ اور علما و
 کے اقوال کا پورا تتبع کر کے جو قول حدیث کے زیادہ موافق ملا، اوسے کو مذہب قرار دیا گیا،

اس وقت تک اس کتاب کی گیارہ جلدیں طبع ہو چکی ہیں، نو جلدیں بصورت مسودہ رکھی ہوئی ہیں
 جن میں سے تین کی کاپی ہو چکی ہے، کاغذ کی گرانی کی وجہ سے طباعت میں تاخیر ہو رہی ہے، حضرت حکیم الامت
 کی جماعت کا خصوصاً اور تمام مسلمانوں کا عموماً فرض ہے کہ اس کتاب کی تکمیل طباعت میں پوری کوشش کریں

علامہ محمد زاہد کوثری مصری نے اس کی دس جلدوں پر نظر فرما کر اپنی طرف سے مفصل تقریظ جریۃ الاسلام مصر میں شائع فرمائی ہے، جس کو دیکھ کر اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیرونِ ہند کے علما نے اس کتاب کو کس وقعت کی نظر سے دیکھا ہے، ان کی تقریظ کے آخری چند جملے یہ ہیں، فرماتے ہیں :-

والحق يقال انی دہشت من هذا
الحج مع هذا الاستقصاء ومن هذا
الاستقصاء البالغ فی الکلام علی کل
حدیث بما تلخیصہ الصلحۃ من
وسئل من غیر ان یبد وعلیہ آثار
التکلف فی تأیید من ھب بل الانصاف
رائد کا عدل لکھو علی آراء اہل العدا
فاغتبطت بہ غایت کا عجب و هذا لکون
الرجال و صبر لا یطال اطال اللہ بقا فی خیر
عافیتہ و وفقتہ لایف امتا من المولفا لانا

حق بات کہنا پڑتی ہے میں تو اس طرح حدیثوں
کے جمع کرنے تلاش کرنے اور پوری طرح ہر حدیث کے
تین و ستر پر فنِ حدیث کے موافق مفصل کلام
کرنے سے حیرت میں رہ گیا، پھر خوبی یہ جو کہ اپنی ہمت
کی تائید میں تکلف کے آثار کا نام و نشان میں لکھ
جملہ اہل مذاہب کی رایوں پر انصاف کو امام بنا کر
کلام کیا گیا ہے مجھے اس کتاب سے بے انتہا خوشی ہوئی
ہمت و دانہ ایسے ہی کہتے ہیں اور بارہوں کا
استقلال ایسا ہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مولف
کو خیر و عافیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور اس

حضرت حکیم الامتہ نے ایک طرف مذہبِ حنفی کو احادیث کی روشنی میں منقح فرمایا، اور دوسری طرف مسائلِ سلوک و تصوف کو قرآن کی آیات کثیرہ سے مجتہدانہ شان کے ساتھ مدون فرمایا، جس کا نام مسائلِ السلوک ہے، پھر احادیثِ تصوف کو کتابِ الشرف باحادیثِ التصوف میں جمع فرمایا اور دنیا کو تبادیل کا صحیح اسلامی تصوف صریح قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے، اس کا کوئی مسئلہ بھی کسی غیر اسلامی ماخذ سے لیا ہوا نہیں، الشرف سے پہلے احادیثِ تصوف میں مستقل کتاب سننے میں نہیں آئی، ابھرتا اس کتاب نے صحیح اسلامی تصوف سے مسلمانوں کو روشناس کر دیا ہے، ضرورت ہو کہ حکیم الامتہ رحمہ کی جماعت میں کوئی صاحبِ ہمت اس موضوع کی تکمیل کے لئے

قدم آگے بڑھائیں، کیونکہ التعارف میں ہنوز جملہ احادیث تصوف کا استیعاب نہیں ہوا،

اب میں سلسلہ ولی اللہی کی چند عظیم الشان شروح حدیث کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کے مصنف مجدد اللہ

اس وقت بقید حیات ہیں،

فتح المصلحون فی شرح صحیح مسلم | مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی شیخ الحدیث جامعہ دارالمصطفیٰ کی معرکہ الارادہ تصنیف
ہو جس میں مسلم شریف کی شرح محدثانہ، فقیہانہ، متکلمانہ انداز سے کی گئی ہے، جن احادیث

پر آج کل عقلی اشکالات کئے جاتے ہیں، ان کے جوابات متکلمانہ طرز استدلال کی ساتھ بہت خوبی سے دیئے گئے ہیں، جا بجا نکات تصوف بھی بیان کئے گئے ہیں، اس طرح یہ کتاب سلسلہ ولی اللہی کی حدیث دانی، تفقہ اور علم کلام و تصوف کی آئینہ دار بن گئی ہے، پانچ ضخیم جلدوں میں تمام ہونے کی امید ہے، اس وقت تین جلدیں طبع ہو چکی ہیں، سرکار نظام دہلی دکن خلد اللہ ملکہ کی امداد مالی مولف کے شامل حال ہو امید ہے کہ بقیہ جلدیں ہم جلد طبع ہو جائیں گی، جلد اول کے مشعر و معین مقدمہ علم حدیث قابل دیدار بہت مفید و جزا المسائل فی یہ ہمارے نوجوان شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی بہترین تالیف ہے، شرح الموطا مالک اس سے پہلے اپنے شمائل ترمذی کی شرح بھی اردو میں بہت عمدہ لکھی ہے، جو بھی جدول

ہوئی، اور المسالک موطا مالک کی بے نظیر شرح ہے، ہر مسئلہ میں فقہاء اربعہ کے مذاہب نہایت بسط و ایضاح سے بیان کئے گئے ہیں، جملہ مذاہب کے دلائل بھی اجمالاً بیان کئے گئے ہیں، مگر چونکہ اس کا موضوع شرح موطا ہے، اس نے جملہ مسائل و احکام سے تعرض نہیں کیا گیا، صرف انہی مسائل سے بحث کی گئی ہے جن سے موطا میں تعرض ہے، اس میں بلاغات و مراسیل و تقاطیع کو موصول کرنے کی بھی پوری کوشش کی گئی ہے، جو شارح کی وسعت نظر کی بڑی دلیل ہے، پہلی جلد کے ساتھ ضخیم مقدمہ ملحق ہے، جو بہت ہی

کارآمد اور مفید ہے، تین جلدیں طبع ہو چکی ہیں، بقیہ زیر تالیف و زیر طبع ہیں، اگر ان کا خد سہ راہ بن رہی ہو، احوال اللہ، بقاء مولفہ و وفقہ لا مثالہ (آمین) آپ کے چچا زاد بھائی مولوی محمد یوسف سلمہ بھی ماشاء اللہ

نوعری ہی میں مصنف ہیں، شرح معانی الآثار طحاوی پر بڑی محنت سے کام کر رہے ہیں، امید ہے کہ طحاوی کا یہ حاشیہ بے نظیر ہوگا، علمائے خفیہ کا فرض ہے کہ شرح معانی الآثار طحاوی کی پوری طرح خدمت کریں، اب تک اس کتاب کے شیاں شان کام نہیں ہوا، امید ہے کہ مولوی محمد یوسف سلمہ اس فرض کو بخوبی انجام دیں گے، وفقہ اللہ واعانہ (آمین)

التعلیق العبیدی علیٰ مشکوٰۃ المصابیح
یہ ہمارے نوجوان محدث مولانا محمد ادریس کاندھلوی کی تالیف ہے، عربی زبان میں مشکوٰۃ شریف کی بہترین شرح ہے، دمشق میں طبع ہوئی ہے، میری نظر پر چار جلدیں گزری ہیں، خود مؤلف سے بھی بعض مقامات کو سنا ہے، مؤلف کی محنت و سست نظر، سلیس طرز بیان قابلِ داد ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوان علما کو اس قسم کی محنت و تحقیق کی بیش از بیش توفیق عطا فرمائیں، (کثر اللہ امتا لہم و تقبل اعمالہم) تصبہ کا نہ صلہ کے لئے یہ فخر حاصل ہے، کہ اس میں بیک وقت تین چار محدث موجود ہیں، اور ہر ایک صاحب تصنیف ہے،

بنیۃ الامعی حاشیۃ
نصب الراية للزیلعی
یہ علماؤ مجلس علمی جامعہ ڈابھیل کا عظیم الشان کارنامہ ہے، اس وقت تک نہ نصاب الراية للزیلعی میں نصب الراية کا ایک ہی نسخہ مطبوعہ نو لکھنؤ علماء کے سامنے تھا، جو بہت زیادہ محتاج تصحیح تھا، مجلس علمی جامعہ ڈابھیل نے بڑی محنت سے اس کی تصحیح کی، پھر اس پر بہت نفیس حاشیہ لکھوایا، اور عمدہ کاغذ پر خوبصورت جلی حررت میں مصری ٹائپ سے طبع کر کر شائع کیا، یہ بہت بڑی خدمتِ حدیث ہے، جو مجلس علمی کے علمائے انجام دی ہے، جزاھم اللہ احسن الجزا و وفقہم لا مثا لہ

سیرۃ النبی و سیرۃ الصحابہ سیرۃ الصالحات
دیرالناہین اسوۃ صحابہ
یہ دار المصنفین شبلی منزل اعظم گڑھ کا اردو زبان میں بڑا بلند اور مفید کارنامہ ہے، جس میں حدیث نبوی کا بڑا ذخیرہ اور قرن اول کے رجال حدیث کی مفصل تاریخ ضبط کی گئی ہے، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپور سے حدیث پڑھی ہے، علامہ شبلی کے حقیقی ہونے میں کسی شک و شبہ کی اصلاً گنجائش نہیں، انکی اسکات المتحدی

فی تراث المقدسی اور سیرۃ النعمان اور نعمانی لقب اس پر شاہ ہے، علماء دار المصنفین علامہ شبلی ہی کے جانشین ہیں، ان کے خفی ہونے میں بھی کسی طرح کلام نہیں ہو سکتا، پس ان کی یہ تمام تر خدمت حدیث سلسلہ ولی اللہ کی اسی شاخ کا نام ہے، جو اپنے کو خفی کہتے ہیں، ان کو خفیہ سے الگ کرنا انصاف کا خون کرنا ہو، سیرۃ النبی کی چھ جلدیں اور سیرۃ الصحابہ کی دس جلدیں اور تابعین کی ایک جلد شائع ہو چکی ہے، ہر جلد کا کافی ضخیم ہے، اور یہ بہت بڑی خدمت حدیث ہے، جو دار المصنفین کے علمائے انجام دہا ہے، حق کو چھپایا نہیں جاسکتا، ہم کو سیرۃ النبی کے بعض مقامات پر عرض بھی ہے، اور تمام شکر ہے کہ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی ان کی اصلاح پر توجہ فرما رہے ہیں،

یہ مختصر تذکرہ ہے سلسلہ ولی اللہ خفی کی خدمت حدیث کا جس سو آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ آج اس سلسلہ کی برکت سے ہندوستان میں علم حدیث کا کنارہ استابلند ہے، کہ مالک اسلامیہ میں کوئی ملک اس کی ہمسری نہیں کر سکتا، جامع ازہر مصر کے مشہور ناقد و بصیر عالم سید رشید رضاحرم نے مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمہ میں اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ سے کیا ہے،

دلو عناية اخواننا علماء الهند لعلو الحدیث
اگر ہمارے برادران علماء ہندستان اس ماز میں علوم حدیث
فی ہذا العصر لقصی علیہا بالزوال
پر توجہ نہ کی ہوتی تو اس علم کے زوال کا فائدہ کیا فیصلہ چکا ہوتا

اور اگر خدمت درس و تالیف کے ساتھ ان خدمات کو بھی ملا لیا جائے جو کتب نامہ و علم حدیث کی اشاعت و طبع میں اس سلسلہ نے بالخصوص دائرۃ المعارف حید آباد و کن نے انجام دی ہیں تو بلا مبالغہ اس وقت سرزمین ہند نے افتاب علم حدیث کی روشنی کو بہت دور و دور تک پہنچا دیا ہو گا۔ لا من فضل اللہ علینا علی الناس ولكن اکثر الناس لا یصلون
۱۰ معارف: مصنفین دار المصنفین کا سلسلہ حدیث شمس العلماء مولانا محمد حفیظ اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بواسطہ حضرت مولانا ابوالحسن عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ جن کا ذکر اس سلسلہ اوپر مذکور ہے، سلسلہ ولی اللہ سے بھی بھرا اللہ متصل و مسلسل ہے۔
۱۱ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مصححین و ناشرین و تالیفین دائرۃ المعارف کا تقریباً نصف حصہ علمائے مذہب العلماء

اسلامی معاشیات کے چند تقبی اور قانونی ابواب

از

مولانا سید مناظر احسن عاصب گیلانی استاد دینیات جامعہ عثمانیہ


(۳)

ایسی غیر مملوک چیزیں جن میں قبضہ کے بعد بھی انفرادی ملکیت پیدا نہیں ہوتی، ان کی ممکنہ حد تک تفصیل کو اس نقطہ پر ختم کر کے اب ان غیر مملوک امور کے بھی کچھ احکام سننے چاہئیں جن میں قبضہ کے بعد انفرادی ملکیت پیدا ہو جاتی ہے،

بجز غیر آباد زمینوں کی ملکیت کے قوانین

اسلامی قانون میں ممالک محروسہ کی ایسی غیر آباد زمینیں اور علاقے جن کا کوئی مالک نہ ہو، خواہ وہ کبھی آباد نہ ہوئی ہوں، یا آباد ہونے کے بعد اس طرح دیران ہو گئی ہوں کہ ان کا کوئی مالک باقی نہ رہا ہو، ان کا اسلامی نام (موات) یا مردہ بجز زمین ہے، بظاہر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس قسم کی زمینوں کی مالک حکومت ہے، اور اس نے حکومت کی اجازت کے بغیر عام طور سے دنیا میں بھی دستور مروج ہے، کہ حکومت یا بادشاہ وقت کی اجازت کے بغیر ایسی زمینوں پہاڑوں جنگلات وغیرہ پر کوئی تصرف نہیں کر سکتا، اور نہ کوئی ان کو اپنی ملک بنا سکتا ہے، لیکن اسلام کا نقطہ نظر اس باب میں بالکل مختلف ہے، وہ اس قسم کی تمام زمینوں کو بھی ملک کے عام باشندوں کا مشترکہ سرمایہ قرار دیتا ہے، اور بجز

ان چند مستثنیٰ زمینوں اور معاویہ کے زمانہ میں کا ذکر گذشتہ فصل میں تفصیل ہو چکا ہے، رعیت کے ہر فرد کا یہ قانونی حق ہے کہ ان کو بغیر کسی معاوضہ و رائلٹی، ادا کے قبضہ کر کے اپنی ملک بنائے، اس باب میں مسلمانوں کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مشہور فرمان ایک ابدی و شیعہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے راوی تقریباً تمام محدثین ہیں، مثلاً امام مالک، امام ترمذی، ابو داؤد وغیرہ سب کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے کہ

من احيا ارضا ميتة فهي له،  کسی مردہ غیر آباد زمین کو جو آباد کرے گا یہ زمین اسی
 اسی بنا پر علامہ مقدسی نے مفتی میں تمام ائمہ اسلام کا یہ اجماع نقل کیا ہے کہ
 عامة فقهاء المصادر على ان الموات فقهاء اصغار كاعانة اس پر اتفاق ہے کہ
 يملك بالاحياء، احیاء (آباد کرنے) کی وجہ سے وہ آباد کر سکتا
 کی ملک بن جاتی ہے، (۱۴۰، ج ۶)

خواتین ارض موات ایسی زمین ہو جو کبھی کسی کی ملک نہ ہوئی ہو، اور اس کے آباد نہ ہونے کی نوبت نہ آئی ہو، جیسا کہ وہی لکھتے ہیں، ایسی زمین کہ

ما لم يحجر عليه ملك احد ولو يوجد فيه اثر عمارة فلهذا يملك بالاحياء بغیر خلافت
 کسی کی ملک اس میں قائم نہ ہوئی ہو اور اس میں کسی آبادی کی علامت نہ پائی جاتی ہو تو بالا اتفاق
 آباد کرنے کی وجہ سے آدمی اس کا مالک ہو جاتا ہے
 اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جو آباد کرنے
 کو ملک کا سبب کہتے ہیں،

اسی طرح ایسی اراضی،

ما یوجد فیہ آثار مملکت قدیمو جس میں کسی قدیم جاہلی ملک کی علامتیں

جاہلی کا نادار و مرد مساکن نمود
پلٹی جاتی ہوں مثلاً روم کے آثار اور قوم ثمود
دغو ہر فہذ ایلک بالاحیاء
کے مسکن کا حال ہے، یا جو ایسے مقامات ہوں

تو آباد کرنے سے ان کا بھی آدمی مالک ہو جائیگا

چونکہ اس قسم کی زمین اسلامی عہد سے قبل ہی سہی لیکن بنی آدم کی ملوکہ چیزوں میں ہو چکی تھی، اس لئے
شبہہ ہو سکتا تھا کہ دوسرے کی ملوکہ چیز پر قبضہ کرنے یا اس کو ملک بنانے کا کسی دوسرے کو کیا حق ہے؟ اس شبہہ
کے ازالہ کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے فرمان میں اس کی بھی تصریح فرمادی جو کہ

عادی الارض للہ ورسولہ شوہو
عادی اراضی ریختی اقوام قدیمہ کے کھنڈریا
بعد لکھ، ان کے آباد کئے ہوئے بجز علاقے؟ املا اور اسکے

رسول کی ملک ہیں، پھر اس کے بعد اعراسلانو!

یہ تمہاری ملکیت ہے،

یعنی اس قسم کی زمینیں جبکہ ان کے مالک چھوڑ کر لاپتہ ہو چکے ہوں اور اسلامی حکومت کی زیر نگرانی
آئیں، تو اب وہ اپنے پرانے مالکوں کی ملک سے نکل کر اللہ و رسول کی ملک میں داخل ہو گئیں، حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے پھر ان کو عام مسلمانوں کے حوالہ فرمادیا، البتہ اراضی موات کی ایک قسم او
رہ جاتی ہے، جو اسلامی عہد میں کسی خاص شخص کی ملکیت تھی، لیکن ان کا مالک ان کو غیر آباد کر کے لاپتہ ہو گیا
ایسی زمینوں کے متعلق اگرچہ بعض ائمہ اسلام کی رائے مختلف ہے، مگر امام ابو حنیفہ، امام مالک وغیرہ کا ان
اراضی کے متعلق بھی یہی فتویٰ ہے کہ

انہا عتاک بالاحیاء وھو مذہب
آباد کرنے سے وہ بھی ملوکہ بن جاتی ہیں،

ابن حنیفہ و مالک (منفی) یہی ابو حنیفہ اور امام مالک کا مذہب ہے،

بہر حال اس قسم کی تمام اراضی جن کا فقہ کی اصطلاح میں "موات" نام ہے، دراصل یہ ملک کے باشندوں

کی مشترکہ جائداد ہے، اور ملک کا ہر باشندہ اس کو اپنی انفرادی ملکیت بنا سکتا ہے، جس کی اسلامی قانون کی رو سے دو صورتیں ہیں،

اقطاع یا جاگیر کا حکم | ایک کو اقطاع کہتے ہیں یعنی خود حکومت اس علاقہ کو کسی شخص کے ساتھ بندوبست کر دے، اور یہ امام کے صوابدید پر ہے، کہ جس کو چاہے جتنی زمین کا اقطاع کر دے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت ہو، جیسا کہ قاضی ابویوسف نے کتاب الخراج میں نقل کیا ہے، کہ

اقطع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال بن حارث
وَسَلَّمَ لِبَلالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمَزْنِيِّ
مَزْنِيٍّ يَدْرِيَا سَهْمًا طَبَقَ جَاغِيرًا مِّنْ دِيَارِ
مَآبِينَ الْبَحْرِ وَالصَّخْرِ،

خاص سلسلہ کو تمک کی درمیانی رضی کیلئے
ہندوستان میں جیسے ازنگ تانگ کا

لفظ بعض علاقوں میں بولتے ہیں (

ابوعبید نے اپنی مشہور کتاب کتاب الاموال میں اس قسم کے قطائع (جاگیرات) کو بارگاہ رسالت اور سریر خلافت سے مختلف لوگوں کو عطا ہوتے رہے ہیں، ذکر کیا ہے میں نے خاص کر بلال بن حارث کی جاگیر کا ذکر قصداً اس لئے کیا تاکہ معلوم ہو کہ بڑے سے بڑا علاقہ بھی حکومت اپنے صوابدید سے جاگیر میں عطا کر سکتی ہے، لیکن حکومت کے صرف اقطاع سے اس علاقہ کا وہ شخص مالک نہیں ہو جاتا، حجت یہ کہ ”ایھا“ کر کے اس پر قبضہ نہ کرے، علامہ مقدسی لکھتے ہیں،

فَانْ اَقْطَعَهُ اِلَّا مَا هُوَ شَيْءٌ مِّنَ الْمَوَاتِ
لَمْ يَمْلِكْ بَدْلًا لَّكَ لَكِنْ يَصِيرُ اَحَقَّ
اِذَا مَاتَ اَلْبَنِيَّةُ بِرَبِّهِ وَنَسَبُهُ مَرُوءَةً اَوْ اُنْثَىٰ نَا وَهْدًا
اِذَا مَاتَ اَلْبَنِيَّةُ بِرَبِّهِ وَنَسَبُهُ مَرُوءَةً اَوْ اُنْثَىٰ نَا وَهْدًا

اگر موات زمین کو امام (حکومت) کسی کی جاگیر
میں دے تو محض اس سے وہ اس زمین کا مالک نہیں
ہو جاتا البتہ بہ نسبت وراثت کے وراثت کا وہدہ ہوگا

بہ (منفی)

اپنے اس وعویٰ کی انھوں نے دلیل بھی پیش کی کہ عقیقہ "مین جو جاگیر انہی بلال کے نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقطاع کی تھی، چونکہ "حیا، برقا ورنہ ہو سکے، حضرت عمرؓ نے اُن سے واپس لے لی، علامہ مقدسی لکھتے ہیں :-

لو مملکہ لہر عیجز استرجاعہ اگر صرف اقطاع سے بلال مالک ہو جاتا
تو حضرت عمرؓ کو اس کی واپسی جائز نہ ہو سکتی

اسلامی جاگیروں کا مطلب | یہ مان جاگیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جیسا ہندوستان میں سمجھا جاتا ہے، کہ وہ لاخراج کر دی جاتی ہے، بلکہ موات کی اراضی کے عطا کرنے کے بعد اس پر عشر یا خراج "بھی لگایا جاسکتا ہے" اور اس معاملہ میں مختلف زمینوں کا حکم مختلف ہے، جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہوئے خراج کے باب میں صرف امام (بادشاہ وقت) کو اتنا اختیار دیا گیا ہے، کہ ملک رعایا کے مصالح کی بنا پر مثلاً وقت پر فوجی، ادا جاگیر دار سے حاصل کیجائے گی، یا اذین قبیل کوئی اور مصلحت ہو تو جیسا کہ قاضی ابویوسف نے لکھا ہے،

لیکون الاماہ قد راسی الصلاح اگر امام اسی میں مصلحت دیکھے کہ زمین
فی تفویض خراج ارض صاحب کا خراج جاگیر دار کو عطا کر دے تو
الارض فیجوز لہ فیسعدہ ان امام ایسا کر سکتا ہے، اور جاگیر دار کو بھی
یقبلہ اجازت ہو کہ وہ اس عطیہ کو قبول کرے

لیکن امام کے سوا حکومت کے کسی عہدہ دار کو خواہ اس کا درجہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو خراج کی معافی بلکہ تخفیف تک کا اختیار نہیں ہے،

بہر حال یہ ایک ذیلی بات تھی جاگیر دار کے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ مقصود تھا اور اس کے تفصیلی مسائل تو بہت زیادہ ہیں جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں، اصل بات یہ کہی جا رہی تھی

کہ اراضی موات میں انفرادی ملکیت ایک تو اس احیاء (آباد کرنے) سے حاصل ہوتی ہے جو اقطاع کے ذریعہ سے کسی کو ملی ہو، اور عام طور سے غیر آباد زمینوں کے بند و بست کرنے کا دنیا میں یہی طریقہ مروج ہے اگرچہ مختلف حکومتوں کا طرز عمل بند و بست کے شرائط اور نتائج میں مختلف ہے، لیکن اراضی موات کے مالک ہونے کا دوسرا طریقہ جو اسلام میں ہے، دوسری حکومتوں کی رعایا کے لئے شاید وہ عجیب ہو،

ملک کی غیر آباد زمینوں کے مالک ہونے کا دوسرا طریقہ میرا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فرمان یعنی

مَنْ أَحْيَى أَرْضَ مَوَاتٍ فَهُوَ مِثْلُ أَرْضِ آبَاءِهِمْ

لہ، وہ ہو جاتی ہے،

کی بنا پر فقہائے امت کی اکثریت کا یہ فتویٰ ہے، کہ اسلامی حکومت کی رعایا کے ہر فرد کو اس کا حق حاصل کہ غیر آباد زمینوں اور علاقوں (ارضی موات) سے جتنا حصہ بغیر کسی معاوضہ اور رائلٹی کے چاہے، احیاء کر کے اُسے اپنی ملک اور جاگیر بنالے، صرف امام ابوحنیفہؒ اس مسئلہ میں متفرد ہیں، کہ حکومت سے بھی اجازت احیاء کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں لیکن عام فقہائے اسلام حکومت کی اجازت کو غیر ضروری سمجھتے ہیں حتیٰ کہ امام صاحب کے شاگرد رشید قاضی ابویوسف نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے مذکورہ بالا نبوی وثیقہ کی بنا پر لکھا ہے،

ان اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت

وَسَلَّوْا جَائِزًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ، قیام قیامت تک نافذ رہے گا،

یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان فحی لہ (وہ آباد کرنے والے کی ملک ہے) موجود ہو تو اس میں اب کسی دوسرے شخص سے پوچھنے اور اجازت حاصل کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں، البتہ حکومت کو صرف اس کی نگرانی کرنی چاہئے کہ اس سے ”معاذ اللہ“ کو کوئی ضرر تو نہیں پہونچتا، قاضی ابویوسف نے

لکھا ہے کہ اس حدیث کی بعض روایتوں میں

لیس لعل ق ظالم حق (ص ۳۶)

کے الفاظ سے اسی ضرر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ کسی غیر آباد زمین میں (یعنی موات) میں اگر کوئی درخت نصب کرے، جس سے دوسرے کو نقصان پہونچے، تو پھر اس ظلم کا حق اس کو نہ دیا جائے گا،

عام فقہاء اسلام سے امام صاحب کے اس اختلاف کے متعلق قاضی ابویوسف سے پوچھا گیا تھا، کہ اس صحیح و صریح بنوی وثیقہ کے جوتے ہوئے حکومت کی اجازت کی قید امام صاحب نے کیوں بڑھائی کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کافی نہیں ہے، اگرچہ اس کا جواب امام صاحب کی طرف سے نقل کیا جاتا ہے، کہ آخر بیت المال کے متعلق بھی تو عام قانون یہی ہے کہ

ھویت مال المسلمین، یعنی اس کے مالک مسلمان ہیں،

لیکن باوجود اس کے کہ امام بیت المال کا مالک نہیں ہے لیکن اس پر اتفاق ہے کہ

للا مواتین مصادفہ و ترتیبہ امام کو بیت المال کے مصادفہ و ترتیبہ کی تعیین

(مقدسی) و ترتیب کا حق ہے،

اسی طرح زمین کے متعلق بھی امام کو نظم و ترتیب میں بھی دخل دینا چاہئے، ورنہ رعایا میں باغی کشمکش

کا اندیشہ ہے، حکومت کی توثیق کے بعد جھگڑے کا خطرہ نہ رہے گا، لیکن لوگوں نے امام صاحب کی اس چیز کو تسلیم نہیں کیا ہے، پوچھا گیا ہے کہ کیا ہوا کے ہر پرندے پر قبضہ کرنے کے لئے بھی حکومت کی اجازت درکار ہے؟

آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اراضی موات کو تمام مسلمانوں کے لئے مباح قرار دیا

سند دیدی، کہ جو اس کو آباد کرے گا، اسی کی وہ زمین ہو جائے گی، اس کے بعد حکومت سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہتی ہے،

بہر حال یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ موات کی اراضی کو احیاء کے ذریعہ سے اپنی ملکوں کو جاگیر بنالینے کا اختیار صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ اسلامی حکومت کی رعایا کے ہر فرد کو ہے، مسلم ہو یا غیر مسلم اور یہ میرا صرف قیاسی نتیجہ نہیں ہے، بلکہ فقہ کی کتابوں میں ہمیشہ اس کی تصریح کر دی جاتی ہے، مقدسی لکھتے ہیں،

لا خرق بین المسلم والذی می موات زمین کو آباد کر کے اپنی ملک بنالینے

فی الا حیا ووبہ قال ابو حنیفہ میں مسلم اور ذمی (غیر مسلم رعایا) میں کوئی

فرق نہیں ہے، امام ابو حنیفہ کا بھی یہی

مذہب ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ میدانِ علاقہ ہو یا کوہستانی جزیرہ ہو یا خشکی کا خط جنگل ہو یا بیابان ملک کا ہر باشندہ جتنی زمین چاہے، موات اراضی میں سے آباد کر کے اس کو اپنی ملکوں کو جاگیر منت بنا سکتا ہے، قاضی ابویوسف کے الفاظ یہ ہیں :-

کل ما عالج فی اجماعہ او من بحر اہمہ زمینیں ہو یا تری کا علاقہ ہو، یا

او من بر بعد ان لا یكون فیہ خشکی کا اگر کسی خاص انسان کی ملک وہ

ملکت لا انسان فاستخرجہ وحل نہیں ہے، اور محنت مشقت کر کے جس نے

دعما لا فحولہ بمنزلۃ السوات اوں کو نکالا اور آباد کیا، تو اس کا وہی ملک

ہو جائے گا، جیسے موات اراضی کا حال ہے،

مثلاً جبلہ و فرات جیسے دریاؤں میں عموماً بڑی بڑی زمینیں باہر نکل آتی ہیں، اگر ان کے آباد کرنے میں کسی کا ضرر نہ ہو، تو ان کا حکم بھی مثل ارض الموات ہے،

یعنی اس جزیرہ کا آباد کرنے والا قانوناً مالک ہو جائے گا، یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ احیاء یا آباد کرنے کا جو لفظ برابر استعمال ہو رہا ہے، اس کا کیا مطلب ہے، محض کھیتی کرنا یا باغ لگانا ہی مقصد

نہیں ہو، بلکہ جیسا کہ علامہ مقدسی نے لکھا ہے :-

احیاء کل واحدۃ من ذالک
بتھیتھا لا لتفادع الذی اریہ
ان میں ہر چیز کو احیاء کا مطلب یہ ہے کہ
جو نفع اس سے مقصود ہو، اس کے لئے
بہ، اس کو تیار کیا جائے،

یعنی آبادی، صرف زراعت یا باغبانی پر منحصر نہیں ہے، ممکن بنا کر یا دوا بچا ہ (موشی رکھنے کی جگہ) یا لکڑی وغیرہ جیسی چیزوں کے رکھنے کی جگہ بنانی، یہ سب احیاء میں داخل ہو، علامہ مقدسی نے بطور مثال کے چند چیزوں کا ذکر کیا ہے، مقصد کے سمجھانے کے لئے ہم تجزیہ نقل کرتے ہیں،

فاما الدار فبان یعنی حیطانھا
مما جرت بہ العادۃ وتسقیفھا
لانھا لا تكون سکنی الا بذالک
واما الحظیرۃ فاحیاءھا بالجائط
جرت بہ عادۃ مثلھا لیس من
شرطھا التسقیف لان العادۃ
ذلک من غیر تسقیف سواء
اداد حظیرۃ المواشی واللحشب
گھر کے احیاء کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیواریں
کھڑکی کی جائیں، یعنی جس طرح اس ملک میں
دیواروں کے بنانے کا طریقہ ہو، ویسی دیوار
کھڑکی کر دی گئی ہو، اور اس کی چھت پاٹ
دی گئی ہو، کیونکہ رہنے کے قابل بغیر اس
کے نہیں ہو سکتا، اسی طرح حظیرہ (احاطہ)
کے احیاء کا مطلب یہ ہے کہ جس قسم کی دیوار
گھیر کر احاطہ بندی کا طریقہ اس ملک میں
جاری ہو، یعنی چھت پاٹنے کی ضرورت، اس
کو احیاء میں نہیں ہے، کیونکہ عام طریقہ یہی
ہے، کہ ان احاطوں کے لئے چھت نہیں پاتے،
خواہ موشی کے لئے احاطہ بنایا جائے، یا لکڑی

گھر کے احیاء کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دیواریں کھڑکی کی جائیں، یعنی جس طرح اس ملک میں دیواروں کے بنانے کا طریقہ ہو، ویسی دیوار کھڑکی کر دی گئی ہو، اور اس کی چھت پاٹ دی گئی ہو، کیونکہ رہنے کے قابل بغیر اس کے نہیں ہو سکتا، اسی طرح حظیرہ (احاطہ) کے احیاء کا مطلب یہ ہے کہ جس قسم کی دیوار گھیر کر احاطہ بندی کا طریقہ اس ملک میں جاری ہو، یعنی چھت پاٹنے کی ضرورت، اس کو احیاء میں نہیں ہے، کیونکہ عام طریقہ یہی ہے، کہ ان احاطوں کے لئے چھت نہیں پاتے، خواہ موشی کے لئے احاطہ بنایا جائے، یا لکڑی

الفرض آباد کرنے کی جو غرض ہے، اس کا سامان مہیا کرنا یہی اس اجیار ہے، مثلاً کھیتی ہے تو اس کا ہوتا سیرابی کو انتظام کرنا یہی اوس اجیار ہے، مقدسی لکھتے ہیں کہ زراعت کو اجیار کی صورت یہ

ان یسوق الیہا ماء من نھر او آوی اس کی طرف کسی نہر سے یا کنوین سے

بیرون کانٹ و متاکلا یکن زر عھا پانی یجا میں، اور اگر زمین ایسی جو جس میں

لکثرة اجمارھا کارض الحجاز کھیتی نہ ہو سکتی ہو، مثلاً کثرت سے اس میں

فبان یقلع اجمارھا وینتقیھا پتھر ہوں، جیسا کہ حجاز کی زمینوں کا حال ہے،

حتی یصلح للزرع وان کانٹ تو اوس کے اجیار کے معنی یہ ہوں گے، کہ پتھر

خیاضاً و اشجاراً کارض الشمریٰ کو زمین سے باہر نکالنا جائے، اور زمین صاف

فبان یقلع اشجارھا ویزیل عرھا کیجائے حتی کہ کھیتی کے قابل ہو جائے، او

اللتی تمنع الزرع اگر بنجر موت، زمین میں جنگل بھاڑ ہو دخت

ہوں، جیسا کہ الشمریٰ کی زمین کا حال ہے تو

اوس کو اجیار کے معنی یہ ہیں، کہ درخت اکھاڑ

جائیں، اور ان جڑوں کو کھو دکر نکال دیا جائے

بہر حال ہر چیز اور ہر ضرورت کا اجیار خود اس ضرورت کے حسب حال ہوتا ہے، اور جیسا کہ

علامہ مقدسی نے لکھا ہے کہ اس باب میں اعتبار زیادہ عرف عام اور رواج کا ہے، آباد کرنے کا اطلاق

جس کا دوبارہ پر کیا جاتا ہو وہی اس کا اجیار ہے،

دعایا کی اسلام میں اس کے بعد خواہ اقطاعی حکومت کی بندوبست کی ہوئی جاگیر ہو یا خود کسی نے

ارض موات پر قبضہ کر کے اجیار کر لیا ہو، یہ آباد کرنے والی کی انفرادی ملک بن جاتی

قطاعی جاگیرت کا حکم اجیار کے بعد جو ہوتا ہے، تافضی ابو یوسف لکھتے ہیں :-

فلاحیحل لسن یا تی من بعد هون بعد کو جو خلفاء ہون ان کے لئے جائز نہ ہوگا
 الخلفاء ان یورد ذالک ولا یخرجہ کہ کسی امام کی عطا کی ہوئی جاگیر کو اس شخص
 من یدی من ہونی ید کا وارثا سے واپس لین جس کے قبضہ میں وہ جاگیر
 او مشتویا، خواہ بطور وراثت کے ہو، یا خریداری کے

(ص ۳۲) ذریعہ سے اس تک پہنچی ہو،

جس سے معلوم ہو کہ جس نے آباد کی ہو، خود اس کے یا اس آباد کرنے والے سے کسی کو دراثہ
 ملی ہو یا آباد کرنے والے سے کسی نے خریدی ہو کسی سے بھی حکومت اس کی یہ ملک زمین چھین نہیں سکتی،
 انھوں نے اسکی تصریح کر دی ہے کہ

فاما ما اخذ الولاة من ید واحد اور حکومت کے ولات (ضوبہ دار و ان گورنر)
 ارضا واقطعھا آخر فہذا بمنزلۃ وغیرہ کا جو یہ طریقہ ہے کہ جاگیر کو ایک شخص
 الغاصب غصب واحد او کے قبضہ سے نکال کر دوسرے کو جاگیر میں
 اعطی آخر، میں دیدیتے ہیں، تو اس کی صورت دہی ہو
 جو غاصب اور زبردستی چھیننے والوں کی ہوتی
 ہے یعنی ایک شخص سے اس کی ملک کو چیز
 زبردستی چھین کر دوسرے کو دیدے، (کتاب الخراج ۳۶)

دوسری جگہ مزید صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

فاما من اخذ من واحد قطع اور وہ جو ایک شخص سے جاگیر چھین کر دوسری
 آخر فہذا بمنزلۃ مال غصبہ کی جاگیر میں دی جاتی ہے، تو اس کی حیثیت
 واحد من واحد واعطی واحد (مست) اس مال کی ہے جو ایک شخص سے چھین کر

اسی طرح اراضی موات کو احیا کر کے جس نے اپنی ملک کو جاگیر بنالی ہو، اس کے متعلق بھی لکھتے ہیں
ولیس للامام ان یخرج شیئاً من اہام (حکومت) کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ کسی
ید احد، (ص ۳۵) کے قبضہ اور ملک سے زمین کو چھین لے،

اسی دفعہ کی تعبیر دوسرے الفاظ میں دوسری جگہ یوں فرماتے ہیں،

فلا یحل للامام ولا لیسعہ ان ان یقطع من الناس حق مسلم
ان یقطع من الناس حق مسلم قانوناً اس کے لئے اس کی گنجائش ہے، کہ کسی
ولا معاہد ولا یخرج من مسلمان یا جس سے اسلامی حکومت نے معاہدہ
ید لا من ذلک شیئاً، کیا ہو، کہ اس کے حق کو اس سے منقطع کرے
اور نہ یہ کر سکتا ہے، کہ اس کے قبضہ سے

دوامی بندوبست | یعنی یہ حکم حکومت کی مسلم غیر مسلم ہر قوم کی رعایا کے لئے عام ہے، گویا ان زمینوں کی حیثیت
بندوبست دوام کی ہوجاتی ہے، اور جاگیردار کو اختیار ہے کہ خواہ خود اس کو آباد کرے یا کسی اور ذریعہ سے
آباد کرائے قاضی صاحب لکھتے ہیں،

فمن احیاها وہی کذلک فی لہ جس نے اس زمین کو آباد کیا ہو، اور وہ اس
ویزرعھا ویزادعھا ویواجزھا حال میں ہو تو اس زمین کا مالک اس کا آباد
ویکرمھا منھا الا نھا رویمھا کرنے والا ہوگا، اسے حق ہے کہ اس میں خود
بصافیہ مصلحتھا، کاشت کرے یا کسی سے کاشت کرائے، یا

کسی کو کرایہ پر دے، اسے اس کا بھی حق ہے، (ص ۳۷)

کہ اپنی زمین میں نہر کھودے، اور اس کا بھی
کہ جس قسم کی عمارت اور آبادی جس میں مصلحت ہو

البتہ اس پر حکومت کی جو مالگذاری عائد کی گئی ہو، صرف اس کا ادا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے،

فان كانت في ارض العشر ادى اگر اس کی یہ زمین عشر کی زمین ہو، تو

عنہا العشر ۱۰ ان كانت في ارض اس سے عشر ادا کرے گا، اور اگر خراجی

الخراج ادى عنہا الخراج، زمین ہو تو اس سے خراج ادا کرے گا،

تجیر کا مطلب اور حکم عشر و خراج کی عدم ادائیگی کی صورت میں حکومت اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے،

اس کی تفصیل مناسب موقع پر آگے آتی ہے، یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے، کہ کسی غیر آباد زمین کے حدود میں

صرف پتھر نصب کر کے یا کانٹوں وغیرہ سے گھیر کر اس کو اپنی ملوکہ زمین قرار دینا صحیح نہیں ہے، فقہاء

میں اس عمل کا نام تجیر ہے، چونکہ یہ زمین کا احیاء نہیں ہے، اس لئے ملکیت تو پیدا نہ ہوگی، البتہ بہ نسبت

دوسروں کے اس کے حق کو گونہ ترتیح ہوگی، مگر وہ بھی ایک خاص مدت تک جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں

میں موجود ہے، مندرجہ بالا بیانات سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے، کہ اسلام نے اپنی حکومت کی رعایا کی

معاشی سہولتوں کے کتنے ذرائع پیدا کر دیئے ہیں، آج جب کہ دنیا میں کوئی ایک انچ زمین پر بھی بلا معاوضہ

مفت قبضہ نہیں کر سکتا، اس سے اس وقت کا اندازہ لگانا چاہئے، اور اس لئے میں نے اس سلسلہ میں

تھوڑی تفصیل سے کام لیا، کیونکہ اسلامی حکومت کا نظام جب سے ناپید ہو گیا ہے، لوگ ان واقعات کو بھول

گئے ہیں، ورنہ یہ سچ یہ ہے کہ ہندوستان تک میں حکومتِ مغلیہ کے آخری دور تک زیادہ تر اس قسم کی معاشی

سہولتیں آباد کاروں کو حاصل تھیں،

۱۔ حال یہ احکام تو غیر ملوکہ امور کے متعلق تھے، اب بحث ان چیزوں پر کر نی چاہئے جو کسی کی ملک میں

داخل ہیں، میں نے کہا تھا کہ اس کی بھی دو صورتیں ہیں، مالک کی مرضی کے بغیر ان پر قبضہ کرنے کی اسلام اجازت

دیتا ہے یا نہیں، پھر ایسی ملوکہ چیزیں جن پر مالک کی مرضی کے بغیر بھی قبضہ کر کے ان کو اپنا ملوک بنایا جاسکتا

ہو اس کی بھی اسلام میں دو شکلیں ہیں،

مالک کی مرضی کے بغیر | دارالاسلامی حکومت کی رعایا کا اگر مال ہو تو مالک کی مرضی کے بغیر صرف دوشیکون کسی چیز پر قبضہ کرنا میں ان پر قبضہ کرنے کی اجازت ہے، ایک کی ہفتی تعبیر لفظ ہے،

لفظہ کا مطلب | یعنی گرا پڑا ہوا مال اگر کسی کا مل جائے بعض صورتوں میں یہ جائز ہے، کہ آدمی اس پر قبضہ کرے، اور خاص مشروط و حالات میں اس کو اپنے تصرف میں بھی لاسکتا ہے، لیکن جب کبھی اصل مالک کا پتہ مل جائے اور وہ اس کا مطالبہ کرے تو معاوضہ ادا کرنا پڑے گا، چونکہ اس باب کا تعلق معاشیات سے نہیں ہے، کہ یہ آدمی کی نہایت نارسائی ہے، اس لئے اس کے تفصیلات کی یہاں ضرورت نہیں،

قانون شفعہ | دوسری شکل شفعہ کی ہے، یعنی الکا نہ مشترک یا پڑوس کی وجہ سے اسلام نے ملک کے ہر باشندے کو یہ قانونی حق دیا ہے، کہ آدمی دوسرے کی خریدی ہوئی چیز کو زبردستی و ام وادار کے، اپنی ملک بنائے مثلاً کسی مکان یا زمین میں دو آدمی یعنی زیر و عمر و شریک ہیں، اگر عمر کے حصہ کو خالد خریدے تو زید کا یہ قانونی حق ہے، کہ جس دامین خالد نے اس کے شریک کے حصہ کو خرید لیا ہے، ادا کر کے خالد کی رضامندی ہو یا نہ ہو خرید لے، قانون اس جبری خریداری کو نافذ کرانے کا، معلوم نہیں اس باب میں دنیا کے اور قوانین کا کیا حال ہے، لیکن اس قانون کی وجہ سے اسلامی حکومت کی رعایا کو دکانوں، کھیتوں، باغوں وغیرہ کے متعلق کتنی آسانیوں ہم پہنچی ہیں، اور پہنچ سکتی ہیں، اس کا اندازہ تجربہ سے ہو سکتا ہے خصوصاً خفی مذہب میں اس قانون کو ملکی شرکت سے آگے بڑھا کر مرائی (مثلاً مائتہ ذرائع آبپاشی وغیرہ) کی شرکت اور جوار (پڑوس) کی شرکت تک وسیع کر دیا گیا ہے، فقہ کا یہ ایک طویل باب ہے، میرے لئے اس سلسلہ میں صرف اتنا بیان ہی کافی ہو سکتا ہے،

غیر اسلامی حکومتوں کی رعایا | (۲) غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کے مملوکات پر مالکوں کی رضامندی کے کیسے مسلمانوں کے معاشی تعلقات | بغیر قبضہ کر کے مسلمان ان کے قانونی مالک بن سکتے ہیں، اسی طرح غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کے بھی اس حق کو اسلام نے قانونی حق قرار دیا ہے، یعنی اسلامی حکومت کے باشندے

کے اموال پر الحیا ذی اللہ اگر ان کا قبضہ ہو جائے تو مالک کی رضا مندی کے بغیر وہ بھی ان کے مالک ہو جائے ہیں، دراصل اس دفعہ کا تعلق قانون جنگ سے ہے، اس سلسلہ میں غنیمت، فنی، متعلقات فنی وغیرہ کی آمدنی، بن علا، وہ ان عطایا و وظائف وغیرہ کے جو اسلامی فوجوں کو حکومت سے ملتے تھے، چونکہ لڑنے والے ہر سپاہی کو غنیمت سے بھی حصہ ملتا تھا، اس لئے مسلمانوں میں آمدنی پیدا کرنے کا یہ بھی ایک بڑا آسان، اور قیمتی ذریعہ تھا، اور ان کی معاشی فراغیالیوں پر اس قانون کا کافی اثر مرتب ہوتا تھا، چونکہ اس آمدنی کا تعلق معمولی کاروبار سے نہیں ہے، بلکہ اس کی اکثر شکلوں کا تعلق حکومت سے ہے، اس لئے اس بات کی بھی تفصیل کی یہاں حاجت نہیں، البتہ اسی بین الاقوامی قانون کی بنیاد پر کہ شریعت میں چنکھیر طے کر دیا گیا ہے، کہ اسلامی حکومت کی رعایا کا مال غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کے لئے مباح اور جائز ہے، یعنی قبضہ کرنے کے بعد ان کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے، اور ان سے اگر کوئی مسلمان اس مال کو خریدے، تو یہ قانونی مالک سے مال کا خریدنا ہوگا، اسی لئے اس کا لینا جائز ہوگا،

غنیمت و فنی کی حالت کی وجہ | پھر جس طرح مسلمانوں کا مال غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کی ملکیت صرف قبضہ سے داخل ہو جاتا ہے، اسی طرح اسلامی حکومتوں کے باشندوں کے لئے غیر اسلامی حکومتوں کے باشندوں کا بھی مال مباح و جائز ہے، یعنی قبضہ کے بعد مسلمان اس کے قانونی مالک ہو جاتے ہیں، غنیمت دینی غیر اسلامی حکومت کے لوگوں سے جو مال بزرور حاصل کیا جائے، اور فنی (جو مال غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کا بغیر کسی جنگ و جدال کے مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے)، ان دونوں قسم کے اموال کے قانونی مالک مسلمان اسی بنیاد پر ہو جاتے ہیں، کہ ان لوگوں کے اموال کو اسلام نے مسلمانوں کے لئے مباح

سے الحیا ذی اللہ کا لفظ میں نے اپنے فقہاء کی تقلید میں لکھا ہے، تاکہ معلوم ہو کہ مسلمانوں پر ایک وہ وقت بھی گذرا ہے جب غیر اسلامی اقوام کے تسلط کو اپنے اور اپنا قابل برداشت تصور کرتے تھے، پھر آسمان نے فرخ بدلا، اور جس کا سوچنا بھی ناگوار تھا، اسے دیکھنا پڑا اور کیسا دیکھنا،

اور جائز قرار دیا ہے،

غیر اسلامی ممالک میں | اسی مسئلہ کی بنیاد پر ایک اور معاشی سوال یہاں پیدا ہو گیا، یعنی غیر اسلامی حکومت
سود، قمار وغیرہ کا حکم کے کسی غیر مسلم باشندہ کا روپیہ کسی ایسے ذریعہ سے جو اسلامی قانون کی رو سے لین دین

کا قانونی اور شرعی ذریعہ ہے، مثلاً ربوا (سود) یا قمار یا ازین قبیل کسی اور غیر شرعی ذریعہ سے کسی مسلمان کے
قبضہ میں آجائے، تو کیا قانوناً یہ مسلمان اس کا مالک ہو سکتا ہے یا نہیں،

چونکہ یہ ایک جائز اور مباح مال پر قبضہ ہے، اور مباح و جائز مال کے ملک ہونے کے لئے صرف قبضہ
کافی ہے، مثلاً جنگل کے کسی پرندے کا شکار کر کے قبضہ کر لینا اس پرندے کے مالک ہونے کے لئے کافی ہے، اس لئے
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ کہ اس قسم کے احوال کا مسلمان قانونی طور پر مالک ہو جاتا ہے، اور یہی ان کا
وہ مشہور نقطہ نظر ہے جس کی وجہ سے حنفی فقہ کی عام کتابوں میں

کلام جوابین الحربی والصلوۃ
الحربی (غیر اسلامی حکومت کا باشندہ) اور المسلم
(اسلامی حکومت کا باشندہ) میں ربوا (سود) نہیں ہے،

کا ذکر پایا جاتا ہے، گویا یہ بین الاقوامی قانون کی ایک دفعہ ہے، عوام چونکہ اس کے اصل منشا سے واقف نہیں
ہیں، اس لئے ان کو حیرت ہوتی ہے، کہ ربوا (سود) جب اسلام میں حرام ہے، تو ہر جگہ ہر شخص سے لینا حرام ہو چکا
تو "یعنی غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ اس کے جائز ہونے کے کیا معنی؟ مگر سچی بات یہ ہے کہ
حربی کے ساتھ یہ معاملہ ربوا کا معاملہ ہی نہیں ہے، بلکہ ایک مباح مال کو قبضہ کر کے اسے اپنی ملک بنانا، جو اس
قانون سے پہلے ایک اور قانون کا ذکر کتابوں میں عموماً کیا جاتا ہے کہ

کلام جوابین العبد والصلوۃ،
یعنی درمیان غلام اور اس کے آقا کے ربوا

(سود) کا معاملہ نہیں ہے،

یعنی شرعی غلام اور آقا کے درمیان بھی اگر ربوا کا معاملہ کیا جائے گا، تو وہ ربوا نہ ہوگا، یہ بھی امام ابوحنیفہ کا

ذہب ہو ظاہر ہے کہ اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ باوجود ربوا اور سود ہونے کے امام نے اس کو حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے، بھلا اس کا حق ایک مجتہد کو کیا ہے، بلکہ بات وہی ہے کہ قانوناً غلام کا مال آقا ہی کا ہے پس آقا نے غلام سے جو کچھ لیا وہ اس کا مال نہیں اپنا مال لیا، اور اپنا مال کسی پر کیوں حرام ہو سکتا جو اس کی مثال ایسی ہو کہ آدمی اپنی آمدنی کی مختلف مدتوں کو مختلف مصارف کے لئے معین کر دیتا ہے لیکن بسا اوقات کسی ایک ضرورت کے لئے دوسری مدت کی آمدنی سے قرض کے نام سے لے لیتا ہے، فرض کیجئے کہ اگر اس قرض میں وہ کچھ سود بھی لگا کر اس میں جمع کر دیا کرے جس سے اس نے قرض لیا تھا، تو کیا واقعی لفظ سود سے وہ سو ہو جائے گا، اس نے تو اپنے ہی روپے کو اپنے مال میں ملایا، جو خود کسی نام سے ملائے، قانوناً شراعت کوئی اس کو سود نہیں کہہ سکتا، اور یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں جہاں اس وقت اسلامی حکومت قائم نہیں ہے، یہاں کے ہندوستان میں مسئلہ ربوا (سود) کا حکم غیر مسلم باشندوں سے بعض خفی علیہ سودی کاروبار کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، بعض غیر قانونی دماغوں کو یہ شبہ ہوتا ہے، کہ اگر اس جواز کی بنا اس پر ہے، کہ غیر اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا کا مال مسلمانوں کے لئے مباح ہے، تو پھر اس ملک میں فریب چوری ڈاکہ وغیرہ جو شرعاً لین دین کے ناجائز ذرائع ہیں، کیا ان ذرائع سے بھی مسلمانوں کو غیر مسلموں کا مال لینا جائز ہوگا، حالانکہ جہاں یہ مسئلہ فقہ حنفی میں لکھا گیا ہے، وہاں دوسرا فقرہ **مِن غَيْرِ عَدْلٍ** (یعنی خلاف معاہدہ) لین دین نہ ہونے کی قید بھی بڑھی ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ اس وقت ہندوستان میں جو حکومت قائم ہے، اس کے قانون میں فریب، چوری، ڈاکہ وغیرہ کے ذریعے سے لین دین کو ناجائز ٹھہرایا گیا ہے، اور اس ملک میں جو

۱۔ جس میں بے ایمان شخصیت حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، شاہ صاحب کے فتاویٰ رضویہ میں یہ فتویٰ ایک سے زیادہ مقام میں موجود ہے، یہاں یہ بھی غور کرنے کا مقام ہے کہ شاہ صاحب نے یہ فتوے اس وقت صادر کئے تھے، جب لال قلعہ میں تیموری سلاطین نام نہاد شاہ ہند کے نام سے موجود تھے، لیکن علاؤچوکہ ان کی حکومت ختم ہو چکی تھی، اس لئے شاہ صاحب فقہ حنفی کے اس معاشی مسئلہ کا عام اعلان سرزمین ہند میں کر دیا تھا،

مسلمان آباد ہیں، وہ اس معاہدہ کے ساتھ ہی آباد ہیں، کہ حکومت وقت کے قانون کی خلاف ورزی نہ کریں گے۔ اب اگر چوری ڈاکو یا فریب غیر ذرائع سے ملک کے کسی باشندے کا روپیہ کوئی لے گا، تو قدر (عمد شکنی) کے اسلامی جرم کا وہ مرتکب ہو، بخلاف ربوا (سود) کے کہ موجودہ حکومت نے اس ذریعہ سے لین دین کو ناجائز نہیں قرار دیا ہے، پس یہ حکومت وقت کے ساتھ عذر (عمد شکنی) نہیں ہے، اور بغیر کسی عہد شکنی کے مسلمان کے قبضہ میں جب اس ملک کے غیر مسلم باشندہ کا روپیہ آئے تو مٹا قبضہ کے ساتھ ہی وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، امام ابوحنیفہ کا یہ آئنا مستحکم قانونی نقطہ نظر ہے کہ اس قسم کے اموال کی حرمت کی کوئی دلیل شرعی پیش کرنا مشکل ہے، میرا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کی غیر مسلم رعایا کے اموال کے عدم مباحث کی دلیل پیش کرنا آسان نہیں ہے، چہ چاہیں کہ ان کی حرمت کا دعویٰ؟ اور یہی اس معاشی مسئلہ کی بنیاد ہے، افسوس کہ علماء اسلام نے اسلام کے اس قیمتی نقطہ نظر پر ٹھنڈے دل سے غور نہیں کیا، ورنہ ادھر سو ڈیڑھ سو سال میں مسلمان جن معاشی وقتوں میں مبتلا ہو گئے، غالباً صورت حال یہ نہ ہوتی، ملک کے باشندوں کا ایک طبقہ صرف دیتا رہا، اور دوسرا طبقہ صرف دیتا رہا، اس کی وجہ سے جو معاشی عدم توازن اس ملک میں پیدا ہو گیا ہے، اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں، بلکہ زیادہ تر علماء پر اس لئے ہو کہ ان کے معاشی نظام میں اس صورت حال کا علاج موجود تھا لیکن انھوں نے ایک جزو پر عمل کیا، اور دوسرے کو ترک کر دیا، اور اب تو شاید مرض لا علاج ہو چکا ہو، اس مسئلہ کا ذکر چاہئے تو یہ تھا کہ مین سود کے باب میں کرتا، جیسا کہ عموماً فقہ کی کتابوں میں کیا گیا ہے، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس کا تعلق ربوا کے باب سے نہیں، بلکہ بین المذاہب معاشی تعلقات کا یہ ایک قدرتی نتیجہ ہے، اسی لئے بات بآسانی سمجھ میں آ جاتی ہے، بخلاف اس باب کے جہاں خود مسلمانوں کے باہمی مالی و معاشی معاملات سے بحث کی جاتی ہے، غیر موزون مقام پر درج ہونے کی وجہ سے امام صاحب کا صحیح نقطہ نظر لوگوں کے

لئے اسی لئے ان لوگوں سے جو اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے مسلک کا انکار کرنا چاہتے ہیں، میرا مطالبہ ہے کہ قرآن و حدیث اجماع و قیاس الغرض کسی شرعی دلیل سے انگریزی کے اموال کے عدم مباحث کا ثبوت پیش کر کے ہون تو پیش کرنا

سامنے نہیں آتا، بہر کیف مذکورہ بالا چند استثنائی صورتوں کے سوا باہمی لین دین کو قرآن نے

عن تراض منکر باہمی رضامندی سے لین دین ہو،

پر مبنی کیا ہے یعنی کوئی کسی کے مال کو اس کی مرضی کے بغیر اپنی ملک نہیں بنا سکتا، اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر فقہائے اسلام نے تمام معاشی ابواب کے قوانین کو مرتب کرنے کی کوشش کی ہے، ظاہر ہے کہ لین دین میں باہمی مرضات کی شرط تقریباً تمام متمدن اقوام کے قوانین میں مسلم ہے، چوری، ڈاکہ، فریب، دھوکا، غصب وغیرہ کو جرم اسی بنا پر قرار دیا گیا ہے، کہ ان تمام شکلوں میں مالک کی مرضی کے بغیر اس کے مال پر قبضہ کیا جاتا ہے، لیکن اسلام نے اس عام قانون کے سوا مالی معاملہ اور لین دین کے متعلق چند اور امور کا اضافہ

بھی کیا ہے جن میں پہلی اصل تو وہ ہے جس کا ذکر قرآن میں

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم

بِأُلٍ طَرِيقَةٍ سَاءَ بِأَمِّكُمْ دُورُكُمْ

مال نہ کھایا کرو۔

بِالْبَاطِلِ،

کے الفاظ میں کیا گیا ہے، اور دوسری اصل قرآن ہی میں

لَا تَطْلُقُونَهَا لَعَنَ اللَّهُ

نہ تم کسی پر ظلم کرو، اور نہ تم پر ظلم کیا جائے،

کے دو مختصر لفظوں میں مذکور ہیں، اس وقت ان ہی دو اصول اور ان کے نتائج پر بحث کرنا چاہتے ہیں کہ

اسلامی معاشیات کی تصحیح و ارتقا میں ان دو قاعدوں کو میرے خیال میں بہت زیادہ دخل ہو،

اکل بالباطل کا مطلب | پہلی بات مبنی باہم ایک دوسرے کا مال بالباطل نہ کھایا جائے، پہلے اس کے

مفہوم کو سمجھ لینا چاہئے، مثال سے اس کو یوں ذہن نشین کیا جاسکتا ہے، مثلاً ایک شخص آپ کا کوئی کام

کر کے یا آپ کو اپنی کوئی چیز دے کر یا اپنی چیز سے آپ کو نفع اٹھانے کا موقع دے کر اگر آپ سے آپ کا مال

لیتا ہے، تو ظاہر ہے کہ آپ پر اپنا ایک حق قائم کرنے کے بعد اس کے معاوضہ میں آپ کا مال لے رہا ہے لیکن

اس کے مقابلہ میں کوئی حق قائم کو نیز اگر آپ کا مال لینا چاہتا ہے، تو یہی اکل بالباطل ہے یعنی بغیر کسی حق

آپ کا مال لے رہا ہے، یہ تو افنا کا مطلب ہوا، اب ظاہر ہے کہ دنیا میں کاروبار کی ساری سرگرمیاں اس بنی بنی کہ ہر شخص ایک دوسرے کی ضرورت کو پوری کر رہا ہے، اگر اسی شکل کو یک طرفہ کر دیا جائے یعنی دینے والوں کو لینے والوں سے کچھ نہ ملے، تو نہ ذراعت چل سکتی ہے، نہ تجارت، نہ حرفت، نہ صنعت جب معاوضہ ادا کے بغیر لوگوں کو زندگی کی ضروریات ملنے لگیں گی تو پھر خواہ مخواہ معاوضہ کے مٹا کرنے کی فکر میں کوئی کیوں مشغول ہوگا؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک کے باشندوں کی توانائوں کا ایک بڑا حصہ دنیا میں آکر اپنی قیمت حاصل کئے بغیر قبر میں دفن ہوتا چلا جائے گا، نیز ان کے دل و دماغ اور عملی جدوجہد سے ملک کو اپنے معاشی ارتقاء میں جو مدد مل سکتی تھی، اس سے وہ محروم ہو جائے گا،

گداگری کے شعلے | یہی وہ بنیاد ہے کہ گودنیا کے اکثر حصوں میں گدا گروں اور سالکوں کو صرف یہی نہیں کہ اسلام کا نقطہ نظر | مجرم نہ ہو کر دیا جاتا تھا، بلکہ بعض علاقوں مثلاً ہندوستان میں غفلت و احترام کی آخری بلندی پر وہی لوگ قابض تھے، اور اب تک ہیں جن کا گزاردہ بھکشا اور دان پڑ رہے، سمجھا جاتا ہے کہ یہ بڑی نیکی اور بڑی بات ہے، لیکن معاشی نقطہ نظر سے یہ کتنا بڑا خسارہ ہے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے، اسلام نے صرف یہی نہیں کرکھاتے پتوں کے لئے سوال کو جرم قرار دیا ہو، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

من سال الناس عن ظہر غنی فاما باوجود غنی ہونے کے جو لوگوں سے بھیک لگتا

یستلک من جسر جھنہ (صحاح) جو وہ جہنم کے انکار سے جمع کر رہا ہے،

یعنی باوجود غنا و استطاعت کے جو بھیک لگتا ہے، وہ جہنم کے انگاروں کو اکٹھا کر رہا ہے، اور غنا سے بھی مراد یہ نہیں ہے کہ کافی دولت و ثروت رکھتا ہو، بلکہ اسی حدیث میں ہے کہ پوچھنے والے نے دریافت کیا

یا رسول اللہ ما ظہر غنی غنی کا یا رسول اللہ کیا مطلب ہو،

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں جو کچھ ارشاد فرمایا، وہ موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کے لئے باعث عبرت ہے، ارشاد ہوا،

ان یعلمون عند اہلہ ما یفعلون۔ جو یہ جانتا ہے کہ اس کے گھر میں آنا سرمایہ ہو کہ جس کے ذریعہ سے صبح و شام کی غذا تیار ہو سکتی ہو۔ خواہ وہ کسی شکل میں دیا ہو سکتی ہو، مثلاً جو یا جواری، باجرہ کی روٹی ہی کیون نہ ہو بہر حال اتنے معمولی سرمایہ رکھنے والے کے لئے بھی اسلام نے سوال کو قطعاً حرام کر دیا ہے، اور اگر کسی کے پاس مالی سرمایہ نہ ہو لیکن ہاتھ پاؤں کا سرمایہ اور اتنی قوت رکھتا ہو کہ کما کر کھا سکے، اس کے متعلق بھی ارشاد ہے

لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی صدقہ حلال نہیں ہے صاحبِ غنا کے لئے،

مراۃ سوی، نہ مضبوط توانا کے لئے،

لا حق فیہا لغنی ولا لقوی صدقہ میں حق نہ کسی غنی کا ہے، اور نہ کمزور

مکتسب توانا آدمی کے لئے اس میں (صدقہ میں) حصہ ہے

بہر حال بجز چند مخصوص صورتوں کے جن کی فقہانے تشریح کر دی ہے، ملک کے ہر باشندے پر جس میں کسی قسم کی بھی مالی یا بدنی صلاحیت ہو، عموماً اسلام نے سوال کو حرام کر دیا ہے، اور اس سے یہی مراد ہے کہ اس قسم کی تمام دو تین ملک کے معاشی ارتقاء میں اپنی اپنی وسعت کی حد تک ہاتھ بٹائیں، اس نام میں مسلمانوں کو کون کمرہ سکتا ہو،

تقدرست و توانا آدمی کو | ان کو شاید معلوم نہیں کہ اسلام میں لینے والوں ہی پر عموماً بھیک حرام نہیں بھیک دینا بھی ناجائز ہے | ہو، بلکہ فقہاء کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ مذکورہ بالا صفات یعنی کم از کم مالی یا بدنی صلاحیت رکھنے والوں کو بھیک دینا بھی ناجائز ہے، علامہ ابن نجیم حنفی نے الاشباہ والنظائر میں مذکورہ بالا صورتوں کے متعلق لکھا ہے،

ان السائل والعاطی آثمان، بھیک مانگنے والے اور بھیک دینے والے

سائل اور گداگر کے مجرم ہونے کی وجہ تو ظاہر ہی ہے، لیکن دینے والوں کو مجرم کیوں قرار دیا جاتا ہے اس کی وجہ انھوں نے لکھی ہے،

فلکونہ معیناً علی الخراء، اس نے حرام میں مجرم کی مدد کی،
 اگرچہ بعض علماء کو اس سے اختلاف ہے، مولانا انور شاہ صاحب کشمیری نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ
 لو علواً لعلی ان السائل لا یخذ کسباً فلا اثر علیہ اگر دینے والا یہ جانتا ہو کہ سوال کرنے والا
 ولا یخذ کسباً فلا اثر علیہ اس کو اپنا پیشہ نہ بنائے گا، تو ایسے دیوہا
 ولو علواً لعلی ان السائل لا یخذ کسباً کو گناہ نہ ہو گا، اور اگر یہ جانتا ہو، کہ
 ویتماد السوال فهو آثم وہ بھیک کو اپنا پیشہ بنائے گا، تو دینے والا

(العرف الشذی ۲۹۱) بھی گنہگار ہو گا، (باقی)

۱۔ گداگر کی کے متعلقہ مسائل کی تھوڑی اور تفصیل آئندہ بھی اپنے مقام پر آنے والی ہے، "فلینتظر"

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم

میسراڈیشن

بچوں اور عام مسلمانوں کے پڑھنے کے لئے آسان زبان میں سیرت کی یہ مشہور و معروف کتاب سداً چھپ کر تیار ہو، یہ دکن پنجاب یونیورسٹی اور بہار کے مختلف اسلامی مدرسوں اور مکتبوں میں داخل نصاب اور ہندی گجراتی اور بنگالی وغیرہ میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے، اس کی زبان بہت آسان اور عام فہم ہے،

جسم ۶۴ صفحہ قیمت: ۱۰ پیر

ملینجر

موفق الدین عبداللطیف بغدادی

مولانا عبدالسلام ندوی

کتب خانہ اسکندریہ کے جلائے جانے کی ایک روایت کا ماخذ عبداللطیف بغدادی کی ایک تاریخی کتاب "کتاب الافادہ والاعتبار فی الامور المشریۃ والحوادث المعانیۃ بارض مصر" بھی ہے اور اس لحاظ سے اس مسئلہ کی تحقیق میں ان کا نام رتو اور قبولاً بار بار آیا ہے، لیکن بہت کم لوگ ہیں جو ان کے مفصل حالات سے واقف ہیں، حالانکہ ایک اہم اور مختلف فیہ واقعہ کے راوی ہونے کی حیثیت سے ان کے حالات خاص طور پر دلچسپ ہو سکتے تھے، لیکن اس خاص واقعہ کو چھوڑ کر بھی ان کے حالات دوسری مختلف حیثیتوں سے بھی دلچسپ ہیں۔ فلسفہ اسلام کی تاریخ میں پانچویں اور چھٹی صدی کا زمانہ نہایت اہمیت رکھتا ہے، اس زمانہ میں شیخ بوعلی سینا کی عام شہرت نے دوسرے فلاسفہ کو تقریباً گناہ کر دیا تھا،

کچھ لوگ شیخ الاشراق کے بھی متفقہ تھے، لیکن ابو نصر فارابی کو کوگوں نے بالکل بھلا دیا تھا، اور قدما کی کتابوں کو تو کوئی شخص آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا، لیکن بعض اشخاص ایسے بھی تھے، جو ابو نصر فارابی اور قدما کی کتابوں سے خاص طور پر دلچسپی رکھتے تھے، اور شیخ بوعلی سینا کے مخالف تھے، ابستارین موفق الدین عبداللطیف بغدادی بھی شیخ بوعلی سینا کے سخت متفقہ تھے، لیکن بعد کو اسی قسم کے ایک بزرگ سے ان کی ملاقات ہوئی، تو بحث و مباحثہ کے بعد ان کے قدیم خیالات بالکل بدل گئے، اور معلوم ہوا کہ تمام دنیا کو شیخ بوعلی سینا اور شیخ الاشراق نے گمراہ کر رکھا ہے، اصلی فلسفہ قدما کی کتابوں میں ہوا اس لحاظ

سے فلسفہ اسلام کی تاریخ پر چونکہ ان کے حالات سے روشنی پڑتی ہے، اس لئے وہ خاص طور پر دلچسپی کا موجب ہو سکے ہیں،

وہ شہسہؒ میں بغداد میں پیدا ہوئے، اور شیخ ابوالنجیب کے دامن میں تربیت پائی، خوش قسمتی کو ان کا خاندان علوم عقلیہ و نقلیہ دونوں کا جامع تھا، ان کے والد یوسف علوم شرعیہ یعنی قرآن، حدیث، اصول فقہ اور علم کلام کے ساتھ کسی قدر علوم عقلیہ سے بھی واقف تھے، اور ان کے چچا سلیمان بھی بہت بڑے فقیہ تھے، لیکن چونکہ اس خاندان میں غلبہ علوم شرعیہ کا تھا، اس لئے یحییٰ بن شیخ موفق الدین کی ابتدائی تعلیم حدیث سے شروع ہوئی، لیکن اسی زمانہ میں وہ لکھنا بھی سیکھتے تھے، قرآن مجید، فیصح، مقامات اور یوں جتنی بھی حفظ کرتے تھے اور ایک مختصر کتاب فقہ کی اور ایک مختصر کتاب نحو کی بھی پڑھتے تھے، جب بڑے ہوئے تو ان کے والد ان کو شیخ کمال الدین عبدالرحمن الانباری کی خدمت میں لے گئے، جو اس وقت بغداد کے شیخ اور اذن کے پرانے دوست تھے، انھوں نے ان سے فیصح کا خطبہ پڑھنا شروع کیا، لیکن ان کی طویل تقریر کا ایک حرف بھی نہ سمجھے، البتہ ان کے اور ملازمہ ان کی تقریر کو نہایت پسند کرتے تھے، لیکن شیخ کمال الدین الانباری نے خود کہا کہ میں بچوں کو تعلیم نہیں دیتا، بلکہ ان کو اپنے شاگرد وجیہ الواسطی کے سپرد کر دیتا ہوں، جب ان کی تعلیم سے وہ متوسط درجہ کی قابلیت حاصل کر لیتے ہیں، تو خود تعلیم دیتا ہوں،

وجیہ الواسطی ایک نابینا اور دولت مند شخص تھے، اور بعض رئیسوں کے بچوں کو تعلیم دیتے تھے، انھوں نے نہایت خوشی سے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور صبح سے شام تک نہایت لطف و محبت کے ساتھ تعلیم دیتے رہے، وہ مسجد طہریہ میں ان کے حلقہ درس میں شریک ہوتے تھے، اور وہ ان کو تمام کتابوں کے درس میں شریک کرتے دیتے تھے، پھر خاص طور پر ان کی درسی کتابیں پڑھاتے تھے، مسجد سے نکلنے کے بعد راستے میں بھی بحث و مذاکرہ جاری رکھتے تھے، پھر جب ان کے گھر پہنچتے تھے، تو وہ خود اپنی درسی کتابیں نکالتے تھے، اور عبداللطیفؒ بغدادی بھی ان کے ساتھ ان کو یاد کرتے تھے، پھر وہ شیخ کمال الدین کے پاس جا کر اپنی درسی کتابیں پڑھتے

تو عبداللطیف بغدادی بھی ان کو سنتے تھے، یہاں تک کہ حفظ و فہم میں ان سے بھی بڑھ گئے، اب جس قدر ان کی علمی قابلیت بڑھتی جاتی تھی، وہ ایک استاد کو چھوڑ کر دوسرے استاد کی خدمت میں جاتے تھے، اور ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے، اس طرح انھوں نے جو کتابیں پڑھیں یا ان کو حفظ کیا، یا ان کے مطالعہ میں ان کے نام یہ ہیں، اللع، شرح التوائین، شرح الشریعت، عمر بن حمزہ، شرح ابن برہان، ادب الکاتب، تقویم اللسان، مشکل القرآن، غریب القرآن، ایضاح ابو علی فارسی اور اسکی شرحیں، تاملہ، مقتضب للبز، کتاب ابن درستی، نحو، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، زہد اور تصوف میں شیخ کمال الدین کی ۳۰ کتابیں کتاب سیبویہ، کتاب الاصول لابن السراج، فرائض، عروض، الخطیب التبریزی، معانی ازجاج، علم حدیث میں ان کے شیخ ابو الفتح محمد بن عبدالباقی المعروف بابن البطلی، ابو زرعہ طاہر بن محمد المقدسی، ابو القاسم عجمی بن ثابت الکلی وغیرہ تھے، اور ان سے انھوں نے بحین میں علم حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی، اس کے بعد انھوں نے شیخ ابن فضلان سے حدیث اور فقہ پڑھی، اور شیوخ بغداد، شیوخ خراسان، شیوخ شام، اور شیوخ مصر سے علم حدیث کی سند حاصل کی۔

منطق و فلسفہ میں ان کے اساتذہ کا نام نہیں معلوم ہوتا، انھوں نے اپنے اساتذہ میں ابن الدؤد، ابن التلیذ کے ایک لڑکے کا نام لیا ہے، اور چونکہ وہ عیسائی تھا، اس لئے لازمی طور پر اس سے علم طلب یا دور علوم حکمیہ کی تعلیم حاصل کی ہوگی، لیکن عقلی علوم کی طرف جس طرح ان کا میلان پیدا ہوا، اسکی تاریخ انھوں نے خود یہ بیان کی ہے، کہ بغداد میں ایک مغربی شخص صوفیانہ وضع میں آیا، جو ابن تاتلی کے نام سے مشہور تھا، اور اپنے آپ کو کشین کی اولاد میں شمار کرتا تھا، اور مغرب پر عبدالمومن کے تسلط و اقتدار کے بندہ بن گیا، اور اس کا تھا، جب اس نے بغداد میں قیام کیا، تو اس کے حسن تقریر اور اسکی وجاہت، اور مذہبی حالت نے لوگوں کو گردیدہ کر لیا، اور اکابر و اعیان کی ایک جماعت اس سے ملنے کے لئے آئی، میں بھی اسکی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس سے مقدمہ حساب اور نحو میں مقدمہ ابن بابشا پڑھا، اور اس کا طریقہ تعلیم

ایسا عجیب تھا کہ لوگ اوس کو بڑا ماہر نہ سمجھتے تھے، لیکن درحقیقت وہ سطحی معلومات رکھتا تھا، البتہ کمیا، اس علمات وغیرہ کی کتابوں کا خوب مطالعہ کیا تھا، اور ابن وحشیہ اور چابری کی تمام کتابیں چھان ڈالی تھیں، اپنی شکل و صورت اور گفتگو سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیتا تھا، اس نے میرے دل کو تمام علوم کے شوق سے بہرہ نر کر دیا، اس کے بعد وہ تو خود چلا گیا، لیکن میں ہمہ تن تحصیل علوم میں مشغول ہو گیا، اور امام غزالی کی کتابوں یعنی مقاصد العارفین، میزان اور محکم النظر کا مطالعہ کرنا شروع کیا، پھر شیخ بوعلی سینا کی تمام چھوٹی بڑی کتابوں کی طرف متوجہ ہوا، اور کتاب النجاة حفظ کر ڈالی، اور شفا کو اپنے ہاتھ سے لکھا، شیخ بوعلی سینا کے شاگرد ابن یار کی کتاب التحصیل پڑھی، اور جابر بن حیان صوفی اور ابن وحشیہ کی کتابیں بھی پڑھیں، اور کیمیا سازی کرنے لگا، اس گمراہی میں مجھ کو سب زیادہ شیخ بوعلی سینا کی اوس کتاب نے متلا کیا جو اوس نے فن کیمیا میں لکھی ہے، اور اس سے اپنے فلسفہ کی تکمیل کی ہے،

۵۵۵ھ تک اون کی تحصیل علمی کی یہ سرگزشت ہے، اوس کے بعد بغداد میں ان کو کوئی قابلِ علم اوستا نظر نہیں آیا، اس نے وہ موصِل میں چلے آئے، اور یہاں بھی ان کی تمنا پوری نہیں ہوئی، یہاں صرف کمال بن یونس ایک شخص تھے، جو نقد اور ریاضیات کے تو ایک جید عالم تھے، باقی مکت کی اور شائع سے معمولی واقفیت رکھتے تھے، لیکن وہ اپنا دماغ اور وقت صرف کیمیا سازی میں صرف کرتے تھے، اس کے علاوہ ہر چیز کو بیچ سمجھتے تھے، یہاں ایک بہت بڑی جماعت نے شیخ عبداللطیف بغدادی سے ملاقات کی، اور ان کے سامنے بہت سے مناصب پیش کئے، لیکن ان میں ادنخون نے مدرسہ ابن المہاجر المعلقہ اور اس کے ماتحت دارالحدیث کی خدمت کو اختیار کیا، اور ایک سال تک شب و روز اس میں مصروف رہے، اور اہل موصِل پر اپنی قابضیت کا سکہ بٹھادیا، یہاں ادنخون نے شیخ شہاب الدین سمرقانی کی فلسفہ دانی کا غیر معمولی شہرہ سنا، تو ان سے ملنے کا قصد کیا، لیکن ان کے یہاں جانے سے پہلے ادنخون نے کمال بن یونس سے جو ان کے متعقدین میں تھے، ان کی چند کتابیں لین اور کتب کثرت، الحمد اور معارج

کا مطالعہ کیا لیکن ان کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ دنیا بھالت میں مبتلا ہے، اس کے بعد وہ دمشق میں آئے، تو وہاں اعیان بغداد اور دوسرے شہروں کے علماء کی ایک بہت بڑی جماعت نظر آئی، جس کو سلطان صلاح الدین کی فیاضی اور قدر وافی نے ایک جگہ جمع کر دیا تھا، ان میں بعض لوگوں سے اونھوں نے مناظرے کئے، اور ان پر غالب آئے، اور یہاں بہت سی کتب میں تصنیف کیں، دمشق میں ان کی ملاقات شیخ عبد اللہ بن ناطی سے ہوئی جن کے متعلق وہاں دو فریق ہو گئے تھے، ایک ان کا موافق اور ایک مخالف تھا، خطیب دئی ان کے مخالف اور بہت سے اعیان و اکابر ان کے موافق تھے، لیکن اونھوں نے خود کیا سازمی اور فلسفیانہ مباحث کو چھڑا کر اپنے آپ کو مطعون کر دیا، شیخ عبد اللطیف بندادی نے ان سے مل کر بہت سے علوم پر مباحثہ کئے، لیکن ان کو معمولی درجہ کا عالم پایا، اس لئے ان کے ساتھ ان کو جو حسن ظن تھا، وہ قائم نہیں رہا، اس لئے ان کے یہاں آنا جاننا کم کر دیا، پھر عبد اللہ بن ناطی نے ظاہر عکاس سلطان صلاح الدین سے مل کر دئی کی شکایت کی، اور وہاں سے بیمار ہو کر واپس آئے، تو شفا خانہ میں داخل کر دیئے گئے، اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا، اور ان کی کتب میں دمشق کی پولیس نے اپنے قبضہ میں لے لیں، اس کے بعد شیخ عبد اللطیف بندادی بیت المقدس کی زیارت کو گئے، اور اس کی زیارت سے فارغ ہو کر ظاہر عکاس میں سلطان صلاح الدین سے ملنا چاہا، اور پہلے قاضی فوج بہار الدین بن شداو سے ملاقات کی، وہ موصول ہی میں ان کی شہرت سن چکے تھے، اس لئے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، اور کہا کہ عماد الدین کا تب کے یہاں چلیں، انکا خیمہ بھی قاضی بہار الدین کے خیمہ سے ملا ہوا تھا، وہ گئے تو اونھوں نے ان سے علم کلام کے چند مسائل پر گفتگو کی، اور کہا کہ چلو قاضی فاضل کے یہاں چلیں، یہ ان سب کے ساتھ قاضی فاضل کی خدمت میں گئے، تو ان کو ایک نخیف اجنبہ بزرگ نظر آئے، جو ہمہ تن قلب و دماغ تھے، وہ خود بھی لکھ رہے تھے، اور دو شخصوں سے لکھ رہے تھے، اسی حالت میں اونھوں نے ان کو قرآن مجید کے متعلق چند خوبی سوالات کئے اور بہت مسائل پوچھے اور کہا کہ دمشق میں چل جاؤ وہاں تم کو وظیفہ مل جائیگا، لیکن عبد اللطیف بندادی کا کہنا کہ میں مصر جانا چاہتا ہوں، انھوں نے کہا

کہ فرنگیوں نے چونکہ عکا پر قبضہ کر لیا ہے، اور مسلمانوں کا کشت و خون کیا ہے، اس لئے سلطان پریشا
 خاطر ہے، لیکن اوہنوں نے کہا کہ مجھے مہر جاننا ضروری ہے، تو قاضی فاضل نے مصر میں اپنے وکیل ابن شتا، الملک
 ایک مختصر سارنقہ لکھ دیا، اس لئے اوس نے ان کو ایک آرام دہ مکان میں اوتارا، اور اشترنیان اور غلہ لیکر آیا،
 اس کے بعد ارکان سلطنت کے یہاں جا کر کہا کہ یہ قاضی فاضل کے ہمان ہیں، اب ان پر ہدایا و صلوات
 کی بارش ہونے لگی، ہر دسویں دن سرکاری مہمات کے متعلق قاضی فاضل کا ایک اسلہ دیوان مصر میں
 آتا تھا، اور اس میں خاص طور پر شیخ عبداللطیف بغدادی کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے کی ہدایت ہوتی
 تھی، اوہنوں نے مسجد حاجب لوی میں قیام کیا، اور لوگوں کو تعلیم دینے لگے، وہ مصر میں صرف تین آدمیوں
 سے ملنے کے لئے آئے تھے، ایک یاسین سمیائی، دوسرے موسیٰ بن میمون یہودی، تیسرے ابوالقاسم شاعری
 ان میں سب کے سب ان سے ملنے کے لئے آئے، اور ان کو ان سب کے متعلق رائے قائم کرنے کا موقع ملایا
 سیمائی محض ایک شعبہ گر نکلا، اوس کی نسبت کہا جاتا تھا کہ وہ جس مقدار میں چاہتا تھا، اور جس وقت
 چاہتا تھا، اس شہر فریون کا ڈھیر لگا دیتا تھا، اور نیل کے پانی کو خیمہ بنا دیتا تھا، اور اس کے بچے اپنے
 دن تھا کے ساتھ بٹھاتا تھا، موسیٰ بن میمون غیر محدود علم رکھتا تھا، لیکن سخت دنیا دار اور جاہ پرست تھا
 اوس نے یہود کے لئے ایک کتاب لکھی تھی، جس کا نام کتاب الدلائل رکھا تھا، اوس نے یہ کتاب اصول
 شرائع و اصول عقائد کی اصداغ کے لئے لکھی تھی، لیکن درحقیقت اوس سے ان کی تخریب ہوتی تھی، لیکن
 ابھی تک ابوالقاسم شاعری سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، اس کی تقریب یہ ہوئی کہ وہ ایک روز مسجد
 میں بیٹھے ہوئے تھے، اور ان کے گرد لوگوں کا ایک بڑا مجمع تھا اسی حالت میں ایک وجیہ شخص چھٹے پرانے
 کپڑے پہنے ہوئے آیا، اور سب لوگ اوس سے مرعوب ہو گئے، اور اوس کو سب کے اوپر بٹھایا، جب مجلس
 ختم ہو گئی، تو عبداللطیف بغدادی کے پاس مسجد کے امام نے آکر کہا کہ آپ اس شیخ کو پہچانتے ہیں، یا ابوالقاسم
 الشاعری ہیں، اوہنوں نے ان کو گلے لگایا، اور کہا کہ میں آپ ہی سے ملنے کے لئے آیا ہوں، اب وہ ان کو

اپنے مکان پر لے گئے، اور کھانا کھانے کے بعد گفتگو شروع ہوئی، توان کی دلی مراد پوری ہوئی، ان کی صورت اور سیرت دونوں یکساں تھی، دنیوی مال و اسباب میں سے بقدر کفایت پر قناعت کر لی تھی اور سے صحبت رہی، تو معلوم ہوا کہ وہ قدام اور ابو نصر فارابی کی کتابوں کے سب سے بڑے ماہرین، لیکن خود شیخ عبداللطیف بغدادی کو قدام اور ابو نصر فارابی سے کوئی عقیدت نہ تھی، ان کا خیال تھا کہ حکمت کا خزانہ صرف شیخ بوعلی سینا نے اپنی کتابوں میں بھروا ہے، اس پر دونوں میں بڑی بحثیں رہیں، شیخ عبداللطیف بغدادی اپنے عقیدہ پر شدت سے قائم تھے، اور وہ اس عقیدے کو بدلنا چاہتے تھے، اس غرض سے ابو نصر فارابی، اسکندرا و ثامیسیوس کی کتابیں دکھاتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اب وہ بھی مذہب ہو گئے، اسی حالت میں یہ خبر پھیلی کہ سلطان صلاح الدین نے فرنگیوں سے صلح کر لی ہے، اور بیت المقدس میں واپس آگیا ہے، اس نے عبداللطیف بغدادی بھی بیت المقدس میں آئے، اور جہان تک ممکن ہو سکا، قدام کی کتابیں ساتھ لیتے آئے، یہاں سلطان صلاح الدین کی علی مجلس میں ان کو شرکت کا موقع ملا اور اس نے ان کے لئے ۳۰ دینار ماہوار کا وظیفہ مقرر کر دیا، سلطان کی اولاد نے بھی ان کے لئے وظائف مقرر کئے، اور اس طرح ان کے لئے سودینار ماہوار کے وظائف مقرر ہو گئے، اب وہ دمشق میں واپس آئے، اور جامع دمشق میں لوگوں کو تعلیم دینے لگے، اب قدام کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا، توان کا شوق بڑھتا، اور بوعلی سینا کی کتابوں کا شوق گھٹتا گیا، کیمیا سازی کی نوعیت سے بھی ان کو واقفیت ہوئی۔ اور ان کے بیان کے موافق ان کو دو ہلاکت خیز کمراسیوں سے جن میں تمام دنیا مبتلا تھی، نجات حاصل ہوئی ایک بوعلی سینا کی کتاب میں دوسرے کیمیا سازی کا شوق، اس کے بعد سلطان صلاح الدین کا انتقال ہو گیا اور اس کی اولاد ادھر ادھر پھیل گئی، اور مصر کی شادابی اور سرسبزی کی وجہ سے ان میں اکثر لوگ مصر چلے گئے، لیکن شیخ عبداللطیف بغدادی نے دمشق ہی میں قیام کیا، اس وقت دمشق کا بادشاہ سلطان صلاح الدین کا بڑا لڑکا ملک لافضل تھا، ملک العزیز نے مصری فوجوں کو لیکر دمشق پر چڑھائی کی، اور اپنے بھائی کو

۱۳ صرے میں لے لیا، لیکن اس کو کامیابی نہیں ہوئی، اور وہ درد تو بچ کے لاحق ہو جانے سے مزح الصغر میں چلا گیا، جب اس کو درد سے نجات چاہی ہوئی تو شیخ عبداللطیف بغدادی اُس سے ملنے کو گئے، تو وہ ان کو بھی ساتھ لیتا گیا، اچھست المال سے بقدر ضرورت ان کا وظیفہ مقرر کر دیا، اب انھوں نے شیخ ابوالقاسم شاری کے ساتھ قیام کیا، اور شب و روز ان سے صحبت رہنے لگی، یہاں تک کہ شیخ ابوالقاسم شاری نے انتقال کیا،

اس زمانہ میں ان کا مشغلیہ تھا کہ صبح سے چار گھنٹہ تک جامع ازہر میں تعلیم دیتے تھے، دوپہر کے وقت لوگ ان سے طب وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے، دن کے اخیر حصہ میں پھر جامع ازہر میں آتے تھے، اور دوسرے لوگ اُن سے پڑھتے تھے، اولیات کو اپنا کام کرتے تھے، پھر ملک البریز کا انتظام ہو گیا تو اس کے بعد بھی وہ ایک مدت تک مصر میں مقیم رہے، اور سلطان صلاح الدین کی اولاد کی طرف سے ان کو وظیفہ ملتا رہا، اسی زمانہ میں مصر پر قحط اور وبا کی مصیبتیں نازل ہوئیں، اور انھوں نے اس کے متعلق ایک کتاب، کتاب الافادہ والاغتبار کے نام سے لکھی، جس میں اس قحط اور وبا کے چشم دید اور مستند روزہ خیز واقعات درج کئے، اس کے بعد جب سلطان ملک العادل سیف الدین ابوبکر ایوب نے مصر شام اور مشرق کے اکثر شہروں پر قبضہ کیا، اور سلطان صلاح الدین کی اولاد کے ہاتھ سے سلطنت نکل گئی، تو وہ بیت المقدس میں چلے آئے، اور وہاں قیام کر کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے، پھر ستائیس مین دمشق میں آئے، اور مدرسہ عزیزتیہ میں تعلیم دینے لگے، اس سے پہلے ان کی شہرت علم نحو میں تھی، لیکن اب وہ طب میں مشہور ہوئے، اور اس فن میں بہ کثرت کتابیں تصنیف کیں، اس کے بعد مختلف شہروں کا سفر کرتے رہے، لیکن ان کا قیام زیادہ تر حلب میں رہا، اور وہاں طب اور تدریس کا درس دیتے رہے، اور ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا، وہ حلب سے نکل کر دمشق میں دوبارہ قیام کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن اس سے پہلے بغداد کے راستے سے حج کے سفر کا ارادہ کیا تاکہ

وہاں خلیفہ مستنصر باللہ کی خدمت میں اپنی چند تصنیفات پیش کر سکیں، لیکن بنداؤ میں پہنچ کر بیمار ہو کر ۱۳ محرم ۶۲۹ھ میں انتقال کیا، اور بہ مقامِ دروہ اپنے باپ کی قبر کے پاس مدفون ہوئے،

شیخ عبداللطیف بنداؤی سے علامہ ابن ابی اصیبعہ کے خاندانی تعلقات تھے، علامہ ابن ابی اصیبعہ کے دادا جس زمانہ میں سمرقند تھے، اسی زمانہ میں شیخ عبداللطیف بنداؤی بھی سمرقند میں تھے، اور اس بنا پر دونوں میں گہرے دوستانہ تعلقات تھے، اور علامہ ابن ابی اصیبعہ کے باپ اور چچا دونوں سے علم ادب کی تعلیم حاصل کرتے تھے، علامہ ابن ابی اصیبعہ کے چچا نے اُن سے ارسطو کی کتابیں بھی پڑھی تھیں، وہ آخری بار دمشق میں آئے، تو خود علامہ ابن ابی اصیبعہ نے بھی دیکھا، ان کا بیان ہے، کہ وہ خیف البحر میانہ قد آدمی تھے، اور ان کو اپنے علم و فن پر بڑا ناز تھا، وہ اپنے زمانہ کے علما اور بہت سے علمائے قدیم کی نقیصہ کیا کرتے تھے، اور اس میں حد اعتدال سے گزر جاتے تھے، وہ علمائے عجم بالخصوص شیخ بوعلی سینا پر بہت زیادہ اعتراضات کیا کرتے تھے۔

علامہ ابن ابی اصیبعہ نے شیخ عبداللطیف بنداؤی کے بہت سے تعلیمی خیالات نقل کئے ہیں، جو غور سے سننے اور پڑھنے کے قابل ہیں، وہ فرماتے ہیں، کہ تم کو اپنی سمجھ پر کتنا ہی اعتماد ہو، لیکن محض کتبِ نبوی سے علم نہ حاصل کرو، بلکہ ہر علم کو دو استادوں سے حاصل کرو، اگر ایک استاد ناقص ہو تو جو کچھ علم اوس کے پاس ہے، اوس کو حاصل کرو، پھر اوس سے زیادہ بالکمال استاد مل جائے، تو اوس کو چھوڑ دو، جب کوئی کتاب پڑھو تو اوس کو حفظ یاد کرو، یہاں تک کہ اگر اوس کتاب کا وجود بھی باقی نہ رہے، تو تم کو اسکی پروا نہ ہو، جب کوئی کتاب پڑھو، تو اوس کے ساتھ دوسری کتاب نہ پڑھو، بلکہ جو وقت دوسری کتاب کے پڑھنے میں صرف کرنا چاہتے ہو، وہ اسی کتاب میں صرف کرو،

ایک ساتھ دو علم کی تعلیم نہ حاصل کرو، بلکہ سال دو سال تک صرف ایک ہی علم کی تحصیل میں مصروف رہو، جب اوس سے فارغ ہو جاؤ، تو دوسرے علم کی طرف توجہ کر دو، جب کوئی علم حاصل کر چکو تو صرف

اسی بنا پر قناعت نہ کرو، بلکہ بحث و مباحثہ، غور و فکر، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے اوس کو ترقی دیتے رہو،

جب کسی علم کی تعلیم دو تو اوس کے ساتھ دوسرے علوم کی آمیزش نہ کرو، کیونکہ ہر علم مستقل حیثیت رکھتا ہے، اس لئے جو شخص اوس کے ساتھ دوسرے علم کی آمیزش کرتا ہے، دو گویا ایک زبان کی تعلیم دوسری زبان کے ذریعہ سے دیتا ہے،

انسان کو علم تاریخ و سیر کی تعلیم بھی حاصل کرنی چاہیو تاکہ اوس کو گزشتہ قوموں کی عیب ہنر سبھی واقفیت حاصل ہو جائے، انسان کو صدر اول کی روش اختیار کرنی چاہئے، اس کیلئے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پڑھنا چاہئے، اس طرح جب اوس کو معلوم ہو جائے گا، کہ خورد و نوش رخص لباس، صحت و مرض وغیرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا طرز تھا، اور آپ اپنی اصحاب ازواج مطہرات اور دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے، اور وہ اس پر تھوڑا بہت بھی عمل کر لیا تو ایک سعادتمند انسان ہو جائے، اپنی ذات سے ہمیشہ بدگمان ہو، اور اپنے خیالات علماء کے سامنے پیش کرتے رہو، جس شخص نے

علماء کے دروازوں پر ٹھوکرین بنین کھائیں، وہ علم و فن کے میدان میں کبھی ثابت قدم نہ رہے گا، اگر دنیا تم کو حاصل نہ ہو تو درنجیدہ خاطر نہ ہو، کیونکہ اگر وہ تم کو حاصل ہو جائے گی، تو کسبِ فضائل میں حائل ہوگی، کیونکہ دولت مند لوگ علم کی تحصیل میں بہت کم جدوجہد کرتے ہیں، البتہ اگر وہ بہت زیادہ بلند ہمت ہوں یا تحصیل علم کے بعد ان کو دولت حاصل ہو جائے، تو یہ دوسری بات ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ دنیا طالب العلم سے منہ موڑ لیتی ہے، بلکہ وہ خود اس سے منہ موڑ لیتا ہے، کیونکہ وہ صرف تحصیل علم میں مشغول رہتا ہے، اس لئے وہ دنیا کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا، دنیا حرص و طمع اور بڑے جیلے حوائے کے حامل ہوتی ہے، لیکن چونکہ وہ حصول دنیا کے تمام اسباب سے پروا ہو جاتا ہے، اس لئے وہ اوس کو حاصل نہیں ہوتی، اس کے علاوہ ایک طالب العلم دلیل پیشوں کو نظر حشرات سے دیکھتا ہے تجارت

کی مختلف قسموں کو اپنے رتبہ سے گرا ہوا پاتا ہے، اربابِ دنیا کے سامنے سر نہیں جھکاتا، دنیا انہی طریقوں سے حاصل ہوتی ہے، اور اس میں بڑا وقت صرف کرنا پڑتا ہے، لیکن ایک شخص جو طلبِ علم میں مصروف رہے وہ اس دروس میں مبتلا نہیں ہو سکتا، اس لئے وہ چاہتا ہے، کہ دنیا یونہی بلا وجہ مل جائے، تو کیا یہ ظلم نہیں ہے؟ البتہ ایک آدمی جب کسی علم میں پوری دستگاہ حاصل کر لیتا ہو اور اس میں مشہور ہو جاتا ہے تو ہر طرف سے اس کی مانگ ہوتی ہے، اور اس کے سامنے عہدے پیش کئے جاتے ہیں، اب دنیا اس کے سامنے خود سر بسجود ہو کر آتی ہے، اور اس حالت میں آتی ہے، کہ اس کی عزت، اور اس کا دین محفوظ و برقرار رہتا ہو، علم میں ایک غرض ہو جاتی ہے، جو بیکار کر صاحبِ علم کا نام بتاتی ہے، اس میں ایک روشنی ہوتی ہے، جو صاحبِ علم کا پتہ دیتی ہے، مشک کا تاجرا اور اس کا سرمایہ چھپا نہیں رہ سکتا، جو شخص اندھیری رات میں مشعل لیکر چلتا ہے وہ مخفی نہیں رہ سکتا پانی کے چپے ایک بار خشک ہو جاتے ہیں، پھر جوش مارنے لگتے ہیں، اسی حالِ علم کا بھی ہے کہ اس میں جزو دم ہوتا رہتا ہے،

علم ایک قوم سے نکل کر دوسری قوم میں اور ایک ملک سے نکل کر دوسرے ملک میں جاتا ہوا، اور اس طرح چلتا پھرتا رہتا ہے،

شیخ عبداللطیف بغدادی نہایت کثیر التصنیفات ہیں، اور حدیث، تفسیر، علمِ کلام، طب، فلسفہ، منطق، شعر و ادب، تاریخ غرض ہر فن پر کتب لکھی ہیں، علامہ ابن ابی اصیبعہ نے ان کی تصنیفات کی فہرست ڈھائی صفحوں میں درج کی ہے، اور ان میں بہت سی کتابیں اچھوتے مضامین پر ہیں، افسوس ہے کہ ان کی فلسفیانہ تصنیفات میں کوئی کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی، ورنہ امام غزالی، امام رازسی، ابو البرکات بغدادی کے ساتھ فلسفہ ارسطو اور فلسفہ ابن سینا کے مخالفین میں ایک اور معزز نام کا اضافہ ہو جاتا، اور فلاسفہ قدیم کے بہت سے مسائل و نظریات منظرِ عام پر آ جاتے،

کچھ تفسیر رازی کے متعلق

از

مولوی محمد اویس صاحب دہلوی نگرانی رفیق دارالمنین

اردو زبان میں غالباً سب سے پہلے مولانا شبلی مرحوم نے یہ راز فاش کیا کہ تفسیر کبیر کل امام رازی کی کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ اس کی تکمیل شمس الدین خلیل دمشقی اور نجم الدین قزوینی نے کی ہے،

ایک سلسلہ تحقیق میں اس محبت سے متعلق بعض نئی چیزیں سامنے آئیں، وہ اس لئے پیش خدمت ہیں کہ شاید دوسرے اہل علم کی نظروں میں بھی اور کچھ باتیں ہوں، جو منظر عام پر آسکیں!

(۱) پہلی بات یہ کہ مکملہ محض شمس الدین خلیل دمشقی اور نجم الدین قزوینی کا مرہون منت نہیں ہے،

بلکہ ان کے سوا اس خدمت میں اور لوگ بھی شامل ہیں، کتب خانہ خدیویہ مصر کی فرست میں ہے،

تتمتہ کملہ جماعۃ منہج شہاب امام رازی کی تفسیر کا مکملہ ایک جماعت نے

الدین خلیل الخوی الشیخ التوفیؒ کیا، ان میں سے شہاب الدین خلیل دمشقیؒ

۶۲۹ھ و نجم الدین احمد بن محمد القویؒ نجم الدین قزوینیؒ

افسوس کہ فرست کے مرتب نے اپنا ماخذ نہیں بتلایا، ورنہ جماعت کچھ اور سراغ لگتا؟

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ آج تک یہ امر تحقیق طلب ہو کہ اس تفسیر میں مکملہ نگاروں نے کہاں کو کہاں

تک لکھا ہے؟ فرست کتب خانہ خدیویہ مصر کے مرتب نے سید مرتضیٰ شاریح قاموس اور سید مرتضیٰ نے شرح

شفاء خفاجی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ امام رازی نے سورہ انبیاء تک تفسیر لکھی تھیؒ

۱۵ فرست کتب خانہ خدیویہ مصر جلد اول ص ۲۳ ۱۵ فرست ۲ ص ۲۱،

مولانا شبلی موصوم نے اس سے اختلاف فرمایا ہے، ان کا ارشاد ہے کہ سورۃ فتح تک امام صاحب کی تفسیر لکھا جانا یقینی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سورہ کی تفسیر کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ سورۃ میں تمام ہوئی، اور امام کی عادت ہے کہ ہر سورہ کی تفسیر ختم ہونے کی تاریخ لکھ دیتے ہیں، امام نے سورۃ میں وفات پائی ہے اس لئے سورۃ ان کی زندگی کا زمانہ ہے،

اس سورہ کے بعد پھر کہیں اس قسم کی تصریح نہیں ملتی، جس سے ثابت ہوتا ہو، کہ یہیں سے مکملہ نگاروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے،

لیکن اس رائے کے قبول کرنے میں وقت یہ ہے کہ سورۃ فتح سے پیشتر کی بعض تفسیری عبارتیں صاف بتلاتی ہیں، کہ امام رازی اس حصہ تفسیر کے مصنف نہیں ہیں، مثلاً سورۃ یسین کی تفسیر کے آخر میں امام غزالی کا یہ قول درج ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ یسین کو قرآن کا قلب اس لئے فرمایا، کہ اس سورہ میں حشر و نشر کے اعتقاد کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے، پھر امام غزالی کی اس رائے کے متعلق تحریر ہے،

واستحسنہ فی الدین الوازی اس کو امام رازی نے پسند فرمایا، امام

رحمہ اللہ سمعہ یتروحم علیہ بسبب غزالی کے اس کلام کی وجہ سے میں نے رازی

ہذا الکلام، (تفسیر کبریج، ص ۱۲ مطبوعہ) کو ان پر دعائے رحمت کرتے ہوئے پایا،

ظاہر ہے کہ یہ حصہ تفسیر امام رازی کے کسی دیکھنے والے ہی کا ہو سکتا ہو، اور ہمارے خیال میں وہ شمس الدین خوسی شاگرد امام رازی ہیں، جن کا تذکرہ بعد کو آئے گا !

اسی طرح سورۃ بقرہ میں حروف مقطعات کے متعلق ایک تفصیل بحث ہے، پھر سورۃ عنکبوت میں حروف مقطعات کے متعلق دوبارہ ایک مستقل بحث ملتی ہے، اس کے بعد سورہ ص جس کے آئینہ امام رازی نے تاریخ اختتام درج فرمائی ہو، اس کے شروع میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ سورۃ بقرہ میں حروف مقطعات کے متعلق تفصیلی بحث گزر چکی ہے، مگر یہاں بعض وجوہ کا ذکر کیا جاتا ہو،

اب سوال یہ ہو کہ سورہ عنکبوت کی بحث کا امام نے تذکرہ کیوں نہیں فرمایا؟ حالانکہ وہاں اس عنوان پر خصوصی بحث ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ سورہ عنکبوت کی تفسیر بھی امام کی نہیں ہے جس کا پہلا قرینہ تو یہی ہے کہ اگر انھوں نے اس کو لکھا ہوتا، تو اس کا حوالہ ضرور دیتے، دوسرے یہ کہ سورہ یسین کی تفسیر جس کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ وہ امام رازی کی تفسیر نہیں ہے،

اس کے شروع میں یہ عبارت ہے،

قد ذکرنا کلاماً کلیاً فی حدود

حرفی بھی کے متعلق سورہ عنکبوت میں ہم نے

التہجی فی سورۃ العنکبوت، ایک فصل لکھی ہوئی ہے،

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ جس نے سورہ یسین کی تفسیر لکھی ہے، وہی سورہ عنکبوت کا بھی

مفسر ہے، یہ چیز بھی قابلِ بحث ہے کہ سورہ یسین کا مفسر سورہ عنکبوت کی بحث کا حوالہ دیتا ہے، لیکن سورہ بقرہ تہاں کی صفحہ ۱۷ میں یہ بحث ہے، اس کا حوالہ نہیں دیتا ہے، کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہو کہ سورہ بقرہ کا حصہ تفسیر اس کا لکھا ہوا نہیں ہے!

معلوم ایسا ہوتا ہو کہ امام رازی نے تفسیر کبیر کو مسلسل نہیں لکھا، بلکہ مختلف اوقات میں مختلف حصے

لکھے، اور ان باقی ماندہ حصوں کو مکمل نہ لکھ کر پور کیا،

اور اگر مولانا شبلی کے ارشاد کے بموجب تاریخ اختتام کے اندراج کو امام رازی کے تفسیری حصہ کی

علامت قرار دیا جائے، تو سورہ فتح سے پیشتر کی حسب ذیل سورتوں کی تفسیر کا امام رازی کی طرف امتساب مشکوک ہو جائے گا، اس لئے کہ ان سورتوں میں تاریخ کا اندراج نہیں ہے،

(۱) سورہ فاتحہ (۲) سورہ بقرہ (۳) سورہ مدہ (۴) سورہ انعام (۵) سورہ اعراف (۶) سورہ

(۷) سورہ مریم (۸) سورہ طہ (۹) سورہ انبیاء (۱۰) سورہ حج (۱۱) سورہ مومنون (۱۲) سورہ نور

(۱۳) سورہ فرقان (۱۴) سورہ شعرا (۱۵) سورہ نمل (۱۶) سورہ قصص (۱۷) سورہ عنکبوت (۱۸) سورہ روم (۱۹) سورہ لقمان (۲۰) سورہ سجدہ (۲۱) سورہ احزاب (۲۲) سورہ سبا (۲۳) سورہ فاطر (۲۴) سورہ یٰسین (۲۵) سورہ محمد،

ہمارے خیال میں امام رازی کے حصّہ تصنیف اور تکرار کارون کے حصّہ تصنیف میں اسی وقت امتیاز کیا جاسکتا ہے جب کہ تفسیر کبیر کا ایک ایک حرف پڑھا جائے، مفسرین نے باجا اپنے اپنے عہد کے علماء و مشائخ کا تذکرہ کیا ہے، ان علماء و مشائخ کے حالات تلاش کئے جائیں، اس طرح زمانہ کی تعین ہو جائے گی، اور تعین زمانہ کے بعد مصنف کا معلوم ہو جائے گا، مشکل نہیں ہے، مثال کے طور پر سورہ (ق) میں آیت وَمَا آتَا بَطَلًا وَلَا لِدَعِيْد کی تفسیر میں ایک مصری عالم امام زین الدین کا نام لیا گیا ہے، اب تک ہم امام زین الدین کی شخصیت کا پتہ نہ چلا سکے، لیکن ظاہر ہے کہ ان کے حالات کے معلوم ہو جانے کے بعد زمانہ تصنیف اور مصنف کا پتہ چلانا کیا مشکل ہے!

تفسیر رازی کے تکرار (۱) تفسیر رازی کے پتے تکرار کا تفسیر قاضی القضاۃ شمس الدین احمد بن خلیل بن سعادہ بن جعفر بن عیسیٰ المہلبی الشافعی ہیں، یہ شوال ۳۵۵ھ میں پیدا ہوئے، خراسان میں علم کلام پڑھا، فقہ امام رافعی سے اور مناظرہ علاؤ الدین طاہر دوسی سے حاصل کیا، موید طوسی سے بھی نفع ادرٹھایا، اور ابن زبیدی اور ابن صلاح سے بھی استفادہ کیا، اخوان کے حلقہ درس سے بھی حلیل القدر اہل علم پیدا ہوئے، مثلاً تاج الدین ابن ابی جعفر ابو عمرو بن حاجب، جمال محمد بن الصابونی، خود ان کے بیٹے قاضی القضاۃ شہاب الدین محمد، یہ ان کے شاہیر تلامذہ ہیں سے ہیں۔

شمس الدین کو امام رازی سے شرف تلمذ حاصل تھا یا نہیں؟ اس کے متعلق سبکی نے دو قول نقل کئے ہیں، کہ بعض کے نزدیک یہ امام رازی کے شاگرد تھے، اور بعض کے نزدیک قطب مصری شاگرد رازی

۱۔ تفسیر کبیر جلد ۵، ص ۴۴۲، اس موقع کے الفاظ یہ ہیں، ھذا وجہ جدید مستفاد من الامام زین الدین ادامہ اللہ فوائداً لکھ طبعات شافعیہ ج ۵ صفحہ ۵۔

کے شاگرد تھے، لیکن ابن ابی اصیبعہ رحمۃ اللہ علیہ جو شمس الدین خوی کے شاگرد ہیں، اور ان سے بھرہ ابن سہلان پڑھا ہو، ان کا بیان ہے کہ شمس الدین امام رازی کے شاگرد تھے، (۲) ممکن ہے کہ دونوں سے پڑھا ہو، بہر حال یہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے، طب کے پورے واقف کار تھے، سلطان ملک معظم عیسیٰ بن الملک العادل کے زمانہ میں شام و شریف لائے، بادشاہ چونکہ صاحب علم تھا، اس نے ان کی بہت قدر کی، وظیفہ مقرر کیا، عرصہ تک ساتھ رہا، پھر دمشق میں ان کے قیام کا انتظام کر دیا، یہ دمشق میں قاضی القضاۃ بھی ہو گئے تھے !

بہت متواضع تھے، مزاج میں نرمی تھی، گفتگو بہت شیریں ہوتی، حیا کا غلبہ تھا، مروت و طبیعت میں گئی تھی، شکل و شباہت بھی بہت اچھی تھی،

دمشق میں وق کے مرض میں، شہباز رحمۃ اللہ علیہ کو انتقال ہوا، اس حساب سے چوں سال کی عمر ہوئی، ان کے نام اور سنہ وفات میں کسی قدر غلط فہمی ہوئی ہے، جس کا ازالہ مناسب ہے، اکشف الظنون فرست کتب خانہ خدیو رحمۃ اللہ علیہ اور مقالات شبلی رحمۃ اللہ علیہ میں بجائے شمس الدین کے ان کا نام شہاب الدین درج ہے حالانکہ صحیح نام شمس الدین ہے، شہاب الدین ان کے بیٹے کا نام ہے، چنانچہ طبقات شافعیہ، طبقات الاطباء، اور شذرات الذہب وغیرہ میں ان کا نام شمس الدین ہی مذکور ہے، اور ان کے بیٹے کا نام شہاب الدین بتلایا گیا، سال وفات میں غلطی ہوئی ہے کہ کشف الظنون میں رحمۃ اللہ علیہ درج ہے، مولانا شبلی مرحوم نے بھی یہی سنہ لکھا ہے، لیکن شذرات الذہب اور طبقات الاطباء میں ہے کہ شہباز رحمۃ اللہ علیہ میں ۱۰۲۳ کا

۱۵ طبقات الاطباء ج ۲ ص ۱۰۱، ۱۰۲ ۱۵ کشف الظنون جلد ۱ ص ۱۵۳ فرست خدیو جلد ۱ ص ۱۵۳ مقالات شبلی جلد ۱

۱۵ ج ۵ ص ۱۰۳، ابن عساکر جلد ۱ ص ۱۵۳ نے شذرات میں رحمۃ اللہ علیہ میں وفات پانے والوں کے سلسلہ میں قاضی القضاۃ

شمس الدین کا تذکرہ کیا ہے، اگر حیرت انگیز یہ ہے کہ اسی پانچویں جلد میں ص ۲۲۲ میں رحمۃ اللہ علیہ میں وفات پانے والوں

کے ضمن میں بھی ان کا ذکر ہے، لیکن وہاں بھی سال وفات رحمۃ اللہ علیہ ہی درج ہے ۱۵ جلد ۲ ص ۱۵۳

انتقال ہوا ہے، البتہ سبکی نے، شعبان ۶۸۷ھ لکھا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے غلطی سے ثلاثین کو ثمانین لکھ دیا ہے،!

اس سلسلہ میں ایک تیسری چیز کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے، وہ یہ کہ مولانا شبلی مرحوم نے بحوالہ کشف الظنون تحریر فرمایا ہے، کہ شمس الدین کے تکرار کا نام واضح تھا، مولانا مرحوم کو اس میں تسامح ہوا، صاحب کشف الظنون نے اس تکرار کا نام واضح نہیں بتلایا ہے، بلکہ تفسیر رازی کے خلاصہ کا نام واضح بتایا ہے، پوری عبارت یہ ہے،!

وضعت الشيخ نجم الدين احمد
بن محمد القمولى تسليمة له وتوفى
سنة سبع وسبعين وسبع
مائة وقاضى القضاة شهاب الدين
بن خليل النحوى الدمشقى كل ما نقص
منه ايضا وتوفى سنة تسع
وثلاثين وستمائة، واختصره
برهان الدين محمد بن محمد النسفى
الصوفى سنة سبع وثمانين و
وست مائة وسماها الواضح،

الفوائد البہیصہ میں بھی نسفی کو تفسیر رازی کا خلاصہ لکھا بتایا گیا ہے، کشف الظنون ج ۲ ص ۲۶ میں ایک دوسرے خلاصہ لکھا محمد بن القاضی کا بھی ذکر ہے، اس خلاصہ لکھانے پر کچھ اضافے بھی کئے ہیں، کتب خانہ
یہ طبقات شافعیہ جلد ۲ ص ۲۷، کشف الظنون جلد ۲ ص ۲۷،

فدیویہ میں تفسیر رازی کا ایک ناقص خلاصہ موجود ہے، مگر مصنف کا نام معلوم نہیں!

تفسیر قمی نیشاپوری بھی تفسیر رازی کا خلاصہ ہی ہے!

(۲) تفسیر رازی کے دوسرے مکمل نگار احمد بن محمد بن ابی انحرم کی بنیاد میں القموی نجم الدین ہیں، سال پیدائش متعین طور سے معلوم نہیں، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی^۱ اور سبکی^۲ وفات کے وقت ان کی عمر ۸۰ سال کی بتلاتے ہیں، اور ان کی وفات جب ۶۲۸ھ میں ہوئی ہے، اس حساب سے سال پیدائش ۵۴۸ھ ہوتا ہے، یعنی شمس الدین خرمی کی وفات کے دس سال بعد یہ پیدا ہوئے!

ان کے سال وفات میں بھی کسی قدر غلط فہمی ہوئی ہے، کشف الظنون میں ۵۸۸ھ ذکر ملا، شبلی رحم نے بھی یہی سنہ وفات لکھا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی^۳ ابن عسقلانی^۴ علامہ سبکی^۵ حافظ جلال الدین سیوطی^۶ اور ان سے بڑھ کر کمال الدین ابو الفضل جعفر بن ثعلب بن جعفر المادومی^۷ ۵۸۸ھ جو نجم الدین قوی کے نہ صرف ہم عصر بلکہ ہم درجہ بھی تھے، وہ بھی سنہ وفات ۵۸۸ھ بتلاتے ہیں!

نجم الدین قوی قاضی القضاۃ بدر الدین جام کے ملازمہ میں سے تھے، بہت صاحب علم و فضل تھے مختلف مقامات میں عہدہ قضا پر مامور ہوئے، اہل علم کا قول تھا کہ ان سے زیادہ مصر میں کوئی فقیہ نہیں، ان کو فرج میں بہت نرمی تھی، احباب کا بہت خیال رکھتے تھے، وفات وادارہ کے پابند تھے، رات کو شب بیداری اور دن کو کثرت ذکر سے اپنے اوقات کو پُر کر رکھتے تھے، ادوی کا بیان ہر کہ مرض الموت میں، میں نے ان سے کہا کہ معمولات میں کچھ کمی کر دیجئے، لیکن راضی نہ ہوئے، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف خاص مشغلہ تھا جب تک لکھنے سے معذور نہ ہوئے، برابر تصنیف کا کام جاری رہا، رحمہ اللہ!

۱۔ فہرست کتب خانہ فدیویہ جلد ۱ ص ۲۰۹ ۲۔ الطالع السید ص ۶۳ ۳۔ درر کا منہ جلد اول ص ۱۳۳ ۴۔ طبقات شافعیہ

جلد ۵ ص ۱۵۰ ۵۔ مقالات شبلی ج ۳ ص ۴۳ ۶۔ درر کا منہ جلد اول ص ۳۰۴ ۷۔ شذرات الذہب جلد ۵ ص ۴۴

۸۔ طبقات شافعیہ جلد ۵ ص ۱۵۰ ۹۔ حسن المحاضرہ اول ص ۱۷۰ ۱۰۔ الطالع السید ص ۱۳۳ ۱۱۔ درر کا منہ جلد اول ص ۳۰۴

امام رازی کی دوسری تفسیری خدمات | تفسیر کبیر کے سوا امام رازی کی دوسری تفسیری خدمات سے عموماً لوگ

واقف نہیں ہیں، ہمارے علم میں اس سلسلہ کی جو کتابیں ہیں، ان کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا !

تفطی نے تفسیر کبیر کے سوا حسب ذیل تفسیرون کا پتہ دیا ہے :-

۱۔ تفسیر سورۃ فاتحہ،

۲۔ تفسیر سورۃ بقرہ، خالص عقلی حیثیت سے،

۳۔ تفسیر صغیر جس کا نام اسرار التزویل و انوار التاویل ہے،

کشف الظنون میں بھی اسرار التاویل کا ذکر ہے، اور لکھا ہے کہ یہ نامکل رہ گئی تھی، یہ کتاب کتب خانہ

بانکی پور میں موجود ہے، علامہ ابوالوفاء نصرہ پوریؒ نے ۱۲۹۱ھ میں اپنی تفسیر سورۃ ملک میں اس کو نفع بھی اٹھا

بڑا، لیکن اس کو بجائے تفسیر کے علم کلام کا رسالہ کہہ سکتے ہیں،

تفسیر سورۃ فاتحہ کے متعلق کشف الظنون میں ہے کہ یہ دو جلدوں میں تھی، اور اس کا نام

مفاتیح العلوم تھا،

صاحب طبقات الاطباء نے بھی تفسیر سورۃ فاتحہ اور تفسیر سورۃ بقرہ کو تفسیر کبیر کے سوا مستقل تفسیر

شمار کیا ہے، لیکن تاہنوزیہ امر تحقیق طلب ہے کہ واقعی تفسیر سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ موجودہ تفسیر کبیر سے

انگ ہے یا اس میں شامل ہے؟ صاحب طبقات الاطباء نے ایک اور کتاب کا حوالہ دیا ہے، جس کا نام

رسالہ فی التنبیہ علی بعض الاسرار المودعہ فی بعض سور القرآن العظیم ہے !

کشف الظنون میں درۃ التزویل وغرۃ التاویل کے نام سے ایک تفسیری کتاب کو امام رازی

۱۵ اخبار الکبار ص ۱۹۱ ۱۵ کشف الظنون ج اول ص ۵۵ ۱۵ مفاتیح کنوز الغنیہ جلد اول صفحہ

۱۵ فرست کتب خانہ خدیویہ ج اول ص ۱۴ ۱۵ کشف الظنون ج اول ص ۱۳ ۱۵ ج دوم ص ۲۶،

۱۵ کشف الظنون جلد اول ص ۴۸۳،

کے نام سے منسوب کیا ہے، اس میں قرآن مجید کی مکررات سے بحث ہے، اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ خدیوہ مصر میں موجود ہے، لیکن یہ امر مشتبہ ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو امام رازی کی تصنیف ہے، یا ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ انخطیب اسکافی کی کتاب ہے جس کا نام بھی یہی ہے!

کتب خانہ مصر کی فهرست میں ہے کہ اس کتاب پر ایک ورق لگا ہوا ہے جس میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ انخطیب کا املا ہے، فهرست کے مرتب نے اس صفحہ کو جعلی قرار دیا ہے، لیکن اس باوجود ہمارے نزدیک اس کتاب کا انتساب امام رازی کی طرف مشتبہ ہے، اس لئے کہ امام رازی کی طرف منسوب مصری نسخہ کا جس کا حوالہ فهرست میں کیا اور اسکافی کے نسخہ مطبوعہ کا خاتمہ بالکل ایک ہے اور وہ یہ ہے:

هَذَا آخِرُ مَا تَكَلَّمْنَا عَلَيْهِ مِنْ الْأَيَاتِ الَّتِي يَقْعُدُ الْمَلْحَدُونَ التَّلَوُّقَ

منہا الی عیدھا،

ابتنیہ چیز لائق توجہ ہے کہ ان دونوں کی ابتداء میں اختلاف ہے، مصری نسخہ منسوب بہ امام رازی کی ابتداء الحمد للہ حمد الشاکرین سے ہے، اور اسکافی کی دورۃ التزیل کی ابتداء ان کلمات سے نہیں ہوا۔

۱۰۴۳

تفسیر ابو مسلم اصفہانی

عربی متزلزہ کی معقودہ انجمن دارالوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزاء جو نہایت دیدہ وریزی سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہیں، عمدہ نائپ میں چھپی ہوئی قیمت ۱-۲۰ صفحات ۱-۳ صفحے،

حدائق البیان فی معارف القرآن

اس کتاب میں قرآن مجید کے متعلق بہت سے لفظی اور معنوی مباحث درج کئے گئے ہیں جن سے عام خاص سب فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اور قرآن مجید کے متعلق بہت سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں،

مینجر

قیمت :- ۱-۲۰ صفحات ۳۴۲ صفحے

استفسار

”درۃ التاج لغزۃ الدباج“

اور

علامہ قطب الدین شیرازی

جناب حافظ اصباح حافظ محمد { مکرم و مخدوم
(حافظ منزل، رانذیر ضلع سورت)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

امید ہے کہ مزاجِ اقدس بغایت ہوگا، احقر بھی بفضلہ تعالیٰ مع اخیر ہے، عرصہ ہوا، کہ جناب رانذیر شریف لائے تھے، اوس وقت مختصر سی ملاقات و زیارت ہو گئی تھی، اس کے بعد نہ ملاقات کا موقع ہوا، اور نہ ہی عریفہ ارسال کرنے کی ذمت آئی، گو اکثر جناب کا تذکرہ احباب کے سامنے آیا کرتا ہوں، خصوصاً مجبور رنگونی کے ذریعہ خیریت مزاج گرامی معلوم ہوتی رہتی ہے، ایک خاص امر اس عرینہ کا باعث ہے، میرے ایک دوست کے پاس درۃ التاج مصنف علامہ محمود بن مسعود ابن المصلح شیرازی ہے، یہ نسخہ قلمی ہے، اس کی دو جلدیں ان کے پاس ہیں، ایک جلد غالباً ریاست ٹونک کے کتب خانہ میں ہے، چونکہ صاحب حاجت ہیں، تو ان کا خیال ہوا کہ مکمل ہے اس نہایت کتاب کی قدر حیدر آباد میں ہوا، اور ان کو اس کے صلہ میں کچھ رقم مل جائے، پچھلے وہاں ایک دوست کو لکھا گیا، وہاں سے جواب آیا، کہ اس کے مصنف کون ہیں، کس فن کی کتاب ہے، کتابت کس

سنہ کی ہے، براہ راست لکھا جاوے، کتاب کو دیکھنے سے تصنیف کا سنہ معلوم نہیں ہوا، اور نہ اس کی کتاب کا سال معلوم ہوتا ہے، مصنف کا نام توین اس عریضہ میں لکھ چکا ہوں، ان کا زمانہ بادشاہ فیصل شاہ بن الملک اعظم رستم کی حکومت کا ہے، زبان کتاب کی فارسی ہے، کسی خاص فن کی کتاب نہیں ہے، اس میں منطق و فلسفہ، ریاضی، اقلیدس، اصول دین و فروع کا فلسفہ سب ہی کچھ ہے، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے بھی بہت ہی پسند فرمایا، اب آپ سے اس کے متعلق دو باتیں عرض کرنی ہیں۔

ایک یہ کہ علامہ محمود بن مسعود فیل شاہ کا زمانہ کونسا ہے، کس سنہ میں یہ حضرات تھے، وقرآن مجید کا کین ذکر ہے یا نہیں، دوم یہ کہ مولانا احمد اللہ ندوی دائرۃ المعارف کو اس بارہ میں کچھ سفارش کے طور پر تحریر فرمادین، میں اس معاملہ میں لوجہ اللہ دیکھی لے رہا ہوں، محض یہ خیال ہے کہ کتاب بہت حاجت مند شخص بن، صاحب علم بن، ان کی ضعیفی کا زمانہ ہے، نیز یہ کہ ایسی عمدہ جامع کتاب کسی اچھی جگہ پہنچ جائے، اور ان غریب کا کام بھی ہو جائے، اس سلسلہ میں اگرادر کوئی بہترین صورت ذہن مبارک میں آوے، تو ضرور توجہ فرمادین، آپ کو اجر عظیم ملے گا،

حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب نے جب اس کتاب کو ملاحظہ فرمایا، تو اونہوں نے اپنا یہ خیال ظاہر فرمایا تھا، کہ اگر یہ کتاب حیدرآباد دائرۃ المعارف پہنچ جائے تو اچھی رقم مل سکے گی، بہر حال جناب والا کی توجہ گرامی سے امید قوی ہے کہ کوئی بہترین صورت نکل آئے گی، آپ کو اجر عظیم ملے گا، باقی سب خیریت ہے دعاؤں کا بید محتاج ہوں،

والسلام

معارف :- محترم زاد محمد کم،

السلام علیکم :- گرامی نامہ ملا، آپ کی کتاب درۃ التاج کے بیش قیمت ہونے میں کوئی

شبہ نہیں، یہ علوم عقلیات کی ممتاز تصانیف میں شمار کی جاتی ہے، لیکن اب یہ غیر مطبوعہ نہیں رہی، چند سال گزرے، ایران سے رضاشاہ پہلوی کے عہد حکومت میں بڑے اہتمام سے کئی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اس کا مطبوعہ نسخہ ہمارے کتب خانہ میں بھی موجود ہے،

آپ نے اس کے مصنف کا حال اور اس کا زمانہ دریافت فرمایا ہے، اس کے مصنف علامہ قطب الدین محمود ابن ضیاء الدین مسعود شیرازی ساتویں صدی میں افاضل روزگار میں سے تھے، علوم عقلیات میں ان کی قابل تصانیف ہیں، اور فلسفہ، حکمت، منطق، ریاضی اور ہیئت کی مختلف متون و شرح میں ”قطب الدین شیرازی“ یا ”علامہ شیرازی“ کے لقب سے یاد کئے گئے ہیں،

علامہ قطب الدین شیراز کے ایک ذی علم خاندان میں ماہ صفر ۶۳۲ھ میں پیدا ہوئے، ان کا آبائی وطن شہر کا زرون تھا، جو شیراز سے تین دن کی مسافت پر آباد تھا، چنانچہ ان کے والد شیخ ضیاء الدین مسعود ابن مصلح اسی نسبت سے کا زرون کے گئے، وہ شیراز میں مقیم تھے، اور اپنے زمانہ کے مشہور اطباء و مشائخ صوفیہ میں شمار کئے گئے، انھیں بانی طریقہ سہروردیہ حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد سہروردی سے نسبت خردہ، ارادت حاصل تھا، شیراز کے بیارستان مظفری میں تدریس کی خدمت اور مصنفوں کے حاجت میں مصروف تھے، ۶۳۵ھ میں انھوں نے اپنے صاحبزادے قطب الدین محمود کو ۱۴ سال کی عمر میں چھوڑ کر وفات پائی،

شیخ ضیاء الدین جب تک زندہ رہے، اپنے نو عمر صاحبزادے کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہے، چنانچہ قطب الدین محمود نے اپنی ابتدائی تعلیم اور علم طب کی علمی و عملی تحصیل اپنے پر بزرگوار سے کی، نیز شفیق باپ نے اپنے نو عمر بچہ کو دس برس کی عمر ہی میں تبرکاً خرقہ تصوف پہنایا، پھر شیخ وقت حضرت نجیب الدین علی بن بَرغش شیرازی کے سپرد کیا، ان کے حلقہ میں وہ بیٹھا کئے، اور شیخ وقت نے بھی اسی کم عمری میں انھیں خرقہ تصوف سے نوازا،

پھر والد بزرگوار کی وفات کے بعد صرف چودہ سال کی عمر میں یہ اپنے والد کی جگہ پر اسی بیارستان

منظری میں خدمت پر مامور کئے گئے، اور دیگر اطباء کی نگرانی، ہدایت و شفقت سے عملی خدمات کے ساتھ فن کے علمی و عملی تجربے حاصل کرتے رہے، یہاں تک کہ دس سال اسی طریقہ سے گزر گئے، اس کے بعد انھیں فن میں تبحر حاصل کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ مختلف اساتذہ روزگار کے حلقہ، درس کا سرخ کیا، اور فن کی مشہور کتابیں متنازل علم سے پڑھیں، اس سلسلہ میں پہلے اپنے چچا شیخ کمال الدین ابوالخیر بن مصلح کا زہدونی سے کلیات قانون، ابن سینا پڑھی، پھر اسی طرح مختلف اساتذہ شیخ تنیس الدین محمد بن احمد کشی، شیخ اکل شرف الدین کی المبرسکا فی وغیرہ سے علوم کی تحصیل کی، اس زمانہ میں علوم عقلیات میں حکیم خواجہ نصیر الدین طوسی کا طوطی بول رہا تھا، چنانچہ شیخ قطب الدین محمود ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اشارات ابن سینا اور فیہ ترتیب کا درس لیا، اور مختلف علمی و نظری علوم کے مشکلات و شکوک ان سے حل کئے، نیز مشہور زیج یلانی کی ترتیب میں خواجہ کا ہاتھ بٹایا،

اس کے بعد شیخ قطب الدین نے ان مشہور شہروں کی سیاحت شروع کی جو اس زمانہ میں علم کے مرکز تھے، اور ہر مقام کے اکابر سے استفادہ کیا، اسی سلسلہ میں بغداد میں شیخ طریقت حضرت محمد بن سکران بغدادی المتوفی ۵۶۶ھ سے فیوض حاصل کئے، پھر روم پہنچے، اور مولانا سے روم جلال الدین رومی المتوفی ۷۶۰ھ کی صحبت میں بیٹھے، پھر قونیہ میں وارد ہوئے، اور حضرت شیخ صدر الدین قونوسی المتوفی ۷۶۳ھ کے حلقہ ارادت میں بیٹھے، اور طریقہ ارشاد و علوم شریعت و طریقت کی تحصیل کی، نیز حاکم روم معین الدین سلیمان پروانہ سے ان کے مخلصانہ روابط قائم ہوئے، وہ ان سے غیر معمولی تعظیم و تکریم سے پیش آیا، اسی سلسلہ میں سیواس و ملطیہ کی تفارقات کی خدمت پر مامور کئے گئے، نیز درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہوا، چنانچہ ان کی کتاب النخفۃ الشاہیہ اسی زمانہ کی تصنیف ہے،

اسی زمانہ میں انھوں نے بعض دوسرے سیاسی خدمات بھی انجام دیئے، چنانچہ ہلاک کے رطکے تکرار نے اسلام لے آنے اور احمد نام اختیار کر لینے کے بعد شاہان اسلام کے پاس اپنی جو سفارتیں بھیجیں، ان میں سے

مصر کی سفارت میں جو ملک قلاؤن، یعنی دمشق ۶۶۷ھ کے پاس گئی تھی، قاضی قطب الدین شیرازی بھی تھے، اور اس سلسلہ میں جو شاہی مراسلے ایک دوسرے کی طرف گئے، ان میں انھیں "قاضی القضاۃ" کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے (ابن ہلدون ج ۵ ص ۴۶، مختصر الدول ص ۵۰، شذرات الذهب ج ۳ ص ۳۷۰) علامہ قطب الدین شیرازی نے اس سفر میں شام میں کتاب الشفا، اور کتاب قانون کا درس دیا، اس طرح ان کے علمی خدمات جاری رہے،

اس کے بعد حاکم تبریز نے انھیں اپنے یہاں مدعو کیا، اور غیر معمولی ادب و احترام سے پیش آیا، انھوں نے اسی شہر میں اقامت اختیار کر لی، اور علم و فن کی خدمت میں ہمدن مصروف ہو گئے، اور اپنے عہد کے شہرہ آفاق اساتذہ میں شمار کئے گئے، اگرچہ وہ روم، مصر، شام و عراق کے حکمرانوں میں بڑی منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، لیکن آخر عمر میں انھوں نے امرار کے دولت کدوں سے اپنا رشتہ منقطع کر لیا تھا، اور درس و تدریس و تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے، وہ مذہب شافعی تھے، علامہ سبکی نے اسی حیثیت سے اپنی طبقات میں ان کا تذکرہ کیا ہے، ۷۶۱ برس کی عمر میں ماہ رمضان ۷۷۵ھ وفات پائی، ان کے حلقہ درس سے بیشمار تلامذہ نے فیوض حاصل کئے، اور اپنے زمانہ میں ممتاز اکابر و فضلاء میں شمار کئے گئے، ان میں سے شیخ تاج الدین اردبیلی المتوفی ۷۷۵ھ قطب الدین محمد رازی بومی صاحب شرح مطالب المتوفی ۷۷۵ھ، نظام الدین اعرج نیشاپوری صاحب شرح شافیہ معروت بہ شرح نظام، و تفسیر غرائب القرآن معروت بہ تفسیر نیشاپوری اور کمال الدین حسن بن علی الفارسی المتوفی ۷۷۵ھ وغیرہ ہیں، علامہ قطب الدین اپنے عہد میں علوم عقلیات کے بڑے ماہرین میں شمار کئے گئے ہیں، اور مستند مؤرخین نے اسی حیثیت سے ان کا تعارف کرایا ہے، چنانچہ سنوی انھیں "امام عصرہ فی المعقولات" کہتے ہیں، یا فنی نے عالم البحر کا لقب دیا ہے، اسی طرح ابوالفداء نے انہیں "امام و ماہر علوم ریاضی، منطق، فنون حکمہ، طب، اصول فقہ و علم کلام" لکھا ہے،

علامہ قطب الدین عقلیات کے خشک موضوع سے وابستہ رہنے کے باوجود طبعا نہایت شگفتہ مزاج تھے،
ظرافت و بذراستی سے خاص لگاؤ تھا، ان کے دلچسپ لطائف و ظرائف بھی ان کے سوانح میں محفوظ ہیں،
ذوق شعری سے بھی مناسبت تھی، فارسی کلام کے کچھ نمونے کتابوں میں ملتے ہیں:

علوم کی خدمت کے ساتھ خاصہ وقت عبادت و ریاضت میں بھی گزارتے، اور لباس صوفیانہ
زیب تن رکھتے تھے، تصنیفات کے سلسلہ میں یہ عادت تھی، کہ عموماً روزے رکھ کر مسودے لکھتے، اور نیت
کر کے مسودہ کو مبضیہ میں منتقل کرتے تھے۔

علامہ قطب الدین شیرازی کے مفصل سوانح حیات کے لئے ملاحظہ ہو اللہ رب العالمین ابن حجر ج ۴
ص ۳۹ طبقات الشافعیہ سبکی ج ۶ ص ۲۴۸، دول الاسلام ذبیح ج ۲ ص ۶، امراءہ البخان یا فی جلد ۲
بنیۃ الوعاۃ سیوطی ص ۱۳۹، ابوالفوار ج ۴ ص ۱۰۶، الفوائد البسیۃ مولانا عبدالحی ص ۵، ابن خلدون
جلد ۵ ص ۵۴۶، تاریخ گزیدہ ص ۸۰۹، دیباچہ درۃ التاج سید محمد
مشکوٰۃ البحار و صفات البحار ج ۴ ص ۲۱۲، صفات الخط و ج ۵۱، شرح حکمۃ الاثر ج ۱ ص ۵، جامع
التواریخ رشیدی ج ۱ ص ۹۳، حبیب السیر ج ۳ ص ۶، وغیرہ نیز یونے فرست مخطوطات فارسی برٹش
میوزیم، و ضمیمہ فرست مخطوطات عربی جلد ۲ ص ۳۴۴ میں اور ایچ نے فرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس
ج ۱ ص ۳۹۴ و ۱۶۱ میں معنی کے سوانح و تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے، نیز مفت اقلیم امین رازی سے
ان کے حالات کا خلاصہ درج اور سفینۃ الاولیاء سے بعض متعلقات نقل کئے ہیں،

اسی طرح ان فرستوں میں بعض دوسری کتابوں کے ضمن میں بھی تذکرہ آیا ہے، نیز مجمع المطبوعات
الیاس سرکیس میں ان کی بعض مطبوعہ کتابوں کے ضمن میں مختصر حالات مندرج ہیں اور حاجی خلیفہ نے
کشف الظنون میں مختلف کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

مختلف علوم میں حسب ذیل کتابیں ان کی یادگار ہیں،

۱۔ نہایت الادراک فی ذیلیۃ الافلاک، اس میں علم ہیئت میں چار مقامے عربی میں قلمبند کئے گئے ہیں، مختلف تذکرہ نگاروں نے ذکر کیا ہے، حاجی خلیفہ کی کشف الطنون میں بھی تذکرہ آیا ہو، کتب خانہ خدیوہ مصر (ج ۵ ص ۲۲۵) اور مدرسہ سپہ سالار ایران میں اس کے نسخے موجود ہیں، یہ غالباً علامہ طب الدین کی سب سے پہلی تصنیف ہے، جو محمد بن صاحب التصدیبات الدین محمد جوینی حاکم اصفہان کے نام سے معنون کی گئی ہو۔

۲۔ التحفۃ الشاہیہ بھی عربی زبان میں فن ہیئت میں ہے، امیر شاہ محمد بن المصدر السعید تاج الدین مغنیز بن طاہر کے نام سے معنون ہے، ہفت اقلیم امین رازی میں اس کا ذکر آیا ہے، یہ قضا و سید اس کے زمانہ کی تصنیف ہے، سید شریف اور ملا علی قوشچی نے اس پر حاشیہ اور اسکی شرح لکھی ہے شریح قوشچی کا نسخہ کتب خانہ خدیوہ میں موجود ہے، اصل کتاب کے نسخے بھی کتب خانہ ملی معارف طہران (نہرست کتب خانہ مذکور ج ۱ ص ۱۵۵) اور مدرسہ سپہ سالارین موجود ہیں،

۳۔ شرح حکمۃ الاشراق کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، یہ ۳۱۵ھ میں طہران سے چھپ چکی ہے، مصنف نے اس کو جمال الدین علی بن محمد الاسترغانی کے نام سے معنون کیا ہے، مجموعہ المطبوعات میں بھی اس کا ذکر آیا ہے،

۴۔ مفتاح المفتاح، یہ علامہ سکاکی المتوفی ۷۰۶ھ کی مشہور تصنیف مفتاح العلوم کی شرح ہے، امین رازی نے ذکر کیا ہے، حاجی خلیفہ نے اس کو اس کتاب کی بہترین شرحوں میں شمار کیا ہے، (جلد ۲ ص ۸۰) مصنف نے اس کو خواجہ بہام الدین ابن بہام المتوفی ۷۳۵ھ کی خواہش سے لکھا تھا، اس کے نسخے دارالکتب مصریہ اور مدرسہ سپہ سالارین موجود ہیں،

۵۔ التحفۃ السعدیہ شرح کلیات ابن سینا کے نام سے بھی معروف ہے، ہفت اقلیم اور دوسرے تذکروں میں اس کا ذکر آیا ہے، حاجی خلیفہ نے اس کو قانون کی بہترین شرح قرار دیا ہے (ج ۲ ص ۲۱)، یہ تصنیف خواجہ سعد الدین کے نام سے معنون ہے، مدرسہ سپہ سالارین اس کا نسخہ بھی محفوظ ہے، المنہی فی

شرح المعجز کاذرونی کے مآخذ میں ہے، (برٹش میوزیم)

۶۔ شرح مختصر الاصول ابن حاجب مصنف نے اس کا تذکرہ مفتاح المفتاح اور التحفة المستدین میں کیا ہے، حاجی خلیفہ کی نظر سے بھی اس کا نسخہ گزرا تھا،

۷۔ فتح الحنان فی تفسیر القرآن معروف بہ تفسیر علامی (نسب بہ علامت طب الدین) حاجی خلیفہ نے اس کو چالیس جلدوں میں بنایا ہے، مصنف نے علوم عقلیات سے مناسبت رکھنے کے باوجود آیات کی تفسیر میں منقولات کے حدود سے تجاوز نہیں کیا ہے، اس کی پہلی جلد کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہے،
۸۔ حاشیہ برکشاف رخصتمی، یہ دو جلدوں میں جو (کشف الظنون ج ۲ ص ۳۱۱)

۹۔ رسالۃ فی بیان الحاجة الی الطب واداب الاطباء، اس کا ایک نسخہ جو ۱۳۹۱ھ کا مکتوبہ کتب خانہ خدیویہ میں موجود ہے، لیکن یہ رسالہ کسی نام سے موسوم نہیں، رسالہ کی اصل عبارت اسی فقرہ سے شروع ہوتی ہے، جو بطور اسم درج کیا گیا،

حاشیہ بر حکمۃ العین، علامہ نجم الدین ترمذی المتوفی ۷۸۰ھ کی حکمۃ العین پر یہ حاشیہ ہے جس کو شمس محمد بن مبارک شاہ بخاری نے اپنی شرح حکمۃ العین میں تمام وکمال نقل کر لیا ہے، اور فی الحاشیہ القطبیہ لکھنؤ اپنی شرح سے اس کا امتیاز قائم رکھا ہے، شرح حکمۃ العین کا یہی نسخہ اس زمانہ میں طلبہ میں عام طور پر متداول ہے،

۱۱۔ درۃ التاج لغزۃ الدباج، مصنف کی یہی وہ تصنیف ہے، جس کا قلمی نسخہ آپ کے دوست کے پاس اودھ مطبوعہ نسخہ ہمارے سامنے موجود ہے، یہ تصنیف امیر دہلی بن فیل شاہ کی خواہش سے لکھی گئی، اور اسی مناسبت سے درۃ التاج لغزۃ الدباج کے نام سے موسوم کی گئی، چنانچہ مصنف نے مقدمہ میں دہلی بن فیل شاہ کے علو نسب و مکارم اخلاق کا تذکرہ کر کے لکھا ہے۔

”پس بوجہ حکم شال معطاء و فرمان مہلا کسرین اوراق اتفاق افتاد و بنام امی صاحب دولت

صائب فکر ت کیون بہت دوران فہمتِ فلک رخت سلک سیرت، تنوع گردانید و آوازِ درۃ التاج

لغزۃ الدباج نام ہناد " (رج ۱ ص ۲۱)

دباج بن فیلسافہ گیلان کا حکمران تھا، الدرر الکامنہ میں اس کو دباج بن قطلی شاہ کے نام نسبت سے موسوم کیا گیا ہے، جو بلاشبہ نسخہ کی غلطی ہے، اس نے ۲۵ سال حکمرانی کی، ۳۱۰ھ میں حج و زیارت کیلئے روانہ ہوا، دمشق کے قریب ۴۵ سال کی عمر میں وفات پائی، اور دمشق میں دفن کیا گیا، (الدرر الکامنہ جلد ۲ ص ۱۰۳)

آگے چل کر لفظ "دباج" ملوک گیلان کا لقب قرار پایا، چنانچہ اسی نے فرست مخطوطات فارسی میں عبدالزاق کی مطلع السعدین اور بعض دوسرے حواون سے دکھایا ہے کہ گیلان کے سلاطین نے یہ لقب اختیار کر لیا تھا، اور ان کا یہ لقب شاہ اسماعیل صفوی کے زمانہ تک قائم رہا،

اس کتاب کی تصنیف کا زمانہ جیسا کہ کتاب کے بعض داخلی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے، ۶۹۳ھ سے ۷۰۰ھ کے اندر ہے، یہ ابن سینا کی کتاب الشفاء کے طرز پر فارسی زبان میں لکھی گئی، کتاب الشفاء اور درۃ التاج میں معجم کتاب کے نظیر نظر سے یہ بنیادی تصنیفی فرق ہے، کہ ابن سینا نے حکمت نظری کے تمام مباحث کی بنیاد منطقی اصولوں پر رکھی ہے، اور علوم ریاضی کو مختصر آجگہ دیا ہے، اور علامہ قطب الدین نے اس کے برعکس علوم ریاضی پر مسائل کی بنیاد رکھی ہے، اور منطقی مباحث کو اختصار سے لیا ہے، پھر وہ اس فرق پر جو کہ ابن سینا کی کتاب الشفاء میں فلسفہ مشائیین کی ترجمانی کی گئی، اور درۃ التاج میں فلسفہ اثرائتین کو پیش کیا گیا ہے، نیز اس میں کتاب الشفاء سے حکمت عملی کا ایک مستقل باب زیادہ ہے جس میں عبادات، نفقہ و سلوک عرفا مندرج ہیں،

اصل کتاب کا اندازہ اس کے ابواب و فصول کی فہرست سے لگایا جاسکتا ہے، کتاب "فاتحہ"

سے شروع ہوتی ہے، جو تین فصلوں پر مشتمل اور ہر فصل تین اصولوں میں منقسم ہے۔

اصل اول، علی الاطلاق نفیست علم کے بیان میں جس میں کتاب و سنت سے علم کے فضائل دکھائے ہیں، اور عقلی دلائل سے انھیں ثابت کیا ہے، پھر اصل دوم نفیست تعلم، اور اصل سوم نفیست تعلیم کے بیان میں ہے، اور ان میں آیات، احادیث، آثار و اخبار دلائل میں جمع کئے گئے ہیں،

اس کے بعد دوسری فصل حقیقت علم کے بیان میں ہے، اور یہ بھی چند اصول میں تقسیم ہے، اصل اول حقیقت علم کی تفصیل میں اصل دوم تصور علم بدیہی ہے، یا کبھی اگر کسی ہے تو اس کی تحدید ممکن ہے یا ناممکن؟ اصل سوم علم کی تحدید کا ممکن لیکن اس کی تریف کا دشوار ہونا، فصل سوم تقسیم علوم کے بیان میں، اور یہ بھی تین اصول میں منقسم ہے، اصل اول علم جو کہ مورد تقسیم بن سکے، اصل دوم علم کی تقسیم حکمی و غیر حکمی میں، اور غیر حکمی کی تقسیم علوم دینی و غیر دینی میں، اصل سوم علوم حکمی و دینی اور ان کی تقسیموں کے بیان میں، اس کے بعد اسی فائدہ کتاب میں کتاب کے ابواب و مسائل کی فہرست مصنف نے درج کی ہے اس سے کتاب کے مباحث نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں، مصنف نے باب کے لئے جملہ کا لفظ اختیار کیا ہے، چنانچہ کتاب حسب ذیل جملوں یا بابوں میں تقسیم ہو :-

جملہ اول، فن منطق میں جو سات جداگانہ مقالوں میں تقسیم ہے،

جملہ دوم، فلسفہ اولیٰ کے بیان میں، یہ دونوں میں تقسیم کیا گیا، فن اول امور عامہ کے بیان میں جس میں سات مقالات ہیں، فن دوم اعراض وجودی و اعتباری کے بیان میں یہ بھی سات مقالات ہیں، جملہ سوم علم اسفل یعنی علم طبی کے بیان میں، یہ بھی دونوں میں تقسیم کیا گیا، فن اول اجسام طبی، فن دوم نفوس و صفات اور ان کے آثار کے بیان میں، دونوں فنون بھی حسب معمول سات سات مقالوں پر مشتمل ہیں،

جملہ چہارم، علم اوسط یعنی علوم ریاضی میں، یہ چار فنون میں تقسیم ہے، فن اول اقلیدس (۵۰ مقالات)

فنِ دوم محبلی (۳۱ مقالات)، فنِ سوم ارشاد طبعی (۲۴ مقالات)، فنِ چہارم علم موسیقی (۲۵ مقالات)،
 چہلم نجم، علم اعلیٰ یعنی علم الہی میں یہ دونوں بینِ یوں، اول عقل اور اس کے آثار عالم جسمانی و روحانی
 (۲۵ مقالات)، فنِ دوم واجب الوجود و وحدانیت نعتِ جلالِ الہی، کیفیتِ فعل وغیرہ (۲۵ مقالات)
 اس کے بعد خاتمہ کتاب جو چار اقطاب پر مشتمل ہو

قطب اول اصولِ دین،

قطب دوم فروعِ دین،

قطب سیم حکمتِ عملی،

قطب چہارم سلوک،

پچھلے ابواب کی طرح ان اقطاب میں بھی تختانی مقالات، مقدمات و مسائل مندرج ہیں،
 مذکورہ بالا اجائی فہرست سے اس کتاب کے گوناگون مباحث و مسائل کا ایک سرسری اندازہ لگایا جاسکتا
 اس تصنیف کی نمایاں خصوصیت یہ ہو کہ اس کے علمی مسائل اور اس کی فلسفیانہ مشنگاریاں، دینی فہم و ادراک کے
 تابع نظر آتی ہیں، اس لئے فلاسفہ و اربابِ عقل اس کی راہِ سودین کے رستہ کو پاسکتے ہیں، اور یونانی فلسفہ و حکمت سے
 متاثر و مانعون میں دینی مباحث و مسائل کے دلائل مستحضر ہو سکتے ہیں اسلئے طبقہ عقل کیلئے یہ ایک سؤمند تصنیف قرار پاسکتی
 اس کتاب کے نقلی نسخے یورپ کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، برٹش میوزیم میں اس کا نمبر ۱۰۹، ۱۰۹، ۱۰۹
 ریونے اس نسخہ کا مفصل حال لکھی ہو، فہرستِ خطوط فارسی برٹش میوزیم ج ۲ ص ۴۴۴ نیز انڈیا آفس میں
 یہ دو نمبروں ۲۲۱۹ و نمبر ۲۲۲۰ میں موجود ہے، اسی طرح دانشا اور برٹن کے کتب خانوں میں اس کے نسخے موجود
 اور مختلف متاخر مستشرقین نے مصنف اور اس کی اس تصنیف کے حانات مختلف فہرستوں میں لکھے ہیں (فہرست
 خطوط فارسی انڈیا آفس جلد ۱ ص ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶ وغیرہ)

اگر علامہ قطب الدین شیرازی کی دوسری تصنیفات کے متعلق بھی جستجو کی جائے تو غالباً یورپ کے مختلف

کتب خانوں میں ان کا سراغ لگ سکتا ہو اور ان کے متعلق مزید معلومات چھتیا ہو سکتے ہیں،

ہندوستان کے اہل علم کے درمیان بھی علامہ شیرازی کی تصنیفات متداول رہی ہیں، چنانچہ مولانا عبدالحیٰ نرننگی محلی مرحوم نے اپنے ایک تعلقین میں ان کی شرح القانون بشرح المختصر، شرح المفتاح، التحفۃ اور نہایت الادراک وغیرہ کے مطالعہ کا تذکرہ کیا ہے (تعلیق بر الفوائد البہیہ ص ۵، ۶) اس لئے یقین ہو کہ ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں بھی ان کی تصنیفات محفوظ ہوں گی، آپ بانکپور، رام پور، اٹھل کالج لاہور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد وغیرہ کی فہرستوں سے ان کا سراغ لگا سکتے ہیں،

درۃ النجاة کا یہ مطبوعہ نسخہ بھی پانچ قلمی نسخوں سے ترتیب پایا ہے، اور بڑے اہتمام سے تصحیح و تنقیح کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اس کے مصحح سید محمد مشکات نے اس پر ایک پر معلومات مقدمہ لکھا ہے، اور اس کو علامہ علیحدہ چند جلدوں میں شائع کیا ہے، ہمارے یہاں اس کی پانچ جلدیں جو سواسواسو، ڈیڑھ ڈیڑھ صفحوں پر مشتمل ہیں، موجود ہیں، پانچویں جلد میں تجلہ پنجم کے علم الہی کے مباحث ہیں، اس کے معنی ہیں کہ چھٹی جلد خاتمہ کتاب اور اس کے چاروں اقطاب کے مباحث پر مشتمل ہوگی، معلوم نہیں آپ کے دوست کے پاس اس کی جو دو جلدیں ہیں، ان میں کہاں تک کے مباحث موجود ہیں، بہر حال جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا، یہ کتاب مطبوعہ کتب میں سے ہے، اس لئے آپ کے نسخہ میں جو نہرت ہو سکتی ہے، وہ اس نسخہ کی ذاتی ہوگی، اس کے مطبوع ہونے کی وجہ سے دائرۃ المعارف حیدرآباد میں شاید اس کے لئے گنجائش نہ ہو البتہ قلمی کتابوں کے شائقین آپ کے نسخہ کی قدر کر سکتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ سطور جب معارف میں شائع ہوں تو ان کے پڑھنے والوں میں سے کوئی صاحب ذوق ایسے نکل آئیں، جو آپ کے دوست کے اس نسخہ کی تصحیح فرمائیں، اور ان کی نگاہ و توجہ سے یہ نسخہ کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائے اور آپ کے دوست کی وقتی ضرورت بھی

پوری ہو جائے، والسلام

اکسٹینسا

ذوق و شوق

از جناب انور کرمانی لاہور

سیل بلا کو بڑھ کے روک تنہی موج سوئے دو
منزل ذوق و شوق کی موت بھی اک ہی گھنٹہ
قید مکان و لامکان توڑ گیا میرا جنون
راز حیات پایا، اپنی خودی میں ڈوب کے
دل کی تناع بے بہا، عشق کا جذبہ بلند
میری یہ آہ نیم شب، میرا یہ نالہ سحر
عزم حسین سے ہر فاش، مہنی لالہ کا راز
اب بھی لبِ فرقت سواقی ہو بانگِ لادن کا
نکتہ راہِ ہوش و کیف کھول کر کیا کر دے
عقل کا مدعا ہے عشق کی آرزو نظر
آتش گل بھڑک اٹھی شعلہ نوا ہے عندلیب
کس کے نفس کے سوز سے صحن چن ہی پڑ شہر
محرکہ وجود میں راز یہی بقا کا ہے
زندہ و جاوداں ہو وہ جس کی نظر ہو خود نگہ
اٹھنے کو ہے وہ انقلاب، سینہ کا ناست
جس کے لئے ہیں نعرہ و ماہ چشم براہ سربسیر

یوں دلِ نابھور ہو سینے میں پائمالِ غم!

عائزک بہار ہو جیسے کوئی شکستہ پر

غزل

از جناب رمز گنوری

دل و دماغ پہ چھایا ہوا ہے رنگِ جمود
ادھر بھی دیکھے ادھر گس خمار آلود
ننگا و شوق سے ستور دل میں ہے موجود
کہ ادس کی ذات ہو آئینہ دار غیبِ شہو

خوشایہ دورِ محبت یہ ساعتِ مسعود
دہ سانسے بن مرے اور میں ہوں مجھ کو
تجلیوں کی یہاں تک ہوئی فراوانی
کہ دامنِ نگہ شوق ہو گیا محدود
تصرفِ نگہ مست اسے معاذ اللہ
کہ آج قوبہ مری ہو گئی شرابِ آلود
میں اوس کو دیکھ کے دیوانہ ہوتا جانا
سنبھال اب مجھے نیرنگیِ طلسم نمود
سرشکِ غم کا تسلسل نہ ڈٹنے پائے
بھرے رہیں مرے دامن میں گو ہر مقصود
یہ سہر و سہر ہوا میں یہ چاندنی راتیں
پلا دے ساقی موش اب آتش بے دود
اب آستان پر اجازت ہو ایک سجدہ کی
کہ دل سے تاجِ جین آگیا ہے ذوقِ بچہ
بنادے عالمِ باطن کو عالمِ ظاہر
کہ ہر مقام سے میں چاہتا ہوں تیری نو

محبت اصل حقیقت ہے چھپ نہیں سکتی

کہ رزمِ کوششِ اخفا سے رازِ حجبے سہو

بھول گئے!

از جناب شفیق منصور ایم اے ثلثہ

اب رنگ بہار ان کیا کئے، سب رنگ بہاراں بھول گئے
شب ہائے خزان کی غلٹ میں ہم صبح کھلتاں بھول گئے
سب بھول گئے کچھ یاد نہیں کیوں مر لب میں کیا کئے
کچھ تو ہی تباہے ہم کیا کیا غفل جانان بھول گئے
اک روز جو ان کے شانے پر بکھری تھی و نورستی میں
ہم شامِ غمِ الفت کی قسم وہ زلفِ پیشانی بھول گئے
کچھ دیکھا تھا ان آنکھوں میں کیا دیکھا تھا اب کیا کئے
کیا یاد کریں کچھ یاد بھی ہو سبیدہ حیران بھول گئے
اب یاد کریں ہم کیا ان کو، اب یاد کریں وہ کیا ہم کو
سب خواب کی باتیں تھیں شاید خوابِ پیشانی بھول گئے

اب صحرائے پھر ناکیا، اب روزِ ناکیا اب ہنسنا کیا!

منصور و نور الفت کے وہ رنگ نمایاں بھول گئے!!

مکتبہ عالیہ مطبوعات

ماہی پڑ و ترجمہ جناب مرزا محمد بشیر صاحب قلعہ بڑی فصاحت ۱۳۲ صفحہ، کانڈکت بت و طباعت بہتر

قیمت مجلد سے ریخیر مجلد عارضہ پتہ انجمن ترقی اردو ہند دہلی،

شادی آباد عرٹ مانڈ (الوہ) ایک قدیم تاریخی مقام ہے، جو کم و بیش ڈیڑھ صدی تک اسلامی حکومت کا دارالسلطنت رہ چکا ہے، یہ حکومت سلطان محمد بن فیروز قلعہ بادشاہ دہلی کے ایک سیر لا اور خان غوری نے چودھویں صدی عیسوی کے آخرین قاکم کی تھی، سولہویں صدی کے نصف اول میں سلطان محمود ظہی پر اس سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا، لیکن کبری دور تک چنگ مالوہ کا احاطہ دہلی کی مرکزی حکومت سے نہ ہو گیا، یہاں خلف حکمران ہوتے رہے، ان میں دلاور خان غوری، ہوشنگ غوری، محمود ظہی اول، سلطان غیاث الدین اور باز بہادر نے شادی آباد میں بہت سے محلات مسجدیں مدرسے، باولیان، حوض تالاب اور دوسری عالیشان عمارتیں بنوائیں، جو اپنے دور کے فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ تھیں، مانڈ و کا عظیم اٹان قلعہ خاص طور سے اہم تاریخی یادگار ہے، اس حکومت کے خاتمہ کے بعد مالوہ کی آب و ہوا کی خوبی اور دلکش مناظر کی وجہ سے تیموری سلاطین کو بھی اس سے خاص تعلق رہا، اور وہ سیر و تفریح کے لئے وہاں جایا کرتے تھے، شاہجہان کو خاص طور سے مالوہ کی آب و ہوا پسند تھی، اس لئے تیموریوں نے بھی یہاں بعض عمارتیں بنوائیں، اور پرانی عمارتوں کی مرمت کرائی، ان میں سے بعض عمارتیں دست برد زانہ سے کھنڈر بن چکی ہیں، لیکن بعض محکمہ آثار قدیمہ اور ریاست دھار کے بدولت اب تک قائم اور اپنی عظمت گن گشتہ کی یاد دلا رہی ہیں جناب غلام زیدانی صاحب، نظم محکمہ آثار قدیمہ ریاست حیدرآباد نے جگہ آثار قدیمہ کی خاص شہرت ان عمارتوں کا مشاہدہ کر کے ان کے حالات میں انگریزی میں ایک کتاب مانڈ دہلی سٹی آف جوائے لکھی تھی، جو اس گفور ڈیوٹی

پریس سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے، مذکورہ بالا کتاب اس کا اردو ترجمہ ہے، ایسے مانند وہیں اسلامی حکومت کی مختصر تاریخ اور اس کے آثار و تدبیر کے مفصل حالات ہیں، بعض عمارتوں کے فوٹو کے چرے بھی دیدیے ہیں، اور ^{فنی نقطہ} نظر سے ہر عمارت کی تعمیر کی خصوصیات اس کی موجودہ حالت اور جان مکمل کے ہیں، ان کے تاریخی حالات و تبدیلیں، اور جن کتابوں اور تصانیف میں ذکر آیا ہے، ان کے بیانات بھی نقل کر دیئے ہیں جس سے اس کتاب کی تاریخی قدر و قیمت بڑھ گئی ہے، مانند وہیں اسلامی دور کی تاریخ و خاموش ہو چکی تھی، اس کتاب سے اس کی تجدید ہو گئی، اس کی اشاعت سے اردو میں ایک مفید تاریخی کتاب کا اضافہ ہوا،

مشرق بعید از جناب شاہ حسین صاحب رزاقی تقیہ چھوٹی ضخامت ۱۳۲ صفحے، کاغذ کتبہ

و طباعت بہتر قیمت: - یہ کتاب دارالاشاعت سیاحہ اشاعت منزل اردو لکھی حیدر آباد دکن ہندوستان سے مشرق بعید کی قربت کے باوجود اردو میں اس کے متعلق بہت کم معلومات ہیں، چنانچہ کی حوصلہ مند یوں نے مشرق بعید کی سیاست کو بین الاقوامی مسئلہ بنا دیا ہے، اس کے پیش نظر جناب شاہ صاحب رزاقی نے اس ضروری موضوع پر یہ کتاب لکھی ہے، کتاب کے شروع میں مشرقی ملکوں پر قبضہ اقتدار کے لئے یورپین حکومتوں کی گذشتہ اور موجودہ کشمکش کی تاریخ اور اس کے نتائج بیان کئے ہیں، اس کے بعد بحوالہ اکابر کے تمام بڑے بڑے جزائر اور اس کے ساحلی ملکوں کی گذشتہ تاریخ و موجودہ حالات اور ان میں یورپین طاقتوں کی مداخلت اور سیاست کی مختصر سرگزشت بیان کی گئی ہے، جس سے ان ملکوں کے متعلق جلد ضروری معلومات حاصل ہو جاتے ہیں، کتاب مفید اور پڑھنے کے لائق ہے،

زندہ روس مرتبہ ادارہ نیا ادب تقیہ بڑی ضخامت ۶۰ صفحے، کاغذ معمولی کتابت و

طباعت بہتر قیمت و روپیہ: - کتاب خانہ دانش محل این الدولہ پارک لکھنؤ،

ترقی پسند ادیبوں نے ایک خاص طرز کے نئے ادب کے علاوہ سویت روس کے متعلق سنجیدہ و مزید مباحثہ کرنے کی بہت کم کوشش کی، اس موضوع پر جو چند متفرق مضامین لکھے ہیں، ان کو ادارہ نیا ادب نے کتابی شکل

مین مرتب کر دیا ہو، یہ مضامین اشتراکیت کے مقصد سویت حکومت کے نظامِ روسی کسانوں اور مزدوروں کی زندگی، ان کی تنظیم موجودہ روسی لٹریچر افسانے ڈرامے اور دوسرے فنون اور دورانِ جنگ میں روسی ادیبوں اور فن کاروں کی قلمی خدمات وغیرہ سے متعلق ہیں، ایک حصہ ان افسانوں کا بھی ہے، جن سے انقلابِ روس اور موجودہ سویت زندگی کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، چند انقلابی ترانے بھی ہیں، سجاد ظہیر صاحب کا مضمون نسبتاً زیادہ مفید ہے، اس کتاب سے سویت روس کے مختلف پہلوؤں کے متعلق متفرق معلومات حاصل ہو جاتے ہیں

مشاہیر کی بیویاں (حصہ اول) از جناب طاہر درخت تقطیع چھوٹی صفحات ۸، صفحے کاغذ

کتبت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ روپے :- دارالاشاعت سیاسیہ حیدر آباد دکن،

اس کتاب میں یورپ کے کچھ موجودہ مشاہیر، اسٹالن، مسولینی، چرچل، روزویلٹ، جبریل فرزاگو، ڈیوڈ کی بیویوں کے حالات ہیں یہ وہ اکابر ہیں جن کو اپنے ملکوں میں بادشاہوں سے زیادہ عظمت و شان اور اختیار حاصل ہیں، اور انھوں نے اپنی قوم و ملک کے لئے جو کارنامے انجام دیئے ہیں، وہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں یہ حالات اس نقطہ نظر سے لکھے گئے ہیں جن سے یہ اندازہ ہو سکے کہ ان عورتوں نے اپنے شوہروں کی خانگی، قومی و سیاسی زندگی میں کیسی رفاقت کی ہے، اور ان کی ترقی اور ان کے کارناموں میں ان کی بیویوں کی رفاقت کا کتنا بڑا حصہ ہے، یہ حالات ان تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کے لئے خاص طور سے سبق آموز ہیں، جن کا مقصد تئیش اور آزادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، اس سے ان کو معلوم ہو گا کہ دنیا کے بڑے بڑے اور نامور انشائیں کی بیویوں نے ان کی زندگی کے مختلف مراحل میں کس دلسوزی سے رفاقت کی ہے، کتاب مفید اور دلچسپ ہے، دوسرا حصہ مشاہیر مشرق کے حالات میں ہو گا،

دیوان بہرام، مرتبہ جناب سلم منیائی، ایم اے، تقطیع بڑی صفحات ۱۲، صفحے کاغذ، کتبت و

طباعت بہتر قیمت مجلد ۱۱، غیر مجلد ۱۲، پتہ انجمن ترقی اردو، ممبئی،

اس زمانہ میں جب کہ اردو ہندی کا مسئلہ نہ پیدا ہوا تھا، اور سارے ملک کی مشترک اور علمی زبان اردو

کبھی جاتی تھی، پارسی، یورپین اور گھوٹانڈین ملک اور ذربان سے بچھی رکھتے تھے، اور جن کو شعر و سخن کا مذاق تھا وہ اس میں شاعری کرتے تھے، ان کی شاعری کے نمونے اردو میں موجود ہیں، انہی میں ایک پارسی شاعر بہرام جی جاماسب بھی دستور تھے، ان کا زمانہ کچھ بہت قدیم نہیں ہے، سہ ۹۹۵ء میں ان کا انتقال ہوا، وہ اردو میں صاحب دیوان تھے، جناب سلم ضیائی نے ایک مقدمہ کے ساتھ اس دیوان کو مرتب اور انجمن ترقی اردو نے شائع کیا، دیوان خاصہ ضخیم ہے، گو کلام زیادہ بلند نہیں ہے، لیکن ایک پارسی کو دیکھتے ہوئے بہت غنیمت ہے اور بہت سے اشعار تو نہایت صاف اور شستہ ہیں، کلام کا رنگ وہی قدیم ہجو جو اس زمانہ میں رائج و مقبول تھا، حسن ادب و مگر فسانے، از جناب شوق امرتسری تقطیع چھوٹی جہانت ۳۷۲ صفحے کا غذا کتابت

و طباعت بہتر قیمت پیر، پتہ ملک محمد عارف خان پبلشر کشمیری بازار لاہور،

ترقی پسندوں کے ذریعہ جس قسم کے پست و مخرب اخلاق انسانوں کی اشاعت ہو رہی ہو، وہ غنی نہیں عورتیں غلط فکر و کردار و زندگی پس ہوتی ہیں، اسلئے ان پر اس لٹریچر کا نہایت ناگوار اثر پڑ رہا ہو اور بعض نوجوان تعلیم یافتہ لڑکیاں اس ادبی فزین میں گرفتار ہو کر اس ادنیٰ درجہ کے پست انسانوں کی رومان کو اصلی زندگی سمجھنے لگتی ہیں جس کے نتائج کھانکے سامنے آتے رہتے ہیں، از جناب شوق امرتسری نے اسکی اصلاح کیلئے یہ اخلاقی افسانے لکھے ہیں ان میں عورتوں کی اخلاقی زندگی تربیت و ران کی سیرت کی اصلاح و تعمیر کو خاص طور سے پیش کیا گیا ہو، اس حیثیت کو یہ افسانے قابل قدر ہیں لیکن ان میں ادبی دلکشی کے بجائے واقعہ نگاری کا رنگ آگیا، اخلاقی نصائح کو بھی کچھ خوشگوار نہیں ہوتے، اس لحاظ سے کہ ان کو دلکش انداز میں پیش نہ کیا جائے اس وقت ان کا اثر نہیں ہوتا، خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ اس کا مقابلہ ترقی پسند ادبی نگارین کی غیر معمولی خالصتاء، از جناب ایم اسلم تقطیع چھوٹی جہانت ۲۷۲ صفحے کا غذا کتابت و طباعت بہتر قیمت پیر

پتہ عبدالحمید اکیڈمی اشاعت منزل اردو بازار حیدرآباد دکن،

خانقاہ جناب ایم اسلم کے افسانوں کا نیا مجموعہ ہجوان کے افسانے تعارف و تبصرہ کی مستغنی ہیں ان افسانوں میں مصنف کی تمام انسانی خصوصیات موجود ہیں اور حسن انشا، اور حسن تخیل و دونوں کا فاسد و پچھا ور پڑھنے کو دلچسپی

